علمِ تصوّف کی اہم کتاب "الرِّسالۃُ القُشَیریۃ" کا ترجمہ بنام

تصوّف کا انسائیکلوپیڈیا

مصنّف
امام ابو القاسم عبدالکریم ہوازن القُشیری رحمہ اللہ
۳۷۶ھ - ۴۶۵ھ

مترجم
محمد عبدالنّصیر بن عبدالبصیر العلوی

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور
فون: 042-7224228-7355743

الرسالة القشيرية

تصوف کا انسائیکلوپیڈیا

علمِ تصوف کی اہم کتاب الرسالۃ القشیریۃ کا ترجمہ بنام

تصوف کا انسائیکلوپیڈیا

مصنف

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ

۳۷۶ھ - ۴۶۵ھ

مترجم

محمد عبد النصیر بن عبد البصیر العلوی

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب .... تصوف کا انسائیکلوپیڈیا

مصنف .... امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ .... محمد عبدالنصیر بن عبدالبصیر العلوی

ناشر .... مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

تعداد ۱۱۰۰

فہرست مضامین

باب

اصطلاحات تصوف

باب

شوق

باب

مشائخ کا پاس خاطر اور ان کی مخالفت نہ کرنا

باب

سماع

باب

اولیاء اللہ کی کرامتیں

اجمالی فہرست

عرض مترجم

الحمد للّٰہ رب العالمین ،اکمل لنا الدین ،واتم علینا النعمة ،ورضی لنا الاسلام دیناً، وامرنا بالتمسك به الی الممات ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾(آل عمران:۱۰۲)

اللهم صل وسلم وبارك علی عبدك ورسولك ، نبینا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین۔

وبعد:

اللہ پاک نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے،ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾(الذاریات:۵۶)

اسی میں ان کی عزت وشرف ہے،اور اسی میں ان کی دنیا وآخرت کی سعادت ونیک بختی کا سامان ہے، کیونکہ بندے ہر لمحے اپنے ربّ کے فضل وانعام کے محتاج ہیں،جبکہ رب ان سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے۔عبادت مخلوق پر اللہ کا حق ہے،عبادت کا فائدہ مخلوق ہی کو پہنچتا ہے،سو جس نے اللہ کی بندگی سے روگردانی کی،وہ مستکبر ہے،جس نے اس کے ساتھ غیر کی بھی عبادت کی،وہ مشرک ہے،جس نے اس کی بندگی کے ساتھ ساتھ اس کی شریعت سے ہٹ کر بھی عمل کیا،وہ مبتدع ہے۔اور جس نے صرف اسی کی شریعت کی پاسداری کی،وہی مؤمن موحد ہے۔

جب بندوں کے لئے عبادت کے بغیر چارہ کار نہیں ،اور وہ خود بخود اس ذات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے تو اس ذات نے ان پر اپنا کرم کیا اور ان کی طرف انبیاء اور رسل مبعوث فرمائے اور اس عبادت کی حقیقت کے بیان کے لئے اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔

عبادت اسی وقت درست ہو سکتی ہے،جب وہ رب کی وضع کردہ شریعت کے موافق ہو،کیونکہ یہ توقیفی ہے،یعنی انسانی

عقل کی محتاج نہیں، دوسرے یہ کہ خالص اسی کی ذات کے لئے ہو، شرک کے شائبے سے بالکل پاک ہو، کیونکہ شرک اسے باطل کر دیتا ہے۔ عبادت میں بندوں کے لئے قدوۂ حسنہ اور اسوہ حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے، جب تک بندگی آپ ﷺ کی بندگی کے موافق ہوگی' کامل ہوگی، اور جب اس اسوے سے ہٹنا شروع ہو جائے گی' ناقص ہوتی جائے گی۔

عبادت کے لئے ایک اہم عنصر' صفائی وطہارت قلب ہے، جب تک انسان علائق دنیا سے تعلق توڑ کر رب کی طرف مکمل توجہ نہیں کرے گا، عبادت کی تکمیل نہ ہوگی، تکمیل عبادت کے اسی زینے کا نام ''تصوف'' ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علم تصوف اس علم کا نام ہے' جو ولیوں کے دلوں میں اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے، جب کتاب وسنت پر عمل کرنے سے منور ہو جاتے ہیں۔ پس جو کوئی ان دونوں پر عمل کرے گا، اس پر اس سے ایسے علوم آداب واسرار وحقائق منکشف ہو جائیں گے، جن کے بیان سے زبان عاجز ہے۔

اس کی مثال ویسی ہی ہے کہ جب علمائے شریعت اپنے علم پر جو ان کو شریعت کے احکام کا ہے، عمل کرتے ہیں' تو ان پر اس کے احکام روشن ہو جاتے ہیں، اس لئے تصوف اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ احکام شریعت پر بندے کے عمل کرنے کا ماحصل ہے، بشرطیکہ اس کا عمل علتوں اور نفس کی لذتوں سے پاک ہو، جیسا کہ علم معانی وبیان، علم نحو کا لب لباب ہے۔

اس بناء پر جس نے تصوف کو مستقل علم قرار دیا ہے، وہ بھی سچا ہے، اور جس نے اس کو خود احکام شریعت ہی کہا ہے، وہ بھی سچا ہے... جیسا کہ علم معانی وبیان کو الگ علم کہنے والے اور علم نحو میں داخل کرنے والے دونوں ہی درست کہتے ہیں، البتہ اس بات کا علم صرف اسی کو ہو سکتا ہے کہ تصوف کی نہر شریعت ہی کے چشمے سے نکلتی ہے، جس کو شریعت کے علم میں ایسا تجربہ ہو کہ اس کی تہ کو پہنچ گیا ہو'' (لواقح الانوار فی طبقات الاخیار)

اس وضاحت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تصوف شریعت سے ماوراء نہیں، بلکہ بقول امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ:

''جن حضرات کو اللہ پاک نے اپنے دین کے لئے چن لیا ہے، وہ سب کے سب شرع میں قابل اعتماد ہیں، اس لئے جو کوئی باریک بینی سے کام لے گا، اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اہل اللہ کے علوم میں سے کوئی چیز بھی شریعت سے باہر نہیں''

جسے تصوف شریعت سے متجاوز دکھائی دیتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے علم تصوف میں تبحر حاصل نہیں۔

باقی رہی تصوف کی اصطلاح کی بات، تو حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ ابتدائے زمانہ اسلام میں معروف نہ تھا، امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ

رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس زمانے کے مسلمانوں کے اکابر نے حضور ﷺ کی صحبت کے علاوہ کسی نام کو اپنے لئے پسند نہیں کیا، کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہ تھی، چنانچہ انہیں صحابہ کہا گیا۔

جب دوسرے زمانے کے لوگ آئے تو جنہوں نے صحابہ کی اتباع کی' انہیں تابعین کہا گیا۔ انہوں نے اسے بہت شرافت کا لقب خیال کیا۔ پھر ان کے بعد کے لوگوں کو تبع تابعین کے لقب سے نوازا گیا۔

پھر لوگ مختلف ہو گئے اور مختلف مراتب بن گئے۔ جن لوگوں کا دین سے گہرا تعلق تھا' ان خاص لوگوں کو زاہدین اور عابدین کہا گیا۔

پھر بدعات کا راج ہو گیا۔ مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقے نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ ان میں زاہد ہیں۔ خواص اہل سنت نے اپنے لئے تصوف کے نام کو پسند کر لیا' جو کہ اپنے دلوں کو غفلت کے دبیز پردوں سے محفوظ رکھے ہوئے تھے اور اپنے انفاس کا پاس معیت خداوندی میں رکھنے والے تھے۔ ان اکابر کیلئے یہ نام دوسری صدی ھجری سے قبل ہی مشہور ہو چکا تھا۔'' (الرسالة القشيرية)

جبکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لفظ ''الصوفية'' ابتدائی تین صدیوں میں معروف نہ تھا، اس کے بعد ہی یہ لفظ زبان زد خلائق ہوا، بہت سے ائمہ اور مشائخ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے بھی اس کا تلفظ کیا، جیسے امام احمد بن حنبل، ابوسلیمان دارانی، سفیان ثوری اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، وغیرھم'' (مجموع الفتاوی)

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دور اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا ہے کہ اس میں اس فرقے کا شیخ موجود ہو اور اس زمانے کے علماء وائمہ نے اس شیخ کے آگے گردن نہ جھکائی ہو، اور اس سے عاجزانہ پیش نہ آئے ہوں اور برکت حاصل نہ کی ہو اور اگر ان کو یہ فضیلت وخصوصیت حاصل نہ ہوتی 'تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا'' (الرسالة القشيرية)

لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ صوفیاء میں بھی کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے، جنہوں نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر سلف کے منہج سے ہٹ کر راہ اپنالی۔ جب امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورتحال کا جائزہ لیا' تو ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایسا تحریری مواد مرتب کیا جائے جو اس راہ کے سالکین کے لئے مشعل راہ ہو، انہیں اسلاف کے طور طریقے سے آشنا کروائے، اور تقرب الی اللہ حاصل کرنے کا راستہ دکھائے۔

چنانچہ زبان وقلم کے نابغۂ روزگار نے جب قدم اٹھایا تو ان کی سعی حاصل ''الرسالة القشيرية''کی صورت میں عیاں ہوئی، یہ کتاب کیا ہے؟ درحقیقت ''تصوف کا انسائیکلوپیڈیا'' ہے...اس میں زبان وادب کی چاشنی بھی ہے،اور طریقت وسلوک کی لذت بھی، جہاں اس میں قرآن وحدیث کے انوارات ہیں، وہیں اس میں اسلاف کے اقوال وافعال کی برکات بھی ہیں۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

① اعلام تصوف کے حالات،اقوال اور افعال،تاکہ مرید کے لئے سلوک کی راہ پر یہ نمونے کا کام دے سکیں۔

② خود اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نے اس میں اس طریقے کے شیوخ کے آداب، اخلاق، معاملات، عقائد،ان کے وجدانی اشارات اور ابتداء سے انتہاء کی طرف ان کی ترقی کو ذکر کیا ہے''

کتاب کی ابتداء میں صوفیاء کے عقائد کو قرآن وحدیث سے مؤید کیا ہے ،تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان اکابر کے عقائد شریعت سے متصادم نہیں ، پھر شیوخ کے حالات کو ذکر کیا ہے،اور پھر تصوف کی اہم اصطلاحات کا احاطہ فرمایا ہے،جبکہ آخر میں سالکین کے لئے عمدہ نصائح فرمائی ہیں۔

کتاب کا طرز بیان انتہائی سادہ،دلکش،شیریں اور عمدہ ہے،ہر باب کا آغاز قرآن وحدیث کی متعلقہ نصوص سے کرتے ہیں،پھر شیوخ کے اقوال اور افعال سے اسے مزین کرتے ہیں،اکثر مقامات پر ان کے ایسے اقوال کی وضاحت بھی کرتے ،جن سے مبتدی کو اشکالات ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

کتاب کی افادیت کے پیش نظر'جب مکتبہ رحمانیہ'لاہور،کے منتظمین نے ہماری توجہ کتاب کے ترجمے کی طرف مبذول کروائی'تو خاصے غور وخوض کے بعد،تو کلاً علی اللہ اس کے ترجمے کی حامی بھر لی گئی۔جب ترجمہ شروع کیا گیا تو بعض طباعتی اغلاط نے اس بات پر مجبور کیا کہ عربی متن کے مختلف نسخے حاصل کئے جائیں،چنانچہ اس معاملے میں بھی منتظمین مکتبہ رحمانیہ نے خصوصی معاونت فرمائی،اور بالآخر ہم چار نسخے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے،جن میں سے دو کو ہم نے اس ترجمے کا ماخذ بنایا ہے:

① دار الکتب العلمیہ ، بیروت، لبنان سے ۲۰۰۱ء/۱۴۲۲ھ میں طبع شدہ نسخہ،جو کہ شیخ خلیل المنصور کے حواشی سے مزین ہے۔

② دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان سے ۲۰۰۵ء/ ۱۴۲۵ھ میں طبع شدہ نسخہ،جو کہ شیخ احمد عنایہ اور ڈاکٹر محمد اسکندرانی کی تحقیق کے ساتھ چھپا ہے۔اس نسخے میں شیخ الاسلام زکریا بن محمد الانصاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح کا اضافہ بھی ہے۔

ترجمے میں جن احادیث کی تخریج لگائی گئی ہے، وہ عموماً اسی مؤخر الذکر نسخے سے حاصل کردہ ہے۔

ترجمے کی تحقیق وتصحیح میں ہم نے "الحمدللہ" اپنی سی مکمل کوشش کی ہے، لیکن پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے، غلطی کا صدور اس سے بدیہی امر ہے، اگر آپ کو اس میں کہیں عمدگی دکھائی دے تو اسے اللہ کے فضل واحسان کی طرف منسوب کیجئے، اور جب آپ کسی غلطی پر مطلع ہوں، تو اسے ہمارے نفوس کی کوتاہیوں کی طرف منسوب کیجئے۔

اخیر میں اللہ پاک سے دعاء ہے کہ وہ اس ترجمے کو خالصۃً اپنی ذات کے لئے قبول فرمائے اور نافع خلائق بنائے، اور مؤلف رحمۃ اللہ علیہ، مترجم، اور جملہ معاونین کی فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

والسلام

محمد عبد النصیر العلوی

حالات امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام یوں تھا:

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد استوائی' قشیری' نیشاپوری' شافعی۔

قشیری اصل میں نسبت ہے، قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کی طرف۔

ربیع الاول ۳۷۶ھ میں، استواء کے علاقے میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابھی آپ کے ایام طفولت تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہوگیا، یوں یتیم ہونے کی حیثیت سے آپ نے پرورش پائی۔

نجابت آپ میں بچپن ہی سے تھی، چنانچہ آپ نے ابوالقاسم یمانی' ادیب کے پاس علم ادب اور عربی پڑھنا شروع کی، جلد ہی آپ کو اس میں خاصی دسترس حاصل ہوگئی۔ لیکن آپ کو حساب سے واقفیت حاصل نہ تھی، چنانچہ اپنے علاقے استواء کی نظامت سنبھالنے کے لئے اس کی اشد ضرورت تھی، چنانچہ آپ نے علم حساب پڑھنے کے لئے نیشاپور کا سفر کیا اور وہاں علم حساب کی تعلیم حاصل کی۔

اسی زمانے میں آپ کو امام استاذ ابوعلی الدقاق رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس وعظ میں جانے کا اتفاق ہوا، دقاق اپنے زمانے کے مایہ ناز واعظ تھے، قشیری نے جب دقاق کی مجلس میں نورانیت اور خلوص وتقوے کے آثار دیکھے، سامعین کو دقاق کے پراثر وعظ سے متاثر ہوتے دیکھ کر قشیری' دقاق کے حلقہ احباب میں شامل ہوگئے، اور سلوک کی راہ پر گامزن ہوگئے۔

دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے قشیری کے اندر نجابت کو بھانپ لیا تھا، چنانچہ انہیں پہلے اپنے مریدین میں شامل کیا، پھر کچھ ہی عرصے کے بعد انہیں اپنے خاص حلقہ احباب میں شامل کرلیا، اور قشیری سے کہا کہ وہ تعلیم وتعلم کی طرف متوجہ ہوں، چنانچہ قشیری نے فقیہ ابوبکر طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہ کے درس میں شمولیت اختیار کرنا شروع کردی، جب علم فقہ میں خاصی دسترس حاصل ہوگئی، تو امام استاذ ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زانوئے تلمذ طے کرنے لگے اور ان سے علم کلام اور منطق وفلسفہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد امام ابو اسحاق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ تلامذہ میں شمولیت اختیار کی اور ان سے ابن باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں پڑھیں۔

دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے قشیری کو اس قدر تقرب بخشا کہ اپنی صاحبزادی 'فاطمہ' کا نکاح ان سے کر دیا، دقاق کی وفات تک 'قشیری ان کی صحبت میں رہے، اور ان کی وفات کے بعد امام ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا اور ان کے حلقہ احباب میں شمولیت اختیار کر لی۔

وعظ و بیان میں قشیری بے نظیر تھے، نہ صرف یہ، بلکہ تحریر کے میدان میں بھی یکتائے زمانہ تھے، گھڑ سواری اور اسلحے کے استعمال سے بھی بخوبی واقف تھے، ان کے زمانے میں تصوف کی ریاست ان پر ختم تھی، نرم مزاج 'لطیف اشارات کے مالک، معانی کی گہرائی سے واقف اور نابغہ روزگار شخصیت کے مالک تھے۔

امام عبد الغافر نیشاپوری، ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"**الامام مطلقاً، الفقیه، المتکلم، الاصولی، المفسر، الادیب، النحوی، الکاتب الشاعر، لسان عصره، سید وقته، سر الله بین خلقه، مدار الحقیقة، عین السعادة، قطب السیادة، من جمع بین الشریعة والحقیقة...**"

مندرجہ ذیل حضرات سے قشیری نے سماع کیا:

ابو الحسین الخفاف، ابو نعیم اسفرائینی، ابو بکر بن عبدوس الحیری، عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی، ابو نعیم احمد بن محمد المہرجانی، علی بن احمد الاھوازی، ابو عبد الرحمٰن السلمی، ابو سعید محمد بن ابراہیم الاسماعیلی، اور ابن باکویہ الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ۔

ابو سعد سمعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کاملیت اور براعت میں امام ابو القاسم کے کوئی ہم پلہ نہ تھا، آپ نے شریعت اور حقیقت کو یکجا کر دیا"

مندرجہ ذیل حضرات نے آپ سے روایت کی:

آپ کے صاحبزادے عبد المنعم، پوتے ابو الاسعد ھبۃ الرحمٰن، ابو عبد اللہ الفراوی، زاہر الشحامی، عبد الوھاب بن شاہ الشاذیاخی، وجیہ الشحامی، عبد الجبار الخواری، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ البحیری، وغیرہ۔

ابو الحسن الباخزری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "**دمیة القصر**" میں رقم طراز ہیں:

"قشیری کا تحذیر کا کوڑا اگر چٹان پر مارا جائے تو وہ پگھل جائے، اور اگر ابلیس ان کی مجلس وعظ میں بیٹھ جائے تو توبہ کر لے، بات کی عمدگی میں حرف آخر تھے، جیسا کہ علم کلام میں اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یکتائے زمانہ تھے"

امام عبد الغافر فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

استاذ عبدالکریم اتوار کے روز سولہ ربیع الثانی، ۴۶۵ھ کو دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

آپ کا انتقال نیشاپور میں ہوا اور اپنے شیخ استاذ ابو علی الدقاق رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

اسماعیل پاشا بغدادی نے 'ھدیۃ العارفین' میں آپ کی درج ذیل کتب شمار کی ہیں:

اربعون فی الحدیث

استفاضۃ المرادات

بلغۃ المقاصد

التخبیر فی علم التذکیر فی معانی اسم اللہ تعالی

التیسیر فی علم التفسیر

عیون الاجوبۃ فی فنون الاسئلۃ

الفصول فی الاصول

کتاب المعراج

لطائف الاشارات فی تفسیر القرآن

المنتھی فی نکت اولی النھی

ناسخ الحدیث ومنسوخہ

نحو القلوب

حیاۃ الارواح والدلیل الی طریق الصلاح

شکایۃ اھل السنۃ بحکایۃ ما نالھم من المحنۃ

منثور الخطاب فی شھود الالباب

مقدمہ کتاب

الحمد لله الذی تفرد بجلال ملکوته، وتوحد بجمال جبروته، وتعزز بعلو احدیته، وتقدس بسمو صمدیته، وتکبر فی ذاته عن مضارعة کل نظیر ، وتنزه فی صفاته عن کل تناهٍ و قصور، له الصفات المختصة بحقه ،والآیات الناطقة بانه غیر مشبه بخلقه۔

فسبحانه من عزیز، لا حد یناله ، ولا عد یحتاله ، ولا امد یحصره ، ولا احد ینصره ، ولا ولد یشفعه. ولا عدد یجمعه ، ولا مکان یمسکه ، ولا زمان یدرکه ، ولا فهم یقدره، ولا وهم یصوره۔

تعالی عن ان یقال: کیف هو؟ او این هو؟ او اکتنسب بصنعه الزین، او دفع بفعله النقص والشین، اذ لیس کمثله شیء وهو السمیع البصیر، ولا یغلبه حی ، وهو الخبیر القدیر۔

احمده علی ما یولی ویصنع، واشکره علی ما یزوی ویدفع ، واتوکل علیه واقنع ، وارضی بما یعطی ویمنع۔

واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له ،شهادة موقن بتوحیده ،مستجیر بحسن تاییده۔

واشهد ان سیدنا محمداً عبده المصطفی، وامینه المجتبیٰ، ورسوله المبعوث الی کافة الوری۔صلی الله علیه وعلی آله مصابیح الدجی ،وعلی اصحابه مفاتیح الهدی ، وسلم تسلیماً کثیراً۔

۴۳۷ھ میں فقیر الی اللہ تعالیٰ عبد الکریم بن ھوازن القشیری نے اس کتاب کو بلاد اسلامیہ میں سکونت پذیر صوفیاء کی جماعت کی طرف لکھا۔

حمد وصلاۃ کے بعد!

اللہ پاک آپ سے راضی ہو/ اللہ پاک نے اس گروہ کو اپنے برگزیدہ بندے بنایا ہے،اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد انہیں

اپنے تمام بندوں پر فضیلت عطا کی ہے، ان کے دل اسرار کے خزانے بنائے ہیں، اور انوارات وتجلیات کے ساتھ انہیں تمام امت میں چنا ہے۔

مخلوق کے لئے یہ بمنزلہ مدد کے ہیں، اور اپنے عمومی احوال میں حق کے ساتھ رہتے ہیں۔

اللہ نے انہیں بشری کدورتوں سے پاک کیا ہے، اور احدیت کے حقائق کے ذریعے انہیں محال مشاہدات تک ترقی عطا کی ہے، بندگی کے آداب بجالانے کی انہیں توفیق بخشی ہے اور ربوبیت کے احکام سے انہیں روشناس کروایا ہے۔

ان پر تکلیف کے جو واجبات تھے، انہوں نے انہیں ادا کیا، اور رب کی طرف سے پیش آمدہ تقلیب وتصریف کے احوال میں ثابت قدم رہے۔

پھر سچے فقر اور عجز کے ساتھ رب کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے اعمال پر اعتماد نہ کیا اور نہ ہی اپنی قلبی صفائی کا سہارا لیا، کیونکہ وہ اس بات سے باخبر تھے کہ اللہ پاک جو چاہتا ہے کرگزرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے' انتخاب کر لیتا ہے، مخلوق کا اس پر کوئی زور نہیں، اور نہ اس پر مخلوق کا کوئی حق ہے، بندوں کو اس کی بارگاہ سے جو ثواب حاصل ہوتا ہے' وہ سراسر اس کی مہربانی ہے، اور اس کی طرف سے ملنے والی سزا اس کا منصفانہ فیصلہ ہے، اور اس کا حکم فیصلہ کن ہے۔

اللہ آپ پر رحم کرے! یہ بھی جان لیں کہ اس گروہ کے محققین کی اکثریت ناپید ہو چکی ہے اور ہمارے زمانے میں صرف ان کے نشانات ہی بچے ہیں.....

اما الخیام فانھا کخیامھم　　　　وارى نساء الحی غیر نسائھا

اس طریقے میں فترت کا زمانہ آ گیا؟...نہیں، بلکہ طریقت درحقیقت ختم ہوگئی۔

وہ شیوخ رخصت ہو گئے جو راہ دکھلاتے تھے، اور وہ نوجوان کم پڑ گئے جن کی سیرت قدوۂ حسنہ تھی، ورع کا سورج غروب ہو گیا، اور لالچ کی گھٹائیں چھا گئیں۔

شریعت کا احترام دل سے رخصت ہو گیا، دین سے لاپرواہی بہترین ذریعۂ زندگی بن گیا، حلال وحرام کے درمیان تمیز ختم ہوگئی، ترک احترام کے قریب ہو گئے، احتشام رخصت ہو گیا، عبادات کی ادائیگی میں سستی برتی جانے لگی، صوم وصلاۃ کو حقیر جانا جانے لگا، لوگ غفلت کے میدان میں کود پڑے، اور خواہشات کی اتباع کے درپے ہو گئے، اور ممنوعات دین اختیار کرنے میں احتیاط کا دامن تنگ ہو گیا، عوام' خواتین اور شاہی لوگوں سے انتفاع بڑھ گیا۔

اسی پر صرف انہوں نے بس نہ کی، بلکہ اعلیٰ حقائق اور احوال کی طرف اشارہ کرنے لگے، اور یہ دعویٰ کر ڈالا کہ وہ طوق کی قیود سے آزاد ہیں، اور وصال کی حقیقت سے آشنا ہیں اور حق پر قائم ہیں، ان کے امور اس کے موافق ہیں، اور وہ گم کردۂ نفوس

ہیں، جو کچھ وہ چھوڑ دیں یا کر گزریں' اس پر انہیں اللہ کی طرف سے کسی عتاب اور مذمت کا سامنا نہیں، احدیت کے اسرار ان پر منکشف ہو چکے ہیں اور بشریت کے احکام ان سے زائل ہو چکے ہیں، فنا کے بعد وہ صمدیت کے انوارات سے مالا مال ہیں، جب وہ بولتے ہیں تو در حقیقت وہ نہیں بولتے اور تصرفات میں ان کا نائب ان کے سوا ہے۔

موجودہ زمانے میں پیش آمدہ حالات وواقعات کی ابتلاء جب حد سے زیادہ طویل ہوگئی، اور میں بھی اس سلسلے میں زیادہ انکار سے کام نہیں لے رہا تھا، کیونکہ مجھے غیرت آتی تھی کہ میں اس طریقت کے لوگوں کو برائی کے ساتھ متصف کروں، یا مخالف ان کے کسی عیب کو پانے کی جرأت کرلے، کیونکہ ان علاقوں میں اس طریق پر چلنے والوں کے لئے منکرین اور مخالفین کی طرف سے شدید مشکلات کا سامنا ہے۔

مجھے امید تھی کہ فترت کا یہ زمانہ ختم ہو جائے گا اور اللہ پاک اس طریقے کے آداب کو ضائع کرنے والوں اور اس مثالی راہ سے ہٹنے والوں کو اپنے لطف واحسان سے مالا مال کرے گا۔

لیکن جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اور اہل زمانہ اپنے اختیار کردہ میں حد سے تجاوز ہی کرنے لگے' تو مجھے ان قلوب پر شفقت ہوئی کہ جو یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ ان کے اس کام کی بنیاد اسلاف کے منہج پر ہے۔

تو میں نے اس کتاب کی تصنیف کا ارادہ کیا، اس میں میں نے اس طریقے کے شیوخ کے حالات، ان کے آداب، اخلاق، معاملات، عقائد، ان کے وجدانی اشارات اور ابتداء سے انتہاء تک ان کی ترقی کے احوال ذکر کئے ہیں؛ تاکہ اس راہ کے سالک کو قوت حاصل ہو، اور میری طرف سے اس کی تصحیح کی سند ہو۔

ولی فی نشر هذه الشکوی سلوة، ومن الکریم فضلاً ومثوبة۔

واستعین باللہ سبحانه فیما اذکره، واستکفیه، واستعصمه من الخطأ فیه، واستغفره واستعینه۔

وهو بالفضل جدیر، وعلی ما یشاء قدیر۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصولی مسائل میں صوفیاء کے عقائد

اللہ آپ پر رحم کرے! جان لیجئے!

اس جماعت کے شیوخ نے اپنے قواعد کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں کو بنایا ہے۔ ان کی روشنی میں اپنے عقائد کو بدعات سے پاک کیا ہے اور اس توحید کو اپنایا ہے' جس پر اسلاف اور اہل سنت تھے' جو کہ تمثیل اور تعطیل کے عقائد باطلہ سے پاک تھی اور قِدم کی حقیقت کو بھی وہ لوگ جانتے تھے اور موجود اور معدوم سے بھی بخوبی واقف تھے۔

اسی وجہ سے اس طریقے کے سردار حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید قدم کو حدوث سے علیحدہ رکھنے کا نام ہے۔ صوفیاء کے مشائخ نے اپنے اصولی عقائد کو واضح دلائل اور ظاہر شواہد سے مستحکم کیا۔ جیسا کہ ابومحمد جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جس شخص کو علم توحید پر کوئی شاہد نہ مل سکا تو دھوکے کے اس اقدام نے اسے پھسلا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا۔ یعنی جو شخص تقلید کرے اور توحید کے دلائل میں غور وفکر نہ کرے تو وہ نجات کے راستے سے بھٹک کر ہلاکت کی قید میں جاپڑے گا اور جو شخص ان کے الفاظ میں خوب غور وفکر کر کے ان کے کلام کی چھان بین کرے گا تو وہ ان کے اقوال کے مجموعے میں جو بات پائے گا' وہ اسے اس بات کا یقین دلائے گی کہ ان لوگوں نے تحقیق کے میدان میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی اور اس کی تلاش میں کوتاہ نظر نہیں رہے۔

اس فصل میں ہم اجمالی طور پر اصولی مسائل سے متعلق ان کے مختلف اقوال کو ذکر کریں گے۔ پھر ہم بالترتیب مختصراً ان امور کو ذکر کریں گے' جن پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابوبکر شبلی کا قول:

ابوبکر شبلی فرماتے ہیں کہ خدائے وحدہ لاشریک ہر قسم کی حدود اور اصوات سے قبل معروف اور یکتا ہے۔ یعنی اللہ کی ذات قدیم ہے' نہ تو اس کی ذات کی کوئی حد ہے اور نہ ہی اس کے کلام کے حروف ہیں۔

پہلا فرض:

ابونصر طوسی کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت رویم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر سب سے پہلے کس چیز کو فرض کیا؟

تو انہوں نے فرمایا: اپنی معرفت کو، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (ذاریات:۵۶)

ترجمہ: میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ محض اپنی معرفت کیلئے پیدا کیا ہے۔

عقد حکمت:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کو حکمت کے عقدے میں سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ مصنوع اپنے صانع کو پہچانے اور محدث یہ معلوم کرے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟ اس طرح اسے خالق اور مخلوق کی صفات کے درمیان، اور قدیم اور محدث کی صفات کے درمیان فرق معلوم ہو جائے گا اور یوں وہ بندہ اس کی پکار پر لبیک کہے گا اور اس کی اطاعت کے واجب ہونے کا اعتراف کرے گا' کیونکہ جب کوئی اپنے مالک ہی کو نہ پہچانے تو وہ ملکیت کے ذریعے یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ وہ کس کی ہے؟

عقل، حکمت اور معرفت:

ابو طیب مراغی فرماتے ہیں کہ عقل کا کام رہنمائی کرنا' حکمت کا کام اشارہ کرنا اور معرفت کا کام گواہی دینا ہے۔ عقل رہنمائی کرتی ہے' حکمت مشیر ہوتی ہے اور معرفت اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ عبادات کی پاکیزگی' توحید کی پاکیزگی وصفائی کے بغیر ممکن نہیں۔

توحید.... جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے سوال کیا گیا' تو فرمایا:

موحد کا وحدانیت کی حقیقت اور کمال احدیت کے ساتھ اس بات کو جاننا کہ وہ ذات باری تعالیٰ واحد و یکتا ہے' نہ اس نے کسی کو جنا' نہ وہ جنا گیا' اس کا نہ تو کوئی مدمقابل ہے' نہ نظیر' نہ تو اس کی صورت بیان ہو سکتی ہے' نہ تشبیہ' نہ کیفیت' نہ تمثیل.....

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

اس جیسا کوئی نہیں وہ سب سنتا اور جانتا ہے۔

معرفت؟

ابو بکر زاھراباذی سے کسی نے معرفت کے بارے پوچھا تو فرمایا:

معرفت ایک اسم ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ دل کے اندر اس کی تعظیم پیدا ہو جائے جو تجھے تعطیل اور تشبیہ سے روک

دے۔ (یعنی اللہ کی ذات کے بارے میں)

توحید...... بوشنجی کے ہاں:

ابوالحسن بوشنجی فرماتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ تو نہ تو اللہ کی ذات کے مشابہ کسی کو جانے اور نہ ہی اس کی صفات کی نفی کرے۔

توحید...... جامع مانع:

حسین بن منصور فرماتے ہیں کہ اللہ نے تمام کائنات کے لئے حدوث کو لازم کیا ہے' کیونکہ قدم خود اس کی اپنی ذات کیلئے ہے۔ جس چیز کا ظہور جسم سے ہو تو اسے عرض لازم ہے، اور جو اپنے ساز و سامان کے ساتھ مجتمع ہو تو اس کے قویٰ اسے تھامے ہوئے ہونگے، اور جسے وقت نے جوڑ رکھا ہو' وقت ہی اسے جدا کرے گا، اور جسے دوسرا قائم کئے ہو اسے احتیاج لاحق ہو گی، اور جن پر وہم کامیابی حاصل کر لے تو تصور امکانیات میں سے ہو گی اور جو کسی محل میں ٹھکانہ پکڑے تو أین اس کا ادراک کر لے گا' اور جس کی کوئی جنس ہو گی تو کیفیت کا مالک اس کا طالب ہو گا۔

جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر نہ تو فوق سایہ کئے ہوئے ہے اور نہ ہی وہ ماتحت ہے' نہ تو اس کی کوئی حد ہے اور نہ کوئی اس کا مزاحم' نہ اس کا خلف اور نہ امام' نہ اس سے قبل کوئی تھا کہ اسے جس نے ظہور بخشا ہو اور نہ ہی بعد میں اسے کوئی فناء کر سکتا ہے۔ ''کل'' اسے جمع نہیں کر سکتا' اور نہ ہی ''کان'' نے اسے وجود عطا کیا' ''لیس'' اسے مفقود نہیں کر سکتا' اس کے اوصاف صفت سے پاک ہیں، افعال علت سے مبرا ہیں، اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں' مخلوق کے احوال سے وہ منزہ ہے۔

اس کا مزاج مخلوق کے مزاج سے میل نہیں کھاتا' اور نہ ہی وہ اپنے افعال میں محتاج صلہ ہوتا ہے۔ وہ مخلوق سے قدوم کی صفت میں' سی طرح جدا ہے' جس طرح وہ حدوث میں ان سے الگ تھلگ ہے۔ اس کے متعلق ''متی'' سے سوال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ وقت کے وجود سے پہلے ہی موجود ہے۔ اگر ''ھو'' کا لفظ اس کے لئے استعمال کریں' تو ''ھ'' اور ''واو'' اس کے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

اگر ''این'' کہیں' تو اس کا وجود تو مکان پر مقدم ہے۔ حروف اس کی آیات ہیں۔ اس کا وجود خود اس کا ثبوت ہے۔ اس کی معرفت اس کی توحید ہے اور اس کی توحید یہ ہے کہ اوھام میں جو تصورات پیدا ہوں' اسے اس کی مخلوق سے ممتاز رکھیں' وہ تو ان سے مختلف ہے۔ جو چیزیں اس کے ذریعے معرض وجود میں آئیں وہ اس پر کیسے وارد ہو سکتی ہیں؟ یا جنہیں اس نے پیدا کیا ہے' وہ اس پر کیسے لوٹ سکتی ہیں؟ نہ تو آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی ظن اس کا تقابل کر سکتا ہے۔ اس کا قرب باعث عزت' بعد باعث ملامت ہے۔ اس کی بلندی اوپر چڑھے اور اس کی آمد منتقل ہوئے بغیر ہے۔ وہ اول بھی ہے' آخر بھی' ظاہر بھی ہے' باطن

بھی' قریب بھی ہے' بعید بھی.... ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

توحید......ذوالنون مصری کے ہاں:

یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصری سے سوال کیا کہ مجھے توحید کے بارے بتلایئے؟ تو فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ تو اس بات کا علم رکھے کہ اللہ کی قدرت اشیاء میں بغیر مزاج کے ہے اور صنعت خداوندی اشیاء میں بدون علاج کے ہے اور ہر چیز کی علت اس کی صنعت ہے اور اس کی تخلیق کی کوئی علت نہیں۔ آسمانوں کی بلندیوں میں اور زمینوں کی پستیوں میں اللہ کے سوا کوئی مدبر کائنات نہیں، ہمارے اذہان میں اس کے بارے جو تصور آتے ہیں' اللہ اس کے برخلاف ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ تو اس بات کو جان لے اور اس کا اقرار کرلے کہ ازلیت میں اللہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں اور نہ ہی کوئی اس جیسے افعال کا فاعل ہوسکتا ہے۔

ایمان........؟

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ ایمان نام ہے' دلوں کا ان غیوب کی تصدیق کرنے کا جنہیں حق تعالیٰ شانہ جانتے ہیں۔

کرامت......استدراج:

ابوالعباس سیاری فرماتے ہیں کہ اللہ کی عنایات دو طرح کی ہیں:

(۱) کرامت (۲) استدراج

جس عنایت کو تمہارے لئے برقرار رکھے وہ کرامت ہے، اور جسے زائل کردے وہ استدراج ہے۔ یوں کہا کرو کہ میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں.....ابوالعباس سیاری اپنے وقت کے شیخ تھے۔

پاؤں......کیسا؟

ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ابوالعباس سیاری کا پاؤں دبایا تو فرمایا کہ تو اس پاؤں کو دبا رہا ہے' جسے میں نے اللہ کی نافرمانی میں کبھی نہیں اٹھایا۔

حقیقی مؤمن کا دعویٰ:

ابوبکر واسطی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ میں حقیقی مؤمن ہوں' تو اس سے کہا جائے گا کہ حقیقت کا مطلب ہے کہ اللہ کی ذات پر کامل اطلاع اور احاطہ علم ہو۔ اگر یہ چیزیں مفقود ہونگی تو یہ دعویٰ باطل ہوگا۔ یعنی اہل سنت کا کہنا ہے کہ مؤمن حقیقی وہ ہے' جس کے جنتی ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہو اور چونکہ یہ اللہ کی حکمت کا راز ہے اور معلوم نہیں ہوسکتا' لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حقیقی مؤمن ہے' درست نہ ہوگا۔

دیدار خداوندی کی کیفیت:

سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ لیکن نہ تو اس کی ذات کا احاطہ کرسکیں گے اور نہ انتہاء کا ادراک کرسکیں گے۔

سب سے زیادہ اللہ کا مشتاق دل:

ابوالحسن نوری فرماتے ہیں کہ حق جل جلالہ نے دلوں کا مشاہدہ کیا تو اللہ کی ذات کی طرف سب سے زیادہ مشتاق دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو پایا' تو انہیں معراج میں ابھی سے اپنے دیدار اور گفتگو کا اعزاز بخشا۔

تیسرا معبود کہاں ہے؟

ابوعثمان مغربی کے خادم محمد بن محبوب کہتے ہیں کہ شیخ نے ایک دن مجھ سے فرمایا:

اے محمد! اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ تیرا معبود کہاں ہے؟ تو تو کیا جواب دے گا؟ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: میں کہوں گا' جہاں وہ ازل سے تھا۔ فرمایا: اگر وہ کہے کہ ازل سے کہاں ہے؟ تو کیا کہو گے؟ فرماتے ہیں' میں نے کہا کہ کہوں گا کہ جہاں اب ہے۔ یعنی جس طرح سے لا مکان تھا' اسی طرح اب بھی لا مکان بھی ہے۔ اس سے شیخ بہت خوش ہوئے اور اپنی قمیص اتار کر مجھے عنایت فرمائی۔

از سر نو اسلام لایا ہوں:

ابوعثمان مغربی فرماتے ہیں کہ حدوث جہت کا کسی قدر میں معتقد تھا' لیکن جب میں بغداد آیا تو یہ عقیدہ میرے دل سے محو ہوگیا' تو میں نے مکے میں اپنے ساتھیوں کو لکھا کہ میں از سر نو مسلمان ہوا ہوں۔

مخلوق کی تعریف:

ابوعثمان مغربی سے مخلوق کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا:

مخلوق ڈھانچوں اور اشکال کا نام ہے۔ جن پر احکام خداوندی جاری ہوتے ہیں۔

افعال کا خالق صرف اللہ ہے:

واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح اور جسم جب دونوں کا وجود اللہ کے وجود کی وجہ سے ہے اور اسی کی وجہ سے ظہور پذیر ہیں کہ بذا[illegible]د' تو اسی طرح خیالات اور حرکات کا قیام بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے' نہ کہ خود بخود۔ کیونکہ خیالات اور حرکات جسم [illegible] تابع ہیں۔ اس سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مخلوق کے افعال کا خالق اللہ ہے اور جس طرح جواہر کا خالق صرف اور صرف [illegible] طرح اعراض کی خالق بھی صرف اور صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔

مقصود کیسے حاصل ہو؟

ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنی کوشش صرف کر کے مقصود تک جا پہنچے گا تو وہ صحیح امید لگائے ہوئے ہے اور جو یہ گمان کرے کہ وہ بغیر محنت کے مقصود کو پالے گا تو وہ بے جا تمنا کر رہا ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلوبہ مقامات تو تقسیم کردہ قسمیں اور جاری کردہ صفات ہیں۔ انہیں حرکات اور کوششوں سے کیسے پایا جاسکتا ہے؟

کسی نے واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ کے ساتھ یا اللہ کے لئے کفر کرنے سے متعلق پوچھا تو فرمایا: کفر، ایمان، دنیا اور آخرت سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ یعنی سب کی ابتداء اور انشاء اللہ کی طرف سے ہے اور مرجع اللہ ہے۔ ان کی بقاء اور فناء کا مدار خدا ہی کی ذات پر ہے اور اللہ ہی ان کا مالک اور خالق ہے۔

موحد کون؟

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عالم سے توحید کے بارے پوچھا گیا تو فرمانے لگے:

یقین کا نام توحید ہے۔ سائل کہنے لگے: اسے واضح فرما دیجئے؟ فرمایا: ''تیرا اس بات کو جاننا کہ مخلوق کی حرکات وسکنات اللہ عزوجل کا فعل ہیں، جس کا کوئی شریک نہیں، جب یہ یقین تجھے حاصل ہوگیا تو تو موحد ہوگیا۔

محض دعاء سے کیا ہوگا؟

محمد بن حسین جوہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔ تو فرمانے لگے: اگر تم نے اللہ کے علم غیب کی تائید توحید کی صداقت سے کی ہے، تو بہت سی دعائیں تیرے حق میں مقبول ہو چکی ہیں۔ ورنہ صرف پکار ڈوبتے کو سہارا نہیں دے سکتی۔

دعویٰ ربوبیت:

واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرعون نے کھلے عام ربوبیت کا دعویٰ کیا اور معتزلہ چھپے لفظوں میں کرتے ہیں۔ کیونکہ کہتے ہیں: میں نے جو چاہا کیا۔

توحید کیا ہے؟

ابوالحسین نوری فرماتے ہیں کہ توحید نام ہے، ہر اس خیال کا جو اللہ کی ذات کی طرف اشارہ کرے، جبکہ تشبیہ کے اوہام مزاحم نہ ہوں۔

توحید صرف ایک جملہ میں:

ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا: توحید' تعطیل اور تشبیہ کے عقیدے کے انکار کو ثابت کر کے دل کے استقامت پر ہونے کا نام ہے' اور توحید صرف ایک جملہ ہے کہ ہر وہ وہم اور خیال جو دل میں آتا ہے' اللہ کی ذات اس سے مختلف ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ (سورۂ شوریٰ:۱۱)

صفات کی بقاء' اس کی بقاء سے ہے:

ابوالقاسم نصرابازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت اللہ کے باقی رکھنے کی وجہ سے باقی ہے۔ اللہ کا تمہیں یاد کرنا اس کی رحمت' اور تم سے محبت کی بقاء اس کی بقاء سے ہے۔ اس کے باقی رکھنے پر باقی ہونے اور اس کی بقاء پر باقی ہونے' یہ دونوں بالکل مختلف چیزیں ہیں۔

شیخ ابوالقاسم نصرابازی کا یہ قول بہت تحقیق پر مبنی ہے۔ کیونکہ اہل حق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس وقت تک باقی ہیں' جب تک وہ خود باقی ہے۔ شیخ نے مسئلہ پر متنبہ کیا اور بتادیا کہ باقی اس کی بقاء کی وجہ سے باقی ہے۔ بخلاف دیگر کے قول کے کہ انہوں نے اہل حق کی مخالفت کر کے حق کی مخالفت کی۔

صفات فعل اور صفات ذات:

شیخ نصرابازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو اللہ کی صفات فعل اور صفات ذات کے درمیان متردد ہے، حالانکہ دونوں درحقیقت اللہ کی صفات ہیں۔ چنانچہ جب وہ تجھے مقام تفرقہ میں پریشان کرے تو وہ تجھے فعل کی صفات کے ساتھ ملا دیتا ہے اور جب تجھے مقام جمع تک پہنچادے' تو تجھے اپنی ذات کی صفات سے ملا دیتا ہے۔

روح مخلوق ہے:

امام ابواسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد سے آیا تو ایک دن میں نیشاپور کی جامع مسجد میں روح کے مسئلہ پر درس دے رہا تھا اور اس بات کی وضاحت کر رہا تھا کہ روح مخلوق ہے۔ جبکہ ابوالقاسم نصرابازی ہم سے دور بیٹھے میری گفتگو غور سے سن رہے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد جب وہ ہمارے پاس سے گزرے' تو محمد فراء سے کہنے لگے کہ گواہ رہنا میں اس شخص کے ہاتھوں از سر نو مسلمان ہوا ہوں..... اور میری طرف اشارہ کیا۔

بھلا..... کیسے ممکن ہے؟

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ ذات جس کی کوئی شبیہ نہیں اور نہ ہی نظیر' اس کا اتصال اس ذات سے کیسے ہوسکتا ہے'

جس کی شبیہ بھی ہے اور نظیر بھی؟ ہرگز نہیں ہوسکتا! یہ عجیب بات ہے۔ ہاں! اگر اللہ لطیف کا لطف و کرم ہو جائے۔ کیونکہ ادراک، وہم اور احاطہ اسی وقت ہو سکتے ہیں، جب یقین کا اشارہ اور ایمان کی تحقیق موجود ہو۔

اللہ کی صفات:

یحییٰ بن معاذ سے کسی نے کہا: مجھے اللہ کے بارے بتائیے، تو فرمایا: تنہا معبود ہے۔ پھر پوچھا: وہ کیسا ہے؟ فرمایا: قدرت والا بادشاہ ہے۔ پھر پوچھا: کہاں ہے؟ فرمایا: دیکھ رہا ہے، اس نے کہا: میری مراد یہ نہیں، تو فرمایا: اس کے علاوہ جو صفات ہیں، وہ مخلوق کی صفات ہیں، اس کی صفت وہی ہے جو میں نے بیان کر دی۔

ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اپنی جہالت سے وہم و خیال کرنے والے نے، جو بھی خیال کیا کہ اللہ ایسا ہے، تو عقل بتلاتی ہے کہ وہ ایسا نہیں۔

مع کے دو معنی ہیں:

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ''مع'' کے معنی پوچھے، تو فرمایا:

مع کے دو معنی ہیں: انبیاء کے ساتھ ہو، تو معنی مدد اور حفاظت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴾ (سورۃ طٰہٰ:۴۶)

''میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، تمہاری باتیں سنتا اور تمہیں دیکھتا ہوں۔''

اگر عامۃ الناس کا ذکر ہو تو معنی ہوگا، علم اور احاطہ، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ ﴾ (سورۃ مجادلہ:۷)

''جو پوشیدہ باتیں تین آدمیوں میں ہوتی ہیں، اللہ ان کے ساتھ چوتھا ہوتا ہے۔''

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: آپ جیسے لوگ ہی امت کی اللہ کے بارے میں صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔

الرحمن علی العرش استوی:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے دریافت کیا گیا ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ﴾ (سورۃ طٰہٰ:۵) تو فرمایا: اللہ نے اپنی ذات کا ثبوت دیا ہے، اور مکان کی نفی کی ہے۔ اللہ بذات خود موجود ہے اور اشیاء اس کی حکمت سے اس کی منشاء کے مطابق موجود ہیں۔

حضرت شبلی سے اس آیت کے بارے دریافت کیا گیا، تو فرمایا کہ رحمٰن تو ازل سے ہے اور عرش حادث ہے، اور مراد یہ ہے کہ عرش کا وجود اللہ کی وجہ سے ہے۔

حضرت جعفر بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ سے اسی آیت کے بارے دریافت کیا گیا تو فرمایا: اللہ کا علم ہر چیز کے متعلق یکساں ہے۔ اللہ کے ہاں کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ قریب نہیں۔

یہ بھی شرک ہے:

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے اندر ہیں' یا کسی چیز سے ہیں' یا کسی چیز کے اوپر ہیں' تو اس نے شرک کیا، کیونکہ اگر اللہ کسی چیز کے اوپر ہیں' تو اللہ محمول ہوئے۔ اگر کسی چیز کے اندر ہیں' تو محصور ہوئے اور اگر کسی چیز سے انکا وجود ہو تو وہ محدث ہوئے۔

ثم دنا فتدلى:

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اس آیت ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی﴾ (سورۃ نجم:۸)

''پھر قریب ہوئے اور بہت زیادہ قریب''

کے بارے فرماتے ہیں کہ جو یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود قریب آتے ہیں' تو اس نے کوئی مسافت مقرر کر دی۔ قرب خداوندی تو یہی ہے کہ جس قدر قرب ہو گا' انواع معرفت سے اسی قدر دوری ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ کے ہاں قرب اور بعد نہیں۔

اللہ کہاں ہیں؟

مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ ابو علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک ورق دیکھا کہ کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟ تو جواب دیا: اللہ تجھے تباہ کرے تو اس آنکھ سے اسے تلاش کر رہا ہے کہ وہ کہاں ہے؟

قرب کی حقیقت:

خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرب کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اس کا احساس مفقود ہو جائے اور توجہ الی اللہ سے دل کو سکون حاصل ہو۔

شیطان اور مسئلہ خلق قرآن:

ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کے ہاں گیا' جسے شیطان نے پچھاڑ دیا تھا۔ میں اس کے کان میں اذان دینے لگا' تو اس کے پیٹ سے شیطان نے مجھ سے کہا: مجھے چھوڑ دے' تا کہ میں اسے قتل کر ڈالوں۔ کیونکہ یہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

حروف مخلوق ہیں:

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے حروف کو پیدا کیا تو انہیں صیغہ راز میں رکھا' اور جب آدم کو پیدا کیا تو یہ راز ان میں رکھوایا۔ جبکہ کسی فرشتے میں اس راز کو نہیں رکھا' پھر یہ حروف آدم علیہ السلام کی زبان پر مختلف زبانوں کی صورت میں جاری ہوئے۔ تو اللہ نے ان حرُوف کو مختلف زبانوں کے لئے خاص صورت عطا فرما دی۔ حضرت ابن عطاء نے اس بات کو واضح کر دیا کہ حروف مخلوق ہیں۔

سھل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حروف فعل کی زبان ہیں' نہ کہ ذات کی زبان' کیونکہ یہ مفعول کے اندر فعل ہیں۔

توحید اور توکل:

''جوابات مسائل الشامیین'' میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

توکل' دل کا فعل اور توحید' دل کا قول ہے۔ فرمایا کہ یہ قول اہل اصول کا ہے کہ کلام وہ مفہوم ہے جو دل میں قائم ہو۔ جیسے امر' نہی' خبر اور استخبار۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: غیب کا علم رکھنے میں باری تعالیٰ تنہا ہیں۔ اللہ کو تمام امور کا علم ہے.... جو ہو چکا' جو ہو گا اور جو نہیں ہو گا۔ یعنی اگر ہونگے تو کیسے ہونگے۔

حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص توحید کی حقیقت معلوم کر لیتا ہے تو لِمَ اور کیف اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

اعلیٰ مجلس:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میدان توحید میں غور و فکر کیلئے بیٹھنا سب سے اعلیٰ مجلس ہے۔

روح مخلوق ہے:

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے' ان میں سے افضل ترین روح ہے۔ گویا وضاحت کر دی کہ روح مخلوق ہے۔

استاذ امام زین الاسلام ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اصولی مسائل میں مشائخ صوفیاء کے عقائد' اہل حق کے اقوال کے مطابق ہیں۔ ہم نے اسی مقدار پر اکتفاء کیا کہ کہیں ایجاز و اختصار کی حد سے باہر نہ نکل جائیں۔

صفات باری تعالیٰ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسائل توحید کے بارے میں صوفیا کے عقائد پر مشتمل یہ چند فصلیں تھیں۔ جنہیں ہم نے بالترتیب ذکر کر دیا۔ اس طریقے کے شیوخ توحید کے بارے میں' جیسا کہ ان متفرق اقوال اور تصنیفات سے پتہ چلتا ہے' فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔ قدیم ہیں' واحد ہیں' قادر ہیں' علیم ہیں' غالب ہیں' رحیم ہیں۔ ارادہ کرنے والے ہیں' سمیع ہیں' بزرگ و برتر ہیں۔ بلند و بالا ہیں' بولنے والے ہیں' دیکھنے والے ہیں۔ بڑائی چاہنے والے' زندہ' یکتا ہیں' باقی ہیں' بے نیاز ہیں' علم کے ساتھ علم رکھتے ہیں' قدرت کے ساتھ قادر ہیں' ارادہ کرنے کے ساتھ ارادہ کرنے والے ہیں۔

کان کے ساتھ سنتے' آنکھ سے دیکھتے' کلام سے بولتے ہیں۔ حیات سے زندہ ہیں' بقاء سے باقی ہیں۔ ان کے دو ہاتھ ہیں' جو دونوں اس کی صفات ہیں' خصوصیت کے ساتھ جو چاہتا ہے' ان سے پیدا کرتا ہے۔ اس کا چہرہ خوبصورت ہے۔ اس کی ذات کی صفات اس کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ صفات بعینہ خدا ہیں، اور نہ ہی اس کا غیر ہیں۔ بلکہ یہ اس کی ازلی اور ابدی صفات ہیں۔

وہ یکتا ہے' کوئی مصنوع اس کے مشابہ نہیں' اور نہ ہی کسی مخلوق کے' وہ مشابہ ہے۔ نہ جسم رکھتا ہے' نہ جوہر اور نہ عرض' نہ تو اس کی صفات اعراض ہیں' اور نہ ہی وہ متصور ہو سکتا ہے' اور نہ ہی عقل میں سما سکتا ہے' نہ اس کی کوئی جہت ہے' اور نہ ہی مکان' اس پر وقت اور زمانے کا گذر نہیں' نہ اس کے وصف میں زیادتی اور کمی کی جا سکتی ہے' نہ تو اس کی کوئی خاص ہیئت ہے' اور نہ ہی قد' نہ ہی کوئی انتہاء اور حد اس کو قطع کرتی ہے۔ اس پر حدوث حائل نہیں ہوتا' کوئی چیز اسے فعل پر نہیں ابھارتی' اس پر کوئی رنگ نہیں' نہ کوئی اس کے لئے جائز ہے۔

کوئی مدد اس کی امداد کو نہیں آتی' کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں' کوئی پیداوار فطرت اس کے حکم سے باہر نہیں' اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں' وہ جیسا چاہے کرے' اس کے فعل پر ملامت نہیں' اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟ کس جگہ ہے؟ کیسا ہے؟ اس کے وجود کی ابتداء کے بارے بھی نہیں پوچھا جا سکتا کہ وہ کب ہوا؟ اس کے بقاء کی

کوئی انتہاء نہیں کہ کہا جائے اس نے اپنی مدت پوری کر لی۔ اس نے جو کچھ کہا' اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ایسا کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے افعال علت سے مبرا ہیں، اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کیا ہے؟ کیونکہ اس کی کوئی جنس نہیں کہ اس کے اشکال کو کسی علامت کے ذریعے الگ کیا جا سکے۔

وہ دیکھا جا سکتا ہے، لیکن کسی مقابلہ سے نہیں' وہ دوسروں کو دیکھتا ہے' لیکن آنکھ ملا کر نہیں' وہ بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مشق کئے کرتا ہے۔ اس کے اچھے نام اور بلند و بالا صفات ہیں۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بندے اس کے حکم کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ اس کی حکومت کے اندر وہی ہو سکتا ہے' جو وہ چاہے اور اس کے اندر وہی امور متحقق ہو سکتے ہیں' جو تقدیر میں ہیں۔ جن حوادث کے ہونے کا اسے علم ہے' اور ان چیزوں میں سے جو ہو سکتی ہیں' ان کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے' جبکہ جن کے متعلق اسے علم ہے کہ وہ نہ ہونگی' ان کے نہ ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔

بندے کے تمام افعال کا خالق ہے' خواہ نیک ہوں یا برے' کائنات میں جو کچھ امور آتے رہتے ہیں' سب کا خالق وہی ہے۔ خواہ وہ کم ہیں یا زیادہ' وہ قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجتا ہے اور یہ اس پر واجب نہیں' انبیاء کی زبانی اس نے بندوں کو غلام بنا رکھا ہے کہ کوئی نہ تو اسے ملامت کر سکتا ہے اور نہ ہدف تنقید بنا سکتا ہے۔

اس نے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی واضح معجزات اور روشن آیات کے ساتھ اس طرح تائید کی کہ کوئی عذر باقی نہیں رہا اور یقین اور انکار کھل کر سامنے آ گیا۔ اسلام کی حفاظت حضور ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشینوں کے ذریعے کی۔ پھر اپنے اولیاء کی زبانی دین کے جن دلائل کی وضاحت کی' ان کے ذریعے حق کی حفاظت اور مدد کی۔ امت حنفیت کی گمراہی پہ متفق ہونے سے حفاظت کی۔ اپنی راہنمائی کے ذریعے باطل کو جڑ سے ختم کر ڈالا۔ اور دین کی نصرت کا جو وعدہ کیا' اسے سچ کر دکھایا.... ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (سورۃ توبہ:۳۳) یہ چند فصلیں مختصراً مشائخ کے اصول کی طرف رہنمائی کرتی ہیں.... وباللہ التوفیق۔

❀❀❀

''تصوف'' تاریخ کے آئینے میں

اللہ آپ پر رحم کرے! جان لیجئے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس زمانے کے مسلمانوں کے اکابر نے حضور ﷺ کی صحبت کے علاوہ کسی نام کو اپنے لئے پسند نہیں کیا، کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہ تھی۔ چنانچہ انہیں صحابہ کہا گیا۔ جب دوسرے زمانے کے لوگ آئے تو جنہوں نے صحابہ کی اتباع کی' انہیں تابعین کہا گیا۔ انہوں نے اسے بہت شرافت کا لقب خیال کیا۔ پھر ان کے بعد کے لوگوں کو تبع تابعین کے لقب سے نوازا گیا۔ پھر لوگ مختلف ہو گئے اور مختلف مراتب بن گئے۔ جن لوگوں کا دین سے گہرا تعلق تھا' ان خاص لوگوں کو زاہدین اور عابدین کہا گیا۔ پھر بدعات کا زاج ہو گیا۔ مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقے نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ ان میں زاہد ہیں۔ خواص اہل سنت نے اپنے لئے تصوف کے نام کو پسند کر لیا' جو کہ اپنے دلوں کو غفلت کے دبیز پردوں سے محفوظ رکھے ہوئے تھے اور اپنے انفاس کا پاس معیت خداوندی میں رکھنے والے تھے۔ ان اکابر کیلئے یہ نام دوسری صدی ھجری سے قبل ہی مشہور ہو چکا تھا۔

اس جماعت کے طبقہ اولیٰ کے شیوخ سے لے کر متاخرین تک مشاہیر کا تذکرہ ہم اس باب میں کریں گے۔ ان کی سیرت اور ان کے اقوال کا اجمالی ذکر کریں گے، جس سے ان کے اصول و آداب سے واقفیت بھی حاصل ہو گی (ان شاء اللہ تعالیٰ)

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

ابو اسحاق ابراہیم بن ادھم بن منصور' آپ رحمۃ اللہ علیہ بلخ (بلخ خراسان کا ایک مشہور شہر ہے) کے رہنے والے تھے۔ ایک شہزادے تھے۔ ایک دن شکار کو نکلے' لومڑی یا خرگوش کا پیچھا کیا۔ ابھی اس کے پیچھے ہی تھے کہ ایک غائبانہ آواز آئی:

ارے ابراہیم! کیا اسی لئے پیدا ہوئے ہو؟ یا اسی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ اس طرح ایک آواز پھر زین کے پڑتلے سے آئی: بخدا! نہ تو تم اس لئے پیدا کئے گئے ہو اور نہ ہی تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے!

یہ سن کر سواری سے اتر آئے۔ راستے میں اپنے باپ کا ایک چرواہا ملا، چرواہے سے اون کا جبہ لیا اور اسے پہن لیا ور اپنا گھوڑا مع ساز و سامان کے اسے دے دیا۔ پھر جنگل میں نکل گئے۔ پھر مکہ آئے اور سفیان ثوری اور فضیل بن عیاض کی بت اختیار کی۔ پھر شام چلے آئے اور وہیں دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتے تھے۔ مثلاً فصل کی کٹائی کرتے اور باغوں کی نگرانی وغیرہ کیا کرتے تھے۔ جنگل میں انہیں ایک شخص ملا' جس نے انہیں اسم اعظم سکھایا' اس کے ذریعے دعا کی' تو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں میرے بھائی داؤد علیہ السلام نے اسم اعظم سکھایا تھا۔

ابراہیم بن بشار کہتے ہیں کہ میں ابراہیم بن ادھم کا مصاحب تھا، میں نے ان سے کہا کہ آپ کے راہ راست پر آنے کا واقعہ کیسے ہوا؟ تو انہوں نے مجھ سے مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا۔

آپ کا تقویٰ:

ابراہیم بن ادھم ورع کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

کمائی پاک رکھو' پھر چاہے رات کو قیام نہ کرو اور دن کو روزہ نہ رکھو' کوئی حرج کی بات نہیں۔ آپ کی اکثر دعا یہ ہوا کرتی تھی۔ اے اللہ! مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے نکال کر اپنی تابعداری کی عزت کی طرف منتقل کر دے۔

ابراہیم بن ادھم سے کسی نے کہا: حضرت! گوشت مہنگا ہو گیا۔ فرمایا: اسے سستا کر دو' یعنی نہ خریدو۔ اور یہ شعر پڑھا:

واذا غلا شیء علیّ ترکته   فیکون ارخص ما یکون اذا غلا

جب کوئی چیز مہنگی ہو جاتی ہے تو اسے چھوڑ دیتا ہوں' تو وہ مہنگی ہونے کے باوجود سستی ہو جاتی ہے۔

صالحین کا درجہ اور چھ گھاٹیاں:

احمد بن خضرویہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھم نے ایک شخص سے طواف کرتے ہوئے کہا:

جان لو! جب تک تم یہ چھ گھاٹیاں عبور نہ کر لو، تم صالحین کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے:

(۱) ناز و نعمت کا دروازہ بند کر دو اور سختی کا دروازہ کھول لو۔

(۲) عزت کا دروازہ بند کر کے' ذلت کا دروازہ کھول لو۔

(۳) آرام' راحت و آسانی کا دروازہ بند کر کے' محنت کا دروازہ کھول لو۔

(۴) سونے کا دروازہ بند کر کے' جاگنے کا دروازہ کھول لو۔

(۵) مالداری کا دروازہ بند کر کے' فقر و فاقہ کا دروازہ کھول لو۔

(۶) امیدوں کا دروازہ بند کر کے' موت کی تیاری کا دروازہ کھول لو۔

خوب مارو اس سر کو سب......!:

ابراہیم بن ادھم انگوروں کے باغ کی حفاظت پر مامور تھے۔ ایک فوجی وہاں سے گذرا' کہنے لگا:

ہمیں کچھ انگور دے دو۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کے مالک کی طرف سے مجھے اجازت نہیں۔ اس نے اپنے کوڑے سے انہیں مارنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنا سر جھکا دیا اور کہا: خوب مارو اس سر کو جو ایک عرصے تک اللہ کی نافرمانی کرتا رہا۔ آدمی تنگ آ کر چل دیا۔

کمال انکساری:

سہل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ابراہیم بن ادھم کا مصاحب تھا۔ میں بیمار ہو گیا۔ انہوں نے مجھ پر خوب خرچ کیا۔ مجھے کوئی خواہش ہوئی تو اپنا گدھا بیچ کر اس کی قیمت مجھ پر خرچ کر ڈالی۔ جب میں رو بہ صحت ہوا تو میں نے کہا:

اے ابراہیم! گدھا کہاں گیا؟ کہنے لگے: ہم نے بیچ ڈالا۔ تو میں نے کہا: اب میں سفر کس پر کروں گا؟

کہنے لگے: بھائی! میری گردن پر، اور تین منزلوں تک مجھے اٹھاتے پھرتے رہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ثوبان بن ابراہیم اور ایک قول کے مطابق فیض بن ابراہیم تھا۔ آپ کے والد نوبہ (مصر کے جنوب میں ایک وسیع و عریض علاقہ) کے رہنے والے تھے۔ ۲۴۵ھ میں انتقال فرمایا۔ تصوف میں عالی قدر' اور علم' ورع' حال اور ادب کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھے۔ خلیفہ متوکل کے پاس لوگوں نے ان کی چغلی کھائی، اس نے مصر سے بلا بھیجا۔ جب اس کے پاس گئے' تو اسے وعظ کیا۔ متوکل رویا، آپ کو مجبوراً دوبارہ مصر بھیج دیا۔ متوکل کے سامنے جب اہل ورع کا ذکر کیا جاتا' تو رو پڑتا۔ اور کہا کرتا تھا: جب اہل ورع کا ذکر کرو' تو ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ضرور کیا کرو۔

ذوالنون دبلے پتلے کمزور تھے، سرخی مائل رنگ تھا' داڑھی میں سفیدی نہ تھی۔

ارشادات:

فرماتے تھے، کلام کا مدار چار چیزوں پر ہے:

(۱) اللہ جلیل سے محبت (۲) قلیل دنیا سے نفرت

(۳) قرآن کی اتباع (۴) حالت کی تبدیلی کا ڈر

فرماتے تھے، اللہ کو دوست رکھنے والوں کی علامات یہ ہیں:

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاق' افعال' اوامر اور سنن میں اتباع کرنا۔

حضرت ذوالنون مصری سے کمینے شخص کے بارے پوچھا گیا، تو فرمایا:

جو اللہ تک پہنچنے کا طریقہ نہ جانتا ہو اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرتا ہو۔

توبہ کا واقعہ:

یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ ایک روز میں ذی النون کی مجلس میں حاضر تھا کہ سالم مغربی تشریف لائے' اور کہنے لگے:

اے ابوالفیض ! آپ کی توبہ کی کیا وجہ ہوئی ؟ کہنے لگے: عجیب قصہ ہے۔ تم اس کی تاب نہ لاسکو گے۔

کہنے لگے: تمہیں اللہ کی قسم ! مجھے ضرور بتانا۔

ذوالنون فرمانے لگے: میں نے مصر سے نکل کر کسی بستی کی طرف جانے کا ارادہ کیا، میں راستے میں کسی صحراء میں سو گیا' جب میری آنکھ کھلی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھی چنڈول اپنے گھونسلے سے زمین پر آ گری اور زمین پھٹ گئی اور زمین سے دو کوزے نکلے' ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا۔ ایک میں تل تھے اور دوسرے میں پانی۔ چنڈول تل کھانے لگی اور پانی پینے لگی' میں نے یہ دیکھا' تو کہا: میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ میں توبہ تائب ہو گیا' اور باب الٰہی سے چمٹا رہا' حتیٰ کہ اللہ نے مجھے قبول کر لیا۔

ارشادات:

فرماتے تھے: جب معدے میں کھانا بھرا ہوا ہو' تو اس میں حکمت قرار نہیں پکڑتی۔

آپ سے توبہ کے بارے پوچھا گیا' تو فرمایا: عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے' جبکہ خواص کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

مرو کے اطراف کے رہنے والے اور خراسانی تھے' ایک قول یہ ہے کہ سمرقند (ذوالقرنین کا آباد کردہ ماوراء النہر کا ایک مشہور شہر) میں پیدا ہوئے اور نشوونما ابیورد (خراسان میں سرخس اور نسا کے مابین ایک علاقہ) میں پائی۔ محرم ۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

فضیل.....ڈاکو سے بزرگ:

فضیل بن موسیٰ کہتے ہیں کہ فضیل بن عیاض ڈاکو تھے اور اور سرخس اور ابیورد کے درمیان ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ توبہ کی وجہ یہ بنی کہ ایک لڑکی سے عشق کرنے لگے' ایک مرتبہ جب دیوار پھلانگ کر اس کے پاس جا رہے تھے' تو کسی کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا:

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (سورۃ حدید:۱۶)

''کیا مؤمنین کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں خشوع اختیار کریں''۔

کہنے لگے: اے اللہ! وقت آ گیا ہے؟ رات ایک ویران کھنڈر میں گذاری' وہاں کچھ اور لوگ بھی تھے۔

کچھ کہنے لگے: یہاں سے کوچ کر چلتے ہیں۔ اور کچھ کہنے لگے: صبح تک یہیں رہو' کیونکہ راستے میں فضیل ہے۔ وہ ہم پر ڈاکہ ڈال دے گا۔ فضیل نے توبہ کر لی۔ اور انہیں امان دی اور مرتے دم تک حرم میں جا گزیں ہو گئے۔

ارشادات:

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں:

جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو اس کے غم کو زیادہ کر دیتا ہے اور جب کسی سے نفرت کرتا ہے' تو اس کے لئے دنیا کشادہ کر دیتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ فضیل کی موت سے غم وحزن اٹھ گیا۔

فضیل فرماتے ہیں: اگر ساری کی ساری دنیا مجھ پر پیش کر دی جائے اور مجھ سے اس کا حساب بھی نہ لیا جائے' تو میں اس سے اس طرح بچوں گا' جس طرح تم مردار سے گذرتے ہوئے بچتے ہو کہ کہیں وہ کپڑوں کے ساتھ نہ لگ جائے۔

فضیل فرماتے ہیں: اگر میں قسم کھاؤں کہ میں ریاکار ہوں' تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں یہ قسم کھاؤں کہ میں ریاکار نہیں ہوں۔

فضیل فرماتے ہیں: لوگوں کے لئے کوئی کام چھوڑنا ریاکاری اور لوگوں کے لئے کوئی کام کرنا شرک ہے۔

ابو علی رازی فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک فضیل کی صحبت میں رہا' میں نے کبھی انھیں نہ ہنستے اور نہ مسکراتے دیکھا۔ سوائے اس دن کے کہ جس دن ان کا بیٹا علی فوت ہوا۔ اس دن میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا: اللہ نے ایک بات کو پسند کیا تو میں نے بھی اسے پسند کر لیا۔

فرماتے ہیں: جب میں اللہ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہوں' تو اس کے اثرات میں اپنے گدھے اور خادم کے اخلاق میں بھی پاتا ہوں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

ابو محفوظ معروف بن فیروز کرخی (کرخ کی طرف نسبت جو کہ بغداد کا ایک محلّہ ہے)' کبار مشائخ میں سے اور مستجاب الدعوات تھے' لوگ ان کی قبر سے شفا پاتے ہیں۔ اہل بغداد کا کہنا ہے کہ معروف کی قبر مجرب تریاق ہے۔ حضرت علی بن موسیٰ رضا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۲۰۰ھ میں وفات ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۲۰۱ھ میں ہوئی۔ حضرت سری سقطی کے استاد تھے۔ ان سے ایک دن کہنے لگے: جب اللہ سے کوئی حاجت ہو تو میری قسم دے کر مانگا کرو۔

اسلام لانے کا واقعہ:

استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی کے والدین عیسائی تھے۔ انہوں نے معروف کو اپنے استاد کے حوالے کیا، ابھی آپ بچے تھے، تو استاد ان سے کہتا: کہو ثالث ثلاثۃ (اللہ تین میں سے ایک ہے) تو کہتے؟ نہیں! وہ ایک ہے۔ ایک دن استاذ نے بہت زیادہ مارا تو بھاگ گئے۔ ان کے والدین کہتے: کاش! معروف واپس چلا آئے۔ جس دین پر چاہے آ جائے، ہم بھی اس کا ساتھ دیں گے۔ پھر وہ حضرت علی بن موسیٰ رضا کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اور گھر واپس پلٹے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو آواز آئی کہ کون ہے؟ کہنے لگے: معروف ہوں۔ انہوں نے پوچھا: کس دین پر آئے ہو؟

جواب دیا: دین حنیف پر، چنانچہ والدین بھی مسلمان ہو گئے۔

محبت خداوندی میں چور:

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن خواب میں معروف کرخی کو عرش کے نیچے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے پوچھا: یہ کون ہے؟ وہ کہنے لگے: اللہ جی آپ ہی جانتے ہیں۔ تو ارشاد ہوا۔ یہ معروف کرخی ہے، میری محبت کا نشہ اسے مست رکھے ہوئے ہے، میری ملاقات کے بغیر اسے افاقہ نہیں ہو سکتا۔

عمل کیا ہے؟

حضرت معروف کرخی فرماتے ہیں کہ داؤد طائی کے کسی مصاحب نے مجھ سے کہا: ارے! عمل نہ چھوڑنا، کیونکہ یہ ہی تجھے اللہ کی رضا کے قریب کرے گا، تو میں نے پوچھا: عمل کیا ہے؟ کہنے لگا: ہمیشگی کے ساتھ رب کی اطاعت، مسلمانوں کی خدمت اور خیر خواہی۔

محمد بن حسین کہتے ہیں کہ میرے والد فرماتے ہیں کہ میں نے معروف کرخی کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ کہنے لگے: معاف کر دیا۔ میں نے کہا: آپ کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے؟ کہنے لگے: نہیں! بلکہ ابن سماک کی نصیحت کے قبول کرنے، فقر و فاقہ کو لازم پکڑنے اور فقراء سے محبت کرنے کی وجہ سے۔

ابن سماک کی نصیحت:

بقول معروف کے ابن سماک کی نصیحت کا واقعہ یوں ہے کہ ایک روز معروف کہتے ہیں کہ میں کوفہ سے گزر رہا تھا، تو میں ایک شخص کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا، جو کہہ رہا تھا:

جس نے اللہ سے پوری طرح منہ موڑا، اللہ اس سے تھوڑا سا منہ موڑ لیتے ہیں اور جو دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تمام دنیا کی توجہ اس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ جو بھی

اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کبھی غیر کی طرف' تو اللہ تعالیٰ اس پر کسی نے کسی وقت رحم کر دیتے ہیں۔

معروف کہتے ہیں کہ اس کلام کا میرے دل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ میں نے سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی طرف توجہ کر لی' سوائے اپنے آقا علی بن موسیٰ رضا کی خدمت کے، اور اس بات کا تذکرہ ان کے سامنے بھی کیا' تو فرمانے لگے: اگر تم اس نصیحت پر عمل کرو' تو تمہارے لئے یہی کافی ہے۔

وصیت:

مرض الموت میں معروف سے کہا گیا کہ وصیت فرمایئے، کہنے لگے: جب میں مر جاؤں تو میری قمیص صدقہ کر دینا' کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح میں دنیا میں برہنہ جسم آیا تھا' اسی طرح جاؤں۔

روزہ توڑ دیا:

حضرت معروف کا گذر ایک مشکیزے سے پانی پلانے والے کے پاس سے ہوا' جو کہہ رہا تھا: جو میرا پانی پئے' اللہ اس پر رحم کرے' جبکہ معروف اس دن روزے سے تھے۔ لیکن آگے بڑھے اور پانی پی لیا۔ کسی نے کہا: حضرت! آپ کا تو روزہ نہیں تھا؟ کہنے لگے: جی ہاں! ضرور تھا' لیکن میں اس کی دعا کا امیدوار ہوں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

ابو الحسن سری بن المغلس (یہ ان کا لقب تھا' کیونکہ آپ نماز کے علاوہ گھر سے نہ نکلتے تھے) السقطی' یہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے خالو اور استاد تھے۔ جبکہ معروف کرخی کے شاگرد تھے۔ علوم توحید' احوال سنت اور ورع میں یکتائے روزگار تھے۔

کرامت معروف:

حضرت سری سقطی بازار میں تجارت کیا کرتے تھے۔ جبکہ آپ حضرت معروف کے شاگرد تھے۔ ایک دن معروف آئے' ان کے ساتھ ایک یتیم بچہ تھا۔ تو فرمایا: اسے کپڑا پہنا دو۔ سری کہتے ہیں: میں نے پہنا دیا۔ تو معروف خوش ہو گئے اور فرمایا: اللہ تجھے دنیا سے نفرت کرنے والا بنا دے اور جس مصیبت میں تو مبتلا ہے' اس سے تجھے راحت عطا فرمائے۔ سری کہتے ہیں کہ جب میں دکان سے اٹھا' تو دنیا سے بڑھ کر کوئی چیز میرے نزدیک ناپسندیدہ نہ تھی، اور میری یہ حالت معروف کی دعا کی برکت سے تھی۔

سب سے بڑے زاہد:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سری سے زیادہ عبادت گزار کسی کو نہ پایا۔ انہوں نے ۹۸ سال عمر پائی' کبھی انہیں لیٹے ہوئے نہ دیکھا گیا' سوائے مرض الموت کے۔

تصوف...سری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

حضرت سری فرماتے ہیں: تصوف تین چیزوں میں ہے:

(۱) صوفی کا نورِ معرفت اس کے نور ورع کو نہ بجھائے۔

(۲) اپنے باطن میں ایسا خیال نہ لائے جو نص قرآنی یا نص سنت کے خلاف ہو۔

(۳) کرامت کی خاطر کوئی حرام کام نہ کر بیٹھے۔

محبت خداوندی:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت سری نے مجھ سے محبت کے بارے پوچھا، میں نے کہا: بعض موافقت کو کہتے ہیں اور بعض ایثار کو، کچھ یوں کہتے ہیں اور کچھ یوں۔ پھر سری نے اپنے بازو کی کھال کو پکڑ کر کھینچا۔ لیکن وہ نہ کھنچی۔ پھر فرمایا: اس ذات کی عزت وجلال کی قسم! اگر میں یوں کہوں کہ اللہ کی محبت میں یہ کھال اس ہڈی پر خشک ہوگئی ہے تو سچ ہوگا۔ پھر بیہوش ہوگئے اور ان کا گول چہرہ چاند کی طرح چمکنے لگا۔ حالانکہ سری سانولے رنگ کے تھے۔

تیس سال تک استغفار:

حضرت سری فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے الحمد للہ کہا تھا' اس کی پاداش میں تیس سال سے استغفار کر رہا ہوں۔ پوچھا گیا: وہ کیسے؟ فرمانے لگے:

بغداد میں ایک بار آگ لگ گئی' ایک شخص مجھے بلا کر کہنے لگا' آپ کی دکان بچ گئی' تو میں نے الحمد للہ کہہ دیا۔ جس کی وجہ سے تیس سال سے میں اپنے کہے پر نادم ہوں۔ کیونکہ مسلمانوں پر جو مصیبت آئی تھی' میں نے اس کے برعکس اپنے نفس کیلئے بھلائی چاہی۔

ورع کی انتہاء:

حضرت سری فرماتے ہیں کہ میں دن میں کئی بار اپنی ناک کو دیکھتا ہوں۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ سیاہ نہ ہوگئی ہو' کیونکہ مجھے خطرہ لگا رہتا ہے کہ ارے بھائی! اللہ تعالیٰ میرے اعمال بد کی وجہ سے کہیں میرا چہرہ نہ سیاہ کر دیں۔

فرماتے ہیں: مجھے جنت میں جانے کا مختصر طریقہ معلوم ہے، جنید کہتے ہیں: میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ فرمانے لگے:

نہ کسی سے کچھ مانگو اور نہ کسی سے کچھ لو اور نہ تمہارے پاس کوئی چیز ہو کہ اس میں سے کسی کو دو۔

حضرت سری فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے بغداد کے علاوہ کسی اور علاقے میں موت آئے۔ پوچھا گیا: کیوں؟ تو فرمانے لگے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ میری قبر کہیں مجھے قبول نہ کرے اور میں رسوا ہو جاؤں۔

حضرت سری کی دعا:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے سری کو یہ دعا کرتے سنا: اے اللہ! جو چاہے عذاب دے دے' لیکن اپنے سے دور رکھنے کا عذاب نہ دے۔

اور......کوزہ توڑ دیا:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت سری سقطی کے پاس گیا' حضرت رو رہے تھے۔

میں نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمانے لگے:

کل رات بچی آئی اور کہنے لگی: ابا جان! آج رات بہت گرم ہے' میں یہ کوزہ یہاں لٹکا دیتی ہوں۔ اس کے بعد میری آنکھ لگی تو میں نے ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھا' جو آسمان سے اتری۔ میں نے پوچھا: تو کس کی لڑکی ہے؟

کہنے لگی: اس کی جو کوزوں میں ٹھنڈا پانی نہیں پیتا۔ اس پر میں نے کوزہ لیا اور زمین پر پٹخا کر توڑ ڈالا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ان ٹھیکریوں کو دیکھا۔ سری نے نہ انہیں اٹھایا اور نہ چھوا' حتیٰ کہ میں نے ان کے نام ونشان کو مٹا ڈالا۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ

ابونصر بشر بن حارث حافی (حافی آپ کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے موچی سے جوتے کا تسمہ مانگا' تو وہ کہنے لگا: تم لوگ لوگوں پر کس قدر بوجھ ہو' آپ نے جوتے اتار پھینکے اور کبھی نہ پہننے کی قسم کھائی)' آپ دراصل مرو کے رہنے والے تھے۔ بغداد میں مقیم ہو گئے اور یہی وفات پائی۔ آپ علی بن خشرم کے بھانجے تھے۔ ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔ بڑی شان والے تھے۔

توبہ کا واقعہ

آپ کی توبہ کا سبب یہ بنا کہ آپ کو راستے میں ایک کاغذ پڑا ملا۔ جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ اسے لوگوں کے پاؤں نے روند ڈالا تھا۔ آپ نے اسے اٹھایا اور ایک درہم کی خوشبو خریدی اور اس کاغذ کو لگائی اور اسے ایک دیوار کے شگاف میں رکھ دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے:

اے بشر! تو نے میرے نام کو خوشبو لگائی' میں ضرور تیرے کام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار بنا ڈالوں گا۔

ایک مرتبہ حضرت بشر کا گذر چند لوگوں کے پاس سے ہوا' وہ کہہ رہے تھے: یہ شخص رات بھر نہیں سوتا اور ہر تیسرے دن ہی صرف روزہ نہیں رکھتا۔ بشر رو پڑے' ان سے اس بارے میں پوچھا گیا' تو فرمانے لگے: مجھے نہیں یاد کہ میں ساری رات جاگا ہوں اور یہ کہ مین نے دن کا روزہ رکھا ہو تو رات افطار نہ کیا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے فضل سے کہیں زیادہ نیکیاں اپنے لطف وکرم سے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ پھر اپنی توبہ کا واقعہ بیان کیا' جو کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

منازل ابرار تک کیسے جا پہنچے؟

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' تو مجھ سے فرمایا:

اے بشر! کیا جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں ساتھیوں سے بلند وعزت والا کیوں بنایا؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں' فرمایا: میری سنت کی اتباع کرنے کی وجہ سے' صالحین کی خدمت کرنے کی وجہ سے' اپنے بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے' میرے اصحاب سے محبت کرنے اور میرے اہل بیت سے محبت کرنے کی وجہ سے تم ابرار کی منازل تک جا پہنچے ہو۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات:

حضرت بلال خواص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل (تیہ) سے گزر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص میرے ساتھ ساتھ گذر رہا ہے۔ میں اس پر حیران ہوا' پھر میرے دل میں خیال آیا کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں۔

تو میں نے ان سے پوچھا: اللہ کی قسم! بتایئے آپ کون ہیں؟ کہنے لگے: تمہارا بھائی خضر۔ تو میں نے کہا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے: پوچھیے! میں نے کہا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ کہنے لگے: وہ اوتاد میں سے تھے۔ (یعنی جن لوگوں نے اللہ کے دین کی حفاظت کی اور اللہ نے اس کے بدلے میں انہیں اپنی رضا سے نوازا)۔

پھر میں نے پوچھا: بشر حافی کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمانے لگے:

اس کے بعد اس جیسا آدمی پیدا نہیں ہوا۔

میں نے پوچھا: کس وسیلے سے مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوئی؟

فرمانے لگے: اپنی ماں کی اطاعت کرنے کی وجہ سے۔

جوتا خرید لو.........!

حضرت بشر حافی' معافی بن عمران کے گھر آئے' دروازے پر دستک دی' تو پوچھا گیا: کون؟ تو فرمایا: بشر حافی! تو اندر سے ایک بچی نے کہا: اگر دو دانگ کا تم اپنے لئے جوتا خرید لو تو لوگ تمہیں حافی (برہنہ پا) نہ کہیں۔

صاحب ورع تھے:

احمد بن علی دمشقی کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ بن جلاء نے مجھ سے کہا کہ میں نے ذوالنون کو دیکھا ہے' ان کی گفتگو واضح ہوا کرتی تھی اور میں نے سہل کو دیکھا ہے' ان کے کلام میں اشارات تھے' اور بشر بن حارث کو میں نے دیکھا ہے' ان میں پرہیز گاری تھی۔ اس پر کسی نے پوچھا کہ آپ کا میلان کس کی طرف ہے؟ فرمانے لگے: اپنے استاد بشر بن حارث کی طرف۔

کہا جاتا ہے کہ کئی سال تک انہیں پھل کھانے کی خواہش رہی۔ لیکن انہوں نے نہ کھایا۔ وفات کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا تو پوچھا: آپ کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ فرمانے لگے: معاف کر دیا اور فرمایا: ارے! وہ جس نے دنیا میں نہیں کھایا' خوب کھا اور جس نے دنیا میں نہیں پیا' خوب پی۔

عافیت کو سالن بنا لیتا ہوں:

حضرت بشر بن حارث فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے مجھے بھنا ہوا گوشت کھانے کی چاہت ہے۔ لیکن ابھی تک قیمت پر قادر نہ ہو سکا۔ ان سے پوچھا گیا: آپ کس چیز سے روٹی کھاتے ہیں؟ فرمانے لگے: عافیت کو یاد کر کے اسی کو سالن بنا لیتا ہوں۔

اقوال وارشادات:

حضرت بشر فرماتے ہیں: حلال میں اسراف کی گنجائش نہیں ہوتی۔

آپ کو خواب میں کسی نے دیکھا تو پوچھا: اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمانے لگے: مجھے معاف کر دیا اور نصف جنت کی مجھے اجازت دے دی اور مجھ سے فرمایا: اے بشر! بندوں کے دلوں میں' میں نے جو تمہاری محبت ڈال دی ہے' اس کا شکر تم انگاروں پر سجدہ کر کے بھی نہیں ادا کر سکتے۔

فرماتے ہیں: جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس سے محبت کریں وہ آخرت کی حلاوت نہیں پا سکتا۔

حضرت حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ

ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبی' علم' ورع' معاملات اور حال کے اعتبار سے اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ دراصل بصری تھے۔ بغداد میں ۲۴۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

ورع کی انتہا:

کہا جاتا ہے کہ باپ کی وراثت سے انہیں ۷۰ ہزار درہم ملے' لیکن ایک بھی نہ لیا۔ بعض اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے والد' قدریہ کے قائل تھے۔ تو ورع کے تقاضے کے موجب اس کی میراث میں سے کچھ نہ لیا اور فرمایا: حضور ﷺ کا ارشاد ہے، ''دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے'' (ابوداؤد ۲۹۱۱' ابن ماجہ ۲۷۳۱)

محمد بن مسروق کہتے ہیں کہ جب حارث بن اسد محاسبی کا انتقال ہوا' تو ایک درہم تک کے محتاج تھے' حالانکہ ان کے والد نے بہت سی زمینیں اور جاگیریں چھوڑی تھیں' لیکن ان میں سے کچھ نہ لیا۔

جب کبھی حارث محاسبی کسی ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے' جس میں شبہ ہوتا' تو انگلی کی ایک رگ پھڑکتی اور سمجھ جاتے اور ہاتھ روک لیتے۔

شیخ...... بزرگوں کی نظر میں:

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ ہمارے شیوخ میں سے پانچ کی اقتداء کرو اور باقی کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

(۱) حارث بن اسد محاسبی (۲) جنید بن محمد (۳) ابومحمد رُویم

(۴) ابوالعباس بن عطاء (۵) عمرو بن عثمان مکی

کیونکہ یہ لوگ علم اور حقائق دونوں کے جامع ہیں۔

ابوعثمان بلدی فرماتے ہیں کہ حارث محاسبی نے مراقبے اور اخلاص کے ذریعے باطن کی اصلاح کی' تو اللہ نے مجاہدے اور اتباع سنت کی وجہ سے انُ کے ظاہر کو مزین کر دیا۔

حضرت نے کھانا نہیں کھایا:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حارث محاسبی میرے پاس سے گزرے' تو میں نے انہیں بھوکا محسوس کیا، تو میں نے عرض کیا: چچا! تشریف لائیں اور کچھ تناول فرمالیں۔ فرمایا: ٹھیک ہے! فرماتے ہیں، میں گھر آیا اور ان کے آگے پیش کرنے کیلئے کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ گھر میں کہیں سے شادی کا کھانا آیا پڑا تھا۔ میں نے وہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔ ایک لقمہ لیا اور اسے منہ میں کئی بار گھمایا۔ پھر اٹھے اور اسے دہلیز پر پھینک ڈالا اور چلے گئے۔ کئی دن کے بعد' جب میں نے انہیں دیکھا تو وجہ پوچھی، فرمانے لگے: مجھے بھوک لگ رہی تھی اور میں نے چاہا کہ تمہارا کھانا کھا کر تمہیں خوش کر دوں اور تمہارا دل رکھوں۔ لیکن میرے اور اللہ کے درمیان ایک عہد ہے کہ وہ مجھے ایسا کھانا نہ کھلائے گا' جس میں کوئی شبہ ہو اور میرے لئے نگلنا ممکن نہ ہو۔ پوچھنے لگے: تمہارے پاس یہ کھانا کہاں سے آیا تھا؟ میں نے کہا: پڑوس میں شادی تھی' وہاں سے آیا تھا۔

میں نے عرض کیا: آج تشریف لے آئیں! فرمانے لگے: ٹھیک ہے۔ میں نے اپنا روٹی کا ایک سوکھا ہوا ٹکڑا پیش کر دیا۔ اسے کھایا اور فرمایا: جب کسی درویش کو کھانا دو تو ایسا کھانا دو۔

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ

ابوسلیمان داود بن نصیر الطائی، یہ بڑی شان والے بزرگ ہیں۔

کمال احتیاط:

یوسف بن سباط کا کہنا ہے کہ داؤد طائی کو وراثت میں بیس ۲۰ دینار ملے، جنہیں انہوں نے بیس سال میں خرچ کیا۔

توبہ کا واقعہ:

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ داؤد طائی کے زہد کا سبب یہ تھا کہ وہ بغداد سے گزرا کرتے تھے۔ ایک دن گذر رہے تھے، تو راہگیر اسے دھکیل کر حمید طوسی کے سامنے لے آئے۔ داؤد نے جب غور سے دیکھا تو حمید پر نظر پڑی۔ فرمایا: دنیا پر افسوس، دنیا میں حمید تجھ سے آگے نکل گیا۔ پھر گھر ہی کے ہو گئے اور مجاہدہ و عبادت میں مشغول ہو گئے۔

میں نے بغداد میں ایک فقیر کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ داؤد طائی کے زہد کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ایک نوحہ کرنے والی عورت کو ماتم کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے سنا:

بأي خديك تبدى البلى وأي عينيك اذاً سَالا

اے پیارے عزیز! تمہارا کون سا رخسار بوسیدہ ہوا اور کون سی آنکھ بہہ گئی۔

بعض حضرات نے ان کے زہد کا سبب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس بیٹھنا بتایا ہے۔ ایک دن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے انہیں کہا: اے ابوسلیمان! ہم نے ساز و سامان کو مضبوط تیار کر لیا ہے۔ داؤد نے پوچھا: اب کون سی چیز باقی ہے؟ تو فرمایا: اس پر عمل کرنا۔

گوشہ نشینی:

داؤد کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے نفس نے مجھے گوشہ نشینی کی طرف کھینچا۔ مگر دل نے کہا اس وقت تک گوشہ میں نہ جانا، جب تک ان کی مجلس میں نہ بیٹھ لو اور بشرطیکہ کسی مسئلہ میں گفتگو نہ کر لو۔ داؤد کہتے ہیں، میں ایک سال تک ان کی مجلس میں بیٹھا رہا، مگر کسی مسئلے میں گفتگو نہ کی۔ کئی ایک مسائل ذہن میں آئے اور میں بات کرنے کا اس سے بھی زیادہ مشتاق ہوتا، جتنا کہ ایک پیاسا ٹھنڈے پانی کا مشتاق ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود میں نہیں بولتا تھا۔ اس کے بعد داؤد جس مرتبہ کو پہنچے ظاہر ہے۔ کہتے ہیں جنید نامی حجام نے انہیں سینگھی لگائی، انہوں نے اسے ایک دینار دیا، کسی نے کہا: یہ تو اسراف ہے۔

تو فرمایا: جس شخص میں مروت نہیں پائی جاتی' اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں ہوتی۔

داؤد کی دعا:

داؤد رات کو یوں دعا کیا کرتے تھے:

اے خدایا! تیرے غم نے تمام دنیاوی غموں کو معطل کر دیا ہے اور یہ غم میرے اور میری نیند کے درمیان حائل ہیں۔

زہد کا عالم:

اسماعیل بن زیاد الطائی کہتے ہیں کہ داؤد طائی کی دایہ نے ان سے کہا: کیا تجھے روٹی کی خواہش نہیں ہوتی؟ تو جواب دیا: روٹی چبانے اور نان کے ٹکڑوں کو نگلنے کے وقت میں' پچاس آیات پڑھی جاسکتی ہیں۔

داؤد مر گئے:

جب داؤد کی وفات ہوئی تو ایک صالح شخص نے انہیں خواب میں دیکھا' تو پوچھا: کیا بات ہے؟ دوڑے جا رہے ہو؟ تو جواب دیا: ابھی ابھی چھٹکارا پا کر آ رہا ہوں۔ پھر اس کے بعد اس شخص کی آنکھ کھل گئی اور رونے اور چیخنے کی آوازیں بلند ہوئیں' لوگ کہہ رہے تھے کہ داؤد مر گئے۔

اقوال:

ایک آدمی نے ان سے کہا: مجھے وصیت فرمائیں' تو فرمایا: موت کا لشکر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس ایک شخص آیا' دیکھا کہ پانی کے مٹکے پر دھوپ پڑ رہی ہے۔ اس نے کہا: آپ اسے سایہ میں کیوں نہیں کر دیتے؟ تو فرمایا: جب میں نے اسے یہاں رکھا تھا' دھوپ نہ تھی اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں ایسے کام کے لئے قدم اٹھاؤں' جس میں نفس کی خواہش پائی جاتی ہے۔

ایک بار ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان کو دیکھنے لگا' انہوں نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ صوفیاء فضول نظروں کو بھی برا جانتے ہیں' اسی طرح جس طرح فضول کلام کو برا جانتے ہیں۔

ابو الربیع واسطی فرماتے ہیں کہ انہوں نے داؤد طائی سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے' تو فرمایا:

دنیا سے اور موت سے روزہ کھولو۔ اور لوگوں سے اسی طرح بھاگو' جس طرح درندوں سے بھاگتے ہو۔

حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ

ابو علی شقیق بن ابراہیم بلخی' یہ خراسان کے مشائخ میں سے ہیں۔ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے' حاتم اصم کے استاد تھے۔

توبہ کا واقعہ:

کہتے ہیں کہ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ یہ ایک مالدار خاندان میں سے تھے۔ تجارت کیلئے ترکستان گئے اور ابھی نوخیز تھے۔ وہاں بت خانہ میں گئے۔ ایک پجاری کو دیکھا' جس نے سر اور داڑھی منڈا رکھی تھی اور ارغوانی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔

شقیق نے خادم سے کہا: تمہارا پیدا کرنے والا عالم اور قادر اور حیّ ذات ہے۔ اس کی عبادت کرو اور ان بتوں کو جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں' نہ نقصان' ان کی عبادت و پوجا نہ کرو۔ پجاری نے کہا: اگر واقعتاً ایسی ہی بات ہے' جو تو نے کہی' تو وہ اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ وہ تجھے تیرے ہی شہر میں روزی دے دے' تو تجارت کی مشقت اٹھا کر یہاں کیوں آیا ہے؟ ان الفاظ کو سن کر شقیق چونک پڑے اور زہد کا راستہ اختیار کیا۔

زہد کی ایک اور وجہ:

بعض حضرات نے یوں کہا کہ انہوں نے ایک شخص کو' جو غلام تھا۔ قحط کے زمانے میں کھیلتے اور اچھلتے دیکھا' حالانکہ لوگ قحط کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ شقیق نے اس نوجوان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو اس قدر خوش ہے' کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے کہ لوگ اس قحط و گرانی کی وجہ سے کیسے پریشان ہیں؟

تو غلام شخص نے جواب میں کہا: مجھے اس قحط کا کیا غم ہے؟ جب میرے آقا کے پاس ایک پورا گاؤں ہے' جس سے اس کو اس قدر آمدنی ہوتی ہے، جو ہماری ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ یہ سن کر شقیق چونکے اور کہا کہ اس کے آقا کے پاس ایک گاؤں ہے اور وہ بھی مخلوق و محتاج ہے اور اسے روزی کی فکر نہیں۔ تو اس کے باوجود یہ کیسے مناسب ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان اپنی روزی کی فکر کرے' حالانکہ اس کا آقا مالدار ہے۔

زاہد بن گئے:

حاتم اصم کا قول ہے کہ شقیق بن ابراہیم مالدار تھے' نوجوان بنتے اور نوجوانوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسیٰ بن ماہان تھا' جسے شکاری کتوں سے بڑی محبت تھی۔ ایک بار اس کا ایک کتا گم ہو گیا۔ کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص کے پاس ہے' وہ شخص شقیق کے پڑوس میں رہتا تھا۔ جب اس شخص کو ڈھونڈا گیا' تو اس نے شقیق کے گھر میں پناہ پکڑی' شقیق حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ کتا تو میرے پاس ہے۔ لہٰذا اس کا پیچھا چھوڑ دو' میں تین دن کے اندر واپس کر دوں گا۔ چنانچہ اس کو چھوڑا گیا تو یہ واپس آ کر بڑے فکر مند ہوئے' یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آ گیا۔ شقیق کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب بلخ واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں ایک کتا ملا' جس کے گلے میں پٹہ تھا۔ اس کو پکڑ لیا' اس ارادے

سے کہ وہ شقیق کو تحفہ دے گا' کیونکہ وہ کتوں کا بہت شوقین تھا۔ چنانچہ جب وہ کتا لایا' تو شقیق نے غور سے دیکھا تو وہی امیر کا کتا تھا۔ یہ دیکھ کر شقیق خوش ہوا اور جا کر امیر کو دے دیا اور ضمانت سے پیچھا چھڑایا' توفیق الٰہی کے ساتھ شقیق اس واقعہ کی وجہ سے غفلت سے بیدار ہوا' اپنے اعمال سے توبہ کرتے ہوئے زہد کا راستہ اختیار کیا۔

تم کیا محسوس کر رہے ہو؟

حاتم اصم کہتے ہیں میں اور شقیق ایک جنگ میں ترکوں سے لڑ رہے تھے' سر کٹ کر گر رہے تھے اور تلواریں ٹوٹ کر گر رہیں تھیں۔ اس حالت میں شقیق نے کہا: حاتم! آج اپنے آپ کو کیسے پا رہے ہو؟ کیا یہ ایسی خوشی ہی نہیں جو شب زفاف میں تھی!، میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں! انہوں نے کہا: مگر اللہ کی قسم! میں ویسا ہی محسوس کر رہا ہوں' جیسا اس رات کو محسوس کر رہا تھا۔

یہ کہتے ہوئے اپنی ڈھال سر کے نیچے رکھ کر دونوں صفوں کے درمیان سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔

اقوال:

شقیق فرماتے ہیں: جب تو کسی آدمی کی حقیقت معلوم کرنا چاہے' تو دیکھ کہ اللہ نے اس سے کیا وعدہ کیا ہے اور لوگوں نے کیا؟ پس اس کا اعتماد دونوں میں سے جس پر زیادہ ہوگا' وہی اس کی حقیقت ہوگی۔

پھر اس کے بعد شقیق فرماتے ہیں کہ انسان کا تقویٰ تین چیزوں سے معلوم ہو جاتا ہے:

(۱) کیا لیتا ہے؟ (۲) کن چیزوں سے اپنے آپ کو روکتا ہے؟ (۳) کیا باتیں کرتا ہے؟

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں بزرگوں میں سے' ابو یزید بن طیفور بن عیسیٰ البسطامی ہیں۔ ان کے دادا پہلے مجوسی تھے۔ پھر اسلام لائے۔ وہ تین بھائی تھے۔ آدم' طیفور اور علی۔ تینوں بہت زاہد اور عابد تھے۔ ان میں ابو یزید سب سے زیادہ عبادت گذار اور جلیل القدر تھے۔

بعض حضرات نے ان کی وفات ۲۶۱ ھجری اور بعض نے ۲۳۴ ھجری بتائی ہے۔

حسن بن علی فرماتے ہیں کہ جب ابو یزید سے دریافت کیا گیا: آپ کو معرفت کیسے حاصل ہوئی؟ تو فرمایا: پیٹ کو بھوکا اور بدن کو ننگا رکھ کر۔

تیس سالہ مجاہدہ:

ابو یزید کہتے ہیں: میں نے تیس سال مجاہدہ کیا' مگر علم اور اس پر عمل کرنے سے بڑھ کر کسی چیز کو مشکل نہیں پایا۔ اگر

علماء میں اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک ہی اجتہاد پر رہ جاتا اور مسئلہ تجرید توحید کے علاوہ دوسرے مسائل میں علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل یزید نے مکمل قرآن حکیم حفظ کر لیا تھا۔

ابو یزید واپس ہو گئے:

عمی بسطامی کہتے تھے کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ ان سے ابو یزید نے کہا کہ آؤ! چل کر اس شخص کو دیکھیں' جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے اور وہ شخص لوگوں میں اپنے زہد کی وجہ سے مشہور تھا۔ دور دراز سے لوگ اس کے پاس آتے تھے اور جب ہم اس کے پاس گئے' تو وہ گھر سے نکلا اور مسجد میں داخل ہوا اور قبلہ کی جانب تھوک پھینکا۔ یہ دیکھنا تھا کہ ابو یزید واپس چلے آئے اور اسے سلام بھی نہ کیا' اور فرمانے لگے: یہ شخص تو آداب نبوی میں سے ایک ادب کا بھی امانتدار اور امین نہیں ہے، ولایت کا امین کیسے ہو سکتا ہے؟ جس کا یہ دعوے دار ہے!

عورتوں سے نجات:

ایک اور روایت میں مروی ہے کہ ابو یزید کہتے ہیں: میں نے ارادہ کیا کہ خدائے عزوجل سے درخواست گذار ہوں کہ مجھے کھانے اور عورتوں کی مصیبت سے نجات دے' پھر خیال کیا کہ میرے لئے یہ درخواست کرنا درست نہیں' جب کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسی درخواست نہیں کی، لہٰذا میں نے یہ درخواست نہیں کی۔ پھر مجھے اللہ نے عورتوں سے اس قدر بچا لیا کہ میرے وہم و خیال میں بھی نہیں آتا تھا کہ یہ عورت میرے سامنے ہے یا دیوار۔

زہد...... بایزید کی نظر میں:

بسطامی اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابو یزید سے ان کی ابتدائے معرفت اور زہد کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: زہد کی کوئی منزل نہیں' میں نے عرض کیا: کیوں؟ فرمانے لگے: اس لئے کہ میں صرف تین دن تک زہد میں رہا' چوتھا دن آیا تو میں اس سے رخصت ہو گیا۔

پہلے دن' میں نے دنیا و مافیہا سے زہد کیا۔ دوسرے دن میں نے آخرت و مافیہا سے زہد کیا اور تیسرے دن اللہ کے ماسوی سے زہد کیا' جب چوتھا دن آیا تو اللہ کے سوا کچھ باقی نہ رہا' تو میں دیوانہ وار پھیرنے لگا۔

اچانک ھاتف کی آواز آئی: اے بایزید! تو ہمارے ساتھ رہنے کی سکت نہیں رکھ سکتا۔ میں نے کہا: میں یہی چاہتا ہوں' پھر ایک شخص کو سنا جو یہ کہہ رہا تھا تو نے اپنا مقصد پا لیا۔

نفس کی مخالفت:

کسی نے ابو یزید سے سوال کیا: آپ کو اللہ کی راہ میں کون سی مشکل چیز برداشت کرنی پڑی؟ جواب میں کہنے لگے' اس

کا بیان نہیں ہو سکتا۔ پھر سوال کیا: آپ کے نفس نے سب سے آسان کون سی چیز دیکھی؟ تو کہنے لگے: میں نے نفس کو عبادت کی دعوت دی، مگر اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو میں نے اس کے بدلے اسے ایک سال تک پانی نہ دیا۔

نماز میں حالت:

ابو یزید کہتے ہیں: میں نے تیس سال سے یہ حالت اختیار کر رکھی ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں، مگر نماز کے وقت میں یہ اعتقاد اپنے دل میں رکھتا ہوں کہ میں گویا ابھی مجوسی ہوں اور اپنا زنار کاٹنا چاہتا ہوں۔

نصیحت:

موسیٰ بن عیسیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو یزید فرماتے ہیں کہ تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات دی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہو، پھر بھی تم اس سے دھوکا نہ کھانا۔ یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر اور نواھی اور حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی ادائیگی میں کیسا ہے۔

مجھے شرم آئی:

عمی بسطامی اپنے والد سے حکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک رات ابو یزید ایک سرائے کی دیوار پر اللہ کی یاد کے لئے گئے، مگر صبح تک کوئی ذکر نہ کر سکے، میں نے سبب دریافت کیا، تو فرمایا: بچپن میں ایک لفظ زبان پر جاری ہو گیا تھا۔ وہ یاد آ گیا تھا۔ اس لئے شرم آئی کہ اسی زبان سے اللہ کی یاد کروں۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ

انہی بزرگوں میں سے ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری ہیں۔ یہ صوفیاء کے ائمہ میں سے تھے۔ معاملات اور پرہیزگاری میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، صاحب کرامات تھے۔ جس سال حضرت ذوالنون مصری حج کے لئے گئے ان سے مکہ میں ملاقات ہوئی۔ ان کی وفات میں دو اقوال ہیں، ایک ۲۸۳ ھجری اور ایک ۲۷۳ ھجری ہے۔

جب میں تین سال کا تھا.....:

سہل کہتے ہیں، میں تین سال کی عمر میں اپنے ماموں محمد بن سوار کی نماز کو رات کو بیدار ہو کر دیکھتا تھا۔ میرے ماموں رات کو نماز کے لئے اٹھتے تھے اور بسا اوقات کہتے: اے سہل! جا سو جا، میرا دل تیری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

ارے! تو ذکر نہیں کرتا:

عبداللہ بن عبدالحمید، سہل بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں ان کے ماموں نے ایک دن کہا: کیا تو اپنے

اس خدا کو یاد نہیں کرتا' جس نے تم کو پیدا کیا ہے؟ سہل کہنے لگے: میں اسے کیسے یاد کروں؟ فرمایا: جب تو اپنے کپڑوں میں پلٹے' تو زبان کو حرکت دیئے بغیر تین بار دل سے کہے۔ اللہ معی، اللہ ناظر الی، اللہ شاھد علی۔

میں نے تین راتوں تک ایسا کیا' پھرانہیں بتایا' تو کہنے لگے: اب ہر رات سات بار کہا کرو' میں نے ایسا کیا۔ پھر ان کو اطلاع دی' پھر کہنے لگے: اب ہر رات گیارہ بار کہا کرو' میں نے ایسا بھی کیا۔ اس سے میرے دل میں لذت وحلاوت پیدا ہوگئی۔ جب اس طرح سال گذر گیا تو میرے ماموں نے کہا: جو بات میں نے تمہیں سکھلائی ہے۔ اسے محفوظ رکھو' اس پر تا حیات قائم رہو' یہ تم کو دنیا وآخرت میں فائدہ دے گی۔ میں کئی سال تک ایسا کرتا رہا' تو میرے باطن میں لذت وحلاوت محسوس ہوئی۔ پھر ایک دن میرے ماموں نے کہا: اے سہل! جس شخص کے ساتھ اللہ ہو اور وہ اسے دیکھ بھی رہا ہو اور گواہ بھی ہو' کیا وہ شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا؟ معصیت سے بچو۔

مکتب میں:

میں نے خلوت اختیار کی' تو گھر والوں نے مدرسہ میں بھیج دیا اور میں کہنے لگا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے غم اور افکار منتشر نہ ہونے لگیں۔ لہٰذا میں معلم کے پاس اس شرط پر جانے لگا کہ ایک گھنٹہ جاؤں گا اور پھر واپس آ جاؤں گا۔ میں مدرسہ گیا اور چھ سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور میں سال بھر روزہ رکھتا اور جو کی روٹی کھاتا' یہاں تک کہ بارہ سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ تیرہ برس کی عمر میں ایک مسئلہ کے درپیش ہونے کے سلسلہ میں گھر والوں سے میں نے درخواست کی کہ مجھے بصرہ بھیج دیں' تا کہ اس مسئلہ کو دریافت کر سکوں' چنانچہ میں نے بصرہ پہنچ کر وہاں کے علماء سے دریافت کیا کسی سے مجھے تسلی بخش جواب نہ ملا' تو میں عبادان (خلیج عربی پر واقع ایک جگہ کا نام ہے) کی طرف نکل گیا۔ وہاں ابو حبیب حمزہ بن عبداللہ العبادانی سے ملا۔ انہوں نے اس مسئلہ کا جواب دیا' ایک مدت تک میں ان کے پاس رہا۔ ان کے کلام سے میں بہت فائدہ حاصل کرتا رہا اور ان کے آداب کو میں نے اپنا لیا۔

خوراک:

اس کے بعد میں تستر لوٹ آیا اور اپنی خوراک کو بہت زیادہ کم کر دیا' اس طرح کہ ایک درہم کا فرق جو بھی خرید لیا جاتا' اسے پیس لیا جاتا اور روٹی پکالی جاتی اور میں ہر رات صرف اوقیہ بھر روکھی روٹی سے' جس کے ساتھ نہ نمک ہوتا اور نہ سالن' افطار کرتا۔ چنانچہ میرے لئے ایک درہم سال بھر کے لئے کافی ہوتا' اس کے بعد میں نے تین راتوں کے بعد افطار کرنے کا عزم کر لیا' پھر بڑھاتے بڑھاتے پانچ کیا' پھر سات' پھر پچیس۔ اسی طرح میں نے بیس سال گذارے۔ پھر میں کئی سال سیاحت کرتا رہا۔ پھر تستر لوٹ آیا اور اب میں رات بھر قیام میں رہتا ہوں۔

نفس کے لیے عذاب:

نصر بن احمد' سہل بن عبداللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

ہر وہ فعل' جسے انسان آنحضرت ﷺ کی اقتداء کے بغیر کرے' خواہ وہ عبادت ہو یا معصیت' وہ نفس کی زندگی ہے اور ہر وہ فعل' جسے وہ آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں کرے' وہ نفس کیلئے عذاب ہے۔

ابوسلیمان عبدالرحمٰن دارانی رحمۃ اللہ علیہ

ان ہی بزرگوں میں سے ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی رحمہ اللہ ہیں۔ داران دمشق کی ایک بستی ہے۔ ابو سلیمان عبدالرحمٰن وارانی رحمہ اللہ نے ۲۱۵ھ ہجری میں وفات پائی۔

اقوال:

احمد بن ابی الحواری' ابوسلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جس نے دن کے وقت کوئی نیک کام کیا، اسے اسی رات جزا دی جاتی ہے اور جس نے رات کو کوئی نیک عمل کیا، اسے دن میں جزا دی جاتی ہے اور جس نے صدق دل سے خواہشات کو چھوڑا، اللہ تعالیٰ ان خواہشات کو اس کے دل سے نکال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ مہربان ہیں کہ وہ کسی دل کو اس کی اس خواہش کی وجہ سے عذاب دیں' جو اللہ کی خاطر ترک کی گئی ہو۔

مزید فرماتے ہیں: جس دل میں دنیا سکونت پذیر ہو جاتی ہے، آخرت وہاں سے کوچ کر جاتی ہے۔

شریعت کی تائید لازمی:

حضرت جنید' ابوسلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکات معرفت وارد ہوتے ہیں، اور کئی دنوں تک رہتے ہیں۔ مگر جب تک کتاب وسنت کے دونوں عادل گواہ اس کی تائید نہ کریں، انہیں قبول نہیں کرتا۔

نیز فرماتے ہیں: بہترین عمل' خواہشات نفسانی کی مخالفت ہے۔

ہر چیز کی علامت:

نیز فرماتے ہیں: ہر چیز کی علامت ہے اور رسوائی و ذلت کی علامت یہ ہے کہ ہم بارگاہ رب العزت میں آہ وزاری کرنا چھوڑ دیں۔

قلب کا زنگ:

فرمایا: ہر چیز کو زنگ لگتا ہے اور قلب کے نور کا زنگ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔

فرمایا: ہر وہ چیز جو تجھے اللہ سے غافل کر دے، خواہ وہ گھر بار ہو یا اولاد وہ تمہارے لئے منحوس ہے۔

اب ہمیشہ ہاتھ پھیلاؤں گا:

فرماتے ہیں: ایک رات سخت سردی تھی اور میں محراب میں عبادت کر رہا تھا۔ سردی نے مجھے بے چین کر دیا۔ لہٰذا میں نے ایک ہاتھ سردی کی وجہ سے چھپا لیا اور دوسرا ہاتھ پھیلائے رکھا۔ اس درمیان میں میری آنکھ لگ گئی، جس پر ایک ہاتف کی آواز آئی: اے ابوسلیمان! ہم نے اس ہاتھ میں کچھ رکھ دیا ہے، جو اسے مل گیا ہے۔ اگر دوسرا ہاتھ بھی ہوتا تو اس میں بھی کچھ رکھ دیتے۔ لہٰذا میں نے قسم کھائی کہ اب ہمیشہ ہاتھ پھیلا کر دعا مانگا کروں گا، خواہ گرمی کا زمانہ ہو یا سردی کا۔

ارے! تو سو رہا ہے:

ابوسلیمان فرماتے ہیں: میں ایک بار سو گیا اور اپنا ورد نہ پڑھ سکا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حور مجھے کہہ رہی ہے: کیا تو سو رہا ہے؟ حالانکہ مجھے تمہارے لئے پانچ سو سال سے ان خیموں میں پرورش کیا جا رہا ہے!

میری ذات کی قسم:

احمد بن ابی الحواری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں ابوسلیمان کے پاس گیا، تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ فرمانے لگے:

احمد! میں کیوں نہ روؤں؟ جب رات تاریک ہو جاتی ہے اور لوگ سو جاتے ہیں اور ہر حبیب اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں چلا جاتا ہے اور اہل محبت اپنے پاؤں پھیلا لیتے ہیں اور ان کے رخساروں پر آنسو آ جاتے ہیں اور محرابوں میں قطرے گرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور جبرائیل کو پکار کر کہتے ہیں: اے جبرائیل! جو لوگ میرے کلام سے لذت حاصل کرتے ہیں اور میرے ذکر سے راحت پاتے ہیں، وہ میری نگاہ میں ہیں۔ ان کی خلوت گاہوں میں، میں ان کو دیکھتا ہوں، ان کی آہ و زاری کو سنتا ہوں اور رونے کو دیکھتا ہوں۔ اے جبرئیل! تو پکار کر کیوں نہیں پوچھتا کہ یہ رونا کیسا؟ کیا کبھی کوئی حبیب اپنے محبوب کو عذاب دیتا ہے۔ میرے لئے کیا یہ مناسب ہے کہ میں ان لوگوں کی گرفت کروں، جو رات ہوتے ہی میرے آگے چاپلوسی کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم! جب یہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے، تو ان کے لیے اپنے چہرے سے پردہ اٹھاؤں گا، تاکہ وہ مجھے دیکھ لیں، اور میں انہیں دیکھ لوں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ

ان ہی بزرگوں میں سے ابوعبدالرحمٰن حاتم بن علوان ہیں۔

انہیں حاتم بن یوسف الاصم بھی کہتے ہیں۔ یہ خراسان کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ شقیق بلخی کے شاگرد اور احمد بن خضرویہ کے استاد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دراصل بہرے نہ تھے' ایک دن جان بوجھ کر بہرے بنے' پھر ان کا یہی نام پڑ گیا۔

اصم نام کی وجہ:

استاد ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ دقاق فرماتے ہیں کہ ایک عورت حاتم سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آئی۔ اتفاقاً اس وقت اس کی ہوا خارج ہوگئی' جس سے وہ شرمندہ ہوگئی۔ حاتم نے کہا: اور بلند آواز سے کہو اور ایسا ظاہر کیا' جیسے وہ بہرے ہیں۔ اس سے عورت بہت خوش ہوئی اور سمجھی کہ آپ نے آواز نہیں سنی۔ اسی وجہ سے انہیں اصم (بہرہ) کہا جانے لگا۔

شیطان کا سوال حاتم کا جواب:

حامد اللفاف' حاتم اصم سے روایت کرتے ہیں کہ ہر صبح مجھے شیطان کہتا ہے: تو کیا کھائے گا؟ کیا پہنے گا؟ اور کہاں رہے گا؟ میں جواب دیتا ہوں: موت کھاؤں گا' کفن پہنوں گا اور قبر میں رہوں گا۔

عافیت کا دن:

اس بزرگ ہی سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو جواب دیا: دن چڑھنے سے لے کر رات ہونے تک عافیت چاہتا ہوں۔ پھر سوال کیا گیا: کیا تمام دن عافیت کے دن نہیں ہوتے؟ تو فرمایا: میرا عافیت کا دن وہ ہوتا ہے' جس میں' میں اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کروں۔

ایک کرامت:

حاتم اصم سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا: میں ایک جنگ میں تھا' تو مجھے ایک ترکی نے پکڑ کر قتل کرنے کے لئے لٹا دیا۔ مجھے کسی قسم کی فکر نہ ہوئی۔ بلکہ میں منتظر تھا کہ دیکھوں اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ ابھی وہ اپنے موزے میں سے چھری نکال رہا تھا کہ اچانک ایک تیر لگا اور وہ وہیں چت ہو گیا' پھر میں اٹھ کھڑا ہوا۔

حاتم سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارے مذہب میں داخل ہو' اس میں موت کی چاروں خصلتیں پائی جانی چاہئیں:

(۱) سفید موت' یعنی بھوک۔

(۲) سیاہ موت' یعنی مخلوق کی طرف سے اذیت برداشت کرنا۔

(۳) سرخ موت' یعنی خواہشات کی مخالفت میں ایسا دل جو ہر قسم کے کھوٹ سے پاک ہو۔

(۴) سبز موت' یعنی چیتھڑے پر چیتھڑا لگانا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ:

انہی بزرگوں میں سے ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی الواعظ ہیں۔ اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ ان کے اقوال رجاء کے لئے مخصوص ہیں اور معرفت میں بھی ان کا کلام پایا جاتا ہے۔ بلخ چلے گئے اور مدت تک وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر نیشا پور چلے آئے اور وہیں یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

اقوال:

احمد بن عیسیٰ' یحییٰ بن معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص میں ورع نہیں' وہ زاہد کیسے ہوسکتا ہے؟ جو چیز تمہاری نہیں' اس سے پرہیز کرو۔ پھر جو چیز تمہاری ہے' اس سے زہد اختیار کرو۔

بھوک:

یحییٰ بن معاذ ہی سے مروی ہے: توابین کی بھوک' تجربہ کے طور پر ہوتی ہے۔ زاہدین کی بھوک' سیاست نفس کے طور پر اور صدیقین کی بھوک' کرامت کی موجب بنتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں: وقت کا فوت ہو جانا' موت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ وقت کے فوت ہو جانے سے اللہ سے تعلق ٹوٹتا ہے اور موت سے مخلوق سے قطع تعلق ہوتا ہے۔

زہد کیا ہے؟

یحییٰ فرماتے ہیں: زہد تین چیزوں کا نام ہے:

(۱) قلت (۲) خلوت (۳) بھوک

نفس کے لیے مفید ترین:

یحییٰ فرماتے ہیں: اگر تو ہر وقت اپنے نفس کو ایسے امور میں لگائے گا' جو اس کے لیے بہتر ہوں تو تمہارے نفس کے لئے اس سے بڑھ کر کسی اور چیز میں فائدہ نہیں ہوسکتا۔

خدا اس مال میں برکت نہ دے:

ایک بار بلخ میں تقریر کرتے ہوئے' یحییٰ بن معاذ نے مالداری کو فقر پر ترجیح دی۔ پھر انہیں تیس ہزار درہم دیئے گئے۔ یہ دیکھ کر ایک بزرگ نے کہا۔ خدا! اس مال میں برکت نہ دے' یہ نیشا پور چلے گئے اور ایک چور آ پڑا اور مال لے اڑا۔

الحسین بن علویہ روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ جس نے در پردہ اللہ سے خیانت کی' اللہ تعالیٰ

اعلانیہ طور پر اس کا پردہ چاک کریں گے۔

بہترین قول:

علی بن محمد، یحییٰ بن معاذ رازی سے روایت کرتے ہیں کہ برے لوگوں کا تمہیں یہ کہنا کہ تو پاک وصاف ہے، تمہارے لئے معیوب ہے اور ان کا تم سے محبت کرنا، تمہارے لئے عیب کا سبب ہے اور جو تمہارا محتاج ہو، وہ تمہارے نزدیک حقیر ہے۔

احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ

انہی بزرگوں میں سے ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی ہیں۔ خراسان کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ یہ ابوتراب نخشبی کی صحبت میں رہے۔ نیشاپور پہنچ کر انہوں نے ابوحفص کی زیارت کی اور پھر ابویزید کی زیارت کی غرض سے بسطام (نیشاپور کے راستے میں دامغان کے بعد ایک بہت بڑا شہر) کو نکل گئے۔ کڑیل جوان تھے۔

مشائخ کی آراء:

ابوحفص فرماتے ہیں: میں نے احمد بن خضرویہ سے بڑھ کر نہ کسی کو باہمت دیکھا اور نہ ہی سچے حال والا پایا۔

بایزید کہا کرتے تھے کہ احمد ہمارے استاد ہیں۔

وقت نزع......

محمد بن حامد فرماتے ہیں کہ جب احمد بن خضرویہ نزع کی حالت میں تھے، تو میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت ان کی عمر پچانوے سال ہو چکی تھی۔ اس حالت میں ان کے ایک مرید نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: بیٹا! پچانوے سال سے میں ایک دروازہ کھٹکھٹا تا رہا تھا اور اب وہ کھلنے کو ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کھلنا میرے لیے سعادت مندی کا سبب ہوگا یا بدبختی کا... میرے پاس اب جواب دینے کا وقت کہاں؟

راوی کہتا ہے کہ ان کے ذمے سات سو دینار قرض تھا، قرض خواہ بھی اس وقت موجود تھے۔ احمد نے ان کی طرف دیکھ کر کہا: اے اللہ! تو نے مال کے مالکوں کے لئے مال رہن کو دستاویز قرار دے رکھا ہے اور تو (قیامت کے دن) دستاویز ان سے لے گا۔ لہٰذا میرا قرضہ ادا کر دے۔ اسی وقت کسی نے دستک دی اور کہا: احمد کے قرض خواہ کہاں ہیں؟ اور احمد کا تمام قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد ان کی روح نکل گئی۔

نیند، غفلت، خواہش نفس:

احمد بن خضرویہ فرماتے ہیں کہ کوئی نیند غفلت سے بڑھ کر بھاری نہیں اور نہ خواہش نفس سے بڑھ کر کوئی اور غلامی

انسان پر قابو رکھتی ہے۔ اگر غفلت کا بوجھ تم پر نہ ہو تو تمہاری خواہش تم پر کبھی غالب نہ آسکے۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالحسین احمد بن ابی الحواری (بعض نسخوں میں الخواری ہے) ہیں۔ یہ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ابوسلیمان دارانی کی صحبت میں رہے' ان کی وفات ۲۳۰ ھ میں ہوئی۔

جنید فرماتے ہیں کہ احمد بن ابی الخواری شام کی خوشبو ہیں۔

دنیا:

سعید بن عبدالعزیز الحلبی' احمد بن ابی الحواری سے روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی دنیا کی طرف ارادت مندی اور محبت سے دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نور یقین اور زہد نکال دیتے ہیں۔

باطل عمل:

اسی بزرگ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: جس شخص نے سنت رسول ﷺ کی پیروی کے بغیر کوئی کام کیا' اس کا وہ عمل باطل ہے۔

بہترین رونا:

احمد بن ابی الخواری سے مروی ہے کہ سب سے بہتر رونا یہ ہے کہ بندہ ان اوقات میں روئے' جن میں اس نے (شریعت سے) موافقت نہیں کی۔ یعنی شریعت کے مطابق عمل نہیں کیا۔

سخت ترین:

نیز فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی بندہ کو غفلت اور سنگدلی سے بڑھ کر سخت چیز میں مبتلا نہیں کیا۔

ابوحفص عمر الحداد رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوحفص عمر بن مسلمۃ الحداد (الطبقات الکبریٰ للشعرانی میں ان کا نام عمر بن سالم درج ہے) ہیں۔ بخارا کو جاتے ہوئے' شہر نیشاپور کے دروازہ کے قریب ایک بستی ہے، جسے کوردآباد کہا جاتا ہے۔ یہ وہاں کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے کے ائمہ اور سادات میں سے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶۰ء ہجری میں وفات پائی۔

گناہ.....کفر کا پیش خیمہ:

ابوحفص فرماتے ہیں کہ گناہ کفر کا پیش خیمہ ہے۔ جس طرح بخار موت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

کہتے ہیں: جب تو کسی مرید کو سماع سے محبت رکھتے ہوئے دیکھے' تو سمجھ لو کہ اس میں ابھی بے ہودگی پائی جاتی ہے۔

نیز فرمایا: ظاہری آداب کا اچھا ہونا' باطنی آداب کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔

جوانمردی؟

نیز فرمایا کہ جوانمردی یہی ہے کہ لوگوں سے انصاف کرو' مگر ان سے انصاف کا مطالبہ نہ کرو۔

آداب:

ابوعلی الثقفی روایت کرتے ہیں کہ ابوحفص فرماتے ہیں: جو شخص ہر وقت اپنے افعال کو کتاب وسنت کے میزان میں نہ تولتا ہو اور نہ ہی اپنے خیالات کا اہتمام کرتا ہو، اسے ہم مردوں کے رجسٹر ''دیوان رجال'' میں شمار نہیں کرتے۔

حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوتراب عسکر بن حصین نخشبی (نخشب ماوراء النہر کا ایک علاقہ ہے، اسی کی طرف نسبت ہے) ہیں۔ یہ حاتم اصم اور ابوحاتم عطار مصری کی صحبت میں رہے۔ ابوتراب نخشبی ۲۴۵ھ میں فوت ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ انہیں جنگل میں درندوں نے کاٹ کھایا تھا۔

ابن جلاء فرماتے ہیں: میں چھ سو شیوخ کی صحبت میں رہا' مگر چار شیوخ جیسا کسی کو نہیں پایا' ان میں پہلے ابوتراب نخشبی ہیں۔

فقیر کی خوراک' لباس اور مسکن:

ابوتراب فرماتے ہیں: فقیر کی خوراک وہ ہے جو اسے مل جائے' لباس وہ ہے جو اس کا ستر چھپا سکے اور مسکن وہی ہے جہاں وہ مرتا ہے۔

صدق دل اور خلوص:

نیز ابوتراب فرماتے ہیں: جب بندہ صدق دل سے کوئی کام کرتا ہے' تو اسے کرنے سے پہلے ہی اس کی حلاوت محسوس ہو جاتی ہے اور جب خلوص سے وہ کام شروع کرتا ہے' تو کام کرتے ہوئے اسے اس کی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے۔

شیخ اسمٰعیل بن نجید سے فرماتے ہیں کہ جب ابوتراب نخشبی اپنے مریدوں میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے تو از سر نو ان کو توبہ کراتے اور ان کو اور زیادہ مجاہدے کا حکم دیتے اور فرماتے: یہ میری بدقسمتی ہے کہ ان سے اس قسم کی بات سرزد ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَهُ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُوْنَهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّالٍ ﴾ (الرعد: ۱۱)

ابوتراب نخشی اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ جس نے گدڑی پہنا وہ سائل بنا، جو خانقاہ یا مسجد میں بیٹھا وہ بھی سائل بنا اور جس نے قرآن مجید سے کچھ پڑھایا اس لئے پڑھا کہ لوگ سنیں تو وہ بھی سائل بنا۔

جا... بازار میں جا کر بیٹھ:

ابوتراب کہا کرتے تھے: میرے اور اللہ کے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ اگر میں اپنا ہاتھ حرام کی طرف بڑھاؤں' تو میرا ہاتھ حرام تک نہ پہنچ سکے۔ ایک بار آپ نے اپنے ایک صوفی مرید کو تربوز کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا اور اس وقت وہ تین دن کا بھوکا تھا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: تو اپنا ہاتھ تربوز کے چھلکے کی طرف بڑھا رہا ہے؟ تو تصوف کا اہل نہیں! جا... بازار میں جا کر بیٹھ...!

اب کھالو:

یوسف بن الحسین' ابوتراب نخشی سے روایت کرتے ہیں کہ میرے نفس نے صرف ایک بار تمنا کی اور وہ یہ تھی کہ میرے نفس نے ایک بار، جب کہ میں سفر میں تھا، روٹی اور انڈے کی خواہش کی۔ لہٰذا میں راستہ سے ہٹ کر ایک بستی میں چلا آیا۔ ایک آدمی لپک کر مجھ سے چمٹ گیا اور کہا' یہ چوروں کے ساتھ تھا۔ انہوں نے مجھے اوندھا لٹا دیا اور ستر ڈنڈے مارے۔ اس وقت ایک صوفی ادھر آ نکلا اور وہ چیخ اٹھا اور کہا: ارے! یہ تو ابوتراب نخشی ہیں! لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا اور معذرت چاہی۔ ایک آدمی مجھے اپنے گھر لے گیا اور اس نے میرے سامنے روٹی اور انڈے لا کر رکھے۔

میں نے نفس سے کہا: ستر کوڑوں کے بعد اب کھالو...!

کھانا کہاں کھایا؟

ابن جلاء فرماتے ہیں کہ ابوتراب مکہ میں آئے تو بہت خوش تھے۔ میں نے کہا: اے استاد! آپ نے کھانا کہاں کھایا؟ فرمایا: ایک لقمہ بصرہ میں' ایک لقمہ بناج میں اور ایک یہاں۔

حضرت عبداللہ بن خبیق رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابومحمد عبداللہ بن خبیق ہیں۔ یہ زاہد صوفیوں میں سے تھے۔ یوسف بن اسباط کی صحبت میں رہے، دراصل کوفہ کے تھے، مگر انطاکیہ میں رہائش اختیار کر رکھی تھی۔

چار خصلتیں:

فتح بن شخرف روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن خبیق نے فرمایا کہ اے خراسانی! صرف چار چیزیں قابل توجہ ہیں۔ ان کے سوا کچھ نہیں:

تمہاری آنکھ' زبان' دل اور خواہش نفس، اپنی آنکھوں کی طرف دیکھو' کسی ایسی طرف نگاہ نہ اٹھاؤ جو جائز نہ ہو۔ زبان کو دیکھ...اس سے کوئی ایسی بات نہ کہو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہو کہ تو کہہ کچھ رہا ہے اور تمہارے دل میں کچھ اور ہے، دل کو دیکھ' اس میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ وبغض نہیں ہونا چاہئے۔ اپنی خواہش کو دیکھ اور کسی قسم کی برائی کی خواہش مت کرو' اگر تم میں یہ چار خصلتیں نہیں پائی جاتیں تو سمجھ لو کہ تم بد بخت ہو۔ لہٰذا اپنے سر پر خاک ڈالو۔

غم:

ابن خبیق فرماتے ہیں: غم نہ کھاؤ' صرف اس چیز کا غم کھاؤ' جو تجھے کل (قیامت کے دن) ضرر پہنچائے اور صرف اس چیز سے خوش ہو، جو تجھے کل خوش کرے۔

مانوس کیوں نہیں؟

نیز فرماتے ہیں: چونکہ بندہ اللہ سے مانوس نہیں' اس لیے لوگوں کے دل اس سے مانوس نہیں۔ اگر لوگ اپنے رب کے ساتھ مانوس ہو جائیں' تو سب لوگ ان سے مانوس ہو جائیں گے۔

خوف اور امید:

نیز فرمایا: سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا خوف' وہ خوف ہے' جو تجھے گناہوں سے روکے اور جس کی وجہ سے تو ان چیزوں پر دیر تک غم کھاتا رہے' جو تجھ سے چھوٹ گئی ہیں اور بقیہ عمر میں وہ تجھے فکر میں ڈالے رکھے۔

سب سے فائدہ مند امید' وہ امید ہے جو تیرے لیے عمل کو آسان کر دے۔

نیز فرمایا: دیر تک بے ہودہ باتوں کو سنتے رہنا' دل سے عبادت کی حلاوت کو زائل کر دیتا ہے۔

حضرت احمد بن عاصم انطاکی

ابو علی احمد بن عاصم انطاکی' بشر بن حارث' سری سقطی اور حارث محاسبی کے معاصرین میں سے تھے۔ ابو سلیمان دارانی انہیں ان کی فراست کی تیزی کی وجہ سے ''جاسوس القلوب'' کہا کرتے تھے۔

احمد بن عاصم فرماتے ہیں کہ جب تو دل کی اصلاح کرنا چاہے تو پہلے زبان کی حفاظت کر۔

نیز فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (التغابن: ۱۵)

تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش اور فتنہ ہیں اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اس فتنہ میں اضافہ چاہتے ہیں۔

حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالسری منصور بن عمار ہیں۔ یرانقان (شاید دندانقان کہنا مقصود ہے۔ سرخس اور مرد کے درمیان مرو شاھجان سے دس فرسخ کے فاصلے پر ایک مضافاتی علاقہ ہے) کے باشندے تھے جو مرو کی ایک بستی ہے۔ بعض انہیں بوشنج (ہرات کا سرسبز و خوبصورت علاقہ ہے۔ دونوں کے درمیان دس فرسخ کا فاصلہ ہے) کا بتاتے ہیں۔ بصرہ میں مقیم تھے۔ ان کا شمار اکابر واعظین میں ہوتا تھا۔

منصور فرماتے ہیں: جو شخص دنیاوی مصائب سے گھبراتا ہے، اس کی مصیبت دین میں منتقل ہو جاتی ہے۔

بہترین لباس:

نیز فرماتے ہیں: بندے کا بہترین لباس تواضع اور انکساری ہے اور عارفین کے لئے بہترین لباس تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ (الاعراف: ۲۶) تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔

توبہ کا سبب:

بعض کہتے ہیں کہ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ انہیں راستے میں ایک کاغذ کا پرزہ ملا۔ جس پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے اٹھا لیا اور جب انہیں کوئی اور جگہ رکھنے کو نہ ملی' تو انہوں نے اسے کھا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص انہیں کہہ رہا ہے: اس پرزے کی تعظیم کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حکمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اس کے لیے ایک کرسی رکھو:

ابوالحسن الشعرانی سے روایت ہے کہ میں نے منصور بن عمار کو خواب میں دیکھا' تو پوچھا کہ اللہ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ فرمایا: اللہ نے کہا: کیا منصور بن عمار تو ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں' میرے رب! پھر اللہ نے فرمایا: تو وہی ہے...ناں! جو لوگوں کو دنیا سے زہد کی ترغیب دیا کرتا تھا اور خود دنیا کی رغبت رکھتا تھا۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! ہاں ایسا ہی ہے۔ مگر جس مجلس میں بھی میں بیٹھا ہوں' میں نے پہلے آپ کی ثنا کہی ہے' پھر آپ کے نبی ﷺ پر درود بھیجا ہے اور اس کے

بعد آپ کے بندوں کو نصیحت کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سچ کہتا ہے' اس کے لئے ایک کرسی رکھ دو' تا کہ جس طرح دنیا میں لوگوں کے درمیان یہ میری بزرگی بیان کیا کرتا تھا' اسی طرح میرے فرشتوں کے درمیان یہ میری بزرگی بیان کرے۔

حضرت حمدون بن احمد بن قصار رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو صالح حمدون بن احمد بن عمارۃ قصار ہیں۔ یہ نیشا پور کے رہنے والے تھے۔ نیشا پور میں ملامتیہ (یہ صوفیاء کا ایک مسلک ہے۔ حمدون کہتے ہیں یہ قدریہ کے خوف اور مرجئہ کے رجاء کا مرکب ہے) کا مذہب ان ہی کے ذریعے پھیلا۔ سلمان باروسی اور ابوتراب نخشبی کی صحبت میں رہے اور ۲۷۱ھ میں وفات پائی۔

وعظ کب کرے؟

حمدون سے دریافت کیا گیا کہ انسان کو کب وعظ کرنا چاہئے؟ تو فرمایا: جب انسان کے دل میں یہ بات متعین ہو جائے کہ اللہ کے فرائض میں سے کوئی فرض ادا کرنا ہے' یا اس وقت جب اسے ڈر ہو کہ ایک انسان بدعت میں پڑ کر تباہ ہونے والا ہے اور اسے امید ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے بدعت سے نجات دیں گے۔

تکبر.......

نیز فرمایا: جس نے یہ خیال کیا کہ اس کا نفس فرعون کے نفس سے بہتر ہے تو اس نے تکبر کا اظہار کیا۔

نیز فرمایا: جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطان کو اشرار لوگوں کے (معلوم کرنے میں) فراست حاصل ہے۔ اسی وقت سے سلطان کا خوف میرے دل سے نہیں نکلا۔

نیز فرمایا: جب تو کسی کو شراب کے نشہ میں سرشار دیکھے' تو تو بھی بناوٹی طور پر ادھر ادھر جھکنے لگ جا' تا کہ کہیں تو اس پر زیادتی نہ کر بیٹھے اور پھر کہیں تو بھی اس میں مبتلا نہ ہو جائے۔

نصیحت:

عبداللہ بن منازل نے ابو صالح سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔

تو فرمایا: جہاں تک ہو سکے کسی دنیاوی چیز کی خاطر غصہ میں نہ آؤ۔

احتیاط:

ایک باران کے ایک دوست کے مرنے کا وقت آ گیا۔ اس وقت حمدون اس کے سر کے پاس کھڑے تھے۔ جب وہ مر گیا' تو انہوں نے چراغ بجھا دیا۔ لوگوں نے کہا: ایسے وقت میں تو چراغ میں اور تیل ڈالا جاتا ہے (اور آپ نے بجھا دیا)۔ انہوں نے جواب میں کہا: اب تک تو تیل ان کا تھا اور اب سے تیل وارثوں کا ہو گیا۔

اقوال:

حمدون فرماتے ہیں: جو شخص سلف کی سیرت پر نظر دوڑائے' اسے اپنی کوتاہی کا پتہ چل جائے گا۔ نیز یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ (مردانِ خدا کے) مراتب کو پہنچنے سے قاصر تھا۔

نیز فرمایا: جس قسم کی باتیں تو چاہتا ہے کہ لوگوں پر ظاہر نہ ہوں' اس قسم کی اوروں کی باتیں لوگوں پر ظاہر نہ کر۔

حضرت جنید بن محمد

ان بزرگوں میں سے ایک ابو القاسم جنید بن محمد ہیں۔ یہ صوفیا کے سردار اور امام تھے۔ دراصل نہاوند (ہمذان کی جانب ایک بڑا شہر' جو ہمذان سے ۳ دن کی مسافت پر ہے) کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی پیدائش اور نشوونما عراق میں ہوئی' چونکہ ان کے والد کانچ بیچا کرتے تھے۔ اس لیے انہیں قواریری کہا جانے لگا۔

فقہ میں ابو ثور کے مذہب کے فقیہ شمار ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ان ہی کے حلقہ میں ان کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے، حالانکہ ان کی عمر بیس سال تھی۔ یہ اپنے خالو سری' حارث محاسبی اور محمد بن علی قصاب کی صحبت میں رہے اور ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

عارف کون ہے؟

فراغانی روایت کرتے ہیں کہ جنید سے پوچھا گیا کہ عارف کون ہے؟ تو فرمایا: عارف وہ ہے کہ تو خاموش رہے اور وہ تمہارے دل کی بات کہہ دے۔

ابو محمد الجریری' جنید سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے تصوف قیل وقال سے حاصل نہیں کیا، بلکہ بھوکے رہنے' دنیا کو ترک کرنے اور پسندیدہ اور مستحسن چیزوں سے قطع تعلق کرنے سے حاصل کیا ہے۔

اعمال کے بارے نظریہ:

ابو علی الروذباری' جنید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کے جواب میں جو معرفت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ اہل معرفت ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ نیکی اور تقرب الی اللہ کے لئے حرکت کرنا بند کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ ان لوگوں کا قول ہے' جو اعمال کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں اور میرے نزدیک یہ ایک بڑا بھاری گناہ ہے اور اس بات کے قائل سے تو وہ شخص بہتر ہے جو چوری بھی کرتا ہو اور زنا بھی۔ کیونکہ عارفین باللہ نے اعمال کا حکم اللہ سے لیا ہے اور اعمال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر میں ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں، تب بھی ذرہ بھر کبھی نیک اعمال کو کم نہ کروں گا۔ ہاں اگر درمیان میں کوئی بات حائل ہو جائے' تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اقوال:

نیز فرماتے تھے: تمام مخلوق کے لئے اللہ تک پہنچنے کے راستے بند ہیں۔ ماسوائے ان لوگوں کے' جو رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلیں۔

محمد بن الحسین رحمہ اللہ' جنید سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی سچی طلب والا دس لاکھ سال تک بھی اللہ کی طرف متوجہ رہے اور پھر صرف ایک لحظہ کے لئے منہ موڑے' تو اس لمحہ کے اندر جو کچھ وہ کھو بیٹھا ہے، وہ بمقابلہ اس کے جو اس نے حاصل کیا ہے' کہیں زیادہ ہے۔

جنید فرماتے ہیں: چونکہ ہمارا علم معرفت کتاب وسنت کا پابند ہے۔ اس لئے جس شخص نے نہ قرآن حفظ کیا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو، راہ طریقت میں اس کی پیروی نہ کی جائے۔

ابو علی روذباری' جنید سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارا مذہب کتاب وسنّت کے اصولوں کا پابند ہے۔ نیز فرمایا: ہمارا یہ علم رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ذریعے مضبوط ہوتا ہے۔

یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟

ابوالحسین علی ابن ابراہیم الحداد' ابوالعباس بن شریح کی مجلس میں گئے' تو انہوں نے اصول وفروع کے متعلق بہت عمدہ تقریر کی اور مجھے اس پر بہت تعجب ہوا۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہ مجھے تعجب ہوا ہے' تو پوچھا: تجھے معلوم ہے میں نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ ہی فرما دیں' تو انہوں نے کہا: یہ ابوالقاسم جنید کی مجلس میں بیٹھنے کی برکت ہے۔ جنید سے کسی نے پوچھا: آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟ تو آپ نے اپنے گھر کی سیڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس سیڑھی کے نیچے اللہ کے سامنے تیس سال بیٹھے رہنے سے (حاصل کیا)۔

جنید کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی گئی تو کسی نے عرض کیا۔ باوجود اس قدر شرف کے' کیا آپ بھی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں؟ جواب دیا: میں اس راستہ کو جس پر چلنے سے اللہ تک پہنچا ہوں' کیسے چھوڑ دوں؟

چار سو رکعت نفل:

استاد ابو علی' جنید سے روایت کرتے ہیں کہ جنید ہر روز اپنی دکان پر آ کر پردہ لٹکا دیتے اور چار سو رکعت نماز ادا کر کے گھر کو لوٹتے تھے۔

وفات کے وقت:

ابو بکر عطوی فرماتے ہیں' جب جنید کی وفات ہوئی، اس وقت میں ان کے پاس موجود تھا۔ انہوں نے قرآن مجید ختم

کر کے پھر سے سورۂ بقرہ شروع کی اور ستر آیتیں پڑھ کر دم دے دیا۔

حضرت ابوعثمان جبری

ان بزرگوں میں سے ایک ابوعثمان سعید بن اسماعیل جبری ہیں۔ دراصل ری کے تھے' مگر نیشا پور میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ شاہ کرمانی اور یحییٰ بن معاذ رازی کی صحبت میں رہے اور شاہ کرمانی کی معیت میں ابوحفص حداد کے پاس نیشا پور آئے' وہیں اقامت اختیار کی اور علم حاصل کیا۔ ابوحفص نے ان کی شادی اپنی لڑکی سے کر دی۔ ان کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی۔ ابوحفص کی وفات کے بعد تیس سال سے کچھ اوپر زندہ رہے۔

چار باتیں:

ابوعمرو بن حمدان' ابوعثمان جبری سے روایت کرتے ہیں کہ جب تک آدمی کے دل میں چار باتیں ایک جیسی دکھائی نہ دیں' اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا:

(۱) منع (۲) اعطاء (۳) عزت (۴) ذلت

ادب کی برکت:

ابوعثمان کے بعض اصحاب روایت کرتے ہیں کہ ابوعثمان فرماتے ہیں کہ میں جوانی کے زمانہ میں مدت تک ابوحفص کی خدمت میں رہا۔ ایک دن انہوں نے مجھے دھکیل کر نکال دیا۔ اور فرمایا: میرے پاس مت بیٹھا کرو۔ میں اٹھا اور بغیر اس کے کہ اپنی پیٹھ ان کی طرف کروں پیچھے ہٹ گیا۔ میرا چہرہ ان کے چہرے کی طرف رہا' حتیٰ کہ میں ان کی آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ دل میں یہ ارادہ کیا کہ ان کے دروازہ پر ایک گڑھا کھود کر اس میں بیٹھ جاؤں اور ان کے حکم کے بغیر اس میں سے نہ نکلوں گا۔ مگر جب آپ نے میری یہ کیفیت دیکھی' تو مجھے بلا کر اپنے خاص اصحاب میں سے بنا لیا۔

لوگ کہتے تھے کہ دنیا میں صرف تین اشخاص ہیں (ان کا) چوتھا نہیں ہو سکتا۔ ابوعثمان نیشا پور میں' جنید بغداد میں اور ابوعبداللہ بن جلاء شام میں۔

ابوعثمان فرماتے ہیں کہ چالیس سال مجھے اسی حال میں گذر گئے کہ اللہ نے مجھے جس حال میں رکھا' میں نے اسے برا نہیں جانا' یا اگر کسی اور حالت کی طرف منتقل کر دیا' تب بھی ناراض نہیں ہوا۔

عبداللہ بن محمد الشعرانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعثمان کو یہی فرماتے سنا۔

حالت نزع میں بیٹے کو نصیحت:

جب وفات کے وقت ان کی حالت بدل گئی تو ان کے بیٹے ابو بکر نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس پر ابوعثمان نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کے خلاف کرنا' باطن میں ریا کاری کی علامت ہے۔

آداب صحبت......!

ابوالحسین الوراق' ابوعثمان سے روایت کرتے ہیں کہ

اللہ کی صحبت میں حسن ادب' دوام ہیبت اور مراقبہ کو مدنظر رکھو۔

رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں اتباع سنت اور ظاہری علم کی پابندی کا خیال رکھو۔

اولیاء اللہ کی صحبت میں احترام اور خدمت کا خیال رکھو۔

گھر والوں کی صحبت میں حسن خلق مدنظر رکھو۔

برادری کی صحبت میں ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ رہو' بشرطیکہ کوئی گناہ کی بات نہ ہو۔

اور جاہلوں کی صحبت میں ان کے لئے دعا کرتے رہو اور ان پر رحم کیا کرو۔

ابوعمرو بن نجید' ابوعثمان سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے اپنے قول وفعل میں اپنے اوپر سنت کو حاکم قرار دیا' وہ حکمت کی بات کرے گا اور جس نے اپنے قول وفعل میں خواہشات نفسانی کو حاکم بنایا' وہ بدعت کی بات کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا''۔ (النور: ۵۴) اگر تم نبی ﷺ کی اطاعت کرو گے' تو ہدایت پاؤ گے۔

شیخ احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ

ان ہی بزرگوں میں سے ایک ابوالحسین احمد بن محمد نوری ہیں۔ اپنی اصل کے اعتبار سے بغوی اور پیدائش اور نشو ونما کے اعتبار سے بغدادی ہیں۔ یہ سری سقطی اور ابن ابی الحواری کی صحبت میں رہے اور جنید کے معاصرین میں سے تھے۔ ان کی وفات ۲۹۵ھ میں ہوئی۔

بہت بڑی شان والے' اچھے معاملے اور اچھی زبان والے تھے۔

نوری فرماتے تھے: تمام نفسانی خطوط کو ترک کر دینے کا نام تصوف ہے۔ نیز فرماتے تھے: ہمارے زمانے میں دو چیزیں بہت نایاب ہیں: ایک عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو اور دوسرا عارف جو حقائق بیان کرتا ہو۔

شریعت کی پابندی:

المرتعش' نوری سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جس شخص کو تو اللہ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتے ہوئے

دیکھے' جو اسے شریعت کی حد سے نکال دے' تو تجھے اس شخص کے قریب بھی نہیں جانا چاہئے۔

الفرغانی' جنید سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب سے نوری کی وفات ہوئی ہے' کسی نے حقیقت صدق کی خبر نہیں دی۔

ابو احمد منازلی فرماتے ہیں کہ میں نے نوری سے زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا۔ کسی نے عرض کیا: کیا جنید کو بھی نہیں؟ فرمایا: جنید کو بھی نہیں۔

نوری فرماتے ہیں: گدڑیاں موتیوں پر پردے کا کام دیا کرتی تھیں۔ مگر اب تو وہ مردار پر گندگی کا کام دیتی ہیں۔

بیس سال کا مجاہدہ:

کہا جاتا ہے کہ وہ ہر روز گھر سے اپنا کھانا ساتھ لے کر نکلتے اور راستہ میں اسے خیرات کے طور پر دے دیتے اور مسجد میں جا کر ظہر تک نماز پڑھتے رہتے۔ پھر نکل کر دوکان کا دروازہ کھولتے اور روزہ رکھے رہتے۔ گھر والوں کو یہی خیال ہوتا کہ آپ بازار جا کر کھانا کھا لیتے ہیں اور بازار والوں کو خیال ہوتا کہ گھر سے کھا کر آتے ہیں۔ ابتداء میں بیس سال ان کی یہی حالت رہی۔

شیخ احمد بن یحییٰ الجلاء رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ الجلاء ہیں۔ یہ اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے۔ مگر رملہ (فلسطین کا ایک بڑا شہر) اور دمشق میں مقیم رہے۔ شام کے بڑے شیوخ میں سے تھے۔ ابو تراب' ذوالنون' ابو عبید البسری اور اپنے باپ یحییٰ الجلاء کی صحبت میں رہے۔

دروازہ نہ کھولا:

ابو عمرو الدمشقی' ابن الجلاء سے روایت کرتے ہیں کہ ابن الجلاء نے فرمایا کہ میں نے اپنے والدین سے درخواست کی کہ مجھے ہبہ کر دیں۔ دونوں نے کہا: ہم نے تمہیں اللہ کے لئے ہبہ کر دیا۔ اس پر میں ایک مدت تک ان سے غائب رہا۔ جب واپس آیا' تو اس رات بارش ہو رہی تھی۔ میں نے دستک دی۔ میرے ابا جان نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے جواب دیا: آپ کا بیٹا احمد۔ فرمایا: ہمارا ایک بیٹا تھا۔ جسے ہم نے ہبہ کے طور پر اللہ کو دے دیا اور ہم عربوں میں سے ہیں۔ ایک بار ہبہ کر کے واپس نہیں لیا کرتے۔ لہٰذا انہوں نے دروازہ نہ کھولا۔

زاہد' شاہد اور موحد:

ابن الجلاء فرماتے تھے: جس کے نزدیک مدح و ذم یکساں ہوں' وہ زاہد ہے' جو فرائض کی ان کے اولین وقت میں محافظت کرے' وہ عابد ہے، اور جو تمام افعال کو اللہ کی جانب سے خیال کرے' وہ موحد ہے۔ اسے صرف ایک ہی دکھائی دیتا ہے۔

کرامت:

جب ان کی وفات ہوئی' تو لوگوں نے انہیں دیکھا کہ مسکرا رہے ہیں۔ طبیب نے کہا کہ یہ زندہ ہیں۔ پھر نبض دیکھ کر کہا کہ مر چکے ہیں۔ پھر ان کا چہرہ کھولا تو کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ زندہ ہیں یا مردہ' ان کی کھال کے اندر ایک رگ تھی۔ جس کی شکل لفظ ''اللہ'' کی سی بنی ہوئی تھی۔

ابن جلاء کہتے ہیں کہ میں اپنے استاد کے ساتھ چل رہا تھا۔ ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا' تو استاد سے کہا: کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شکل کو عذاب دیں گے۔ استاد نے فرمایا: کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ اس کا انجام عنقریب تجھے معلوم ہو جائے گا۔ اس واقعہ کے بعد (بیس سال بعد) مجھے قرآن مجید بھول گیا۔

شیخ ابو محمد رویم رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو محمد رویم بن احمد ہیں۔ بغداد کے رہنے والے تھے اور فقہ داؤدی کے عالم تھے۔ قاری قرآن تھے۔ ان کا انتقال ۳۰۳ھ میں ہوا۔

اقوال:

رویم فرماتے تھے: دانشمند کے فیصلے ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ اوروں کو وسعت دے اور اپنے لیے تنگی پیدا کرے۔ اس لئے کہ اوروں کو وسعت دینا علم کی پیروی ہے اور اپنے اوپر تنگی کا حکم لگانا' پرہیزگارانہ فیصلہ ہے۔

ابو عبداللہ بن خفیف' رویم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رویم سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کریں، تو فرمایا: طریقت کا علم روح خرچ کر کے حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ جاننے کے باوجود تو اس میں داخل ہو سکتا ہے' تو ہو جا' ورنہ صوفیاء کی بیکار باتوں میں مشغول نہ ہو۔

نیز فرمایا: ہر قسم کے طبقہ کے لوگوں کے پاس تمہارا بیٹھنا تمہارے لئے صوفیاء کے پاس بیٹھنے سے زیادہ سلامتی کا سبب ہے' کیونکہ تمام مخلوق رسموں کا اعتبار کرتی ہے اور یہ لوگ حقائق کا اعتبار کرتے ہیں۔ سارے لوگ اپنے نفوس کو ظاہری شریعت کے موافق بناتے ہیں اور ان لوگوں کا نفس' حقیقتِ ورع اور مداومتِ صدق میں مشغول ہے' لہٰذا جو شخص ان کے

پاس بیٹھے اور ان امور میں' جن کو وہ حق جانتے ہیں' ان کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا نور ایمان سلب کر دیتے ہیں۔

صوفی اور دن کے وقت پانی:

رویم فرماتے ہیں: میں بغداد میں دوپہر کے وقت ایک سڑک پر سے گذرا۔ اس وقت مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے ایک گھر سے پانی مانگا۔ ایک بچی نے دروازہ کھولا۔ اس کے پاس ایک کوزہ تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی: صوفی اور دن کے وقت پانی پیے؟ اس کے بعد میں کبھی بھی بے روزہ نہ رہا۔

رویم فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ تجھے کلام کرنا اور عمل کرنا' دونوں عطا کرے پھر کلام لے لے' مگر عمل کو تمہارے پاس رہنے دے' تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی نعمت ہے اور جب عمل لے لے اور کلام کو رہنے دے' تو یہ مصیبت ہوگی اور اگر دونوں لے لے تو عذاب الٰہی ہوگا۔

شیخ ابو عبداللہ البلخی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو عبداللہ محمد بن الفضل بلخی ہیں۔ دراصل بلخ کے رہنے والے ہیں۔ وہاں سے نکال دیئے گئے۔ پھر سمرقند آئے اور وہیں وفات پائی۔ بلخی' احمد بن خضرویہ اور دوسرے بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ ابو عثمان جبری کا ان کی طرف بہت میلان تھا۔ آپ نے ۳۱۹ھ میں وفات پائی۔

بدبختی کی علامات:

ابو بکر بن عثمان' ابو عثمان جبری سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان جبری نے محمد بن الفضل کو خط لکھا۔ جس میں انہوں نے دریافت کیا تھا کہ بدبختی کی کیا علامت ہے؟ انہوں نے جواب میں لکھا: بدبختی کی تین علامتیں ہیں:

(۱) کسی انسان کو علم دیا گیا ہو' مگر عمل سے محروم ہو

(۲) اور اگر عمل عطا کیا گیا ہو' تو اخلاص سے محروم ہو

(۳) اور کسی کو صالحین کی صحبت نصیب ہو' مگر وہ ان کا احترام نہ کرتا ہو۔

ابو عثمان جبری فرماتے تھے کہ محمد بن الفضل آدمیوں کے احوال جانتے تھے۔

اقوال:

عبداللہ الرازی' محمد بن الفضل سے روایت کرتے ہیں کہ قید خانہ (دنیا) میں رہتے ہوئے آرام کی امید رکھنا آرزو کی خام خیالی ہے۔

چار قسم کے لوگ:

ابو بکر الرازی، محمد بن الفضل سے روایت کرتے ہیں کہ چار قسم کے لوگوں سے اسلام چلا جاتا ہے:

(۱) جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ (۲) جو ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں۔ (۳) نہ ان باتوں کو سیکھتے ہیں جن کا ان کو علم نہیں۔ (۴) اور لوگوں کو سیکھنے سے روکتے ہیں۔

انہیں بزرگوں سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: تعجب ہے، اس شخص پر جو جنگل کو اس خیال سے طے کرتا ہے کہ وہ اللہ کے گھر پہنچ جائے اور نبوت کے آثار دیکھے۔ وہ اپنے نفس اور خواہشات کو طے کر کے کیوں نہیں چلا آتا۔ تاکہ اپنے دل تک پہنچ کر اپنے رب عزوجل کے آثار دیکھے۔

نیز فرمایا: جب تو کسی مرید کو دیکھے کہ وہ دنیا کی زیادتی طلب کر رہا ہے تو یہ اس کے ادبار کی علامت ہے۔

زہد:

کسی نے ان سے زہد کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا: زہد یہ ہے کہ تو دنیا کی طرف دیکھے اور اسے ناقص خیال کرے اور اپنے آپ کو بلند ظریف اور شریف سمجھتے ہوئے اس سے اعراض کرے۔

شیخ احمد بن نصر زقاق الکبیر رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو بکر احمد بن نصر زقاق کبیر ہیں۔ یہ جنید کے معاصرین میں سے تھے اور ان کا شمار اکابرین مصر میں ہوتا ہے۔

کتانی کہتے ہیں کہ جب زقاق وفات پا گئے، تو فقراء کی مصر میں آنے کی حاجت ختم ہو گئی۔

زقاق فرماتے ہیں: جس شخص میں فقر کی حالت میں تقویٰ نہ پایا جائے وہ حرام محض کھاتا ہو گا۔

ورع کا عالم:

محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز، زقاق سے نقل کرتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کے بیابان میں پندرہ دن بھٹکتا رہا۔ پھر جب راستہ پر پڑ گیا، تو ایک فوجی ملا جس نے پانی پینے کو دیا۔ جس کی قساوت تیس سال تک مجھ پر رہی۔

شیخ عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو عبداللہ عمرو بن عثمان مکی ہیں۔ ان کی ملاقات ابو عبداللہ نباجی سے ہوئی اور ابو سعید خراز اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ اصول اور طریقت میں یہ قوم کے شیخ اور امام الطائفہ ہیں۔ انہوں نے بغداد میں ۲۹۱ھ

میں وفات پائی۔

توحید:

ابو بکر محمد بن احمد نے عمرو بن عثمان مکی سے روایت کی کہ ہر وہ چیز جو تمہارے دل کے وہم میں آ جائے یا تمہارے فکر کے خانوں میں راسخ ہو سکے، یا تمہارے دل کے معارضات میں کھٹکے، مثلاً حسن' بہاء' انس' جمال' روشنی' شبح' نور' وجود یا خیال (کہ جن کو اللہ سے نسبت ہے) تو یہ یقینی طور پر جان لو کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے بعید و پاک ہے۔ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا؟

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے اور نہ ہی کوئی اس کا ہم پلہ ہے۔

اسی بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: علم آگے سے کھینچتا ہے اور خوف پیچھے سے ہانکتا ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان اکڑ جاتا ہے... سرکش ہے' دھوکہ باز ہے اور فریب کار ہے۔ لہٰذا اس سے بچ اور علم کی سیاست کے ذریعہ سے اس کا خیال رکھ اور خوف کی دھمکی کے ذریعے ہانک' تب جا کر تمہاری مراد پوری ہوگی۔

نیز فرماتے ہیں: صاحبِ وجد کی حالت کو کوئی عبادت ادا نہیں کر سکتی' کیونکہ وجد تو مومنین کے پاس اللہ کا راز ہے۔

شیخ سمنون بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ

انہی بزرگوں میں سے ایک سمنون بن حمزہ ہیں۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ اور بعض ابوالقاسم بتاتے ہیں۔ سری' ابو احمد قلانسی اور محمد بن علی قصار اور دیگر شیوخ کی خدمت میں رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ شعر پڑھا:

ولیس لی فی سواك حظ　　فکیفها شئت فاختبرنی

تمہارے سوا مجھے کسی سے غرض نہیں ہے، اب جیسے چاہو آزما لو۔

اسی وقت انہیں احتباس بول کی شکایت ہوگئی۔ اس کے بعد یہ مدرسوں میں گھوما کرتے اور کہتے اپنے جھوٹے چچا کے لئے دعا کرو۔ بعض فرماتے ہیں کہ بلکہ بات یوں ہوئی کہ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔ اس کے بعد ان کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد نے دوسرے سے کہا: کل رات جب میں بستی میں تھا' تو میں نے اپنے استاد سمنوں کی آواز سنی کہ وہ اللہ کو پکار رہے تھے اور گڑگڑا رہے تھے اور شفا کی درخواست کر رہے تھے۔ دوسرے نے کہا: میں نے بھی کل رات جبکہ میں فلاں جگہ تھا، ایسا ہی سنا تھا۔ تیسرے نے اور پھر چوتھے نے بھی اسی طرح بیان کیا۔ اس کی اطلاع سمنون کو ہوگئی۔ اس وقت وہ پیشاب بند ہونے (احتباس بول) کی بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے۔ مگر اب تک صبر کرتے اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کرتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے شاگردوں کو اس طرح کہتے ہوئے سنا، حالانکہ انہوں نے نہ تو اس وقت تک دعاء کی تھی اور نہ کوئی لفظ

منہ سے نکالا تھا۔ تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ میں گھبراہٹ کا اظہار کروں' تاکہ عبودیت کے آداب پر عمل کروں اور اپنی حالت کو بھی لوگوں پر مخفی رکھ سکوں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مدرسوں میں گھومنا شروع کیا اور یہ الفاظ کہنے شروع کیے: ''اپنے کذاب چچا کے لئے دعا کرو''

چالیس ہزار نوافل:

جعفر الخلدی سے روایت ہے کہ ابو احمد النازلی نے بتایا کہ بغداد میں ایک شخص تھا' جس نے فقراء میں چالیس ہزار درہم تقسیم کیے۔ تو سمنون نے کہا: اے ابو احمد! کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس شخص نے کس قدر مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور کس قدر بڑا عمل کیا ہے اور ہمارے پاس تو (خرچ کرنے کو) کچھ بھی نہیں ہے۔ آؤ چلو! ایسی جگہ چلیں جہاں ہم ہر درہم کے مقابلہ میں ایک رکعت نماز ادا کریں۔ چنانچہ ہم نے مدائن جا کر چالیس ہزار رکعت نماز ادا کی۔

سمنون ظریف اخلاق والے تھے۔ ان کی گفتگو اکثر محبت الٰہی کے بارے میں ہوتی تھی۔ بہت بڑی شان والے تھے۔ ان کی وفات جنید (م ۲۹۷ھ) سے پہلے ہوئی۔

حضرت ابو عبید بسری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو عبید بسری ہیں۔ قدماء مشائخ میں سے تھے۔ یہ ابو تراب نخشبی کی صحبت میں رہے۔

ابن الجلاء فرماتے ہیں کہ میری ملاقات چھ سو شیوخ سے ہوئی' مگر میں نے چار جیسا کسی کو نہ پایا اور وہ ذوالنون مصری' میرے باپ یحییٰ الجلاء' ابو تراب نخشبی اور ابو عبید بسری ہیں۔

پلک جھپکنے میں:

ابو زرعہ الحسنی' ابو عبید بسری سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک بار ابو عبید بسری ایک جرجر (گندم کاٹنے والی مشین) پر بیٹھے گیہوں گاہ رہے تھے اور حج کو صرف تین دن باقی رہ گئے تھے کہ دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا: کیا آپ حج کے لئے تیار ہوتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تمہارا شیخ ان دونوں سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ (کیونکہ اگر یہ لوگ تین دن میں حج کے لئے حاضر ہونے پر قدرت رکھتے ہیں تو میں آنکھ جھپکنے میں وہاں پہنچ سکتا ہوں)۔

حضرت شاہ بن شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں بزرگوں میں سے ایک ابو الفوارس شاہ بن شجاع کرمانی ہیں۔ یہ شہزادے تھے۔ ابو تراب نخشبی' ابو عبید بسری اور اسی طبقہ کے دیگر مشائخ کی صحبت میں رہے۔ بڑے جواں مرد تھے۔ بڑی شان والے تھے۔ ان کی وفات ۳۰۰ھ سے قبل،

ہوئی۔

شاہ بن شجاع فرماتے ہیں: تقویٰ کی علامت' پرہیز گاری ہے اور پرہیز گاری کی علامت یہ ہے کہ کسی بات میں شک و شبہ ہو تو انسان ٹھہر جائے۔

اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے: جھوٹ' خیانت اور غیبت سے پرہیز کرو۔ اس کے علاوہ جو چاہو کرو۔

نگاہ کی حفاظت کا صلہ:

ابن نجید' شاہ کرمانی سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے محرمات سے اپنی نگاہ کو پست کر رکھا۔ اپنے نفس کو شہوات سے روکے رکھا۔ اپنے باطن کو ہر دم کے مراقبہ سے اور ظاہر کو سنت سے معمور رکھا اور اپنے آپ کو رزقِ حلال کا عادی بنا رکھا ہو تو اس کی فراست غلط نہ ہوگی۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک شیخ یوسف بن حسین ہیں۔ یہ اپنے وقت میں جبال اور ری کے شیخ تھے۔ تصنع نہ کرنے میں یکتائے روزگار تھے۔ عالم اور ادیب تھے۔ ذوالنون مصری اور ابوتراب نخشبی کی صحبت میں ہے اور ابوسعید خراز کے رفیق رہے۔ انہوں نے ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔

اقوال:

یوسف بن حسین فرماتے ہیں: میں اس بات کو کہ میں اللہ تعالیٰ سے تمام گناہوں کے ساتھ ملوں' زیادہ پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ میں ذرہ بھر بھی تصنع کے ساتھ ملوں۔

نیز فرماتے ہیں: جب تو کسی مرید کو ایسے امور میں مشغول دیکھے جو شریعت میں رخصت کہلاتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ کچھ مرتبہ حاصل نہ کر سکے گا۔

انہوں نے جنید کو لکھ بھیجا: خدا تجھے تمہارے نفس کا مزہ نہ چکھائے۔ کیونکہ اگر تو نے چکھ لیا۔ تو اس کے بعد کبھی نیکی کا مزہ نہ چکھ سکو گے۔

نیز فرماتے ہیں: میں نے دیکھا ہے کہ صوفیاء کی آفت تین چیزوں میں پائی جاتی ہے:

نوخیز نوجوانوں کی صحبت' مخالف طبیعت والے لوگوں سے میل جول اور عورتوں کے ساتھ نرمی۔

حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذی کا شمار شیوخ میں ہوتا ہے۔ صوفیاء کے علوم میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ یہ ابوتراب نخشی' احمد بن خضرویہ' ابن الجلاء اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔

اقوال:

ان سے کسی نے مخلوق کی تعریف پوچھی تو فرمایا: اس کی کمزوری تو واضح ہے۔ مگر اس کے دعوے بڑے لمبے چوڑے ہیں۔

نیز فرماتے تھے: میں نے تدبر سے کوئی تصنیف نہیں کی اور نہ اس لئے کی ہیں کہ لوگ کہیں اس نے فلاں فلاں کتاب تصنیف کی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب مجھ پر حال کا غلبہ ہوتا' تو تصنیف میں مشغول ہو کر غلبہ وقت سے ہوش میں آنا چاہتا تھا۔

حضرت محمد بن عمر الوراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

ان ہی بزرگوں میں سے ایک ابوبکر محمد بن عمر وراق ترمذی ہیں۔ یہ بلخ میں مقیم رہے۔ اور احمد بن خضرویہ اور بہت سے دوسرے بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ ریاضیات میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔

طمع سے سوال و جواب:

ابوبکر البلخی' ابوبکر وراق سے روایت کرتے ہیں کہ اگر طمع سے پوچھا جائے کہ تمہارا باپ کون ہے؟ تو جواب ملے گا: تقدیری امور میں شک اور اگر پوچھا جائے کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟ تو جواب ملے گا: ذلت کمانا۔ اور اگر پوچھا جائے کہ تمہاری غایت کیا ہے؟ تو جواب ملے گا: محرومیت۔

پختہ ارادے کی اہمیت:

ابوبکر وراق اپنے مریدوں کو سفر و سیاحت سے منع کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: جہاں تمہاری ارادتمندی ہو' اس مقام پر صبر کر کے پڑے رہنے میں برکت ہے۔ یہاں تک کہ تمہاری ارادتمندی درست ہو جائے اور جب ارادتمندی درست ہوگئی' تو پھر برکت کے آثار ظاہر ہونے لگیں گے۔

حضرت ابوسعید احمد خزاز رحمۃ اللہ علیہ

انہی بزرگوں میں سے ایک ابوسعید احمد بن عیسیٰ خزاز (یا خراز) ہیں۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ ذوالنون مصری' نباجی' ابوعبید بسری' سری' بشر اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۲۷۷ھ میں ہوئی۔

ابو سعید فرماتے ہیں: ہر وہ باطن جو ظاہر کے خلاف ہو باطل ہے۔

شیطانی جال:

ابو العباس الصیاد' ابو سعید خراز سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے دور ایک کنارے سے گذر رہا ہے۔ میں نے اسے کہا: ارے ادھر آؤ۔ کیا بات ہے دور ہو کر گزر رہا ہے؟ شیطان نے جواب دیا: میں تم لوگوں کا کیا کروں گا؟ جس چیز کے ساتھ میں لوگوں کو دھوکا دیتا ہوں۔ اسے تم لوگوں نے اپنے سے دور کر رکھا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کون سی چیز ہے؟ جواب دیا: دنیا' پھر کہا: ہاں! البتہ ایک لطیف بات تم لوگوں کے اندر میرے حق میں پائی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کون سی ہے؟ کہا: نو عمروں کی صحبت۔

ابو سعید خراز کہتے ہیں کہ میں کافی مدت تک صوفیاء کی صحبت میں رہا۔ مگر اس عرصہ میں میرے اور ان کے درمیان کبھی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ پوچھا: وہ کیسے؟ جواب دیا: اس لئے کہ میں ان کے ساتھ رہتا' مگر اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہتا۔

حضرت ابو عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل مغربی ہیں۔ یہ ابراہیم بن شیبان کے استاد اور علی بن رزین کے شاگرد تھے۔ یہ ایک سو بیس سال زندہ رہے اور ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ ان کی عجیب حالت تھی۔ سالہا سال تک انہوں نے کوئی ایسی چیز نہیں کھائی' جسے انسانی ہاتھ لگا ہو۔ یہ گھاس وغیرہ کی جڑوں کے کھانے کے عادی بن گئے تھے۔

ابو عبداللہ مغربی فرماتے ہیں: بہترین عمل یہ ہے کہ ہم اپنے اوقات کو (شریعت کے) موافق امور سے معمور رکھیں۔

نیز فرماتے ہیں: سب لوگوں سے زیادہ ذلیل وہ فقیر ہے' جس نے مالدار سے مداہنت کی یا اس کے سامنے عاجزی کی اور سب لوگوں سے زیادہ عزت والا' وہ مالدار انسان ہے، جس نے فقراء کے ساتھ عاجزی کی اور ان کے احترام کا محافظ رہا۔

حضرت ابو العباس احمد بن محمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو العباس احمد بن محمد بن مسروق ہیں۔ یہ دراصل طوس (خراسان کا ایک علاقہ' جو نیشاپور سے دس فرسخ کے فاصلے پر ہے) کے رہنے والے تھے۔ مگر بغداد میں آباد ہو گئے تھے۔ حارث محاسبی اور سری سقطی کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی۔ بعض نے ان کا سن وفات ۲۹۸ھ بتایا ہے۔

ابن مسروق فرماتے ہیں: جس نے اپنے دلی وساوس میں اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھا۔ اللہ اسے اس کے اعضاء کی

حرکات میں بچائے رکھیں گے۔

مسلمان کی عزت و ناموس کی اہمیت:

نیز فرمایا: مسلمانوں کی عزت کا احترام کرنا ہی اللہ تعالیٰ کے حرمات کی تعظیم کرنا ہے۔ اسی کے ذریعہ بندہ تقویٰ کی حقیقت کو پہنچتا ہے۔

نیز فرمایا: معرفت کا درخت' فکر کے پانی سے سیراب ہوتا ہے اور غفلت کا درخت' جہالت کے پانی سے سینچا جاتا ہے اور توبہ کا درخت' ندامت کے پانی سے سینچا جاتا ہے اور محبت کا درخت' انفاق اور موافقت کے پانی سے سیراب ہوتا ہے۔

نیز فرمایا: اگر مدارج ارادتمندی کو مضبوط کر لینے سے پہلے ہی تو معرفت حاصل کرنے کی خواہش کرے' تو تو جہالت میں پڑا ہے اور اگر مقام توبہ کو درست کر لینے سے پہلے ہی' تو مرید بننا چاہے تو تجھے معلوم ہی نہیں ہے کہ تو کس چیز کی تلاش میں ہے۔

حضرت ابوالحسن علی بن سہل اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ جنید کے معاصرین میں سے تھے۔ عمرو بن عثمان مکی پر تیس ہزار درہم کا قرض ہو گیا تھا۔ انہوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی اور انہوں نے وہ تمام کا تمام قرضہ ادا کر دیا۔ ان کی ملاقات ابوتراب نخشبی اور اسی طبقہ کے دیگر بزرگوں سے ہوئی۔

اقوال:

ابوبکر محمد بن عبداللہ الطبری' علی بن سہل سے روایت کرتے ہیں کہ عبادت گذاری کی طرف تیزی سے آنا' اس بات کی علامت ہے کہ توفیق ایزدی اس انسان کے شامل حال ہے اور احکام خداوندی کی مخالفت کرنے میں سستی کرنا' حسن رعایت کی علامت ہے۔ اسرار کو محفوظ رکھنا بیدار مغزی کی علامت ہے اور بڑے بڑے دعووں کا اظہار کرنا' انسانی رعونت کی علامت ہے۔ جس نے ارادتمندی کی ابتداء صحیح طور پر نہیں کی' وہ انتہائی انجاموں میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔

حضرت ابومحمد جریری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابومحمد بن محمد بن حسین جریری ہیں۔ یہ جنید کے چوٹی کے مریدوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور سہل بن عبداللہ کی صحبت میں بھی رہے۔ جنید کی وفات کے بعد انہیں ان کا جانشین مقرر کیا گیا تھا۔ صوفیاء کے علوم سے انہیں بخوبی واقفیت حاصل تھی۔ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ان کی وفات ۳۱۱ھ میں ہوئی۔

دوران مصیبت...حالت:

احمد بن عطاء الروذ باری فرماتے تھے کہ جریری کی وفات سنة الهبير (جس میں بہت سے لوگ ہلاک ہوئے تھے) میں ہوئی۔ اس سے ایک سال بعد میرا وہاں سے گذر ہوا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سہارا لگا کر بیٹھے ہیں۔ ان کے گھٹنے چھاتی سے لگے ہوئے اور اپنی انگلی سے اللہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

نفس کی سرکشی کا انجام:

فرماتے ہیں: جس شخص پر اس کا نفس غالب آ گیا' وہ اپنی خواہشات کا قیدی بن جائے گا۔ وہ اپنی خواہش کے قید خانہ میں گھرا ہوا ہو گا اور اللہ تعالیٰ اس کے دل پر تمام فوائد حرام قرار دے دیں گے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے نہ لذت حاصل کر سکے گا اور نہ شیرینی' خواہ وہ اسے کس قدر بار بار کیوں نہ پڑھتا ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ (الاعراف:١٤٦)

''میں اپنی آیات کو ان لوگوں سے پھیر لوں گا، جو دنیا میں ناحق غرور کرتے ہیں۔''

نیز فرماتے ہیں: اصول کو فروع پر عمل کر کے دیکھا جا سکتا ہے اور فروع کی تصحیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہم ان کو اصل پر پیش کریں۔ اصول کے مشاہدہ کے مقام پر انسان اس وقت پہنچ سکتا ہے، جب وہ ان وسائط اور فروع کی تعظیم کرے' جن کی اللہ نے تعظیم کی ہے۔

حضرت احمد بن عطاء الآدمی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو العباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء الآدمی ہیں۔ یہ صوفیاء کے کبار مشائخ اور علماء میں سے ہوئے ہیں۔ خراز ان کی بہت بزرگی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ جنید کے معاصرین میں سے ہیں۔ ابراہیم مارستانی کی صحبت میں رہے۔ ۳۰۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ابو سعید القرشی' ابن عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ جو آداب شریعت کا پابند رہا، اللہ نے اس کے دل کو نور معرفت سے منور کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و افعال اور اخلاق میں ان کی تابعداری کرنے سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔

بدترین غفلت:

ابن عطاء فرماتے ہیں: انسان کے لئے بدترین غفلت یہ ہے کہ اپنے رب سے غافل ہو، اس کے اوامر و نواہی سے غافل ہو اور اللہ کے ساتھ معاملہ کے آداب سے غافل ہو۔

عبدالرحمٰن بن احمد الصوفی، احمد بن عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ ہر وہ بات جس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے اسے علم کے جنگل میں تلاش کرو۔ اگر وہاں نہ ملے تو حکمت کے میدان میں ڈھونڈو۔ اگر وہاں بھی نہ ملے تو توحید کے میزان میں تولو۔ اور اگر ان تینوں مقامات پر نہ ملے تو اسے شیطان کے منہ پر دے مارو۔

حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد خواص ہیں۔ یہ جنید اور نوری کے معاصرین میں سے تھے۔ توکل اور ریاضت میں ان کا بہت ساحصہ تھا۔ ان کی وفات ری میں ۲۹۱ھ میں ہوئی۔ انہیں اسہال کی شکایت تھی۔ ہر بار جب اٹھتے تو وضو کرتے اور مسجد کو لوٹ جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ ایک بار پانی میں گھسے اور وہیں وفات پائی۔

اہمیت علم:

ابوبکر الرازی، خواص سے روایت کرتے ہیں کہ کثرت روایت کا نام علم نہیں۔ علم تو اس شخص کا ہے جو علم کے مطابق عمل کرے اور اسے استعمال میں لائے اور سنت کی اقتداء کرے... خواہ وہ کم علم والا ہی کیوں نہ ہو۔

دل کی دوا:

ازدی، خواص سے روایت کرتے ہیں کہ پانچ چیزیں دل کے لئے دوا کا کام کرتی ہیں:

تدبر کے ساتھ قرآن پڑھنا۔ پیٹ کا خالی ہونا۔ رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا۔ سحری کے وقت اللہ کے سامنے گڑگڑانا اور صالحین کی صحبت میں بیٹھنا۔

حضرت عبداللہ بن محمد خراز رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو محمد عبداللہ بن محمد خراز ہیں۔ اصل میں ری کے رہنے والے تھے۔ مگر مکہ میں عمر گذاری، ابوحفص اور ابوعمران الکبیر کی صحبت میں رہے۔ یہ بہت ہی پرہیزگار لوگوں میں سے تھے۔ ان کی وفات ۳۱۰ھ سے پہلے ہوئی۔

بھوکے رہنے کی فضیلت:

دقی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں عبداللہ خراز کے پاس گیا۔ اس وقت مجھے چار دن ہو چکے تھے کہ میں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ فرمانے لگے: تم لوگ صرف چار دن بھوکے رہنے کے بعد بھوک بھوک پکارنا شروع کر دیتے ہو۔

پھر فرمانے لگے: فرض کرو کہ تمام لوگ اس ثواب کی خاطر جو انہیں اللہ کے ہاں ملنے والا ہے، ہلاک ہو جائیں، پھر بھی کیا ہوگا؟ تمہارا خیال ہے کہ یہ بڑی بات ہوگی۔ نیز فرماتے ہیں: بھوک، زاہدوں کی خوراک ہے اور ذکر، عارفین کی۔

شیخ بنان الحمال رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالحسن بنان بن محمد الحمال' میں یہ دراصل واسط کے رہنے والے تھے۔ مگر مصر میں مقیم ہو گئے۔ ان کی وفات مصر میں ۳۱۶ھ میں ہوئی۔ بڑی شان والے اور صاحب کرامات تھے۔

صوفیاء کا بلند مرتبہ:

بنان سے صوفیاء کی بلند ترین حالت کے متعلق دریافت کیا گیا' تو فرمایا: وہ رزق جس کا اللہ ضامن ہے' اس پر بھروسہ کرنا اور امر الٰہی پر کاربند رہنا' دل کی حفاظت کرنا اور کونین سے بے نیاز ہونا۔

بنان... شیر کے آگے:

ابوعلی الروذباری روایت کرتے ہیں کہ بنان کو شیر کے سامنے ڈال دیا گیا تو وہ (کھانے کی بجائے) انہیں سونگھنے لگ گیا' تو پوچھا گیا کہ جب آپ کو شیر سونگھ رہا تھا۔ اس وقت آپ کے دل میں کیا خیال آ رہا تھا؟ فرمایا: میں ان اختلافات میں غور کر رہا تھا' جو درندوں کے جوٹھے کے متعلق علماء میں پائے جاتے ہیں۔

شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

ان ہی بزرگوں میں سے ایک ابوحمزہ بغدادی بزاز ہیں۔ ان کی وفات جنید سے پہلے ہوئی' یہ ان کے ہم پلہ لوگوں میں سے تھے۔ سری سقطی اور حسن مسوحی کی صحبت میں رہے۔ یہ فقہ اور قرأت کے عالم تھے اور عیسیٰ بن ابان کی اولاد میں سے تھے۔ جب احمد بن حنبل کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ان کی خدمت میں آ کر کہتے: صوفی صاحب! آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں تقریر کرتے کرتے ان کی حالت بدل گئی اور کرسی پر سے گر پڑے اور دوسرے (اگلے) جمعہ کے دن ان کی وفات ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۲۸۹ھ میں ہوئی۔

ابوحمزہ فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ کی راہ کا علم ہو جائے' تو اس پر چلنا بھی اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وافعال اور اقوال میں تابعداری کرنے کے سوا' اللہ کی راہ کی طرف کوئی اور چیز راہنمائی نہیں کر سکتی۔

آفات وبلیات سے بچنے کا نسخہ:

نیز فرماتے تھے: جسے تین چیزیں حاصل ہو جائیں' وہ تمام آفات سے نجات پا جاتا ہے:

قانع دل کے ساتھ خالی ہمت' فقر دائم کے ساتھ زہد حاضر اور صبر کامل کے ساتھ ذکر دائم۔

حضرت ابو بکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو بکر محمد بن موسیٰ واسطی ہیں۔ دراصل خراسان میں فرغانہ (ماوراء النہر کا ایک بڑا شہر) کے رہنے والے تھے۔ یہ جنید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ مرو میں مقیم رہے اور وہیں ۳۲۰ھ کے بعد وفات پائی۔

اقوال:

واسطی فرماتے ہیں: امید اور بیم دو ایسی باتیں ہیں' جو بے ادبی سے روکتی ہیں۔

نیز فرماتے ہیں: عبادت کرنے کے بعد اس کے عوض کا منتظر رہنا' اللہ کے فضل کو بھول جانے کی علامت ہے۔

نیز فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے مرداروں اور بدبو میں پھینک دیتے ہیں۔ اس سے ان کی مراد نوعمروں کی صحبت ہے۔

راہ سے بھٹکے ہوئے...:

ابو بکر محمد بن عبدالعزیز المروزی' واسطی سے روایت کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے سوء ادب کا نام اخلاص رکھا ہے۔ نفس کی طمع کو انبساط قرار دیتے ہیں اور کم ہمتی کو استقلال' لہٰذا یہ لوگ راستہ سے اندھے ہیں اور تنگ راستوں پر چلتے ہیں۔ اسی لئے تو ان کی موجودگی کی وجہ سے' نہ کوئی زندگی نشو ونما پاسکتی ہے اور نہ ان سے گفتگو کرنے میں کوئی عبادت پاک ہوسکتی ہے۔ یہ جب بولیں گے تو غصے' میں اور ایک دوسرے کو خطاب کریں گے تو تکبر کے ساتھ، ان کے نفوس کا اچھلنا' ان کے باطن کو ظاہر کر رہا ہے اور کھانے کی طمع یہ ظاہر کر رہی ہے کہ ان کے دل میں کیا ہے۔ خدا! انہیں ہلاک کرے! یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں؟

جمعہ کے غسل کی فضیلت:

استاد ابو علی الدقاق فرماتے ہیں کہ مرو کے رہنے والے ایک شخص کو جو دوافروش تھا' میں نے کہتے ہوئے سنا کہ جمعہ کے دن واسطی جامع مسجد کو جانے کی نیت سے میری دکان کے پاس سے گذرے' تو ان کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ میں نے عرض کیا: جناب! اجازت ہو تو میں جوتا مرمت کر دوں۔ انہوں نے فرمایا: کر دو۔ میں نے تسمہ مرمت کر دیا۔ انہوں نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ کیوں ٹوٹا؟ میں نے عرض کیا: جناب خود ہی فرما دیں۔ فرمایا: آج میں نے جمعہ کے لئے غسل نہیں کیا تھا۔ میں نے عرض کیا: پاس ہی حمام ہے چلئے!۔ آپ نے فرمایا: اچھا۔ پھر میں انہیں حمام لے گیا اور انہوں نے غسل کیا۔

حضرت ابوالحسن بن الصائغ رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالحسن بن الصائغ ہیں۔ ان کا اصل نام علی بن محمد بن سہل دینوری ہے۔ یہ مصر میں مقیم ہو گئے تھے، اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ کبار مشائخ میں سے تھے۔

ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں: میں نے مشائخ میں سے کسی شیخ کو ابو یعقوب نہر جوری سے بڑھ کر نورانی اور ابوالحسن بن الصائغ سے بڑھ کر ہیبت والا نہیں دیکھا۔ ان کی وفات ۳۳۰ھ میں ہوئی۔

ابن الصائغ سے کسی نے موجود سے غائب پر استدلال کرنے کے متعلق دریافت کیا' تو فرمایا: جس کی مثال اور نظیر ہو' کیا اس کی صفات سے اس خدا کی طرف رہنمائی ہو سکتی ہے' جس کی نہ مثال ہے' نہ نظیر؟

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ مرید کی کیا تعریف ہے؟ تو فرمایا: مرید کی وہی صفت ہے جو اللہ نے بیان فرما دی:

﴿وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ (التوبۃ: ۱۱۸)

''باوجود فراغ ہونے کے' ان کے لئے زمین تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں ان کے لئے تنگ ہو گئیں''

نیز فرمایا: احوال بجلیوں کی طرح ہوتے ہیں اور جب دائم و ثابت ہو جائیں' تو حدیث نفس اور موافقت طبیعت ہے۔

شیخ ابراہیم بن داؤد رقی رحمۃ اللہ علیہ

ابو اسحاق ابراہیم بن داؤد الرقی' یہ شام کے کبار مشائخ میں سے تھے اور جنید اور ابن الجلاء کے ہم پلہ لوگوں میں سے تھے۔ ان کی بہت لمبی عمر ہوئی اور ۳۲۶ھ تک زندہ رہے۔

ابراہیم رقی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی اصل حقیقت میں ہر چیز سے جو وہم میں آ سکے' خارج ثابت کرنے کا نام معرفت ہے۔

نیز فرمایا: قدرت ظاہر ہے اور ہماری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ لیکن انوار بصیرت کمزور ہو چکے ہیں۔

کمزور انسان

نیز فرمایا: کمزور ترین انسان وہ ہے' جو اپنی خواہشات کے روکنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور جو اس پر قادر ہو' وہ قوی ترین ہے۔

نیز فرمایا: اللہ کی محبت کی علامت' اس کی اطاعت کو اختیار کرنا اور اس کے نبی ﷺ کی تابعداری کرنا ہے۔

شیخ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ممشاد دینوری ہیں۔ یہ صوفیاء کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ ان کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی۔

مرید کے آداب:

ممشاد فرماتے ہیں: مرید کے آداب میں سے ہے کہ وہ اپنے شیخ کا احترام کرے۔ بھائیوں کی خدمت کرے۔ اسباب دنیا سے نکل آئے اور اپنی ذات میں آدابِ شریعت کو محفوظ رکھے۔

نیز فرماتے تھے: میں جب بھی اپنے کسی شیخ کے پاس گیا۔ اپنے مال سے خالی ہو کر گیا، میں اسی بات کا منتظر رہتا کہ شیخ کے دیدار اور اس کے کلام کی کیا کیا برکتیں مجھ پر نازل ہوتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص اپنے شیخ کے پاس اس حالت میں جائے کہ اس کی نظر اپنی ذات پر ہو۔ تو پھر شیخ کا دیدار ان کی صحبت اور کلام کی برکتیں اسے حاصل نہیں ہوتیں۔

حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک خیر النساج ہیں۔ یہ ابوحمزہ بغدادی کی صحبت میں رہے اور سری سقطی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ ابوالحسن نوری کے ہم عصر تھے۔ مگر ان کی بہت لمبی عمر ہوئی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سو بیس سال زندہ رہے۔

شبلی اور خواص نے ان کی مجلس میں توبہ کی اور یہ ان لوگوں کے استاد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصلی نام محمد بن اسماعیل ہے اور سامرہ (مکہ اور مدینے کے درمیان ایک علاقہ) کے رہنے والے ہیں۔

خیر النساج... نام کی وجہ:

خیر النساج انہیں اس لئے کہا جانے لگا کہ یہ حج کے لئے نکلے' تو ایک شخص نے باب الکوفہ پر انہیں پکڑ لیا اور کہا: تو تو میرا غلام ہے اور نام تیرا خیر ہے۔ ان کا رنگ سانولا تھا۔ انہوں نے اس سے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس شخص نے انہیں ریشمی کپڑا بننے پر لگا دیا۔ وہ اسے خیر کہہ کر پکارتے اور یہ اس پر لبیک کہتے۔

کئی سال بعد اس شخص نے ان سے کہا' مجھ سے غلطی ہوئی۔ نہ تو تو میرا غلام ہے اور نہ تیرا نام خیر ہے۔ اس پر آپ اسے چھوڑ کر چلے آئے اور فرمایا: میں اس نام کو جس کو ایک مسلمان آدمی نے رکھ دیا ہے' تبدیل نہیں کرنے کا۔

فرماتے تھے: خوف اللہ کا کوڑا ہے' جس سے وہ ہمارے ان نفسوں کو سیدھا کرتا ہے' جو سوء ادب کے عادی ہو چکے ہیں۔

نماز کی اہمیت اور دنیا کی مذمت:

ابوالحسین المالکی فرماتے ہیں کہ جو لوگ خیر النساج کی وفات کے وقت موجود تھے۔ ان سے میں نے خیر النساج کی بابت پوچھا تو بتلایا۔ جب مغرب کی نماز کا وقت آیا' تو ان پر غشی طاری ہوئی۔ پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کر کے کہا: خدا تجھے عافیت دے ٹھہر جاؤ!...تو بھی خدا کا مامور بندہ ہے ...اور میں بھی مامور بندہ ہوں...جس کام کا تجھے حکم دیا گیا ہے...وہ تجھ سے نہیں چھوٹنے کا اور جس کام کا مجھے حکم دیا گیا ہے...وہ مجھ سے چھوٹ جائے گا۔ پھر پانی منگوایا اور وضو کر کے نماز ادا کی۔ اس کے بعد لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر کے کلمہ شہادت پڑھا اور جان دے دی۔

اس کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا' ان سے پوچھا گیا: اللہ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ انہوں نے سائل کو جواب دیا: یہ مت پوچھ' البتہ میں نے تمہاری میلی کچیلی دنیا سے نجات پالی۔

حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوحمزہ خراسانی ہیں۔ یہ نیشاپور میں رہا کرتے تھے۔ مگر دراصل محلّہ ملقاباذ (نیشاپور یا اصبہان کا ایک محلّہ) کے تھے۔ یہ جنید' خراز اور ابوتراب نخشبی کے ہم عصروں میں سے تھے۔ پرہیزگار اور دیندار آدمی تھے۔

موت کو پا کر فائدہ...:

ابوحمزہ فرماتے تھے: جس نے موت کے ذکر کو اپنا شعار بنا لیا' اللہ تعالیٰ ہر باقی رہنے والی چیز کو اس کا محبوب اور ہر فانی چیز سے اس کو بد دل بنا دیتا ہے۔

نیز فرماتے تھے: عارف اپنی زندگی کو ایک ایک دن کر کے بچاتا ہے اور ایک ایک دن کر کے لیتا ہے۔

ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ نصیحت کیجئے' تو کہا: اپنے آگے آنے والے سفر کے لئے زادِ راہ تیار کر لو۔

ابوالحسن المصری' ابوحمزہ خراسانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک چادر میں احرام باندھے رہا۔ ہر سال ایک ہزار فرسخ سفر طے کرتا۔ مجھ پر سورج طلوع ہوتا اور غروب ہوتا' جب بھی احرام کھولتا پھر باندھ لیتا۔

ان کی وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی۔

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوبکر بن جحدر شبلی ہیں۔ دراصل اُسرُوشنہ (ماوراء النہر کا ایک علاقہ) کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی پیدائش اور نشو و نما بغداد میں ہوئی۔ جنید اور ان کے ہم عمر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ حال' علم اور ظرف کے

اعتبار سے یہ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ مذہب میں امام مالک کے پیرو تھے۔ ۸۷ سال زندہ رہ کر ۳۳۴ھ میں وفات ہوئی۔ ان کی قبر بغداد میں ہے۔

جب شبلی نے خیرالنساج کی مجلس میں توبہ کی' تو دماوند (رے کے پاس ایک پہاڑ) آئے اور کہا: میں تمہارے شہر کا حاکم رہا ہوں۔ مجھے صاف کر دو، ابتداء میں ان کے مجاہدات حد سے زیادہ تھے۔

استاد ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ شبلی بار بار کچھ نمک آنکھوں میں ڈالا کرتے' تاکہ بیدار رہنے کے عادی ہو جائیں اور انہیں نیند نہ آئے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ شرع کی صرف اتنی ہی تعظیم کرتے تھے' جتنی کہ عمر کے آخر میں بکران دینوری نے بیان کیا ہے' تب بھی بہت ہے۔

ابوالعباس البغدادی' شبلی سے روایت کرتے ہیں کہ شبلی اپنے آخری ایام میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

وکم من موضع لو مت فیه　　　لکنت به نکالا فی العشیرة

کچھ مقام ایسے ہیں کہ اگر میں وہاں مر جاؤں تو وہاں کے تمام قبیلہ کے لئے عذاب کا سبب بن جاؤں۔

جب رمضان کا مہینہ آتا' تو شبلی اپنے تمام معاصرین میں سے بڑھ کر عبادت کی کوشش کرتے اور فرماتے: میرے رب نے اس ماہ کی تعظیم کی ہے' لہٰذا مجھے سب سے پہلے اس تعظیم کرنی چاہئے۔ استاد ابوعلی نے یہ روایت بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابومحمد عبداللہ بن محمد مرتعش ہیں۔ نیشا پور میں حیرہ نامی محلہ میں رہا کرتے تھے۔ بعض ملقاباذ کا بتاتے ہیں۔ یہ ابوحفص اور ابوعثمان کی صحبت میں رہے اور ان کی ملاقات جنید سے ہوئی۔ بہت بڑی شان والے تھے۔ شونزیہ کی مسجد میں مقیم رہے۔ انہوں نے ۳۲۸ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

مرتعش فرماتے ہیں: نفس کو اپنی تمام مرادوں سے روکنے' اللہ کے اوامر میں لگ جانے اور راضی بقضائے الٰہی رہنے کا نام ارادت ہے۔

انہیں کسی نے بتایا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے' تو فرمایا: میرے نزدیک جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خواہشات کی مخالفت کی قدرت دی ہے' وہ ہوا پر چڑھنے سے بھی بڑھ کر ہے۔

حضرت ابوعلی احمد روذباری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوعلی احمد بن محمد روذباری ہیں۔ دراصل بغداد کے تھے اور مصر میں مقیم ہو گئے تھے اور

وہیں ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔ جنید' نوری' ابن جلاء اور اسی طبقہ کے دیگر مشائخ کی صحبت میں رہے۔ تمام مشائخ میں زیادہ ظریف اور طریقت سے زیادہ واقف تھے۔

گانے کی مذمت:

ابوالقاسم دمشقی فرماتے تھے کہ کسی نے ابوعلی احمد روذباری سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا' جو گانا سنتا ہے اور پھر کہتا ہے: یہ تو میرے لئے جائز ہے' کیونکہ میں ایسے مقام پر پہنچ چکا ہوں کہ اب مجھ پر حالات کا اختلاف اثر نہیں کر سکتا' اس پر انہوں نے فرمایا: ہاں پہنچ تو چکا ہے مگر جہنم میں۔

ان سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا: یہ مذہب ہمہ تن سنجیدگی ہے۔ لہٰذا اس میں ہنسی اور مذاق کو نہ ملاؤ۔

دھوکہ کی علامت:

منصور بن عبداللہ' ابوعلی روذباری سے روایت کرتے ہیں کہ دھوکا کھانے کی علامت یہ ہے کہ تو تو برا کام کرے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر مہربانی فرماتے جائیں اور تم یہ خیال کرتے ہوئے کہ تمہاری طرف سے تساہل کی وجہ غلطی ہوگئی ہے' نہ توبہ کرتے ہو' نہ اللہ کی طرف رجوع اور سمجھتے ہو کہ اللہ نے تمہیں فراخی دے رکھی ہے۔

نیز فرمایا: تصوف میں میرے استاد جنید ہیں' فقہ میں ابوالعباس ابن شریح' ادب میں ثعلب اور حدیث میں ابراہیم حربی۔

حضرت عبداللہ منازل رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابومحمد عبداللہ بن منازل ہیں' یہ فرقہ ملامتیہ کے شیخ اور یگانہ روزگار تھے۔ حمدون قصار کی صحبت میں رہے۔ عالم تھے اور انہوں نے بہت سی احادیث لکھیں۔ انہوں نے نیشا پور میں ۳۲۹ھ یا ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ المعلم' عبداللہ بن منازل سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایک فریضہ بھی ضائع کر دیا' اسے اللہ تعالیٰ سنتوں کے ضائع کرنے میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جو سنتوں کو ضائع کرنے میں مبتلا ہوا' وہ عنقریب بدعتوں میں مبتلا ہوگا۔

بہترین وقت:

ابواحمد بن عیسیٰ' عبداللہ بن منازل سے روایت کرتے ہیں کہ تمہارا سب سے افضل وقت وہ ہے' جس میں تم اپنے نفس کے وساوس سے محفوظ رہو۔ نیز یہ وہ وقت ہے' جس میں لوگ تمہاری بدظنی سے محفوظ رہیں۔

حضرت محمد بن عبدالوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوعلی محمد بن عبدالوہاب ثقفی ہیں۔ یہ اپنے وقت کے امام تھے۔ابوحفص اور حمدون قصار کی صحبت میں رہے، نیشاپور میں تصوف ان ہی کی بدولت پھیلا، ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

علم وتربیت:

منصور بن عبداللہ' ابوعلی سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے تمام علوم کو اپنے اندر جمع کر لیا اور متعدد لوگوں کی صحبت میں بھی رہ چکا ہو' تب بھی وہ اس وقت تک اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا، جب تک کہ وہ کسی شیخ یا امام سے تربیت حاصل نہ کرے یا کسی ناصح مؤدب سے استفادہ نہ کرے...اور جس نے کسی ایسے استاد سے ادب حاصل نہیں کیا، جو اسے اس کے اعمال کے عیوب دکھائے اور اسے نفس کی رعونت کا پتہ دے' تو معاملات کی اصلاح کے لئے ایسے شخص کی اقتداء جائز نہیں۔

ابوعلی فرماتے ہیں: اس امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مومن کے لئے منافق کا سہارا لئے بغیر زندگی میں آرام نہ مل سکے گا۔

نیز فرمایا: اف ہے! دنیا کے کاموں پر جب وہ امنڈ کر آ جائیں اور اف ہے! دنیا کی حسرتوں پر جب وہ جاتی رہیں، عقلمند ایسی چیز کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتا کہ آئے تو مشغولیت کا سبب ہو اور اگر چلی جائے تو حسرت کا۔

حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ

ان ہی بزرگوں میں سے ایک ابوالخیر الاقطع ہیں۔ یہ دراصل مغرب کے تھے۔مگر تینات (بحر شام پر واقع ایک علاقہ) میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی بہت سی کرامات ہیں اور بہت تیز فراست رکھتے تھے۔ بڑی شان والے تھے۔ ۳۴۰ھ سے چند سال بعد وفات ہوئی۔

ابوالخیر فرماتے ہیں: علم وعمل میں مواننت ادب پر کاربند رہنے، فرائض کو ادا کرنے اور صالحین کی صحبت کے بغیر کوئی شخص شرف والی حالت پر نہیں پہنچ سکا۔

شیخ محمد بن علی کتانی رحمۃ اللہ علیہ

ان ہی بزرگوں میں سے ایک ابوبکر محمد بن علی کتانی بھی ہیں۔اصل میں بغداد کے تھے۔ جنید' خراز اور نوری کی صحبت میں رہے اور مکہ میں مقیم رہے' تا آنکہ انہوں نے ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

بھیک مانگنے کی مذمت:

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ ابوبکر الرازی سے روایت کرتے ہیں کہ کتانی کی نظر ایک سفید سر اور سفید ریش پر پڑی جو بھیک مانگ رہا تھا، فرمایا: اس شخص نے بچپن میں اللہ کے حقوق ضائع کر دیئے تو اللہ نے بڑھاپے میں بھی اسے ضائع کر دیا۔

کتانی فرماتے ہیں: خواہش نفسانی شیطان کی باگ ہے جس نے اس کی باگ کو پکڑ لیا وہ اس کا غلام بن گیا۔

شیخ ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں ایک ابو یعقوب اسحٰق بن محمد نہر جوری ہیں۔ یہ ابوعمرو مکی، ابو یعقوب سوسی، جنید اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے مکہ کے قیام کے دوران ۳۰۰ھ میں وفات پائی۔

دنیا کی حقیقت:

ابوالحسین احمد بن علی، نہر جوری سے روایت کرتے ہیں کہ دنیا سمندر ہے جس کا ساحل آخرت ہے اس میں کشتی تقویٰ ہے اور مخلوق مسافر۔

ابوبکر الرازی، نہر جوری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک شخص کو دیکھا جس کی ایک آنکھ تھی اور وہ کہہ رہا تھا: اعوذبك منك میں تم سے تمہارے پاس پناہ لیتا ہوں۔ میں نے اسے کہا: یہ کیسی دعا ہے؟ اس نے جواب دیا: ایک دن میں نے ایک شخص کو دیکھا اور وہ مجھے بہت پسند آیا۔ یکایک ایک تھپڑ آنکھ کو لگا اور میری آنکھ بہہ گئی، پھر میں نے ایک ہاتف کو کہتے ہوئے سنا: ایک نگاہ پر ایک تھپڑ اور نگاہ ڈالو گے تو اور تھپڑ لگیں گے۔

احمد بن علی، نہر جوری سے روایت کرتے ہیں کہ بہترین حال وہ ہے جس میں علم بھی ساتھ دے۔

حضرت ابوالحسن مزین رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالحسن علی بن محمد المزین بھی ہیں۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ سہل بن عبداللہ، جنید اور اسی طبقہ کے دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ مکہ میں مقیم ہو گئے تھے اور وہیں ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ یہ بہت بڑے پارسا تھے۔

ابوبکر الرازی، مزین سے روایت کرتے ہیں کہ گناہ کے بعد گناہ کرنا، پہلے گناہ کی سزا ہے اور نیکی کے بعد نیکی، پہلی نیکی کا ثواب۔

توحید کی پہچان:

مزین سے توحید کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: توحید یہ ہے کہ تو یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف، مخلوق کے اوصاف

سے بالکل مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی صفات میں مخلوق سے مختلف ہے... جیسے لوگ اپنی صفات میں وجود میں آنے پر اللہ سے مختلف ہوئے۔

نیز فرمایا: جو اللہ کے ساتھ ہو کر مخلوق سے مستغنی نہیں ہوتا، خدا اسے مخلوق کا محتاج بنا دیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ مستغنی ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کو اس کا محتاج بنا دیتا ہے۔

حضرت ابو علی بن کاتب رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو علی کاتب ہیں، ان کا نام حسن بن احمد ہے۔ یہ ابو علی روذباری' ابو بکر مصری اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہے، بڑی بلند حالت والے تھے۔ ۳۴۰ھ سے چند سال بعد وفات پائی۔

ابن الکاتب فرماتے ہیں: جب دل میں خوف جاگزیں ہو جائے' تو پھر زبان سے وہی بات نکلتی ہے' جو ضروری ہوتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں: معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی عقل کے ذریعہ سے منزہ جانا' لہٰذا غلطی کھائی اور صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کے ذریعے سے منزہ جانا' لہٰذا درست بات کہی۔

مظفر قرمیسنی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک مظفر قرمیسنی (قرمسین' دینور کے پاس ایک جگہ ہے' جو ہمذان سے ۳۰ فرسخ کے فاصلے پر ہے) ہیں۔ یہ الجبل کے شیوخ میں سے تھے۔ عبداللہ خراز اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔

روزہ کی اقسام:

قرمیسنی فرماتے ہیں: روزہ تین طرح کا ہوتا ہے:

روح کا روزہ اور یہ امیدوں کو کوتاہ کرنے سے ہوتا ہے۔ عقل کا روزہ' خواہشات کی مخالفت کرنے سے۔ نفس کا روزہ' کھانے اور حرام امور سے باز رہنے سے۔

نیز فرمایا: خسیس ترین رفق' وہ نرمی ہے جو عورتوں کے ساتھ کی جائے... خواہ کسی طرح کی ہو۔

نیز فرمایا: جب قناعت بھوک کا ساتھ دے' تو یہ غور و فکر کی کھیتی' حکمت کا سرچشمہ' عقل و فطانت کے لئے حیات اور دل کے لئے چراغ کا کام دیتی ہے۔

نیز فرمایا: بندوں کا بہترین عمل یہ ہے کہ وہ اپنے موجودہ اوقات کی محافظت کریں۔ اس طرح کہ وہ نہ کسی بات میں کوتاہی کریں اور نہ حد سے تجاوز۔

نیز فرمایا: جس نے کسی دانا سے ادب حاصل نہیں کیا' اس سے کوئی مرید بھی ادب حاصل نہیں کر سکتا۔

شیخ ابو بکر ابہری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو بکر عبداللہ بن طاہر ابہری ہیں۔ شبلی کے ہمنشینوں اور الجبل کے مشائخ میں سے تھے۔ عالم اور پرہیزگار تھے۔ یوسف بن حسین وغیرہ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات تقریباً ۳۳۰ھ میں ہوئی۔

منصور بن عبداللہ' ابو بکر سے روایت کرتے ہیں کہ فقیر کے لئے حکم یہ ہے کہ اسے کوئی رغبت نہ ہو' اگر رغبت سے چارہ نہ ہو تو صرف اس قدر رغبت ہو جو اس کی ضرورت کو کفایت کرے۔

اسی بزرگ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تو کسی بھائی سے اللہ کی خاطر محبت کرے' تو دنیا کے لئے اس سے میل جول کم رکھو۔

شیخ ابو الحسین بن بنان رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو الحسن بن بنان ہیں۔ ان کی نسبت ابو سعید خراز سے ہے' یہ مصر کے کبار مشائخ میں سے تھے۔

تسکین قلب کی علامت:

ابن بنان فرماتے ہیں: ہر وہ صوفی' جس کے دل میں روزی کا غم موجود ہو' اس کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ کسی کام یا پیشہ میں لگ جائے۔ اللہ کے ساتھ تسکین قلب کی علامت یہ ہے کہ اسے ان چیزوں پر' جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں' زیادہ اعتماد ہو، بہ نسبت ان چیزوں کے جو خود اس کے اپنے قبضے میں ہیں۔

نیز فرمایا: تم جس طرح حرام سے بچتے ہو' اسی طرح اخلاق کی دناءت سے بھی بچو۔

شیخ ابو اسحٰق قرمسینی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں ایک ابو اسحٰق ابراہیم بن شیبان قرمسینی ہیں۔ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ ابو عبداللہ مغربی' خواص اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔

ابو یزید المروزی الفقیہ' ابراہیم بن شیبان سے روایت کرتے ہیں کہ جو معطل اور باطل پرست بننا چاہے' اس کو چاہئے کہ رخصتوں کے پیچھے لگ جائے۔

اسی بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: علم فنا و بقا کا دارومدار خالص وحدانیت اور عبودیت کی صحت پر ہے۔

اس کے علاوہ سب دھوکہ اور زندقہ ہے۔

نیز فرمایا: کمینے وہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

شیخ ابو بکر حسین بن علی بن یزدانیار رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو بکر الحسین بن علی بن یزدانیار ہیں۔ یہ آرمینیہ کے رہنے والے تھے۔ ان کا تصوف میں مخصوص طریقہ ہے۔ عالم اور پرہیزگار تھے۔ بعض عارفین کے آزادانہ کلمات والفاظ کو ناپسند فرماتے تھے۔

اللہ کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ:

ابن یزدانیار فرماتے تھے: جب تک تمہارے دل میں لوگوں سے انس ومحبت ہے۔ اس وقت تک اللہ سے انس ومحبت کا لالچ نہ کرو، اور نہ اس وقت تک اللہ کی محبت کا لالچ کرو، جب تک تم فضول باتوں کو پسند کرتے ہو اور جب تک تمہارے دل میں یہ لالچ ہے کہ تم لوگوں کے ہاں قدر ومنزلت حاصل کرو، اس وقت تک اللہ کے یہاں منزلت کی خواہش نہ کرو۔

حضرت ابو سعید بن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو سعید بن الاعرابی ہیں۔ ان کا اصل نام احمد بن محمد بن زیاد بصری ہے۔ حرم میں مقیم رہے اور وہیں ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ یہ جنید، عمرو بن عثمان مکی، نوری اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔

ابن الاعرابی فرماتے ہیں: سب سے زیادہ گھاٹے میں وہ شخص ہے، جو لوگوں میں تو اپنے اچھے اعمال کو ظاہر کرے اور اس خدا کے سامنے جو رگِ گردن سے بھی قریب تر ہے، اپنے برے اعمال ظاہر کرے۔

شیخ ابو عمرو نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو عمرو محمد بن ابراہیم الزجاجی نیشاپوری ہیں۔ مدت دراز تک مکہ میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ جنید، ابو عثمان، نوری، خواص اور رویم کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۳۴۸ھ میں ہوئی۔

صدق نیت کی اہمیت:

شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ، اپنے نانا ابو عمرو بن نجید سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے ابو عمرو زجاجی سے سوال کیا، کیا بات ہے کہ فرائض میں تکبیر اولیٰ کے وقت آپ کی حالت غیر ہو جاتی ہے؟ فرمایا: مجھے ڈر لگتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ صدق دل کے بغیر اپنے فریضہ کی ابتداء کروں۔ چنانچہ جو شخص اللہ اکبر کہتا ہے اور اس کے دل میں ہے کہ کوئی اور چیز اللہ سے بھی بڑی ہے، یا یہ کہ وقت گذرنے پر اس نے کسی اور چیز کو بڑا جانا، تو اس نے اپنے دل کو اپنی زبان سے جھٹلا دیا۔

نیز فرمایا: جس شخص نے ایسے حال پر گفتگو کی، جہاں وہ خود نہیں پہنچا' اس کا کلام سننے والوں کے لئے بڑی بھاری آزمائش ہے اور یہی دعویٰ اس کے دل میں بھی پیدا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے اس حالت تک پہنچنے سے محروم رکھے گا۔

یہ مدت تک مکہ میں رہے' مگر حرم کے اندر کبھی طہارت حاصل نہیں کی۔ حرم سے باہر نکل جاتے اور وہاں پاکی حاصل کرتے۔ (پھر حرم میں داخل ہوتے) ان کا یہ عمل حرم کے احترام کی وجہ سے تھا۔

شیخ ابو محمد بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو محمد بن محمد بن نصیر ہیں۔ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ جنید' نوری' رویم' سمنون اور اس طبقہ کے دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ مگر انہوں نے اپنے آپ کو جنید کی طرف منسوب کیا۔ ان کی وفات بغداد میں ۳۴۸ھ میں ہوئی۔

جعفر فرماتے ہیں: کوئی بندہ' لذت نفس کے ہوتے ہوئے اللہ کے ساتھ معاملہ کی نعمت حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ اہل حقائق ان تمام تعلقات کو کاٹ ڈالتے ہیں، جو انہیں اللہ سے منقطع رکھیں، پیشتر اس کے کہ یہ تعلقات انہیں اللہ سے منقطع کر دیں۔ (وہ ان تعلقات کو ختم کر دیتے ہیں)۔

علم پر برکات کا نازل ہونا:

محمد بن عبداللہ شاذان' جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ بندے اور وجود کے درمیان صرف اتنی سی بات ہے کہ تقویٰ اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے اور جب تقویٰ دل میں جاگزیں ہو گیا' تو اس پر علم کی برکات نازل ہوتی ہیں اور دنیا کی رغبت زائل ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو العباس سیاری بھی ہیں۔ ان کا نام قاسم بن قاسم ہے۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ واسطی کی صحبت میں رہے اور صوفیہ کے علوم میں یہ انہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہ عالم تھے اور ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

کسی نے ابو العباس سیاری سے پوچھا: مرید اپنے نفس کو کس چیز کے ساتھ سدھائے؟ تو فرمایا: اوامر پر صبر اور استقلال کے ساتھ عمل کرنے' نواہی سے پرہیز کرنے' صالحین کی صحبت میں رہنے اور فقراء کی خدمت کرنے سے۔

نیز فرمایا: کوئی عقلمند' مشاہدہ حق سے لذت حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ مشاہدۂ حق فنا ہے، جس میں کوئی لذت نہیں۔

حضرت ابو بکر محمد بن داؤد الدینوری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو بکر محمد بن داؤد دینوری ہیں۔ جو دقی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ایک سو سال سے زائد عمر پائی اور دمشق میں ۳۵۰ھ کے بعد وفات پائی۔ ابن جلاء اور زقاق کی صحبت میں رہے۔

کھانے کی اقسام:

ابو بکر دقی فرماتے ہیں: معدہ مختلف قسم کے کھانوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ جب تو اس میں حلال پھینکے گا تو تمہارے اعضاء سے نیک اعمال صادر ہوں گے اور اگر مشتبہ کھانا ڈالے گا تو اللہ کا راستہ تمہارے لئے مشتبہ ہو جائے گا اور اگر قابل گرفت چیزیں اس میں ڈالے گا' تو یہ تمہارے اور اللہ کے امر کے درمیان حجاب کا کام دیں گے۔

حضرت ابو محمد عبداللہ بن محمد رازی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو محمد عبداللہ بن محمد رازی بھی ہیں۔ ان کی پیدائش اور نشو و نما نیشا پور میں ہوئی۔ یہ ابو عثمان جبری' جنید' یوسف بن حسین' رویم' سمنون اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے، ان کی وفات ۳۵۳ھ میں ہوئی۔

دلوں کا اندھا ہونا:

محمد بن الحسین رحمہ اللہ' عبداللہ رازی سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے عبداللہ رازی سے سوال کیا: کیا بات ہے کہ لوگ اپنے عیوب جاننے کے باوجود صحیح راہ کی طرف نہیں لوٹتے؟ تو فرمایا:

اس لیے کہ یہ لوگ علم پر عمل کرنے کی بجائے' علم پر فخر کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ظاہر کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور باطنی آداب کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اندھا کر دیتے ہیں اور ان کے اعضاء کو عبادت کرنے سے جکڑے رکھتے ہیں۔

حضرت اسماعیل بن نجید رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو عمرو اسماعیل بن نجید ہیں۔ یہ بڑی شان والے تھے۔ ابو عثمان کے مریدوں میں سے تھے۔ سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات مکہ میں ۳۶۶ھ میں ہوئی۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ نے اپنے نانا ابو عمرو بن نجید سے روایت کی ہے کہ ہر وہ حالت جو علم کی وجہ سے پیدا نہ ہوئی ہو' صاحب حالت کے لئے اس کا نقصان' بہ نسبت فائدہ کے زیادہ ہوتا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن' ابوعمرو بن نجید سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ جس کسی نے کسی وقت بھی کوئی خداوندی فریضہ ضائع کر دیا' وہ اس فریضہ کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے...خواہ کچھ عرصہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

تصوف کی حقیقت:

پھر فرماتے ہیں کہ ابن نجید سے تصوف کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا: اوامر خداوندی اور نواہی پر صبر کے ساتھ کاربند رہنے کا نام تصوف ہے۔

آفت انسانی:

نیز فرمایا: انسان کی آفت اس میں ہے کہ وہ جن امور میں لگا ہوا ہو' ان کی وجہ سے اپنی ذات سے خوش ہو جائے۔

حضرت علی ابن احمد بو شنجی

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالحسن علی بن احمد سہل بوشنجی ہیں۔ یہ خراسان کے جوانمردوں میں سے تھے۔ ان کی ملاقات ابوعثمان' ابن عطا' جریری اور ابوعمر دمشقی سے ہوئی اور ۳۴۸ھ میں وفات ہوئی۔

مروت کیا ہے؟

بوشنجی سے مروت کے متعلق دریافت کیا گیا' تو فرمایا: مروت ان چیزوں کے استعمال کو ترک کر دینے کا نام ہے' جو شریعت کی رو سے کراماً کاتبین کے دیوان میں حرام لکھی ہوئی ہیں۔

ایک شخص نے ان سے دعا کرنے کی درخواست کی' تو فرمایا: خدا تجھے تیری آزمائش سے بچائے۔

نیز فرمایا: ایمان کی ابتدا اور انتہا ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

شیخ محمد بن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی ہیں۔ یہ رویم' جریری' ابن عطا اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ یہ شیخ الشیوخ اور یکتائے روزگار تھے۔

ابن خفیف فرماتے ہیں کہ مرید کی ارادت مندی یہی ہے کہ رنج و تکلیف اٹھانے پر مداومت کرے اور آرام کو چھوڑ دے۔

نیز فرماتے ہیں: مرید کے لئے رخصتوں پر عمل کرنے اور تاویلات قبول کرنے میں تساہل برتنے سے بڑھ کر کوئی اور چیز نقصان دہ نہیں ہو سکتی۔

قرب الٰہی کی نشانی:

ان سے کسی نے قربت الٰہی کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: خدا سے تمہارا قرب یہ ہے کہ شریعت کے موافق امور پر ڈٹے رہو اور خدا کا تم سے قرب ہونا یہ ہے کہ اس کی توفیق ہمیشہ تمہارے شامل حال رہے۔

طول قیام:

ابوعبداللہ الصوفی' ابوعبداللہ بن خفیف سے روایت کرتے ہیں کہ شروع میں ابن خفیف بسا اوقات ایک رکعت کے اندر دس ہزار بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے۔ اور پھر کئی بار ایسا ہوا کہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھتے اور کئی بار ایسا ہوتا کہ صبح سے عصر تک ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے۔

ابواحمد صغیر روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ایک فقیر نے شیخ ابوعبداللہ بن خفیف سے عرض کی کہ مجھے وسوسہ رہتا ہے تو فرمایا: مجھے وہ زمانہ یاد ہے' کہ جب صوفیا، شیطان سے مذاق کیا کرتے تھے، اب شیطان ان سے مذاق کرتا ہے۔

ابوالعباس کرخی' ابوعبداللہ بن خفیف سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار نوافل میں کھڑا نہیں ہوسکتا تھا' تو میں نے اپنے معمول کی ہر رکعت کے بدلے دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کیں۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ "**صلوٰة القاعد علی النصف من صلوٰة القائم**" (ترمذی: ۱۵۷، ابن ماجہ: ۱۴۱، نسائی: ۲۰، دارمی: ۱۰۸، مؤطا: ۲۰، مسند احمد: ۲، ۱۶۲، ۱۹۳، ۲۰۳)

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھی نماز شمار ہوتی ہے۔

شیخ بندار بن حسین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالحسین بندار بن حسین شیرازی بھی ہیں۔ یہ اصول صوفیا کے عالم اور اپنی حالت میں بڑی شان والے تھے۔ شبلی کی صحبت میں رہے۔ ارجان (شیراز سے ۶۰ فرسخ کے فاصلے پر واقع ایک بڑا شہر) میں ۳۵۳ھ میں فوت ہوئے۔

نفس کے لیے جھگڑا:

بندار بن حسین فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے لئے مت جھگڑو، کیونکہ یہ تمہارا نہیں ہے، اسے اپنے مالک کے لئے چھوڑ دو، وہ جو چاہے اس سے برتاؤ کرے۔

نیز فرمایا: اہل بدعت کی صحبت سے حق تعالیٰ سے اعراض پیدا ہوتا ہے۔

نیز فرمایا: اپنی خواہشات کو (اس ثواب کی خاطر) چھوڑ دو، جس کی تجھے امید ہے۔

حضرت ابو بکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو بکر طمستانی ہیں۔ یہ ابراہیم دباغ اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہے اور انہوں نے ۳۴۰ھ کے بعد نیشا پور میں وفات پائی۔ علم اور حال کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھے۔

بڑی نعمت:

ابو بکر طمستانی فرماتے ہیں: نفس سے نکلنا بہت بڑی نعمت ہے اور نفس تمہارے اور اللہ کے درمیان بہت بڑا حجاب ہے۔

ناپسندیدہ بات:

منصور بن عبداللہ الاصبہانی' ابو بکر طمستانی سے روایت کرتے ہیں کہ جب دل کسی ایسی بات کے کرنے کا خیال کرے، جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے' تو اسے اسی وقت سزا مل جاتی ہے۔

راہ راست:

نیز فرمایا: راستہ واضح ہے اور کتاب اور سنت ہمارے درمیان قائم ہے اور صحابہ کی فضیلت بھی معلوم ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے ہجرت کرنے میں سبقت کی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ لہٰذا انہوں نے فرمایا ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دور رہے اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے وہی سچا اور راہِ راست پر ہے۔

شیخ ابو العباس احمد بن محمد دینوری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابو العباس احمد بن محمد دینوری ہیں۔ یہ یوسف بن حسین' ابن عطاء اور جریری کی صحبت میں رہے۔ عالم اور فاضل تھے۔ نیشا پور میں آئے اور وہاں مدت تک مقیم رہے اور لوگوں میں وعظ کرتے رہے۔ معرفت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ پھر سمرقند گئے اور وہاں ۳۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

ذکر کے درجے:

ابو العباس دینوری فرماتے ہیں: ادنیٰ ذکر یہ ہے کہ تو ماسوا کو بھول جائے اور ذکر کی انتہا یہ ہے کہ ذاکر ذکر میں ذکر سے غافل ہو جائے۔

اقوال:

نیز فرمایا: لوگوں نے تصوف کے ارکان کو تباہ کر دیا' اس کی راہ کو برباد کیا' اس کے معانی کو اپنے نئے ناموں سے بدل دیا، چنانچہ طمع کا نام زیادتی' سوءادب کا اخلاص' خروج عن الحق کا نام شطح' مذموم چیزوں سے لذت حاصل کرنے کا نام طیبت' خواہشات کی پیروی کا نام ابتلاء' دنیا کی طرف رجوع کرنے کا نام وصل' بدخلقی کا نام صولت' بخل کا نام جلادت' سوال کا نام عمل' بدزبانی کا نام ملامت رکھ دیا، حالانکہ صوفیاء کا یہ طریقہ نہ تھا۔

حضرت ابوعثمان سعید بن سلام المغربی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوعثمان سعید بن سلام مغربی ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے بے نظیر انسان تھے۔ ان سے پہلے اس قسم کا شخص سننے میں نہیں آیا۔ ابن الکاتب' حبیب مغربی' ابوعمرو زجاجی کی صحبت میں رہے اور نہر جوری' ابن الصائغ اور دوسرے مشائخ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ان کی وفات نیشاپور میں ۳۷۳ھ میں ہوئی۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ امام ابو بکر بن فورک رحمہ اللہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

جہاں سے اللہ چاہے:

استاد ابو بکر بن فورک فرماتے ہیں کہ جب ابوعثمان مغربی کی وفات کا وقت قریب آ گیا' اس وقت میں ان کے پاس تھا اور علی قوال صغیر کچھ کہہ رہے تھے۔ جب آپ کی حالت بدل گئی' تو ہم نے علی کو خاموش ہونے کو کہا' اس پر شیخ ابوعثمان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا: علی! بول... کیوں نہیں بولتا؟

میں نے حاضرین میں سے ایک سے کہا ان سے پوچھئے! سننے والا کس بناء پر سنتا ہے؟ کیونکہ اس حالت میں ان سے سوال کرنے میں مجھے شرم آتی ہے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا تو فرمایا: سننے والا جہاں سے اللہ چاہے وہیں سے سنتا ہے۔ ریاضت میں ان کی بڑی شان تھی۔

اقوال:

ابوعثمان فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہی ہے کہ بندہ حدود کے اندر رہے' نہ کوتاہی کرے اور نہ ان سے تجاوز کرے۔

نیز فرمایا: جس نے فقراء کی صحبت پر مالداروں کی صحبت کو اختیار کیا، اللہ تعالیٰ اس کو دل کی موت کی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔

ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصرابا ذی رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصرابا ذی ہیں۔ یہ اپنے زمانے میں خراسان کے شیخ تھے۔ شبلی' ابوعلی روذباری اور مرتعش کی صحبت میں رہے۔ ۳۶۶ھ میں مکہ میں آ کر رہائش اختیار کر لی اور وہیں ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ یہ حدیث کے عالم تھے۔ انہوں نے کثرت سے احادیث کی روایت کی ہے۔

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی' نصرابا ذی سے روایت کرتے ہیں کہ جب تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے مظاہر میں کوئی باب ظاہر ہو، اس کے ہوتے ہوئے جنت دوزخ کی طرف متوجہ مت ہو اور جب تم اس حالت سے لوٹ آ ؤ' تو پھر جن امور کی اللہ نے تعظیم کی ہے، تم بھی ان کی تعظیم کرو۔

اقوال:

محمد بن حسین' نصرابا ذی سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے نصرابا ذی سے ذکر کیا کہ بعض عورتوں کی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ان کو دیکھنے میں میں معصوم ہوں' تو فرمایا: جب تک اجسام قائم ہیں، اس وقت تک امرونہی بھی قائم و باقی ہیں اور ہم تحلیل وتحریم (حلال قرار دینے اور حرام قرار دینے) کے مخاطب ہیں۔ شبہات میں پڑنے کی صرف وہی شخص جرأت کرے گا جو محرمات کے درپے ہو۔

تصوف کی اصل:

محمد بن حسین' نصرابا ذی سے روایت کرتے ہیں کہ تصوف کی اصل کتاب وسنت پر کار بند رہنا' خواہشات اور بدعتوں کو ترک کرنا' مشائخ کی حرمتوں کی تعظیم کرنا' مخلوق کے عذروں کو دیکھنا' اوراد پر مداومت کرنا اور رخصتوں اور تاویلات کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری بقری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری بقری ہیں۔ انہوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ عجیب حالت اور زبان والے تھے۔ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ یہ شبلی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ انہوں نے بغداد میں ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔

اقوال:

حصری فرماتے ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ حصری نوافل کو نہیں مانتے، حالانکہ جوانی کے زمانہ سے اب تک اپنے ذمہ

میں جو اوراد لگا رکھے ہیں، اگر ان میں سے ایک رکعت بھی چھوڑ دوں تو عتاب کیا جاؤں۔

نیز فرمایا: جس نے حقیقت میں سے کسی چیز کا دعویٰ کیا۔ اسے وہ براہین جھٹلا دیں گے جو اس کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت ابوعبداللہ بن احمد بن عطاء روذباری رحمۃ اللہ علیہ

ان بزرگوں میں سے ایک ابوعبداللہ بن احمد بن عطاء روذباری ہیں۔ یہ شیخ ابوعلی روذباری کے بھانجے تھے۔ اپنے زمانے میں شام کے شیخ تھے۔ ان کی وفات صور (بحرابیض متوسط پر واقع ایک مشہور شہر اس کے تین اطراف میں سمندر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا) میں ۳۶۹ھ میں ہوئی۔

اقوال:

علی بن سعید المصیصی، احمد بن عطاء روذباری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں اونٹ پر سوار تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں ریت میں دھنس گئیں۔ اس پر میں نے کہا: جل اللہ، اونٹ نے بھی یہی الفاظ دہرائے۔

عجیب عمل:

جب کبھی ابوعبداللہ روذباری اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ کسی عام آدمی یا ایسے آدمی کے گھر جو صوفی نہ ہوتا تھا، دعوت پر لے جانا چاہتے، تو فقراء کو اس کی خبر نہ کرتے تھے۔ بلکہ انہیں پہلے خود کچھ کھلا دیتے اور جب وہ کھا چکتے، تب بتاتے اور پھر ان کو لے کر روانہ ہوتے۔ اس طرح یہ لوگ وقت پر کھا چکے ہوتے اور جب دعوت والے گھر پہنچتے، تو دعوت کے کھانے کی طرف ان کا ہاتھ کم ہی بڑھتا۔ یہ اس لئے کرتے کہ لوگ صوفیاء کے متعلق بدگمان نہ ہو جائیں اور گنہگار نہ بن جائیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن ابوعبداللہ روذباری فقراء کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ اس وقت یہ لوگ کسی دعوت پر جا رہے تھے کہ ایک سبزی فروش نے کہا: یہ فقراء، لوگوں کا مال حلال سمجھتے ہیں۔ پھر ان کو برا بھلا کہا اور شکایت کی کہ ان میں سے ایک درویش نے مجھ سے ایک سو درہم قرض کے طور پر لئے تھے اور آج تک واپس نہیں کئے اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے اور اسے کیسے تلاش کروں؟

جب یہ سب دعوت والے گھر پہنچے، تو ابوعبداللہ روذباری نے گھر کے مالک سے جو فقراء وصوفیاء کا محب تھا، کہا: اگر آپ میرا سکون قلب چاہتے ہیں، تو ابھی ایک سو درہم نکالیں۔ وہ اسی وقت لے آیا۔ آپ نے اپنے ایک مرید کو کہا یہ سو درہم ابھی فلاں سبزی فروش کے پاس لے جاؤ اور اسے کہو کہ یہ وہ سو درہم ہیں، جو تم سے ہمارے کسی ساتھی نے بطور قرض لیے تھے، اور وہ کسی مجبوری سے ادا نہیں کر سکا۔ اب اس نے یہ درہم بھیج دیئے ہیں۔ اس کا عذر قبول فرمالیجئے۔ چنانچہ وہ آدمی گیا اور

اس نے ایسا ہی کیا' جب یہ لوگ دعوت سے واپس لوٹے اور سبزی فروش کی دکان کے پاس سے گذرے تو وہ ان کی تعریف کرنے لگا اور کہنے لگا' یہ لوگ قابل اعتماد' ایمان دار' صالح وغیرہ وغیرہ ہیں۔

بخیل انسان:

ابوعبداللہ روذباری فرماتے ہیں: بدترین انسان وہ صوفی ہے' جو بخیل ہو۔

استاذ امام جمال الاسلام ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جماعت کے شیوخ میں سے چند لوگوں کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔ ان کا اس جگہ ذکر کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو متنبہ کر دوں کہ یہ سب لوگ شریعت کی تعظیم کرنے پر متفق ہیں اور طریق ریاضت میں سنت کی تابعداری کی پابندی کرتے ہیں۔ دینداری کے آداب میں سے کسی ادب میں یہ لوگ خلل پیدا نہیں ہونے دیتے اور اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص معاملات اور مجاہدات سے خالی ہے اور اس نے اپنے طریقے کی بنیاد' پرہیز گاری اور تقویٰ پر نہ رکھی ہے' تو وہ اپنے دعوئی میں اللہ پر افترا باندھنے والا ہے کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہے۔ خود بھی تباہ ہوا اور ان لوگوں کو بھی تباہ کر دیا' جو دھوکے سے اس کی باطل باتوں کی طرف مائل ہو گئے۔ اگر ہم ان کے ان الفاظ کو اور سارے ملفوظات کو بیان کرتے اور پوری تلاش کے بعد ان کی ان حکایات اور حالات کو جن سے ان کی سیرتوں کا پتہ چلتا ہے' لکھتے تو کتاب لمبی ہو جاتی اور لوگ اکتا جاتے۔ جس قدر ہم نے بیان کیا ہے، ہمارے مقصد کے لئے کافی ہے۔ **وباللہ التوفیق۔**

بہر حال وہ شیوخ جن کو ہم نے پایا اور جو ہمارے معاصر ہیں۔ اگرچہ ان سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی، جیسے استاذ شہید' لسان وقت' یگانہ روزگار ابوعلی حسن بن علی دقاق اور یکتائے زمانہ شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی' مجاور حرم ابوالحسن علی بن جھضم اور شیخ ابوالعباس قصار ساکن طبرستان اور دینور میں احمد الاسود اور نیشاپور میں ابوالقاسم صیرفی اور ابوسہل الخشاب الکبیر' منظور بن خلف مغربی' ابوسعید مالینی' ابوطاہر خوزندی اور دیگر مشائخ (خدا ان کی ارواح کو پاک رکھے) اگر ہم ان کے ذکر اور ان کے احوال کی تفصیل میں لگے رہتے تو ہم مقصود سے دور نکل جاتے۔

ان شاء اللہ ہم اس کتاب میں ان کی کچھ حکایات بیان کریں گے۔

باب

اصطلاحات تصوف

صوفیاء کی اصطلاحات کی تفسیر اور ان میں سے بعض مشکل الفاظ کی تشریح

علماء کا ایک گروہ ایک خاص قسم کے چند الفاظ استعمال کرتا ہے، جنہیں دوسرا گروہ استعمال نہیں کرتا، وہ آپس میں خاص اغراض کی بناء پر ان الفاظ کے معنی پر اتفاق کر لیتے ہیں... مثلاً یہ کہ مخاطب کو سمجھانے میں آسانی ہو، یا اس لئے کہ جب یہ الفاظ بولے جائیں تو صوفیاء ان کے معنی کو سمجھ لیں۔

علماء کرام آپس میں خاص قسم کے الفاظ اس لئے بھی استعمال کرتے ہیں، تا کہ ان کے معنی صرف وہ خود اجمالاً سمجھ سکیں اور دوسرے لوگوں سے جو ان کے طریقے سے اختلاف کرتے ہیں، ان کے معانی و مطالب پوشیدہ رہیں، کیونکہ ان کی غیرت گوارہ نہیں کرتی کہ ان کے اسرار نا اہل لوگوں میں شائع ہو جائیں، اس لئے ان الفاظ کے حقائق نہ تو کسی قسم کے تکلف سے جمع کئے گئے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کے تصرف سے پیدا کئے گئے ہیں، بلکہ یہ وہ معانی ہیں جو اللہ نے کچھ لوگوں کے دلوں کے اندر القاء کر دیئے ہیں اور ان کے حقائق کے لئے کچھ لوگوں کے اسرار کو منتخب کر لیا ہے۔

اور ان الفاظ کی تشریح لکھنے کا مقصد یہ ہے کو جو لوگ ان کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں اور ان کے طرز کے تابع ہیں، ان کے لیے ان کے معانی سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

وقت

صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے ایک لفظ وقت ہے۔ محققین کے نزدیک وقت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ موہوم الوقوع واقعہ ہے، جس کے حاصل کرنے کا دارو مدار موجودہ محقق واقعہ پر ہے۔ لہٰذا یہ محقق واقع' موہوم واقع کے لئے وقت کہلائے گا... جیسے یہ قول کہ میں مہینہ کے شروع میں تمہارے پاس آؤں گا... یہاں آنا موہوم واقعہ ہے اور ''مہینے کا شروع'' محقق واقعہ ہے، لہٰذا یہاں ''مہینے کا شروع'' آنے کے لئے وقت ہوگا۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں:

جس آن میں تم ہو وہی تمہارا وقت ہے، اگر تم دنیا میں ہو تو تمہارا وقت دنیا ہے، اگر عقبیٰ میں ہو تو تمہارا وقت عقبیٰ ہے، اگر غم میں ہو تو تمہارا وقت غم ہے، اگر خوشی میں ہو تو تمہارا وقت خوشی ہے۔

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جو حالت انسان پر غالب ہے' وہی اس کا وقت ہے۔ بعض اوقات وقت سے مراد وہ زمانہ ہوتا ہے' جس میں انسان ہے، کیونکہ کچھ لوگوں نے وقت کی تعریف یہ کی ہے کہ وقت وہ ہے جو دو زمانوں (ماضی اور مستقبل) کے درمیان ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ صوفی اپنے وقت کا بیٹا ہے، وہ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ اس وقت اس حالت میں مشغول ہے جو اس کے لیے بہتر ہے اور اس چیز پر قائم ہے' جس کا مطالبہ اس سے کیا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صوفی کو نہ اپنے ماضی کی فکر ہوتی ہے اور نہ اپنے مستقبل کی' بلکہ اسے اپنے حال کی فکر ہوتی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گذشتہ وقت کے چھوٹ جانے پر فکر مند ہونا' دوسرے وقت کو ضائع کرنا ہے' کبھی وقت سے مراد وہ تصرفات لیے جاتے ہیں، جو صوفیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آتے ہیں اور ان میں ان کے اپنے اختیار کا دخل نہیں ہوتا... چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص وقت کے زیر حکم ہے...

یعنی وہ ان امور کے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہے، جو پردۂ غیب سے اس پر ظاہر ہوتے ہیں اور اس میں اس کے اختیار کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ یہ صرف ان امور میں سے ہوتا ہے' جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کوئی حکم ہوتا ہے اور نہ کسی شرعی حق کا تقاضا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دینا' اور اس کے معاملے کو تقدیر کے سپرد کر دینا اور احکام شرعیہ میں اپنی کوتاہی کی پرواہ نہ کرنا' کی حد سے باہر نکلنا ہے۔

صوفیاء کے یہاں یوں بھی کہا جاتا ہے، ''الوقت سیف'' وقت تلوار ہے... یعنی جس طرح تلوار کاٹتی ہے، اسی طرح وقت' ان امور کی وجہ سے جنہیں اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، غالب ہوتا ہے۔ بعض اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ تلوار چھونے میں نرم محسوس ہوتی ہے، مگر اس کی دھار کاٹنے والی ہے، لہٰذا جس نے اس سے نرمی کی' وہ بچ نکلا اور جس نے سختی کی وہ کٹ گیا۔ یہی حال وقت کا ہے' جس نے وقت کے سامنے سر جھکا دیا' وہ نجات پا گیا اور جس نے مقابلہ کیا' وہ سرنگوں اور تباہ ہوا۔ اس کی تائید میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

وکالسیف اِنْ لاینته لان مسه　　　وحدّاه اِنْ خاشنته خشنان

وقت کی مثال تلوار کی سی ہے، اگر نرمی سے پیش آؤ گے تو یہ بھی نرم محسوس ہوگی اور اگر سختی کرو گے تو اس کی دونوں

دھاریں سخت ہوں گی۔

لہٰذا جس شخص سے وقت نے مساعدت کی' تو پھر وقت اس کا ہے اور جس شخص کے ساتھ وقت نے تنگی کی' وقت اس کے لیے دشمنی کا باعث ہوگا۔

استاد ابوعلی دقاق فرماتے ہیں:

وقت ریتی کی طرح ہے' جو تجھے گھساتا ہے' مگر فنا نہیں کرتا۔ یعنی اگر تجھے فنا کردے' تو تو نجات پا جائے گا۔ مگر وقت تمہیں گھٹاتا جاتا ہے اور کلیۃً مٹاتا نہیں۔ ابوعلی دقاق اس کی تائید میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

کلّ یوم یمر یاخذ بعضی یورث القلب حسرة ثم یمضی

ہر دن جو گزرتا ہے' مجھ سے میرا کچھ حصہ لیتا ہے اور میرے دل میں حسرت پیدا کر کے چلا جاتا ہے۔

ابوعلی دقاق یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے:

کاهل النار ان نضجت جلود اعیدت للشقاء لهم جلود

دوزخیوں کی طرح' جب ان کی کھالیں پک جائیں گی' تو ان کی بدبختی کے لئے انہیں نئی کھالیں دے دی جائیں گی۔

اسی معنی میں شعر یہ ہے:

لیس من مات فاستراح بمیت انما المیت میت الاحیاء

جو مر کر آرام پا گیا' وہ مردہ نہیں، مردہ تو درحقیقت وہ ہے' جو زندہ ہی مردہ ہو۔

دانا وہ ہے' جو اپنے وقت کے حکم کے ماتحت ہو۔ اگر اس کا وقت ہوش کا وقت ہے تو اسے شریعت پر کاربند رہنا چاہئے۔ اگر اس کا وقت محویت کا وقت ہے، تو اس پر حقیقت کے احکام غالب ہوں گے۔

﴿مقام﴾

صوفیاء کے خاص الفاظ میں دوسرا لفظ مقام ہے۔ ''مقام'' آداب صوفیاء کی اس منزل کو کہتے ہیں' جسے بندہ خدا کی طرف سے حاصل کرتا ہے۔ جہاں تک بندہ کسی قسم کے تصرف سے پہنچتا ہے، یا تلاش اور تکلیف کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔

لہٰذا ہر شخص کا مقام وہ ہے' جہاں اس کا قیام ہے اور جس ریاضت کی مشق وہ اس وقت کر رہا ہے۔

اس کی شرط یہ ہے کہ جب تک وہ اس مقام کے احکام پورے طور پر حاصل نہ کرے، اس مقام سے آگے نہ جائے۔

اس لئے کہ جب کسی کے پاس قناعت نہیں ہے' تو اس کا توکل درست نہیں ہے اور جس کے پاس توکل نہیں ہے' اس کے لیے تسلیم درست نہیں... اس طرح جس نے توبہ نہیں کی' وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتا، جس کے پاس ورع نہیں' اس کا زہد

درست نہیں۔

مقام مصدر ہے... بمعنی اقامت... جس طرح مدخل بمعنی ادخال، اور مخرج بمعنی اخراج... کسی شخص کا ایک مقام پر اترنا صرف اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے، جب اس کو یقینی مشاہدہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے' تاکہ اس کے مقام و حالت کی بناء صحیح قاعدہ پر ہو۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں:

جب واسطی نیشا پور آئے' تو ابوعثمان کے مریدوں سے دریافت کیا کہ تمہارا شیخ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ ہمارا شیخ ہمیں عبادت پر قائم رہنے کو کہتا ہے، ہمیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم دل میں سمجھتے رہیں کہ ہم عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اس پر واسطی نے کہا: وہ تمہیں خالص مجوسیت کی تعلیم دیتے ہیں، کیا وہ تمہیں یہ حکم نہیں دیتے کہ تم اپنے نفس کو نہ دیکھو اور نفس کے پیدا کرنے والے کو دیکھو؟

واسطی کا مقصد یہ تھا کہ وہ غرور میں نہ آ جائیں' وہ انہیں اس سے بچانا چاہتے تھے، وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کوتاہی کی منزل میں مقیم رہیں اور نہ ہی ان کا مقصد کسی ادب میں خلل انداز ہونا تھا۔

﴿حال﴾

صوفیاء لفظ حال بھی استعمال کرتے ہیں۔ حال ایک کیفیت ہے' جو بلا ارادہ اور بغیر کوشش کے ان کے دل پر طاری ہوتی ہے... مثلاً طرب' غم' بسط' قبض' شوق' بے قراری' ہیبت اور احتیاج... احوال وہبی ہوتے ہیں اور مقامات کسبی ہوتے ہیں۔ احوال سعی اور کوشش کے بغیر حاصل ہوتے ہیں، مقامات کے حصول کے لئے محنت اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صاحب مقام اپنے مکان پر متمکن رہتا ہے اور صاحب حال اپنے مقام سے ترقی کرتا ہے۔

ذوالنون مصری عارف کے بارے میں فرماتے ہیں: یہاں تھا، مگر ابھی چلا گیا۔

بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ احوال بجلیوں کی مانند ہیں اور اگر باقی رہ جائیں تو نفس کی باتیں ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ احوال اپنے نام کی طرح ہیں، یعنی یہ دل پر وارد ہوتے ہی فوراً زائل ہو جاتے ہیں۔ اس کی تائید میں وہ یہ شعر پیش کرتے ہیں:

لو لم تَحُلْ ما سمیتَ حالاً　　وکل ما حال فقد زالا

انظر الی الفیء اذا ما انتهی　　یا خذ فی النقص اذا طالا

اگر نہ بدلتا تو حال نام بھی نہ پاتا، جو متغیر ہو وہ زائل ہوگا۔ سایہ کو دیکھیں جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے' تو لمبا ہونے کے بعد کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

بعض نے احوال کے بقا اور دوام کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کے خیال میں جب یہ دائم نہیں ہوتے، تو انہیں ''لوائح'' اور ''بوادہ'' کہا جاتا ہے۔ اس حالت کا حامل ابھی تک احوال کو پہنچا ہی نہیں اور جب یہ حقیقت دائم ہوتی ہے' تو حال کہلاتی ہے۔

ابوعثمان جبری فرماتے ہیں: مجھے چالیس سال گذر گئے ہیں، جس حال میں اللہ نے مجھے رکھا ہے، میں خوش ہوں۔ میں نے برا محسوس نہیں کیا۔

ان کی مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حالت رضا میں رہے۔ رضا بھی احوال میں سے ہے، لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ جنہوں نے احوال کے باقی رہنے کی طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے درست کہا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک صفت کسی کے لئے مشرب بن جاتی ہے، وہ اسی میں تربیت اور پرورش پاتا ہے۔ مگر ایسے شخص کے احوال اور بھی ہوتے ہیں، جو وقتی طور پر اسے پیش آتے ہیں، لیکن ان احوال کے لئے حاجب و مانع نہیں بنتے' جو اس کی عبادت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ اور جب بھی یہ پہلے احوال کی طرح دائم بن جاتے ہیں' تو وہ ترقی کر کے پہلے حال سے بھی زیادہ اعلیٰ وارفع حال میں ہوتا ہے اور زیادہ لطیف حال کو پہنچ جاتا ہے۔

انہ لیغان علی قلبی کی تشریح:

استاد ابوعلی دقاق حضور ﷺ کے فرمان ''انہ لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ تعالی فی الیوم سبعین مرۃ''

(اخرجہ احمد بن حنبل ٤، ٢١١، ٢٦٠)

کی تشریح یوں کرتے ہیں... آنحضرت ﷺ اپنے احوال میں ہر وقت بلند تر ہوتے جاتے تھے، لہٰذا جب آپ ایک حال سے بلند ہو کر دوسرے حال میں جاتے' تو بسا اوقات آپ کی نگاہ پہلی حالت پر پڑ جاتی، تو ان کو ایسا معلوم ہوتا کہ بعد کی حالت پہلی حالت کے لئے بادل کا کام کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے احوال متواتر ترقی پر تھے اور اللہ تعالیٰ کے لطف و قدرت کی انتہا نہیں، چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہماری دسترس سے باہر ہے اور اس تک پہنچنا محال ہے، لہٰذا بندہ ہمیشہ اپنے احوال میں ترقی پذیر رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جس کیفیت و حالت میں بندہ پہنچے' اس سے بلند تر کیفیت میں اسے پہنچاتا رہے۔

صوفیاء کے قول ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کا مفہوم بھی یہی ہے۔ جنید سے بھی اسی قول کے متعلق

سوال کیا گیا، تو انہوں نے یہ شعر پڑھا:

طوارق انوار تلوح اذا بدت فتظهر كتمانا وتخبر عن جمع

یہ طاری ہونے والے انوار جب ظاہر ہوتے ہیں تو چمکتے ہیں۔ پھر ترقی کر کے ایسی کیفیت ظاہر کرتے ہیں' جس میں کتمان سر ہو اور جمع کا پتہ دیتے ہیں۔

قبض وبسط

صوفیاء کے الفاظ میں قبض وبسط بھی ہیں۔ یہ دونوں حالتیں بندے پر اس وقت طاری ہوتی ہیں، جب وہ خوف ورجا کی حالت سے ترقی کر لیتا ہے۔ لہٰذا عارف کے لئے قبض کی وہی حیثیت ہے، جو مبتدی کے لئے ''خوف''، اور ''بسط'' عارف کے لئے ایسا ہے' جیسے مبتدی کے لئے رجاء۔

قبض وخوف' بسط اور رجاء میں فرق:

''قبض''، ''خوف''، ''بسط'' اور ''رجا'' میں فرق یہ ہے کہ خوف مستقبل میں ہونے والے کسی امر کی وجہ سے ہوتا ہے، خواہ کسی محبوب چیز کے لئے ہو' یا کسی برے امر کے واقع ہونے کی وجہ سے ہو اور اسی طرح رجاء بھی کسی محبوب امر کی امید کے ساتھ وابستہ ہے' یا یہ امید ہوتی ہے کہ کوئی بری چیز زائل ہو جائے گی اور ناپسندیدہ چیز سے اسے بچایا جائے گا۔

مگر قبض وہ حالت ہے، جو اس وقت موجود ہو۔ یہی حال ''بسط'' کا ہے۔ لہٰذا خوف ورجاء والے دل کا تعلق دونوں حالتوں میں مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے۔ قبض وبسط والا اپنے وقت کو اس حالت میں پاتا ہے، جو اس پر موجودہ وقت میں غالب ہے۔ پھر قبض وبسط والوں کی حالت اپنے احوال کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتی ہے، چنانچہ بعض واردات میں قبض کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ حال وارد کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ کلیۃً اپنے حال وارد میں گرفتار ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے: انا ردم یعنی مجھ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی حال ''بسط'' والے کا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات بسط ایسا ہوتا ہے کہ اس میں مخلوق سما سکتی ہے، لہٰذا صاحب بسط اکثر اشیاء سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ بعض صاحب بسط ایسے ہوتے ہیں کہ کسی حالت میں' کوئی چیز بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

ابوبکر قحطی کی حالت:

استاد ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ ایک صوفی ابوبکر قحطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیٹا تھا' جو اسی قسم کی بے ہودگیاں کرتا تھا، جو اکثر نوجوان کرتے تھے۔ جب اس صوفی کا گذر ابوبکر قحطی کے لڑکے کے پاس سے ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی بے ہودگی میں مشغول تھا۔ صوفی کا دل پسیجا۔ اس حالت کو دیکھ کر انہیں دکھ ہوا اور کہا: یہ شیخ بے چارہ

کس قدر مسکین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹے کی بے ہودگیاں برداشت کرنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔

پھر جب قحطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور دیکھا کہ انہیں بیٹے کی بے ہودگی کا کوئی علم نہیں۔ اس پر انہیں تعجب ہوا اور کہا کہ قربان جاؤں' اس شخص پر جس پر پہاڑ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس پر قحطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم ازل سے اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔

قبض کا ادنیٰ ترین سبب یہ ہوتا ہے کہ صوفی کے دل پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، جس کی وجہ سے عتاب کا اشارہ' یا اس بات کا رمز ہوتا ہے کہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ لہٰذا دل پر لامحالہ قبض کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور بعض اوقات حالت و اردہ کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ لطف ربانی کے قریب ہوتا ہے' یا کسی بات پر مبارک باد کی آمد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اس سے دل میں بسط پیدا ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ ہر شخص کا قبض' اسی نسبت سے ہوگا کہ کس قدر اس کو بسط حاصل ہے۔ اس طرح بسط اس کے قبض کی مناسبت سے ہوگا۔ بعض اوقات صاحب قبض کو قبض کی وجہ معلوم نہیں ہوتی' اور وہ اپنے دل میں قبض کو محسوس کرتا ہے، مگر یہ سمجھ نہیں سکتا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ وہ تعلیم کا طریقہ اختیار کرے۔ یہاں تک کہ قبض کا وقت گذر جائے۔ کیونکہ اگر بتکلف اسے دور کرنے کی کوشش کرے گا' یا اپنے اختیار سے وقت سے پہلے قبض کے حملے کا استقبال کرے گا، تو اس سے اس کا قبض بڑھ جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ خدا تعالیٰ قبض بھی پیدا کرتا ہے اور بسط بھی۔

کبھی بسط کا ورود یکا یک اور اچانک ہوتا ہے، جس سے صاحب بسط جھومنے لگتا ہے۔ مگر اسے اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، لہٰذا اس شخص کو چاہئے کہ وہ پرسکون رہے اور ادب کا لحاظ رکھے۔ اس لئے ہر وقت اس پر خطرہ ہوتا ہے، اسے بچتے رہنا چاہئے کہ کہیں اس میں پوشیدہ چال نہ ہو۔

ایک صوفی نے بیان کیا ہے کہ جب میرے لئے بسط کا دروازہ کھل گیا' تو میں پھسل گیا اور اپنے مقام سے محجوب ہو گیا۔ اس لیے صوفیاء کہتے ہیں۔ **قف علی البساط وایاك والانبساط** (اپنی بساط پر کھڑے رہو اور انبساط سے بچتے رہو)

اہل تحقیق نے قبض کو ان امور میں شامل کیا ہے، جن سے وہ پناہ مانگتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں حالتیں اوپر کی حالت کے مقابلے میں بندے کی تباہی کا باعث ہوتی ہیں اور صوفی کا اس میں پڑنا درحقیقت محتاجی اور موجب ضرر ہے۔

جعفر بن محمد' جنید سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرنا میرے قبض کا سبب بنتا ہے اور رجاء' بسط' حقیقت مجھے جمع کرتی ہے اور حق مجھے تفرقہ میں ڈال دیتا ہے اور جب خوف کی وجہ سے مجھ میں قبض پیدا ہوتا ہے، تو مجھے اپنی ذات سے فنا کر

دیتا ہے اور جب امید کی وجہ سے مجھ میں بسط پیدا ہوتا ہے' تو مجھے اپنی ذات کی طرف لوٹا دیتا ہے اور جب حق کی وجہ سے مجھے جدا کرتا ہے' تو کسی اور کو میرے پاس موجود کر دیتا ہے اور مجھے اس سے چھپا دیتا ہے۔

ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ میرا محرک ہوتا ہے۔' مجھے روکے نہیں رکھتا، خوفزدہ کرنے والا ہوتا ہے' مونس نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں اس کی حاضری کی وجہ سے اپنے وجود کا مزہ چکھتا ہوں۔ کاش کہ خدا مجھے اپنی ذات سے فنا کر کے ساز و سامان عطا کرتا، مجھے اپنی ذات سے غائب کر کے راحت عطا کرتا۔

ہیبت اور انس

صوفیاء کے الفاظ میں ہیبت وانس بھی ہے۔ ہیبت وانس دونوں کا درجہ قبض و بسط کے اوپر ہے۔ جس طرح قبض کا درجہ خوف کے اوپر اور بسط کا رجاء کے اوپر ہے۔ اس طرح ہیبت' قبض سے بلند تر ہے اور انس' بسط کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتا ہے۔ ہیبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا صاحب ماسوا سے غائب ہو، لہٰذا ہر ہیبت والا زیادہ غائب ہوتا ہے، پھر یہ کہ ہیبت زدہ غیبت میں بناوٹ کے اعتبار سے غیبت میں بھی متفاوت ہے۔

چنانچہ بعض کی غیبت دیرپا ہوتی ہے اور بعض کی غیبت کم مدت والی ہوتی ہے۔ اور انس کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب انس حقیقی محو کی کیفیت میں ہو، لہٰذا ہر صاحب انس ہوش میں ہوگا۔ پھر ان لوگوں کی حالت' انس کی اس مقدار کے مطابق' جس کو انہوں نے پیا ہے' متفاوت ہوتی ہے۔ اس لئے صوفیاء کہتے ہیں کہ انس کا کمترین مقام یہ ہے کہ صاحب انس کو اگر بھڑکتی آگ میں بھی ڈال دیا جائے' تو اس وقت بھی اس کی انس والی کیفیت مکدر نہ ہوگی۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ' سری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں:

بندے کی حالت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار بھی ماردی جائے' تو اسے احساس نہیں ہوتا۔ میرے دل میں بھی یہ بات کھٹکتی تھی، اب تو مجھ پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حقیقت وہی ہے' جس کو سری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

ابو مقاتل سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک روز شبلی کے پاس گئے' وہ اس وقت اپنی بھنوؤں کے بال موچنے سے نوچ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ تو اپنی ذات کے ساتھ یہ فعل کر رہے ہیں، مگر اس کا درد میرے دل کو پہنچ رہا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: ارے! حقیقت میرے لئے ظاہر ہوتی ہے اور میں اسے برداشت نہیں کر سکتا' بات یہی ہے، لہٰذا میں اپنے آپ کو دکھ دیتا ہوں' تاکہ میں اسے محسوس کروں اور حقیقت مجھ سے چھپ جائے۔ مگر نہ مجھے درد محسوس ہوتا ہے اور نہ حقیقت مستور ہوتی ہے اور مجھ میں اس کی قوت بھی نہیں ہے۔

صوفیاء کے نزدیک ہیبت اور انس کی حالت میں نقص پایا جاتا ہے:

چونکہ ہیبت اور انس میں بندے کی حالت بدل جاتی ہے۔ اس لئے اہل حقیقت ان دونوں حالتوں کو نقص میں شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ اہل تمکین لوگ تبدیلی اور تغیر سے بالا تر ہوتے ہیں' وہ وجود عین یعنی حق تعالیٰ میں محو ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے نہ "ہیبت" ہوتی ہے' نہ انس' نہ علم اور نہ "حس"۔ ابو سعید خراز حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں جنگل میں راستہ بھول گیا' میں یہ شعر پڑھتا رہا:

أتيه فلا ادرى من التيه من أنا　　سوى ما يقول الناس في وفي جنسي

أتيه على جن البلاد وإنسها　　فان لم اجد شخصا اتيه على نفسي

میں حیران اور پریشان پھر رہا ہوں اور اپنی حیرانی کی وجہ سے مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں کون ہوں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ لوگ میرے اور میری جنس کے متعلق کچھ کہتے ہیں کہ میں دنیا کے جنوں اور انسانوں پر فخر کرتا ہوں اور اگر کوئی اور شخص نہیں ملتا' تو خود اپنی ذات پر ہی فخر کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے ایک ہاتف سے سنا کہ وہ مجھے پکار رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے:

أيا من يرى الاسباب اعلى وجوده　　ويفرح بالتيه الدنى وبالانس

فلو كنت من اهل الوجود حقيقة　　لغبت عن الاكوان والعرش والكرسي

وكنت بلاحال مع الله واقفا　　تصان عن التذكار للجن والانس

ارے! تو اسباب کو اپنے وجود کا بلند ترین درجہ خیال کرتا ہے اور تو ادنیٰ ہیبت اور ادنیٰ انس پر فخر کرتا ہے۔ اگر تو درحقیقت اہل وجود میں سے ہوتا' تو تمام کائنات عرش اور کرسی سے غائب ہو جاتا اور تو بغیر کسی حالت کے اللہ کے ساتھ کھڑا رہتا اور جن وانس کی یاد سے بچتا۔

بندہ اس حالت سے عین وجود کے ذریعہ ترقی کرتا ہے۔

تواجد' وجد اور وجود

صوفیاء کے ہاں مروجہ الفاظ میں "تواجد"' "وجد" اور وجود بھی ہیں۔ اپنے اختیار سے وجد لانے کو تواجد کہتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے شخص کا وجد کامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر یہ کامل ہوتا تو وہ "واجد" کہلاتا اور باب تفاعل عموماً کسی صفت کو تکلیف سے اظہار کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اذا تخازرت و مابی من خزر ثم کسرت العین من غیر ما عور

میں آنکھوں کی بناوٹ کے طور پر تنگ کر کے دیکھتا ہوں، حالانکہ میری آنکھیں چھوٹی نہیں ہیں، پھر آنکھ کو بند بھی کر لیتا ہوں، حالانکہ کانا بھی نہیں ہوں۔

اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''تواجد'' میں چونکہ تکلف پایا جاتا ہے اور تحقیق سے بعید ہے۔ اس لئے یہ غیر مسلم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تواجدان فقراء کے لئے مسلم ہے، جو مجرد ہیں اور ان کیفیات کو پالینے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے:

((ابکوفان لم تبکوا فتبا کوا)) (اخرجه ابن ماجه:٤١٩٦)

اگر رونا نہیں آتا، تو رونے والی شکل بناؤ۔

ابو محمد حریری کی حکایت:

ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک بار جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے اور اس وقت ابن مسروق اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ ایک قوال گا رہا تھا۔ ابن مسروق اور دوسرے لوگ تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر جنید میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ میں نے عرض کیا۔ جناب! کیا آپ کو سماع سے لطف حاصل نہیں ہوتا؟ تو فرمایا۔

﴿ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ﴾ (النمل:٨٨)

(تو پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ یہ ساکن ہیں، حالانکہ بادلوں کی طرح یہ بھی چل رہے ہیں)

پھر فرمایا: اے محمد! کیا تجھے بھی سماع سے لطف نہیں آتا؟ میں نے عرض کیا: جب میں کسی ایسی جگہ جاؤں' جہاں مجلس سماع قائم ہو اور کوئی قابل تعظیم ہستی ہو' تو میں اپنے آپ کو وجد سے روک لیتا ہوں اور جب میں خلوت میں ہوتا ہوں' تو وجد کو چھوڑ دیتا ہوں اور تکلفاً وجد کی حالت پیدا کر لیتا ہوں۔

اس حکایت میں انہوں نے تواجد کا لفظ استعمال کیا، مگر جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رد نہیں کیا۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ جب اس نے اکابر کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا' تو اللہ تعالیٰ نے اس ادب کی برکت سے اس کے وقت کو محفوظ رکھا اور یوں فرمایا: میں اپنے نفس کے وجد پر قابو پاتا ہوں اور جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو اسے چھوڑ دیتا ہوں اور بناوٹی وجد پیدا کر لیتا ہوں۔

اس لئے کہ وقت اور غلبہ وقت کے گذر جانے کے بعد اپنی مرضی سے وجد کو چھوڑ دینا ممکن نہیں۔ لیکن چونکہ وہ شیوخ کے احترام کا لحاظ رکھنے میں صادق تھے' تو اللہ نے بھی اس کے وقت کو محفوظ رکھا، تا کہ خلوت کے وقت وہ اپنے وجد کو کھلا چھوڑ

سکے۔ لہٰذا جیسا ذکر ہو چکا... تواجد ''وجد'' کی ابتدائی حالت ہوتی ہے۔ اس کے بعد ''وجد'' کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ''وجد'' یہ ہے کہ کیفیت تمہارے دل پر طاری ہو اور بغیر ارادہ اور تکلف کے وارد ہو۔

اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں ''وجد'' وہ کیفیت ہے' جو اتفاقاً طاری ہو اور یہ کیفیت اوراد کا پھل ہے۔ لہٰذا جس کے وظائف زیادہ ہوں گے' اللہ کی عنایات بھی اس پر زیادہ ہوں گی۔

استاد ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ صوفیاء پر جو واردات ہوتے ہیں، وہ ان کے اوراد کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس کا ظاہر میں کوئی ورد نہیں' اس کا باطن میں کوئی اثر نہیں۔ ہر وہ وجد جس میں کسی کی ذات کا دخل ہو' وجد نہیں کہلاتا۔ چنانچہ جس طرح کسی انسان کو اپنے ظاہری معاملات میں کدو کاوش کرنے سے عبادت کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان اپنے ان احوال باطن سے جو اس پر نازل ہوتے ہیں، وجد محسوس کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ حلاوت' معاملات کا ثمرہ ہے اور ''وجد'' عنایت ربانی کا نتیجہ ہے۔

وجود:

اب رہا ''وجود''، سو یہ وجد سے ترقی کر جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور جب تک بشریت فنا نہیں ہوتی، وجود حق بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ''سلطان حقیقت'' کے ظہور کے وقت بشریت باقی نہیں رہ سکتی۔

ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق **انا منذ عشرین سنة بین الوجد و الفقد** 'میں بیس سال کے عرصہ سے ''پانے'' اور گم کرنے کی الجھن میں پڑا ہوں' کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب رب کو پاتا ہوں، تو دل کو گم پاتا ہوں اور دل کو پاتا ہوں تو رب کھو دیتا ہوں۔

نیز جنید رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق **علم التوحید مباین لوجوده و وجوده مباین لعلمه** علم توحید' وجود رب سے مختلف ہے اور اس کا وجود علم سے مختلف ہے' کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر بالعموم پڑھا جاتا ہے:

وجودی ان اغیب عن الوجود بما یبدو علی من الشهود

ان مشاہدات کی وجہ سے ظاہر ہے، میرا وجود اس وقت ہو گا، جب میں وجود حق سے غائب ہو جاؤں۔

مختصر یہ کہ ''تواجد'' ابتدا ہے اور وجود انتہا اور وجدان دونوں کے درمیان کیفیت کا نام ہے۔

استاد ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ ''تواجد'' میں بندے کے لئے ضروری ہے کہ عبدیت کاملہ اس میں پائی جائے۔ وجد میں بندے کو استغراق حاصل ہوتا ہے اور وجود میں بندے کی ہلاکت ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے' جیسے کوئی سمندر کے پاس آیا۔ پھر سمندر پر سوار ہوا اور پھر اس میں غرق ہو گیا۔ اس کی ترتیب یوں ہے۔ ''قصود'' پھر ورود، ''پھر شہود''، پھر ''وجود''

اور پھر ''خمود'' اور خمود اسی قدر ہوگا، جس قدر کہ وجود ہوگا۔

وجود والے انسان کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں: ''صحو'' اور ''محو''۔ صحو اس حالت کو کہتے ہیں، جبکہ اس کی بقاء حق کے ساتھ ہو اور محو وہ حالت ہوتی ہے کہ اسے حق کے ساتھ فنا حاصل ہو۔ صاحب وجود پر یہ حالتیں باری باری آتی رہتی ہیں۔ جب اس پر صحو کی حالت غائب ہوتی ہے، تو وہ حق کے ذریعہ حملہ بھی کرتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں: فبی یسمع و بی یبصر۔ (میرے ذریعہ سے وہ سنتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے وہ دیکھتا ہے)۔

ابوعبدالرحمٰن السلمی، منصور بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں کھڑے ہو کر سوال کیا: کیا وجد والوں پر صحت وجود کے آثار ظاہر ہوتے ہیں؟ تو شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: ہاں! یہ ایک نور ہے، جو اشتیاق کی آگ کے ساتھ مل کر چمکتا ہے اور اس کے آثار جسموں پر چمک اٹھتے ہیں، جیسا کہ ابن المعتز نے کہا ہے:

وامطر الكأس ماء من ابارقها	فانبت الدر فی ارض من الذهب
وسبح القوم لما أن رأوا عجبا	نورا من الماء فی نار من العنب
سلافة ورثتها عاد عن ارم	كانت ذخيرة كسرى عن أب فأب

پیالے نے اپنی ناریوں کا پانی برسا دیا، سونے کی زمین میں موتی نکل آئے۔ جب لوگوں نے انگور کی آگ میں پانی کا نور دیکھا، تو اللہ کی تسبیح پڑھنے لگے۔ یہ ایسی شراب ہے جو قوم عاد کو قوم ارم سے ورثہ میں ملی اور آباؤ اجداد سے یہ کسریٰ کا ذخیرہ چلی آتی تھی۔

کسی نے ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ جہم دقی نے سماع کی حالت میں جوش میں آ کر ایک درخت کو ہاتھ سے پکڑ کر جڑ سے اکھیڑ دیا۔ پھر اتفاق سے ایک دعوت میں دونوں اکٹھے ہوئے۔ اس وقت ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ جہم دقی جوش میں آ کر چکر لگانے لگے۔ ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب یہ میرے قریب آئے تو مجھے بتانا۔ دقی کمزور تھے۔ جہم گذرے، جب ان کے قریب آئے تو لوگوں نے ابوبکر دقی سے کہا: یہ جہم ہے۔ ابوبکر نے جہم کو پنڈلی سے پکڑ کر ٹھہرا دیا۔ جہم میں اتنی طاقت نہ رہی کہ حرکت کر سکتے، بے ساختہ پکار اٹھے: اے شیخ! میری توبہ! تب ابوبکر نے اس کو چھوڑ دیا۔

استاد امام فرماتے ہیں:

جہم کا جوش بھی حق تھا اور دقی کا پنڈلی پکڑنا بھی حق تھا۔ جب جہم کو معلوم ہو گیا کہ دقی کا مرتبہ ان سے بلند ہے، تو انہوں نے انصاف کے تقاضے سے ہار مان لی۔ اس طرح جو شخص حق پر ہوگا، کوئی چیز اس کے لئے مشکل نہیں۔ مگر جب صوفی

پر محویت کی کیفیت غالب ہو، تو پھر اسے علم، عقل، فہم اور حس کچھ نہیں ہوتا۔

ابو عبدالرحمٰن السلمی، اپنے استاد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عقال رحمۃ اللہ علیہ مغربی چار سال مکہ میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہوئی۔ ایک فقیر ان کے پاس آیا اور کہا: السلام علیکم! ابو عقال رحمۃ اللہ علیہ نے وعلیکم السلام کہا۔ اس شخص نے کہا: میں فلاں ہوں۔ ابو عقال رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں کہا: اچھا! تو فلاں ہے۔ تمہارا کیا حال ہے؟ یہ کہہ کر اپنی حالت سے بے خبر ہو گئے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے السلام علیکم کہا اور انہوں نے وعلیکم السلام کہا، گویا انہوں نے مجھے مطلق دیکھا ہی نہیں۔ میں نے کئی بار اس طرح کہا، تو میں سمجھ گیا کہ ان پر غیبوبت کی کیفیت طاری ہے۔ لہٰذا میں ان کو چھوڑ کر چلا آیا۔

عمر بن محمد بن احمد، ابو عبداللہ نروغندی سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عبداللہ نروغندی کی بیوی نے فرمایا: جب قحط سالی کا زمانہ تھا اور لوگ بھوکے مر رہے تھے، تو ایک دن ابو عبداللہ نروغندی گھر آئے اور اپنے گھر میں تقریباً دو من گندم پایا۔ یہ دیکھ کر فرمایا: لوگ بھوکے مریں اور میرے گھر میں گندم ہو۔ اس بات سے وہ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ صرف نماز کے وقت انہیں کچھ افاقہ ہوتا تھا۔ فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد، ان کی پھر وہی حالت ہو جاتی تھی اور مرتے دم تک ان کی یہی حالت رہی۔

اس حکایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ احکام حقیقت کے غلبہ کے باوجود، یہ شخص آداب شریعت پابندی سے ادا کر رہا تھا۔ اہل حقیقت کا یہی حال ہے۔ پھر اپنی عقل کھونے کے سبب ان کی وہ شفقت تھی، جو انہیں مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ یہ بہت قوی علامت ہے۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ وہ عقل کھو بیٹھے تھے، پھر بھی اپنی حالت پر آ جاتے تھے۔

جمع اور فرق

صوفیاء کے کلام میں ''جمع'' اور ''فرق'' کا لفظ اکثر آتا ہے۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے تھے:

جس چیز کی نسبت تمہاری طرف ہے، وہ ''فرق'' ہے، اور جو چیز تم سے چھین لی جائے، وہ ''جمع'' ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ بات، جس کا تعلق انسان کے کسب و کوشش سے ہے، وہ ''فرق'' ہے۔ مثلاً بندگی اور ان اعمال کو برقرار رکھنا، جو بشریت کے حالات کے مناسب ہیں اور جو امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں... مثلاً معانی کا اظہار اور دیگر لطف و احسان... وہ ''جمع'' کہلاتے ہیں۔ اس لئے اس میں افعال کا مشاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ جمع اور فرق کے اعتبار سے یہ حالت صوفیاء کی ادنیٰ حالت خیال کی جاتی ہے۔

چنانچہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا مشاہدہ کرا دے... مثلاً اطاعت اور نافرمانی، تو یہ تفرقہ کی صفت کا حامل ہو گا اور

جب اللہ تعالیٰ بندے کو ان ذاتی افعال کا مشاہدہ کرائے' جو اللہ کی عنایت سے ہوتے ہیں' تو یہ بندہ ''جمع'' کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔

حاصل یہ کہ مخلوق کا اثبات ''تفرقہ'' کہلاتا ہے۔ اور اثبات حق ''جمع''۔ ہر بندے کے لئے جمع اور فرق کا حامل ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ جس میں تفرقہ نہیں' اس میں عبودیت نہیں اور جسے جمع حاصل نہیں' اسے معرفت حاصل نہیں۔ چنانچہ جب بندہ ایاك نعبد کہتا ہے: تو یہ فرق کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اور ایاك نستعین جمع کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

اور جب کوئی بندہ اللہ سے باتیں کرتا ہے' یا کچھ مانگنے کے لئے دعا کرتا ہے' یا ثنا کرتا ہے' شکر گذاری کرتا ہے' یا آہ و زاری کرتا ہے' تو اس کا مقام تفرقہ کا ہے۔

اور جب اپنی مناجات میں اپنے دل کے کان' اپنے مولا کی طرف لگا دیتا ہے اور جو خطاب اللہ تعالیٰ اسے کرتا ہے' یا مناجات کرتا ہے' یا وہ اس کا مفہوم سمجھ کر غور سے سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر روشنی ڈال کر اسے کوئی امر دکھاتا ہے' تو اس وقت بندہ ''جمع'' کی کیفیت کے مشاہدہ میں ہوتا ہے۔

ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ اور نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ میں بحث:

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ ایک قوال نے ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ شعر پڑھا:

جعلت تنزهی نظری الیك (تیری طرف دیکھنے کو میں نے اپنی تفریح بنالی ہے)

اس وقت ابو القاسم نصر آبادی بھی موجود تھے۔ استاد ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''جعلت'' کی تاء پر زبر ہے۔ استاد نصر آبادی نے فرمایا: نہیں! بلکہ جعلت ہے، یعنی تاء پر پیش ہے۔

اس پر استاد ابو سہل نے جواب دیا کیا جمع کی آنکھ زیادہ کامل نہیں ہے۔ یہ سن کر نصر آبادی خاموش ہو گئے۔

شیخ ابو عبد الرحمٰن حکایت بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے جعلت کی تاء پر پیش پڑھی' تو اس وقت اپنی ذات کی خبر دینا مقصود ہے۔ گویا کہ بندہ متکلم ہے اور جب جعلت کہتے' یعنی تاء کے فتح کے ساتھ پڑھے' تو اس وقت بندہ اس بات سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہے کہ اس میں اس کے تکلف کا کوئی دخل ہے۔ بلکہ وہ اپنے مولا کو مخاطب کرتا اور کہتا ہے کہ اے اللہ! تو نے مجھے یہ خصوصیت بخشی ہے۔ میں نے خود یہ بات حاصل نہیں کی۔ لہٰذا پہلی بات کی بناء دعویٰ پر ہے اور دوسری میں اپنی قوت کی بیزاری کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی کا اظہار ہے، ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک کا مفہوم ہے کہ تمہارے لطف و کرم پر تمہیں گواہ بناتا ہوں، اور دوسرے کا مفہوم ہے کہ میں اپنی کوشش سے تیری عبادت کرتا ہوں۔

جمع الجمع

''جمع الجمع'' کا درجہ اس سے بھی بلند تر ہے۔ جس طرح صوفیاء کے احوال مختلف ہیں اور ان کے درجات میں تفاوت ہے۔ اس طرح ان امور میں بھی لوگوں میں اختلاف ہے۔ چنانچہ جو اپنے نفس کو ثابت کرے' ساتھ ہی یہ مشاہدہ کرے کہ ان کا قیام حق کے ساتھ ہے' تو یہ ''جمع'' ہے اور جب مخلوق کے مشاہدے سے ہٹ چکا ہو' اپنی ذات سے کٹ چکا ہو' اس سلطان حقیقت کی وجہ سے' جو اس پر ظاہر اور غالب آ چکی ہے' اپنے احساس سے کلیۃً غافل ہو' تو یہ ''جمع الجمع'' ہے۔ ''تفرقہ'' غیر اللہ کے مشاہدہ کا نام ہے' ''جمع'' کا مفہوم غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ مشاہدہ کرنا ہے اور فنا کلی اور غلبہ حقیقت کے وقت ماسوئ اللہ کے احساس کے فنا کا نام ''جمع الجمع'' ہے۔

فرق ثانی

اس کے بعد ایک ایسی حالت کا مقام ہے' جو بہت ہی کم یاب اور نادر ہے۔ جسے صوفیاء فرق ثانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرق ثانی یہ ہے کہ صوفی فرائض ادا کرنے کے اوقات میں حالت میں آ جائے' تا کہ اپنے وقت پر فرائض کے احکام اس پر جاری ہو سکیں۔ اس طرح صوفیاء کا اپنی حالت کی طرف لوٹنا' اللہ کی مدد سے اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے' نہ بندے کی مدد سے بندے کے لئے۔

اس حالت میں بندہ اپنی ذات کو اللہ کے تصرف میں پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کی ذات اور عین کا مبداء اللہ کی قدرت کے تحت ہے اور اس قسم کے تمام افعال و احوال اللہ کے علم اور مشیت سے اس پر جاری ہوتے ہیں۔

بعض لوگ جمع اور فرق کے الفاظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جمع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کی تمام مخلوق کو بدلتا اور پھیرتا ہے۔ اس قول کے قائل نے اس لحاظ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ذاتوں کو پیدا کرنے والا اور اس کی صفات کو جاری کرنے والا ہے' تمام مخلوق کو پلٹنے اور بدلنے میں جمع کر دیا۔

مگر پھر مختلف قسموں کے لحاظ سے ان کو الگ الگ کر دیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کو سعادت مند بنایا اور دوسرے کو اپنے سے دور کر کے بد بخت بنایا۔ کسی کو ہدایت دی اور کسی کو گمراہ اور اندھا کر دیا۔ کچھ لوگوں کو اپنے سے محبوب رکھا اور کچھ لوگوں کو اپنی طرف کھینچا' کچھ لوگوں کو اپنے وصال سے مانوس رکھا اور کچھ کو اپنی رحمت سے مایوس کر دیا۔ بعض کو اپنی توفیق سے نوازا' اور بعض نے جب اسے پانے کا قصد کیا' تو انہیں جڑ سے کاٹ دیا۔ بعض کو ہوش میں رکھا اور بعض کو محویت کا عالم بخشا۔ بعض کو قریب کیا اور بعض کو غائب' بعض کو قریب کر کے اپنے پاس حاضر کیا' پھر اپنے سے جدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے مختلف افعال کے انواع کا کوئی شمار نہیں اور نہ ہی اس کی تفصیل کی تشریح کا ذکر ممکن ہے۔

جمع اور تفرقے کے بارے میں جنید ؒ کے یہ اشعار بیان کئے جاتے ہیں

وتحققتك في سري فنا جاك لساني فاجتمعنا لمعاني وافتر قنا لمعاني

ان يكن غيبك التعظيم عن لحظ عياني فقد صيرك الوجد من الاحشاء داني

اے خدا! میں نے تجھے باطن میں پایا، میری زبان نے تجھ سے باتیں کی۔ بعض اوصاف میں ہم جمع ہو گئے اور بعض میں الگ ہو گئے۔ اگر تمہاری تعظیم نے تجھے میری نگاہوں سے غائب کر دیا ہے' تو تمہارے وجد نے تجھے میری آنتوں کے قریب کر دیا ہے۔

یہ اشعار بھی پیش کئے جاتے ہیں:

اذا ما بدالی تعاظمته فاصدر فی حال من لم یرد

جمعت و فرقت عنی به ففرد التواصل مثنی العدد

جب وہ ظاہر ہوتا ہے' تو میں اسے بہت ہی عظیم سمجھتا ہوں۔ پھر میں ایسی حالت میں اس کی طرف لوٹتا ہوں، گویا کہ میں اصل گھاٹ پر وارد ہی نہیں ہوا تھا۔ میں اکٹھا ہوا، اور پھر اس کی وجہ سے خود اپنے سے جدا ہو گیا، تو ہم دونوں کے وصال کا فرد عدد کا دوگنا ہے۔

فنا و بقاء

صوفیاء کے یہاں ''فنا'' سے مراد' مذموم اوصاف کا ساقط ہونا ہے۔ اور بقاء سے' اوصاف محمودہ کا بندہ کے ساتھ قائم ہونا ہے۔

انسان میں ان دونوں قسموں میں سے ایک نہ ایک' صفت ضرور باقی رہتی ہے۔ ایک کی نفی ہو جانے سے لا محالہ دوسری کا اثبات ہو جاتا ہے اور جو اپنے اوصاف مذمومہ سے فنا ہو چکا ہو' اس پر صفات محمودہ ظاہر ہونے لگ جاتے ہیں اور جس پر مذموم خصلتیں غالب آتی ہیں' تو اس سے صفات محمودہ پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جن اوصاف کے ساتھ انسان موصوف ہوتا ہے، وہ یا تو افعال ہیں' یا اخلاق' یا احوال۔ افعال وہ ہیں' جن میں انسان اپنے اختیار سے تصرف کرتا ہے۔ اخلاق وہ صفات ہیں' جو انسان میں فطری طور پر پائے جائیں۔ البتہ کسی صفت کی مسلسل عادت رکھنے سے صفت کو بدل بھی سکتے ہیں۔ احوال وہ ہیں' جو شروع میں انسان پر وارد ہوتے ہیں، مگر ان کی صفائی کا دارومدار اعمال کی صفائی پر ہے۔ اس اعتبار سے احوال بھی اخلاق کی طرح شمار ہوں گے۔ کیونکہ جب انسان دل سے اخلاق کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور اپنی کوشش سے اپنے خراب اخلاق کو دور کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ بھی مہربانی فرما کر اس

کے اخلاق کو اچھا کر دیتا ہے۔

اسی طرح جب انسان اپنی کوشش صرف کر کے اپنے اعمال کا پیہم تزکیہ کرتا رہتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کے احوال کو پاک بنا دیتا ہے۔ بلکہ کمال کے ساتھ احوال کو اس پر وارد کر دیتا ہے۔ لہٰذا جس شخص نے ان افعال کو جو شریعت کے اندر مذموم قرار دیئے گئے ہیں' ترک کر دیا۔ اس کے متعلق یوں کہا جائے گا کہ وہ اپنی شہوات سے فنا ہو چکا ہے اور جب اپنی شہوت سے فنا ہو گیا' تو اپنی نیت اور اخلاص کے ساتھ وہ اپنی بندگی میں رہے گا۔

اور جو دل سے دنیا سے روگردانی کرتا ہے۔ اس کے متعلق کہا جائے گا' اس کی ہر طرح کی رغبت فنا ہو گئی' تو وہ صدق دل سے اللہ کی طرف رجوع کرنے پر قائم رہے گا۔ اور جس نے کوشش کر کے اپنے اخلاق کو ٹھیک کر لیا اور اپنے دل سے حسد' کینہ' بخل' غصہ' تکبر اور اسی قسم کی دیگر رعونتوں کو دور کر دیا' تو اس کے متعلق یوں کہا جائے گا کہ وہ برے اخلاق سے فنا ہو گیا۔

اور جب برے اخلاقسے فنا حاصل ہو گیا' تو وہ فتوت اور صدق کے ساتھ باقی رہے گا اور جس نے احکام کے ردو بدل ہونے میں اللہ کی قدرت کے جاری ہونے کا مشاہدہ کیا۔ اس کے متعلق یوں کہا جائے گا کہ وہ حوادثات کو مخلوق کی طرف سے خیال کرنے سے فنا ہو گیا اور جب ان آثار کو غیر اللہ کی طرف سے سمجھنے سے فنا ہو گیا' تو وہ اللہ کی صفات کے ساتھ باقی رہا اور جس پر سلطان حقیقت کا غلبہ ہو، یہاں تک کہ وہ غیر اللہ کی طرف سے کسی چیز کو نہ دیکھے' نہ اصل کو اور نہ اس کے نشان کو۔ اس کے متعلق کہیں گے کہ وہ مخلوق سے فنا ہو گیا اور حق کے ساتھ باقی رہا۔

لہٰذا بندے کا اپنے مذموم افعال اور حقیر احوال سے فنا ہونا یہی ہے کہ یہ افعال اس سے معدوم ہو جائیں اور اپنی ذات اور مخلوق سے اس کا فنا ہونا یہ ہے کہ اپنے نفس اور مخلوق کے متعلق اس کا احساس جاتا رہے۔ اور جب انسان اپنے افعال' اخلاق اور احوال سے فنا ہو چکا ہو' تو پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ ان میں سے جو کچھ بھی فنا ہو چکا ہے، اس میں موجود ہو جائے اور جب یوں کہا جائے کہ بندہ اپنی ذات اور مخلوق سے فنا ہو گیا' تو اس کا نفس تو موجود ہے اور مخلوق بھی موجود۔ مگر اسے نہ اس کا علم ہے اور نہ اس کا احساس ہے' نہ خبر، لہٰذا اس کی ذات بھی موجود ہو گی اور مخلوق بھی، مگر وہ اپنی ذات اور تمام مخلوق سے غافل ہے۔ اسے نہ اپنی ذات کا احساس ہے' نہ مخلوق کا۔

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کسی صاحب سلطان انسان کے پاس جاتا ہے' تو اس کی ہیبت سے وہ اپنی ذات اور اہل مجلس سے غافل ہو جاتا ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اس صاحب سطوت سے بھی غافل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہاں سے واپس آنے کے بعد' اسے وہاں کے اہل مجلس' صاحب سطوت کی ہیبت اور اپنی ہیبت کے متعلق دریافت کیا جائے گا تو وہ کچھ بھی نہ بتا سکے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ﴾

جب ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا' تو ان کو بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

ان عورتوں کو اس وقت جب کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا اپنے ہاتھ کاٹنے کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ حالانکہ وہ کمزور ہوتی ہیں اور بول اٹھیں۔

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا (یہ تو بشر نہیں ہے)

حالانکہ یوسف علیہ السلام بشر تھے۔ نیز کہا:

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ کہ تو صاحب کرامت فرشتہ ہے۔

حالانکہ وہ فرشتہ نہ تھے۔ یہ تغافل تو وہ ہے جو ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کے ساتھ ملاقات کرنے سے پیدا ہوا ہو' اور جب ایک شخص کو مشاہدہ حق سبحانہ کا مکاشفہ ہو' اور اس وقت وہ اپنی ذات اور اپنے ہم جنسوں کو محسوس کرنے سے غافل ہو جائے' تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

لہٰذا جو اپنے جہل سے فنا ہو گیا' وہ اپنے علم کے ساتھ باقی رہا اور جو اپنی خواہشات سے فنا ہو گیا، وہ رجوع الی اللہ سے باقی رہا۔ جو اپنی رغبت سے فنا ہوا' وہ اپنے ظاہر میں باقی نہ رہا۔ جو اپنی آرزو سے فنا ہوا' وہ اپنے ارادہ سے باقی رہا۔ اسی طرح باقی صفات کو قیاس کرو اور جب بندہ اس طریقے پر جس کا ذکر ہو چکا ہے، فنا ہو جاتا ہے تو وہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے، جہاں اپنے فنا کی وجہ سے' اپنی فنا کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس بات کی طرف شاعر اشارہ کرتا ہے:

فقوم تاه فی ارض بقفر وقوم تاه فی میدان حبه
فافنوا ثم افنوا ثم افنوا وابقوا بالبقاء من قرب ربه

کچھ لوگ تو چٹیل میدان میں حیران پھرے اور کچھ اس کے عشق کے میدان میں، پھر انہوں نے فنا در فنا کا درجہ پا کر اللہ کے قرب میں رہنے سے بقا حاصل کر لی۔

پہلی فنا' ذات اور صفات کی فنا ہے۔ جن کی بقا' صفات حق کے ساتھ ہے' دوسرا مرتبہ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کی وجہ سے صفات حق سے فنا کا ہے۔ اس کے بعد تیسرا مرتبہ آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ وجود حق میں کامل فنا ہونے کی وجہ سے' اپنی فنا کے مشاہدہ سے بھی فنا حاصل کرتا ہے۔

غیبت اور حضور

صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے ''غیبت'' اور ''حضور'' ہیں۔

''غیبت'' یہ ہے کہ دل مخلوق کے حالات سے بے خبر ہو' کیونکہ اس کا خاصہ اس کیفیت کے ساتھ مشغول ہے، جو اس پر وارد ہوتی ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات اور دیگر امور کے احساس سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کا سبب' وہ کیفیت ہے' جو اس پر وارد ہوتی ہے۔ مثلاً ثواب کو یاد کرنا' یا عقاب کے متعلق سوچنا۔

ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ

روایت ہے کہ ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک بار ان کا گذر کسی لوہار کی دکان پر ہوا۔ انہوں نے تپتا ہوا لوہا بھٹی کے اندر دیکھا۔ تو ان پر غشی طاری ہوگئی اور دوسرے دن صبح تک ہوش نہ آیا۔ ہوش آنے پر ان سے دریافت کیا گیا' تو فرمایا: مجھے وہ حالت یاد آ گئی' جو دوزخیوں کی دوزخ میں ہوگی۔ یہ بھی غیبت کی ایک قسم ہے کہ صوفی اپنی حد سے گذر کر غشی کی حد کو پہنچ جائے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

روایت ہے کہ علی بن حسین سجدہ میں پڑے تھے کہ ان کے گھر کو آگ لگ گئی۔ مگر انہوں نے اپنی نماز جاری رکھی، جب ان سے اس کی نسبت دریافت کیا گیا' تو فرمایا: مجھے دوزخ کی آگ یاد آ گئی۔ جس نے مجھے اس آگ سے غافل کر دیا۔

بسا اوقات صوفی اپنے احساسات سے اس لئے غائب ہوتا ہے کہ اس پر حقائق منکشف ہو رہے ہوتے ہیں۔ البتہ ہر صوفی اپنے حال کے مطابق احساسات سے غائب ہوتا ہے۔ سب کی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی۔

ابو حفص نیشاپوری نے لوہار کا پیشہ کیوں ترک کیا؟

چنانچہ مشہور ہے کہ ابو حفص نیشاپوری نے لوہار کا پیشہ اس لئے ترک کیا کہ ایک بار جب وہ اپنی دکان پر تھے۔ کسی قاری نے قرآن کی ایک آیت پڑھی۔ جس سے ابو حفص کے قلب پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ آپ اپنے احساسات سے غافل ہو گئے۔ آگ میں ہاتھ ڈال دیا اور تپتا ہوا لوہا اپنے ہاتھ سے نکال لیا۔ ان کے شاگرد نے انہیں دیکھ لیا' عرض کی: اے استاد! یہ کیا معاملہ ہے؟ جب ابو حفص نے دیکھا کہ اس پر راز کھل گیا ہے' تو اپنا پیشہ ترک کر کے دکان سے اٹھ گئے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ

ایک بار جنید رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے اور ان کے پاس ان کی بیوی تھی کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ آ گئے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی نے پردہ کرنا چاہا۔

فرمایا: اس وقت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو تمہاری موجودگی کا علم نہیں، لہٰذا بیٹھی رہو۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے۔ اب جب شبلی رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے' تو جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی سے کہا؛ اب پردہ کرلو۔ کیونکہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو غیبت سے افاقہ ہو گیا ہے۔

ابونصر مؤذن رحمۃ اللہ علیہ اور ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ:

میں نے ابونصر رحمۃ اللہ علیہ موذن کو سنا' جو کہ ایک صالح مرد تھے' فرماتے ہیں:

اس زمانے میں جب کہ استاد ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ دقاق نیشاپور تھے، میں ان کی مجلس میں قرآن پڑھا کرتا تھا۔ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ اکثر حج کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ میرے دل میں ان کے کلام کا اثر ہوا۔ لہٰذا میں اسی سال حج کرنے کے لئے نکل پڑا، اور اپنی دکان اور ہمیشہ کے لئے سب کچھ چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ استاد ابوعلی بھی اس سال حج کے لئے جارہے تھے۔ نیشاپور کے قیام کے دوران' میں ان کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان کی مجلس میں ہمیشہ قرآن پڑھتا رہتا تھا۔

ایک بار میں نے انہیں جنگل میں دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور لوٹا وہیں بھول گئے۔ میں نے اسے اٹھالیا' جب آپ اپنی قیام گاہ کو لوٹ آئے' تو میں نے وہ لوٹا آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: خدا! تجھے اس لوٹے کو اٹھانے کی جزائے خیر دے' پھر دیر تک میری طرف دیکھتے رہے۔ گویا انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہیں تھا۔

پھر فرمایا: میں نے تجھے ایک بار دیکھا ہے۔ تو کون ہے؟ میں نے عرض کیا: پناہ بخدا! میں ایک مدت سے آپ کے ساتھ ہوں' آپ کی خاطر میں نے اپنا گھر' مال چھوڑا۔ جنگل میں آپ کے ہمراہ ہولیا اور اب آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے ایک بار دیکھا ہے؟!

حضور:

حضور کبھی صوفی حق کے حضور میں ہوتا ہے۔ کیونکہ جب مخلوق سے غائب رہتا ہے' تو حق کے حضور میں ہوتا ہے' اس طرح گویا وہ حاضر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ذکر' اس کے دل پر غالب ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے دل کے ذریعے اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس قدر وہ مخلوق سے غائب ہوتا ہے' اسی قدر وہ حق کے آگے حاضر رہتا ہے۔ اگر مخلوق سے کلیۃً غائب ہوا' تو اس کو اسی مناسبت سے حضوری حاصل رہی۔

اگر کوئی کہے کہ فلاں حاضر ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے دل کے ذریعہ اپنے رب کے آگے حاضر ہے۔ اس سے غافل نہیں ہے۔ اسے ہر دم یاد کرتا رہتا ہے۔ پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ کے حضور میں رہتے ہوئے اس کو اپنے مرتبہ کے مطابق ان معانی کا مکاشفہ ہوتا ہے' جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اسے مخصوص کرتا ہے۔

کبھی لفظ حضور صوفی کے اپنے حواس میں لوٹ آنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جب بندہ اپنے ذاتی احوال کے ساتھ اپنے احساس اور مخلوق کے حالات کے احساس کی طرف لوٹتا ہے' تو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حاضر ہوا' یعنی وہ اپنی غیبت سے لوٹ آیا۔

اس صورت میں مخلوق کے ساتھ حاضری ہوگئی اور پہلی صورت میں حق کے ساتھ غیبت میں بھی احوال مختلف ہوتے ہیں۔ بعض کی غیبت طویل مدت کے لئے نہیں ہوتی اور بعض کی غیبت ہر وقت رہتی ہے۔

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ:

روایت کی جاتی ہے کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا' جب وہ شخص بسطام پہنچا' تو ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا گھر پوچھا اور جب ان کے پاس گیا' تو ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ابو یزید کو ملنا چاہتا ہوں۔ ابو یزید نے کہا: کون ابو یزید؟ ابو یزید کہاں ہے؟ میں تو ابو یزید کی تلاش میں ہوں' اس پر وہ آدمی باہر نکل آیا اور کہنے لگا: یہ تو دیوانہ ہے۔

اس شخص نے آ کر جو کچھ دیکھا تھا، ذوالنون کو بتا دیا۔ یہ سن کر ذوالنون روئے اور کہا: میرا بھائی ابو یزید اللہ کی طرف جانے والوں کے ساتھ چلا گیا۔

صحو اور سکر

ان مروجہ الفاظ میں ''صحو اور سکر'' بھی ہیں۔ احساس سے غیبت کے بعد احساس کی طرف لوٹ آنے کا نام ''صحو'' ہے، اور کسی قوی کیفیت کے وارد ہونے کی وجہ سے' احساس سے غائب ہونے کو ''سکر'' کہتے ہیں۔

غیبت کے مقابلہ میں ''سکر'' کو ایک لحاظ سے برتری حاصل ہے، کیونکہ سکر والا جب کامل سکر کی حالت میں نہیں ہوتا، تو کبھی ''بسط'' کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی ''سکر'' کی حالت میں، اس کے دل سے اشیاء کے خطرات ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اس مصنوعی ''سکر'' والے کا ہے، جس پر کیفیت کا ورود کامل طور پر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس میں احساس کا دخل باقی رہتا ہے۔

بعض اوقات ''سکر'' قوی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ غیبت سے بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات جب ''سکر'' قوی ہوتا ہے۔ ''سکر'' والے کی غیبت' غیبت والے سے بڑھ کر ہوتی ہے اور جب ''سکر'' بناوٹی اور غیر کامل ہو، تو غیبت والے کی غیبت ''سکر'' والے سے اتم ہوتی ہے۔ غیبت کبھی عبادت کے لئے نافع ہوتی ہے، کیونکہ عابدوں کے دلوں پر غیبت، خوف اور امید کے مقتضات کا غلبہ ہوتا ہے اور سکر صرف اصحاب وجد پر طاری ہوتا ہے۔ چنانچہ جمال الٰہی کی صفت کے کشف پر

صوفی کو ''سکر'' حاصل ہوتا ہے۔ روح طرب میں آتی ہے اور دل حیران رہتا ہے۔ اسی مفہوم کے اشعار ہیں:

فصحوك من لفظي هو الوصل كله وسكرك من لحظي يبيح لك الشربا

فما ملّ ساقيها وما مل شارب عقار لحاظ كأسه يسكر اللبا

میرے کلام سے تمہارا ہوش میں آنا' ہمہ تن وصل ہے اور میری نگاہوں سے مست ہونا' تمہارے لئے شراب پینے کو جائز کر دیتا ہے' نہ اس شراب کا پلانے والا اکتراتا ہے نہ پینے والا، کیونکہ یہ تو نگاہوں کی شراب ہے' جو عقل کو مست کر دیتی ہے۔

یہ اشعار بھی پیش کئے جاتے ہیں:

فأسكر القوم دور كأس وكان سكرى من المدير

لوگ تو پیالے کے دور سے مست ہوئے' مگر میری مستی ساقی سے تھی۔

لی سكرتان وللندمان واحدة شیء خصصت به من بينهم وحدی

میرے لئے دو مستیاں ہیں اور دوستوں کے لئے صرف ایک ہے' یہ ایسی بات ہے' جو صرف مجھ سے مخصوص ہے۔

نیز یہ شعر پیش کرتے ہیں:

سكران سكر هوى وسكر مدامة فمتى يفيق فتى به سكران

یہاں تو دو طرح کی مستی ہے' عشق کی اور شراب کی، جسے دو طرح کی مستی ہو وہ کب ہوش میں آتا ہے؟

جاننا چاہئے کہ ''صحو'' کو ''سکر'' کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ جس کا ''سکر'' حق کے ساتھ ہے، اس کا صحو بھی حق کے ساتھ ہے۔ جن کے سکر میں نفسانی لذات ملی ہوئی ہوں' ان کے صحو کے ساتھ صحیح حظِ نفسانی کی معیت ہوگی اور جو اپنی حالت میں حق پر ہوگا' وہ اپنی مستی میں بھی محفوظ ہوگا۔

سکر اور صحو دونوں میں ایک طرح کے ''فرق'' کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ جب سلطان حقیقت کی کوئی علامت ظاہر ہو جائے۔ تو بندہ کی صفت یہی ہے کہ وہ فنا ہو جائے اس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے:

اذا طلع الصباح لنجم راح تساوى فيه سكران وصاح

جب شراب کے ستارے کی وجہ سے صبح طلوع ہو تو مست اور ہوش والے دونوں برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (الاعراف:۱۴۳)

جب اللہ تعالیٰ کی تجلی پہاڑ پر ہوئی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

موسیٰ علیہ السلام' باوجود رسول ہونے کے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور پہاڑ ٹھوس اور مضبوط ہونے کے باوجود' ریزہ ریزہ ہو گیا۔

بندہ سکر کی حالت میں' حال کا مشاہدہ کرتا ہے اور صحو کی حالت میں علم کا، فرق یہ ہے کہ وہ سکر کی حالت میں محفوظ ہوتا ہے۔ مگر اس میں اس کی اپنی کوشش کا دخل نہیں ہوتا اور صحو کی حالت میں اپنی کوشش سے بچتا ہے اور صحو اور سکر کا مرتبہ ''ذوق اور شراب'' کے بعد آتا ہے۔

﴿ذوق اور شراب﴾

جو الفاظ صوفیاء کے کلام میں آتے ہیں' ان میں سے ''ذوق'' اور ''شرب'' (پینا) بھی ہیں۔

اس سے ان کی مراد' تجلی کے وہ ثمرات' کشف کے نتائج اور فوری واردات ہیں، جنہیں یہ لوگ پاتے ہیں۔ چنانچہ پہلا درجہ ذوق کا ہے۔ پھر شرب اور پھر ''ری'' (سیرابی) کا، ان کے معاملات کی صفائی سے یہ واجب آتا ہے کہ انہیں کیفیات کا ذوق حاصل ہو اور اپنی منزلوں کو پورا کرنے کے لئے شرب ضروری ہو جاتا ہے اور دائمی وصل سے ''ری'' (سیرابی)۔

چنانچہ صاحب ذوق' مست ہونے کی کوشش میں رہتا ہے' جس کو شرب حاصل ہو' وہ درحقیقت مست ہے اور جب یہ صفت دائمی ہو جائے' تو شرب سے سکر پیدا نہیں ہوتا اور یہ شخص حق تبارک وتعالیٰ کے ساتھ باہوش ہوتا ہے اور تمام حظوظ نفس سے خالی ہوتا ہے۔ کسی قسم کے وارد سے' نہ وہ متاثر ہوتا ہے' نہ اپنی حالت سے متغیر ہوتا ہے اور جس کا باطن صاف ہوتا ہے، اس کا شرب مکدر نہیں اور جس کی غذا ہی شراب بن جائے، وہ پھر اس کے بغیر نہیں رہ سکتا اور نہ اس کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے:

وانما الکاس رضاع بیننا فاذا لم نذقھا لم نعش

پیالہ تو ہمارے لئے گھٹی ہے، لہٰذا اسے پیئے بغیر' ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔

عجبت لمن یقول ذکرت ربی فھل أنسی فاذکر ما نسیت؟

شربت الحبّ کاسا بعد کأس فما نفد الشراب ولا رویت

اس شخص پر تعجب ہے' جو یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو یاد کیا۔ کیا میں اسے بھول جاتا ہوں کہ اس بھولے ہوئے کو پھر یاد کروں؟ میں نے محبت کا پیالہ بار بار پیا' مگر نہ شراب ختم ہوئی' نہ میں سیراب ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بن معاذ نے ابو یزید بسطامی کو خط لکھا، کہ یہاں ایک شخص ہے، جس نے ایک بار محبت کا پیالہ پیا' پھر اسے پیاس نہیں لگی۔

ابو یزید نے .... جواب میں لکھا: مجھے تمہارے ضعیف حال پر تعجب ہوتا ہے۔ یہاں تو وہ شخص ہے جو دنیا کے سمندر پی جانے کے بعد بھی منہ کھولے ہوئے تھا اور زیادہ مانگ رہا ہے۔

یاد رکھیں کہ قربت خداوندی کے پیالے غیب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کا دور صرف آزاد مشنوہ اور ان ارواح کے مابین چلتا ہے جو اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔

محو اور اثبات

ان الفاظ میں سے ''محو'' اور ''اثبات'' بھی ہیں۔

عادات بشریہ کے اوصاف کو مٹا دینے کا نام ''محو'' ہے، اور احکام عبادت کے قائم کرنے کا نام ''اثبات'' ہے۔ جس نے اپنے احوال سے مذموم صفات کی نفی کی، اور ان کی جگہ پسندیدہ افعال اور احوال پر کار بند ہوا۔ تو یہ شخص محو و اثبات کا مالک ہوا۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ کسی شیخ نے ایک شخص سے کہا: تو کس چیز کو محو کرتا ہے اور کس چیز کو ثابت کرتا ہے؟ وہ شخص کوئی جواب نہ دے سکا۔ تو فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ وقت ہی محو و اثبات ہے، کیونکہ جس میں محو و اثبات نہ ہو' وہ معطل و مہمل شخص ہے۔

محو کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ظاہر بدن سے لغزش کو محو کرنا۔ (۲) غفلت کو دل سے محو کرنا (۳) اور بیماری کو باطن سے محو کرنا۔

لغزش کے محو ہو جانے سے معاملات کا اثبات ہوتا ہے' غفلت کو محو کرنے سے منزلوں اور مقامات کا اثبات ہوتا ہے، اور علت کو محو کرنے سے اللہ سے وصال کا اثبات ہوتا ہے۔ یہی محو اور عبودیت کی شرط کا اثبات ہے۔

درحقیقت محو و اثبات کا ظہور قدرت الٰہیہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کا چھپانا اور نفی کرنا محو ہے اور کسی کو حق تعالیٰ کا ظاہر کرنا اثبات ہے۔ محو اور اثبات کا انحصار مشیت ایزدی پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ﴾ (الرعد:۲۹)

بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عارفین کے دل سے غیر اللہ کے ذکر کو محو کر دیتا ہے اور مریدین کی

زبانوں پر ذکر اللہ ثابت کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا محو اور اثبات سے نوازنا' ہر انسان کی حالت کے مطابق ہوتا ہے' جسے حق سبحانہ' اپنے نفس اور اپنے افعال کے مشاہدہ سے محو کرتا ہے۔ اسے اپنے حقائق اور انوار الٰہیہ کے ساتھ ثابت کرتا ہے، اور جسے اپنے ساتھ قائم رہنے سے محو کرتا ہے، اسے اغیار کے مشاہدہ کی طرف لوٹا دیتا ہے اور اُسے ''تفرقہ'' کی وادیوں میں سرگرداں کر دیتا ہے۔

ایک شخص نے شبلی رحمہ اللہ سے کہا؛ کیا بات ہے کہ میں تجھے بے قرار دیکھتا ہوں؟ کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں ہے اور کیا تو اس کے ساتھ نہیں ہے؟ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اگر میں اس کے ساتھ ہوں' تو بھی میں ٹھہرا' میں تو اس کی ذات میں محو ہو چکا ہوں۔

محق کا محو سے بھی بلند درجہ ہے' اس لئے کہ محو میں بالعموم کچھ نشان باقی رہ جاتا ہے اور محق میں کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ صوفیاء کی انتہائی آرزو یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ انہیں مشاہدہ نفس سے بالکل محو کر دے اور پھر انہیں اپنی حالت پر نہ لوٹائے۔

ستر و تجلی

صوفیاء کے الفاظ میں سے ''ستر و تجلی'' بھی ہیں۔ عوام تو ستر کے پردے میں ہیں اور خواص دوام تجلی میں۔

حدیث میں آتا ہے۔

((ان اللہ اذا تجلی لشیء خشع لہ)) (فیض القدیر: ۱۳۷/۵)

جب اللہ تعالیٰ اپنی تجلی کسی چیز پر ڈالتا ہے' تو وہ شے اللہ کے آگے عاجزی اور خشوع کرتی ہے۔

لہٰذا صاحب ستر اپنے مشاہدہ کے وصف میں ہوتا ہے، اور صاحب تجلی' ہمیشہ اپنے خشوع کی صفت میں' ستر عوام کے لئے سزا ہے، مگر خواص کے لئے رحمت' کیونکہ جن امور کو اللہ تعالیٰ ان کے آگے کھول دیتا ہے، اگر ان پر اللہ تعالیٰ پردہ نہ ڈال دے' تو یہ لوگ سلطان حقیقت کے سامنے فنا ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح ان کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح ان پر پردہ بھی ڈالتا ہے۔

لطیفہ:

منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش کسی عرب قبیلہ میں آیا' تو ایک نوجوان نے اس کی ضیافت کی' وہ درویش کی خدمت کر رہا تھا کہ یکا یک بے ہوش ہو گیا۔ درویش نے اس کا حال دریافت کیا' تو لوگوں نے کہا: وہ اپنی چچازاد بہن پر عاشق ہے۔ اس وقت وہ اپنے خیمہ کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے اس کے دامن کا غبار دیکھ لیا' جس سے وہ بے ہوش ہو گیا۔ درویش اس خیمہ کے دروازہ پر گیا اور کہا: میں ایک مسافر ہوں، میرا تم پر کچھ حق ہے۔ میں اس نوجوان کی سفارش

کرنے آیا ہوں۔ آپ لوگ اس کے حال پر رحم کریں۔لڑکی بولی: سبحان اللہ! کیا تو سلیم العقل ہے؟ یہ تو میرے دامن کے غبار کے مشاہدہ کی تاب نہیں لا سکتا' تو میری صحبت کی تاب کیسے لائے گا؟

عام صوفیاء کی زندگی تجلی میں اور معیت ستر میں ہوتی ہے۔ مگر خواص طیش وعیش کے بین بین میں، کیونکہ جب تجلی حق ہوتی ہے' تو وہ طیش میں ہوتے ہیں اور جب پردہ میں ہوتے ہیں' تو حظ کی طرف لوٹ آتے ہیں اور مزے میں ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو

وَمَاتِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى؟ (طه:۱۷)

کے الفاظ سے اس لئے خطاب کیا کہ ناگہانی طور پر کلام الٰہی سننے سے ان پر جو اثر مرتب ہوتا ،اس پر بعض ایسی چیزوں کے ذکر سے' جن سے وہ اپنا دل بہلایا کرتے تھے' پردہ پڑ جائے۔

آنحضرت ﷺ کا فعل:

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

انه ليغان على قلبي حتى استغفر الله في اليوم سبعين مرة

میرے دل پر البتہ بادل چھا جاتے ہیں، یہاں تک کہ میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

استغفار کے معنی ہیں، پردہ پوشی چاہنا۔ کیونکہ غفر کا معنی ستر کے ہیں۔ اسی سے غفر الثوب اور مغفر جیسے الفاظ مشتق ہیں، گویا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ آپ حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ حقیقت کے غلبہ کے وقت وہ آپ کے دل پر پردہ ڈال دے۔ کیونکہ وجود حق کے ساتھ مخلوق کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ حدیث میں ہے:

((لو كشف عن وجهه لحرقت سبحات وجهه ما ادرك بصره))

(اخرجه مسلم: ۱۷۹، ابن ماجه: ۱۹۵، ۱۹۶)

اگر اپنے چہرے کا انکشاف کرے' تو اس کے چہرے کے انوار' ہر اس چیز کو جس پر اس کی نگاہ پڑے گی جلا دیں گے۔

محاضرہ' مکاشفہ' مشاہدہ

ان ہی الفاظ میں سے محاضرہ' مکاشفہ اور مشاہدہ ہیں۔ محاضرہ ابتدا ہے۔ پھر مکاشفہ اور پھر مشاہدہ۔

محاضرہ دل کا حاضر ہونا ہے۔ یہ حضور کبھی متواتر' برھان کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ جبکہ ابھی بندہ پردے کے پیچھے ہوتا ہے، خواہ وہ سلطان ذکر کے غلبہ کی وجہ سے حاضر کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد مکاشفہ آتا ہے۔ ''مکاشفہ'' یہ ہے کہ صوفی بیان و

وضاحت کی صفت کے ساتھ حاضر ہو۔ اس حالت میں اسے نہ تو کسی دلیل میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے' نہ راستہ تلاش کرنے کی اور نہ ہی شک وشبہات کے اسباب سے اسے پناہ طلب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مغیبات کے بیان کرنے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔

اس کے بعد مشاہدہ ہے... مشاہدہ حق تعالیٰ کے آگے اس طرح حاضر ہونا ہے کہ صحیح حالات کو بندہ مشاہدہ کرے۔ ان میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ جب اسرار کا آسمان پردوں کے بادلوں سے صاف ہوتا ہے۔ شہود' مشاہدہ کا سورج' برج شرف سے جگمگا اٹھتا ہے۔ اصل مشاہدہ وہ ہے جس کا ذکر جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے: وجود حق ہو اور تم خود مفقود ہو۔

پس صاحب محاضرہ کا تعلق وربط علامات سے ہوتا ہے۔ صاحب مکاشفہ اپنی صفات کی وجہ سے بسط میں اور صاحب مشاہدہ خود گرا پڑا ہوتا ہے۔ صاحب محاضرہ کی رہنمائی اس کی عقل کرتی ہے۔ مکاشفہ والے کو اس کا علم مطلع کرتا ہے اور مشاہدہ والے کو اس کی معرفت محو کر دیتی ہے۔

مشاہدہ کی تحقیق کے بارے میں' جو کچھ عمرو رحمۃ اللہ علیہ بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' اس پر کسی نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔

ان کے بیان کا مفہوم یہ ہے کہ مشاہدہ میں بغیر اس کے کہ درمیان میں پردہ پڑے یا انقطاع ہو' صوفی کے دل پر لگاتار انوار تجلی کا ورود ہوتا ہے۔ بعینہ اسی طرح' جس طرح لگاتار تجلیاں چمکتی ہوں۔ چنانچہ جس طرح بجلیوں کے متواتر اور لگاتار روشن ہونے سے تاریک رات دن کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صوفی کے دل پر جب متواتر تجلی ہوتی ہے' تو اس کے لئے دن چڑھ آتا ہے اور پھر رات باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ کہتے ہیں:

لیلی بوجھک مشرق وظلامه فی الناس ساری

والناس فی سدف الظلام ونحن فی ضوء النهار

تمہارے چہرے کی بدولت میری رات روشن ہے۔ حالانکہ اس کی تاریکی لوگوں پر چھائی ہوئی ہے۔ چنانچہ لوگ تو تاریکیوں میں ہیں اور ہم دن کی روشنی میں۔

نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب تک بندہ کی ایک رگ بھی قائم ہے' اس وقت تک اسے صحیح طور پر مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

نیز فرماتے ہیں:

جب دن طلوع ہوتا ہے' تو چراغ کی ضرورت نہیں رہتی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مشاہدہ میں ''تفرقہ'' کی طرف کسی قدر اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ عربی زبان میں

باب مفاعلہ کا استعمال وہاں ہوتا ہے' جہاں کوئی بات دونوں طرف سے پائی جاتی ہو۔ مگر ایسا خیال کرنے والوں کو وہم ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہاں حق سبحانہ کے ظہور سے مخلوق کی ہلاکت ہوتی ہے۔ مزید برآں باب مفاعلہ ہر جگہ دونوں کی مشارکت کا متقاضی نہیں ہوتا۔ مثلاً ''مسافر'' اور ''طارق النعل'' وغیرہ۔ چنانچہ کہتے ہیں:

فلما استبان الصبح ادرك ضوؤه　　بانواره أنوار ضوء الكواكب

يجرعهم كأسا لو ابتلى اللظىٰ　　بتجريعة طارت كا سرع ذاهب

جب صبح ہوئی اس کی ضو نے اپنے انوار سے ستاروں کی روشنی کو پالیا' یہ روشنی ان کو (عشق کا) پیالہ پلاتی ہے۔ اگر یہی آگ کو پلایا جاتا' تو فوراً بجھ جاتی۔

یہ پیالہ بھی کیسا پیالہ ہے! جو انہیں جڑ سے کاٹ دے' انہیں اچک لے اور انہیں فنا کر دے۔ یہ ایسا پیالہ ہے' جو ان کا کچھ حصہ نہیں چھوڑتا' انہیں کلیتاً مٹا دیتا ہے اور بشریت کے آثار میں سے ذرہ برابر بھی نہیں چھوڑتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

ساروا فلم يبق لا رسم و لا اثر

وہ چلے گئے اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

لوائح' طوالع' لوامع

صوفیاء کے الفاظ میں سے لوائح' طوالع اور لوامع بھی ہیں۔

استاد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

یہ تینوں الفاظ قریب المعنی ہیں۔ ان کے معنی میں کوئی زیادہ فرق نہیں' یہ مبتدیوں کی صفات ہیں۔ جو دل کے ساتھ ترقی پاتے ہیں اور جب ان پر معرفت کے سورج چمکتے ہیں' تو یہ حالت ان پر قائم نہیں رہتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر لحظہ انہیں ان کے دل کی خوراک پہنچاتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے:

﴿ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴾ (مریم:٦٢)

اور ان کے لئے' وہاں صبح وشام ان کا رزق ہے۔

لہٰذا جب کبھی ان کے دل کے آسمان پر لذت نفسانی کے بادلوں کی تاریکی چھا جاتی ہے' تو اس حالت میں کشف کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور قربت کے نشانات چمک اٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پردوں کے پڑنے کی حالت میں وہ (اللہ کی طرف سے) یکا یک آثار کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

يا أيها البرق الذى يلمع　　من أى اكناف السماء تسطع

اری چمکنے والی بجلی! تو آسمان کے کس کنارے سے اٹھتی ہے۔

لوائح' پہلے یہ آثار ہوتے ہیں۔ پھر ''لوامع'' پھر طوالع' ان کی مثال بجلیوں کی سی ہے کہ یہ چھپ جانے کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

افترقنا حولا فلما التقينا كان تسليمه علي وداعاً

ایک سال تک جدا رہنے کے بعد' جب ملاقات ہوئی تو اس نے سلام کیا اور مجھے سلام کرنا ہی الوداع کہنا تھا۔

نیز یہ اشعار ہیں:

يا ذا الذى زار وما زارا كانه مقتبس ناراً

مر بباب الدار مستعجلاً ماضره لو دخل الدارا؟

''اے زیارت کرنے والے! یہ زیارت کیا ہوئی؟ اس طرح آئے' گویا آگ لینے کو آئے۔ تو جلدی سے گھر کے دروازے پر گذر گیا' اگر تو گھر کے اندر بھی آجاتا تو کیا حرج تھا؟!''

لوامع' لوائح کی نسبت زیادہ واضح ہوتے ہیں اور وہ لوائح کی طرح جلدی زائل بھی نہیں ہوتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دو یا تین وقتوں تک باقی رہتے ہیں۔ مگر حالت ایسی ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں:

والعين باكية لم تشبع النظرا

آنکھ رو رہی ہے کہ جی بھر کر دیکھا بھی نہیں۔

یا جیسا کہ کہتے ہیں:

لم ترد ماء وجهه العين الا شرقت قبل ريها برقيب

جب چمک پیدا ہوتی ہے' تو یہ تجھے اپنی ذات سے منقطع کر کے اس کی ذات کے ساتھ جمع کر دیتی ہے۔ لیکن اس کے دن کی روشنی اس وقت تک روشن نہیں ہوتی، جب تک کہ رات کے لشکر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ ان لوگوں کی کیفیت آرام و راحت نوحہ گری کے بین بین ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ کشف اور ستر کے درمیان کی حالت ہے۔

جیسا کہ کہتے ہیں:

فالليل يشملنا بفاضل برده والصبح يلحفنا رداء مذهبا

رات تو ہمیں اپنی چادر کے فاضل دامن میں لپیٹ لیتی ہے اور صبح اپنی سنہری چادر اوڑھا دیتی ہے۔

طوالع زیادہ دیر تک قائم رہتے ہیں اور ان کا تسلط بھی زیادہ قوی ہوتا ہے' یہ تاریکی کو زیادہ دور کرتے ہیں اور تہمت

کی زیادہ نفی کرتے ہیں۔ مگر ان میں غروب ہونے کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے۔ ان کی نہ بلندی زیادہ ہوتی ہے' اور نہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہیں۔

مزید برآں ان کے حاصل کرنے کے اوقات جلد منقطع ہو جاتے ہیں اور ان کے غروب ہونے کے احوال لمبے لمبے دامن پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض ایسے ہیں کہ گذر جانے کے بعد ان کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ مثلاً شوارق کہ ان کے گذر جانے پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ (کبھی روشنی تھی ہی نہیں اور) رات ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔

بعض کا نشان باقی رہ جاتا ہے، اگر ان کا نقشہ زائل ہو جائے، تو کم از کم درد باقی رہتا ہے اور انوار غروب ہو جائیں، تو ان کی علامات باقی رہتی ہیں۔ لہٰذا اس حالت کا مالک اس حالت کے غلبہ کے مدھم ہو جانے کے بعد بھی' اس کی برکات کی روشنی میں زندہ رہتا ہے اور اس کے دوبارہ آنے تک اس کے وقت کی امید لگی رہتی ہے اور اس کے لوٹنے کا انتظار رہتا ہے، اور وہ اس کیفیت کے ساتھ زندہ رہتا ہے، جو اسے اس کیفیت کے موجود ہونے پر حاصل ہوئی تھی۔

بوادہ اور ہجوم

''بوادہ'' اور ''ہجوم'' بھی انہی الفاظ میں سے ہیں۔

بوادہ تو وہ کیفیت ہے' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکا یک بطور گھبراہٹ کے دل پر وارد ہوتی ہے۔ خواہ خوشی کا سبب بنے' یا غم کا۔

اور ہجوم وہ کیفیت ہے' جو تمہاری طرف سے تصنع کے بغیر وقت کی قوت کی وجہ سے دل پر وارد ہو۔ اس کے تمام انواع' وارد کے قوت وضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن میں ''بوادہ'' تغیر پیدا کر دیتے ہیں اور ہواجم انہیں پھیر دیتے ہیں اور بعض اپنی حالت اور قوت کے اعتبار سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یکا یک آنے والی حالت سے بالا ہوتے ہیں اور یہی لوگ ساداتِ وقت ہوتے ہیں۔

جیسا کہ کہا گیا ہے:

لا تهتدی نوب الزمان اليهم ولهم على الخطب الجليل لجام

زمانے کے مصائب ان کی طرف راہ نہیں پا سکتے۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے اہم امور کی باگ ڈور ہے۔

تلوین اور تمکین

ان میں سے ''تلوین'' اور ''تمکین'' بھی ہیں۔

تلوین ''ارباب احوال'' کی صفت ہے، اور تمکین ''اہل حقائق کی''۔

جب تک صوفی راستہ میں رہتا ہے' صاحب تلوین کہلاتا ہے۔ اس کے لئے وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بلند ہو جاتا ہے اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور اپنے کوچ کرنے کی جگہ سے نکل کر اپنے مقام پر آتا ہے اور جب اپنے مقام پر پہنچ جاتا ہے' تو اس کو تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے:

ما زلت أنزل في ودادك منزلا تتحير الالباب دون نزوله

میں تمہاری صحبت کی منزل پر اترتا رہا' جب کہ اوروں کی عقلیں وہاں اترنے سے پہلے ہی حیران ہو جاتی ہیں۔

''صاحب تلوین'' ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے، اور ''صاحب تمکین'' کا اپنے مقام تک پہنچنے کے بعد اتصال ہو جاتا ہے۔ اس کے اتصال کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے ہمہ تن غافل رہتا ہے۔

ایک شخص کا قول ہے کہ طالب طریقت کا سفر اس وقت ختم ہوتا ہے' جب وہ اپنی ذات کو پالے اور جب اس نے اپنی ذات کو پالیا' تو وہ اپنے مقام پر پہنچ گیا۔

استاد فرماتے ہیں: اس شیخ کا مقصد یہ ہے کہ طالب طریقت سے احکام بشریت دور ہو جاتے ہیں اور حقیقت کا تسلط اس پر غالب آ جاتا ہے، جس بندہ کے لئے یہ حالت دائم رہتی ہے' وہ صاحب تمکین کہلاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ صاحب تمکین تھے:

شیخ ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ''صاحب تلوین'' تھے۔ اس لئے انہوں نے کلام سننے سے رجوع کیا۔ اور انہیں اپنے چہرے کو چھپانے کی ضرورت محسوس ہوئی، کیونکہ ان پر اس حالت کا اثر ہوا، اور ہمارے نبی ﷺ ''صاحب تمکین'' تھے، جیسے تشریف لے گئے، ویسے ہی واپس آ گئے۔

اس لئے کہ جو مشاہدات حضور ﷺ نے اس رات کئے' ان کا آپ پر کچھ اثر نہ ہوا۔

ابو علی دقاق رحمہ اللہ' یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں۔ جن عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ اس کی یہ وجہ تھی کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ اچانک کیا تھا اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی آزمائش' ان عورتوں کے مقابلے میں زیادہ سخت تھی۔ اس کے باوجود اس دن زلیخا میں بال بھر تغیر نہ پیدا ہوا۔ اس لئے کہ یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں وہ ''صاحب تمکین'' تھی۔

استاد فرماتے ہیں کہ یاد رکھیں جو امور بندے پر وارد ہوتے ہیں' ان کی وجہ سے تغیر کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ وارد کا قوی ہونا' یا صاحب حال کا کمزور ہونا' اسی طرح سکون کی بھی دو صورتیں ہیں، یا قوی ہوگا' یا وارد کمزور ہوگا۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ تمکین کے دائم رہنے کے جواز میں قوم کے اصول کی دو ہی توجیہیں ہوسکتی ہیں:

ایک یہ کہ یہ بات ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حنظلہ کے جواب میں فرمایا۔

((لو بقیتم علی ما کنتم علیہ عندی لصافحتکم الملائکۃ))

(اخرجہ مسلم: ۲۷۵۰، الترمذی: ۲۴۵۲، ابن ماجہ: ۴۲۳۹)

جس حالت میں تم میرے پاس ہوتے ہو، اگر تم اسی حالت پر رہتے تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

((لی وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی عزوجل)) (کشف الخفاء: ۲۱۵۹)

مجھ پر ایک خاص وقت ایسا آتا ہے' جس میں میرے رب کے سوا کوئی دوسرا اس میں سما نہیں سکتا۔

یہاں بھی آنحضرت ﷺ نے ایک مخصوص وقت کا پتہ بتایا ہے۔

استاد فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یہ ہے کہ ان احوال کا دائم رہنا جائز ہے۔ کیونکہ اہل حقائق ان واردت (طوارق) کے اثر قبول کرنے سے بالا ہیں اور حدیث میں جو آیا ہے۔ "لصافحتکم الملئکۃ" یہاں آپ نے اسے کسی ناممکن بات پر موقوف قرار نہیں دیا، فرشتوں کا مصافحہ کرنا، تو اس سے بھی کم درجہ کا ہے۔ جس کو آنحضرت ﷺ نے مبتدیوں کے لئے قرار دیا ہے۔

ارشاد ہے

﴿ان الملئکۃ لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا بما یصنع﴾ (اخرجہ الترمذی: ۳۶۴۱)

فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں، کیونکہ وہ اس کے کام سے خوش ہوتے ہیں۔

اب رہا' آنحضرت کا یہ فرمان "لی وقت" اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ سامع کی سمجھ کے مطابق فرمائے ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے تمام احوال میں حقیقت کے ساتھ قائم تھے۔ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ جب تک بندہ ترقی کرتا رہتا ہے' وہ "صاحب تلوین" ہے۔ اس کے حق میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے احوال میں کمی یا بیشی ہے۔ مگر جب احکام بشریت کے پیچھے ہٹ جانے سے بندہ کا وصل حق کے ساتھ ہوتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اسے اس بات کی قدرت عطا فرما دیتا ہے کہ وہ ان اشیاء کی طرف نہ لوٹے' جن پر نفس کا اعتماد ہے۔

لہٰذا وہ اپنے مقام اور استحقاق کے مطابق اپنے حال پر متمکن ہوتا ہے۔ ہر لحہ جو تحفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حاصل ہوتے ہیں' ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا بندہ زیادتی کے وقت متلون ہوتا ہے، یعنی ایک رنگ پر قائم نہیں رہتا، بلکہ رنگ بدلتا رہتا ہے، مگر اپنی اصلی حالت پر متمکن رہتا ہے۔

لہٰذا ہمیشہ کے لئے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی حالت کے مقابلہ میں ایک بلند تر حالت پر متمکن ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس سے اوپر والی حالت میں ترقی کر جاتا ہے۔ کیونکہ ہر جنس میں حق سبحانہ کی قدرت غیر محدود ہے۔

اب رہا وہ شخص' جو اپنے مشاہد سے بالکل منقطع ہو چکا ہو، اور اس میں تمام احساسات مفقود ہو چکے ہوں۔ تو یاد رکھنا چاہئے کہ یقیناً بشریت کی ایک حد ہے۔ لہٰذا جب بشر اپنے تمام امور یعنی اپنی ذات اور حس سے الگ ہو چکا ہو' تمام موجودات سے غافل ہو چکا ہو۔ پھر یہ حالت ہمیشہ رہے' تو اس قسم کا شخص حالت محو میں ہے' نہ اس کے لئے تمکین ہے' نہ تلوین' نہ مقام' اور نہ حال۔

اور جب تک وہ اس حالت میں ہوگا' اسے کوئی شرف حاصل ہوگا' نہ اس پر کسی قسم کے احکام نافذ ہوں گے۔ ہاں البتہ اگر اسے اپنے نفس اور احساس کی طرف لوٹا دیا جائے' اور ان امور کی طرف پھیر دیا جائے، جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر جاری ہوتے ہیں اور جن میں اس کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ اس قسم کا شخص مخلوق کے خیال میں تصرف کرنے والا ہوتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اسے اپنے احوال کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ (کہف:۱۸)

تم انہیں بیدار سمجھتے ہو، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں دائیں بائیں پلٹتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق)

قرب و بعد

ان الفاظ میں سے قرب و بعد بھی ہیں۔

قرب کا سب سے پہلا رتبہ' اللہ کی اطاعت کے قریب ہونے اور ہر وقت اس کی عبادت کرنے کی صفت سے موصوف ہونے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے علیحدہ رہنے کی گندگی سے آلودہ ہونے کا نام ''بعد'' ہے۔

''بعد'' کا پہلا مرحلہ' اللہ کی توفیق سے دور ہونے کا ہے۔ پھر ''تحقیق سے بعد'' کا مرتبہ آتا ہے۔ بلکہ دراصل توفیق ایزدی سے دوری کا نام ہی ''بعد'' عن التحقیق ہے۔ نبی ﷺ حق تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

((ما تقرب الی المتقربون بمثل أداء ما افترضته عليهم ولا يزال العبد يتقرب الی

بالنوافل حتی یحبنی واحبه فاذا احببته کنت له سمعًا وبصراً فبی یبصر،وبی یسمع))(تخریج گزر چکی)

میرا قرب حاصل کرنے کی خواہش کرنے والے، کسی بات سے بھی اس قدر قرب حاصل نہیں کر سکتے، جس قدر وہ فرضوں کے ادا کرنے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہو جاتا ہے۔ تا آنکہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگ جاتا ہے اور میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں، لہٰذا میرے ہی ذریعے وہ دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔

لہٰذا سب سے پہلے بندہ کا قرب، بندے کے ایمان اور تصدیق سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ''احسان'' اور تحقیق کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ سے قریب ہونا، اس طرح ہے کہ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ اسے عرفان عطاء کر دیتا ہے، اور آخرت میں اسے مشہود وعیاں کی عزت عطا فرماتا ہے، اور درمیانی عرصہ میں طرح طرح کے لطف واحسان سے مالا مال کرتا ہے۔

بندہ کے اللہ سے قریب ہونے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ وہ مخلوق سے دور رہے۔ مخلوق سے دور رہنا، ظاہری طور پر دوری مطلوب نہیں۔ چنانچہ حق سبحانہ کا قرب، علم اور قدرت کے ساتھ تمام مخلوق کیلئے عام ہے اور لطف اور نصرت کے ساتھ قریب ہونا مومنین کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:۱۶)

ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

نیز فرمایا:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ﴾ (الواقعة:۸۵)

ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

نیز فرمایا:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (الحديد:٤)

تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔

نیز فرمایا:

﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ (المجادلة:۷)

جہاں کہیں تین آدمی سرگوشی کر رہے ہوں' وہاں چوتھا اللہ ہے۔

جس کو حقیقی طور پر معلوم ہو جائے کہ اللہ اس کے قریب ہے' تو یہ کمترین درجہ ہے کہ وہ ہر دم اور ہر وقت اللہ کی طرف نظر رکھے' کیونکہ اللہ ہی اس کے تقویٰ کا نگہبان ہے، پھر حفاظت اور وفا کا' پھر حیاء کا۔ اسی ضمن میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱)كان رقيبا منك يرعى خواطرى وآخر يرعى ناظرى ولسانى

(۲)فما رمقت عيناي بعدك منظرا يسوؤك الا قلت قد رفعانى

(۳)ولا بدرت من فى دونك لفظة لغيرك الا قلت قد سمعانى

(٤)ولا خطرت فى السر بعدك خطرة لغيرك الا عرّجا بعنانى

(٥)واخوان صدق قد سئمت حديثهم وامسكت عنهم ناظرى ولسانى

(٦)وما الزهد اسلى عنهم غير اننى وجدتك مشهوداً بكل مكان

(۱) اے محبوب! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری طرف سے مقرر کردہ پاسبان' میرے خیالات کو تاکتا رہتا ہے اور دوسرا پاسبان میری زبان اور نگاہ کو تاڑتا ہے۔

(۲) تمہارے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے بعد' جب میری آنکھیں کسی ایسے منظر پر پڑتی ہیں، جو تجھے برا معلوم ہو' تو میں کہہ اٹھتا ہوں کہ دونوں نے مجھے تاڑ لیا ہے۔

(۳) اور جب غیر کیلئے تمہارے نزدیک کوئی کلمہ میرے منہ سے اچانک نکلتا ہے۔ تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ ان دونوں نے میری زبان کے اس لفظ کو سن لیا ہے۔

(۴) اور تمہارے بعد جب کسی اور کا خیال آتا ہے' تو وہ دونوں میری باگ ڈور موڑ لیتے ہیں۔

(۵) بہت سے مخلص دوست ہیں، جن کی باتوں سے اکتا گیا ہوں اور میں نے اپنی نگاہ اور زبان ان سے روک رکھی ہے۔

(۶) میری توجہ ان سے زہد کی وجہ سے نہیں ہٹتی، دراصل بات یہ ہے کہ تجھے ہر جگہ اپنے پاس موجود پاتا ہوں۔

ایک شیخ کی اپنے مرید پر عنایت تھی۔ دوسرے مریدوں نے اس کے متعلق عرض کی' تو شیخ نے ہر ایک کو پرندہ دیا اور فرمایا:

اسے ایسی جگہ پر ذبح کرو' جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ ہر ایک اپنا پرندہ لے گیا اور اپنے اپنے پرندے کو تنہائی میں ذبح

کر ڈالا' مگر اس کا خاص مرید جب آیا، تو اس کے پاس زندہ پرندہ تھا۔ شیخ نے ذبح نہ کرنے کا سبب دریافت کیا' تو عرض کی: جناب! آپ نے مجھے ایسی جگہ ذبح کرنے کا حکم دیا تھا' جہاں مجھے کوئی نہ دیکھے۔ مگر مجھے ایسی کوئی جگہ نہیں ملی' جہاں حق سبحانہ اسے نہ دیکھ سکے۔ اس پر شیخ نے دوسرے مریدوں سے کہا۔ اسی لیے میں اسے تم پر فوقیت دیتا ہوں۔ کیونکہ تم پر مخلوق کی باتوں کا غلبہ ہے۔ مگر یہ شخص حق سبحانہ وتعالیٰ سے غافل نہیں ہے۔

قرب پر نگاہ رکھنا' قرب سے حجاب کا سبب ہوتا ہے۔ چنانچہ جس شخص نے اپنے مقام یا اپنے نفس کا مشاہدہ کیا۔ اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے ساتھ مکر ہو رہا ہے۔

اسی لیے صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب سے وحشت طاری کرے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے قرب سے انس محسوس کرنا' اس بات کی علامت ہے کہ بندہ اس قرب سے دھوکا کھائے ہوئے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے انس سے ماورا ہے اور حقیقت کے مقامات میں وحشت اور محویت طاری ہوتی ہے' یہ شعر اس مفہوم کے قریب بہتر ہے:

محنتی فیک اننی ما ابالی بمحنتی

قربکم مثل بعدکم فمتی وقت راحتی

''تمہارے لیے میرا رنج وتکلیف اٹھانا یہ ہے کہ میں اپنی محنت کی پرواہ نہ کرتا۔'' تمہارا ''قرب'' اور ''بعد'' میرے لیے یکساں ہے، لہٰذا میری راحت کا وقت کب آئے گا؟

استاد ابو علی دقاق' اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ودادکم هجر وحبکم قلی وقربکم بعد وسلمکم حرب

''تمہاری دوستی' میرے لیے جدائی ہے اور تمہاری محبت دشمنی۔ تمہارا قرب بعد ہے۔ اور صلح جنگ ہے۔''

ابو الحسن نوری نے ابو حمزہ کے ایک مرید کو دیکھ کر کہا: کیا تو ابو حمزہ کے مریدوں میں سے ہے، جو قرب کی طرف اشارہ کرتا ہے؟ جب ان سے تیری ملاقات ہو' تو کہنا: ابو الحسن نوری آپ کو سلام عرض کرتا ہے، اور کہتا ہے جس مقام میں ہمارا کلام ہو رہا ہے۔ اس میں قرب القرب (قریب سے قریب تر ہونا)' بعد البعد (بعید سے بعید تر) ہونا ہے۔

اب رہا ذات کا قرب' تو اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ کیونکہ وہ تو حدود و اطراف اور نہایت و مقدار سے پاک ہے، نہ کسی مخلوق کا کبھی اس سے اتصال ہوا' اور نہ کوئی حادث اس سے الگ رہ سکا۔ اس لئے خدا کی ذات وصل و فصل قبول کرنے سے بلند و بالا ہے۔

قرب کئی طرح کا ہوتا ہے:

ایک قرب تو وہ ہے' جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں محال ہے اور یہ قرب' قرب ذات ہے اور دوسرا قرب وہ ہے' جو صفات باری تعالیٰ میں ضروری ہے اور یہ قرب' قرب بالعلم الرؤیۃ ہے، تیسرا قرب وہ ہے' جو اس کی صفت میں جائز ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس قرب سے نوازے۔ یہ قرب اللہ تعالیٰ کے فضل ولطف کا قرب ہے۔

شریعت وحقیقت

ان الفاظ میں شریعت وحقیقت بھی ہیں۔

عبودیت پر قائم رہنے کا حکم دینا شریعت ہے، اور حقیقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مشاہدے کا نام ہے۔ لہٰذا ہر وہ شریعت' جس کی تائید حقیقت سے نہیں ہوتی، وہ غیر مقبول ہے اور ہر وہ حقیقت' جو احکام شریعت سے مقید نہ ہو، بے سود ہے۔

لہٰذا شریعت' مخلوق کو مکلف بنانے کے لئے ہے اور حقیقت میں اس بات کی اطلاع دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں کس طرح تصرف کرتا ہے۔ لہٰذا شریعت اللہ کی بندگی کرنے کا نام ہے اور حقیقت اس کے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں۔ شریعت میں احکام کی پابندی ضروری ہے اور حقیقت میں ان امور کا مشاہدہ ہوتا ہے، جن کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جو تقدیر میں لکھا جاچکا ہے' جو مخفی ہیں اور جو ظاہر ہیں۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ایاك نعبد شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور ایاك نستعین میں حقیقت کا اقرار ہے۔

یاد رکھیں کہ شریعت اس اعتبار سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے واجب ہوئی ہے' حقیقت ہے۔ اور حقیقت' شریعت ہے' اس اعتبار سے کہ معرفت الٰہی بھی حکم خداوندی سے واجب ہوئی ہے۔

نفس

ان الفاظ میں سے ایک لفظ نفس ہے۔

غیبی لطائف کے ذریعہ سے دلوں کو راحت دینے کا نام نفس ہے اور صاحب انفاس صاحب احوال کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور زیادہ صاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحب وقت مبتدی ہے اور صاحب انفاس منتہی اور صاحب احوال کا درجہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

احوال تو واسطہ ہیں اور انفاس ترقی کی انتہا' اوقات' اصحاب قلوب کے لئے ہیں۔ احوال ارباب الارواح کے لئے

اور انفاس' اہل سرائر کے لئے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ بہترین عبادت یہ ہے کہ اپنے انفاس کو اللہ سبحانہ کے ساتھ شمار کرے۔ نیز صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کو پیدا کیا اور ان کو معرفت کی کان بنایا۔ اس سے آگے چل کر اسرار کو پیدا فرمایا اور ان کو مکان محل توحید قرار دیا۔

لہٰذا جو نفس' اضطراری عالم کے اندر معرفت پر دلالت کرنے کے بغیر اور توحید کی طرف اشارہ کرنے کے بغیر حاصل ہو' وہ مردہ ہے اور ایسے صاحب نفس سے باز پرس ہوگی۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ

عارف کا نفس سلامت نہیں رہتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی آسانی نہیں برتی جاتی اور محب کے لئے نفس کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اس کا نفس نہ ہو' تو وہ طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے تباہ ہو جائے۔

خواطر

انہی الفاظ میں سے خواطر کا لفظ ہے۔

خواطر اس خطاب کو کہتے ہیں' جو ضمیر پر وارد ہوتا ہے۔ ان خواطر کا القاء کبھی فرشتہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے، تیسری قسم حدیث النفس ہے، یہ بھی حق سبحانہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

جب القاء فرشتے کی طرف سے ہو' تو الہام کہلاتا ہے اور جب شیطان کی طرف سے ہو' تو وسواس کہلاتا ہے، اور جب حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اور اس کے القاء سے ہو' تو یہ خاطر سچا ہوگا، اور یہ سب کچھ ایک قسم کا کلام ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر یہ خاطر فرشتہ کی طرف سے ہو' تو اس کی سچائی معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دیکھیں' آیا یہ علم کے موافق ہے یا نہیں۔

اس لئے صوفیاء کہتے ہیں کہ ہر وہ خاطر' جس کی گواہی ظاہر سے نہیں ملتی' باطل ہے، اور اگر یہ شیطان کی طرف سے ہو' تو یہ معاصی کی دعوت دیتا ہے، اور اگر یہ نفس کے قبیل سے ہو' تو بالعموم یہ خواہشات نفسانی کی تابعداری کی طرف دعوت دیتا ہے، تکبر کا احساس دلاتا ہے' یا اس قسم کے نفسانی اوصاف کو بڑھاتا ہے۔ تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص حرام کا مال کھاتا ہے' وہ الہام اور وسواس میں فرق نہیں کر سکتا۔

ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ

جس شخص کی خوراک معلوم ہو کہ حرام ہے' وہ الہام اور وسواس میں فرق نہیں کر سکتا اور جس شخص کے ہواجس نفس' سچے معاہدہ کی وجہ سے ساکن ہو گئے ہوں' وہ اپنے مجاہدہ کے باعث اپنے دل کی باتیں کہے گا۔

تمام شیوخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفس کبھی سچ نہیں کہتا اور دل کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں: تمہارا نفس سچ نہیں **بولتا** اور تمہارا دل جھوٹ نہیں بولتا، تم ہزار کوشش کرو، تمہاری روح تم سے مخاطب نہیں ہو گی۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ہواجس نفس اور وساوس شیطانی میں یوں فرق کیا ہے کہ

نفس کبھی بات کا مطالبہ کرتا ہے' تو باصرار کرتا ہے۔ لہٰذا یہ اپنا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔ خواہ کچھ وقفہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اپنی مراد پا لیتا ہے اور اپنا مقصود حاصل کر لیتا ہے۔ ہاں البتہ سچے دل سے مجاہدہ جاری رہے' تو اصرار نہیں ہوتا' پھر بھی نفس بار بار مطالبہ دہراتا رہتا ہے۔

اور جب شیطان کسی لغزش کی طرف دعوت دے اور تو اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کام کو چھوڑ دے' تو شیطان کسی اور لغزش کا وسوسہ ڈال دے گا۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک مخالفت خواہ کوئی بھی ہو، ایک جیسی ہے اور اس کا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ وہ کسی نہ کسی لغزش کی طرف دعوت دے۔ کسی خاص لغزش کو مخصوص کر دینے میں اس کی کوئی غرض نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہر وہ خاطر' جو فرشتہ کی طرف سے ہو' تو کبھی انسان اس کی مخالفت کرتا ہے اور کبھی موافقت' مگر جو خاطر' حق سبحانہ کی طرف سے ہو، اس میں بندے سے مخالفت نہیں ہو سکتی۔

شیوخ نے خاطر ثانی پر بحث کی ہے کہ جب دونوں خاطر' حق سبحانہ کی طرف سے ہوں' تو آیا خاطر ثانی' پہلے کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو گا' یا نہیں۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا خاطر ہی زیادہ قوی ہو گا۔ کیونکہ اگر پہلا خاطر باقی رہے گا' تو بندہ تامل و غور کرنے کی طرف رجوع کرے گا۔ یہ بھی اس صورت میں کہ انسان کو علم ہو کہ وہ خاطر اللہ کی طرف سے ہے' کیونکہ پہلے کو چھوڑ دینا' دوسرے کو کمزور کر دیتا ہے۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرا زیادہ قوی ہو گا، اس لئے کہ پہلے کی وجہ سے اس کی قوت میں زیادتی ہوتی ہے۔

ابو عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ دونوں خاطر یکساں ہیں۔ اس لئے کہ دونوں حق سبحانہ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو گی۔ نیز یہ کہ دوسرے کی موجودگی میں پہلا خاطر باقی نہیں رہ سکتا' اس کی وجہ یہ ہے کہ آثار کے لئے بقاء نہیں ہے۔

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین

صوفیاء کے الفاظ میں سے علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین بھی ہیں۔ ان الفاظ سے مراد روشن و واضح علوم ہیں۔

عام عرف کے مطابق یقین وہ علم ہے، جس میں کسی قسم کے شک کا دخل نہ ہو، مگر یہ لفظ حق سبحانہ کی صفت میں نہیں بولا جا سکتا، کیونکہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کبھی نہیں ہوا۔

لہٰذا علم الیقین وہی یقین ہے۔ اسی طرح عین الیقین، وہی نفس الیقین اور حق الیقین، نفس الیقین ہے۔

صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق علم الیقین وہ علم ہے، جس میں برہان و دلائل کی شرط پائی جائے اور عین الیقین، وہ علم جس میں وضاحت پائی جائے، اور حق الیقین وہ علم ہے، جس میں معائنہ، یا ایسا علم پایا جائے، جسے انسان اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہو۔

لہٰذا ''علم الیقین'' ارباب عقول کا علم ہوتا ہے، اور صاحب علم کا علم، عین الیقین ہوتا ہے اور اصحاب معرفت کا علم ''حق الیقین'' ہوتا ہے۔

ان تمام کی وضاحت پر تحقیقی بحث کا مرجع وہی ہے، جو ہم نے ذکر کر دیا۔ مگر تنبیہ کے طور پر اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

وارد

ان الفاظ میں سے لفظ وارد ہے۔ صوفیاء کے کلام میں واردات کا ذکر آتا ہے۔

''وارد'' وہ اچھے خواطر ہیں، جو انسان کے قصد و ارادہ کے بغیر دل میں محسوس ہوں۔ اسی طرح وہ امور بھی ''وارد'' ہی کہلائیں گے، جو خواطر کی قسم کے نہ ہوں۔

مزید برآں بعض اوقات ''وارد'' حق کی طرف سے ہوتا ہے، اور کبھی علم کی طرف سے۔ لہٰذا واردات خواطر سے زیادہ عام ہیں۔ کیونکہ خواطر ایک قسم کے خطاب کے ساتھ مختص ہیں، یا ایسی بات سے مختص ہیں، جس میں خطاب پایا جائے۔

واردات کئی قسم کے ہیں:

وارد خوشی، یا وارد غم، وارد قبض اور وارد بسط وغیرہ۔

شاہد

ان الفاظ میں سے لفظ ''شاہد'' ہے۔ صوفیاء کے کلام میں ''شاہد'' کا لفظ اکثر آتا ہے۔

مثلاً یوں کہتے ہیں: فلان یشاھد العلم، وفلان یشاھد الوجد، وفلان یشاھد الحال۔

شاہد سے ان کی مراد وہ کیفیت ہے' جو اس وقت انسان کے دل پر طاری ہو۔

بالفاظ دیگر وہ چیز' جس کا وہ اکثر ذکر کرتا رہے، خواہ وہ چیز غائب ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے اس طرح ہو' گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

لہٰذا اگر علم غالب ہے' تو علم کا مشاہدہ کرے گا اور اگر وجد غالب ہے تو وجد کا۔

شاھد کے اصل معنی حاضر کے ہیں۔ لہٰذا جو چیز تمہارے دل میں حاضر ہے' وہ تمہارے لئے شاہد ہے۔

شبلی رحمہ اللہ سے مشاہدہ کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا:

ہم کہاں حق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، بلکہ حق ہمارا شاھد ہے۔

ان کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ ان کے دل پر حق کا غلبہ ہے' اور اس کا ذکر غالب ہے' اور ذکر پیوستہ ان کے دل میں خاطر ہے۔

جس کا کسی مخلوق کے ساتھ قلبی تعلق ہو جائے' تو اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ وہ اس کا شاھد ہے۔ یعنی وہ اس کے دل میں حاضر ہے۔ اس لئے کہ محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کا ذکر ہمیشہ جاری رہے' اور اس کا عاشق پر غلبہ ہو۔

بعض لوگ اس کے اشتقاق میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ چنانچہ وہ شاھد لفظ شہادۃ سے مشتق بتاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس نے کسی شخص کا مطالعہ صفت جمال کے ساتھ کیا اور اس وقت اس کی بشریت اس سے ساقط ہو چکی ہے اور اس شخص کی موجودگی اسے اپنی حالت سے غافل نہیں کر دیتی' اور نہ اس کی صحبت اس پر اثر انداز ہوتی ہے' تو وہ شخص اس بات پر گواہ ہے کہ اس کا نفس حال فنا میں ہے۔

جس شخص میں اس شخص کی موجودگی اثر انداز ہو' تو وہ شخص اس بات کا گواہ ہے کہ اس کا ''حال بقاء'' میں ہے اور احکام بشریت پر قائم ہے۔ غرض یہ شہادت اس کے حق میں ہو گی' یا اس کے خلاف۔

اسی مفہوم پر آنحضرت ﷺ کا فرمان محمول ہے:

رأیت ربی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ (اخرجہ احمد: ۲۶۲۹)

میں نے معراج کی رات اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔

یعنی جو اچھی صورت' اس رات میں نے دیکھی' اس نے مجھے دیدار الٰہی سے غافل کر کے اپنی طرف نہیں کھینچا' بلکہ میں نے مصور کا ہی اس صورت میں مشاہدہ کیا اور پیدا کرنے والے کو دیکھا۔ یہاں آنحضرت ﷺ کی مراد علمی طور پر رویت ہے' نہ کہ آنکھوں سے دیکھنا۔

نفس

ان الفاظ میں سے لفظ نفس بھی ہے۔

لغت میں ''نفس الشیء'' سے مراد شیء کا وجود ہوتا ہے اور صوفیاء کے ہاں مطلق نفس کہنے سے وجود مراد نہیں لیا جاتا اور نہ ہی وہ ڈھانچہ مراد لیا جاتا ہے، جو نفس کا موضوع ہے۔

نفس سے ان کی مراد بندے کے اوصاف ہیں، جن میں خامی پائی جاتی ہے اور وہ اخلاق وافعال مراد لئے جاتے ہیں، جو مذموم ہیں۔

بندے کے وہ اوصاف جن میں کوئی علت (خامی) پائی جائے دو قسم کے ہیں:

وہ اوصاف جن کو اپنے اختیار سے حاصل کیا جائے۔ جیسے معصیت اور احکام شرع کی مخالفت۔

دوسرے اخلاق مذمومہ، یہ قسم اپنی ذات میں مذموم ہوتی ہے۔ اگر بندہ کوشش کرے اور ان سے جنگ کرے تو متواتر عادت بنا لینے اور مجاہدہ کے ذریعے اخلاق مذمومہ سے نجات پا لیتا ہے۔

نفس کے احکام میں سے پہلی قسم وہ ہے' جس کو قطعی طور پر حرام قرار دے کر منع کیا گیا ہے' یا تنزیہی طور پر ان سے احتراز کرنے کو کہا گیا ہے۔

دوسری قسم میں ردی اور مذموم اخلاق ہیں۔

مختصر طور پر یہی اس کی تعریف ہے۔ اس کی تفصیل اس کے بعد آتی ہے۔ چنانچہ کبر' غضب' کینہ' حسد' بدخلقی اور عدم تحمل وغیرہ... اخلاق مذمومہ ہیں۔

احکام نفس میں سے سخت ومشکل ترین یہ ہے کہ ان سے کسی خلق کو انسان اچھا سمجھے' یا قابل قدر خیال کرے۔ اس قسم کے خیال کو شرک خفی میں شمار کیا گیا ہے۔

نفس کو ترک کرنے اور اس کے خلاف کرنے کے ذریعہ نفس کا علاج کرنا' زیادہ کامل ہے، بمقابلہ اس کے کہ بھوک' پیاس' بیداری اور دیگر مجاہدات کا' جن سے قوت گر جاتی ہے، نفس کو خوگر بنایا جائے، حالانکہ ان امور یعنی بھوک وغیرہ کا شمار بھی ترک نفس میں کیا گیا ہے۔

ممکن ہے کہ نفس ایک لطیف چیز ہو' جسے اس جسم کے ڈھانچے کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ یہی مذموم اخلاق کا محل ہے۔ جس طرح روح اس قالب کے اندر ایک لطیف شے ہے' جو اخلاق محمودہ کا محل ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے پر غالب آتے رہتے ہیں اور سب کو ملا کر انسان نام رکھ دیا گیا ہے۔

بظاہر روح اور نفس کا اجسام لطیفہ میں ہونا' بعینہ اس طرح ہے، جس طرح ملائکہ اور شیاطین میں لطافت کی صفت پائی جاتی ہے۔اور یہ کہنا درست ہے کہ آنکھ رویت کا محل ہے، کان سمع کا' ناک سونگھنے کا' اور منہ ذائقہ کا' حالانکہ سمیع' بصیر' شامّ اور ذائق سب انسان میں شامل اور متحد ہیں۔

اسی طرح اوصاف حمیدہ کا مقام' قلب و روح ہے اور اوصاف مذمومہ کا مقام' نفس ہے۔نفس اس تمام کا جزو ہے اور اسی طرح دل بھی ایک جزء ہے۔البتہ حکم اور نام کا اطلاق کل پر ہوتا ہے۔

روح

ان الفاظ میں سے ایک لفظ روح بھی ہے۔

محققین اہل سنت میں ارواح کے متعلق بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ روح حیات ہے،اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اعیان (جسم) ہیں۔جنہیں ان جسم کے ڈھانچوں میں رکھ دیا گیا ہے۔

لطیفہ:

اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ جب تک ارواح بدن میں ہوں' اس ڈھانچے میں حیات کو باقی رکھتا ہے۔لہٰذا انسان اس حیات کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔مگر ارواح تو اس ڈھانچے میں رکھی گئی ہیں اور وہ نیند کی حالت میں اوپر چڑھتی ہیں' بدن سے جدا ہوتی ہیں اور پھر آتی ہیں۔انسان روح اور جسم دونوں سے مل کر بنتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے پر مسلط کر رکھا ہے اور حشر دونوں کا ہوگا اور دونوں کو ثواب یا عقاب ہوگا۔

ارواح مخلوق ہیں، اور جو لوگ ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔وہ سخت غلطی پر ہیں۔احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ارواحِ اعیان (اجسام) لطیفہ ہیں۔

سرّ

ان الفاظ میں ایک لفظ سر ہے۔

ہوسکتا ہے کہ ارواح کی طرح یہ بھی ایک لطیف شے ہو' جسے دل میں رکھا گیا ہو۔

صوفیاء کے اصول سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سر مشاہدہ کا محل ہے۔جس طرح ارواح محبت کا مقام ہیں اور دل معارف کا محل ہے۔

صوفیاء کا قول ہے کہ سر وہ ہے جس پر تو جھانک کر نظر ڈال سکے۔مگر سر السر کی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔

ان کے ہاں ان کے مقام اور مقتضائے اصول کے مطابق سرّ روح سے زیادہ لطیف ہے، اور روح قلب سے اشرف ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ اسرار اغیار کی غلامی سے آزاد ہوتے ہیں، خواہ وہ آثار ہوں یا اظلال۔

لفظ سر کا اطلاق اس راز پر بھی ہوتا ہے جو بندے اور حق سبحانہ کے درمیان ہر حالت میں محفوظ اور چھپا ہوا ہے۔ اس کے معنی پر یہ قول محمول کیا جاتا ہے "ہمارے راز انوکھے ہیں"

کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتے۔

اسی طرح کا قول ہے "احرار کے سینے اسرار کی قبریں ہیں"

نیز کہتے ہیں "اگر میری گھنڈی میرے راز کو جان لے تو البتہ میں اسے اتار پھینکوں"

صوفیاء کے مستعمل الفاظ کی یہ چند تشریحات ہیں اور ان کے بعض الفاظ کی تعبیریں ہیں، جنہیں یہ لوگ انفرادی طور پر استعمال کرتے ہیں۔

باب

توبہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ (النور: ۳۱)

اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ کی طرف رجوع کرو، تا کہ تم فلاح پاؤ۔

حضرت انس بن مالک، حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

((التائب من الذنب کمن لا ذنب له ،واذا احب الله عبدا لم یضره ذنب))

(اخرجه ابن ماجه فی الزهد: ۳۰)

گناہ سے توبہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے، جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے، تو کوئی گناہ اسے ضرر نہیں پہنچاتا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ (البقرة: ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! توبہ کی کیا علامت ہے؟ تو فرمایا: ندامت۔

حضرت انس بن مالک، حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

((ما من شیء احب الی الله من شاب تائب)) (اخرجه الدیلمی فی المسند: ۶۱۵۳)

اللہ تعالیٰ کو نوجوان توبہ کرنے والے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں۔

سالکین کی منازل میں سے توبہ پہلی منزل ہے اور طالبین کا پہلا مقام ہے۔

لفظ توبہ کی تشریح:

عربی زبان میں ''توبہ'' کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی بات کی طرف رجوع کرتا ہے، تو

کہتے ہیں "تاب"، لہٰذا توبہ کے معانی یہ ہوئے کہ شریعت میں جو کچھ مذموم ہے، اس سے لوٹ کر قابل تعریف شے کی طرف آ جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

الندم توبة۔ ندامت توبہ ہے۔ (اخرجه ابن ماجه:۴۲۵۲)

توبہ کی شرائط:

اہل سنت کے ارباب اصول کہتے ہیں کہ توبہ کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں:

(۱) جن امور میں شریعت کی مخالفت کی ہے، ان پر ندامت کا اظہار کرنا۔

(۲) اپنی لغزش و غلطی کو فوراً ترک کر دینا۔

(۳) یہ ارادہ کرنا کہ جو گناہ اس نے کئے ہیں' انہیں دوبارہ نہ کرے گا۔ لہٰذا توبہ کے درست ہونے کے لیے ان امور کا ہونا ضروری ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب:

ارباب اصول فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ **الندم توبة** اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے اہم جزو کی طرف اشارہ کیا۔ بعینہ اس طرح' جس طرح فرمایا: **الحج عرفة** عرفہ ہی حج ہے۔

(اخرجه الترمذی:۸۸۹، ابن ماجه:۳۰۱۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ عرفہ میں قیام کرنا سب سے بڑا رکن ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرفہ میں ٹھہرنا ہی حج ہے اور بس، البتہ یہاں ٹھہرنا سب سے بڑا رکن ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا: "ندامت ہی توبہ ہے۔" یعنی ندامت توبہ کا سب سے بڑا رکن ہے۔

بعض اہل تحقیق کہتے ہیں کہ توبہ کے ثبوت کے لئے ندامت کافی ہے، کیونکہ دوسرے دو رکن ندامت کے تابع ہیں۔ اس لئے یہ بات ناممکن ہے کہ کسی کو ایسی بات سے نادم فرض کر لیں' جس پر وہ ہے، یا جس کے کرنے کا وہ عزم کر چکا ہے۔

یہ توبہ کی اجمالی تعریف ہے، لیکن وضاحت اور تشریح کے اعتبار سے توبہ کے خاص اسباب' خاص ترتیب اور کئی قسمیں ہیں۔ توبہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ خواب غفلت سے بیدار ہو، اور وہ اپنی بری حالت کو محسوس کرے۔ اس مقام تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا بندہ کو دل کے کانوں سے زجر و توبیخ سننے کی توفیق دے' جو کچھ اس کے دل میں کھٹکتا ہو، اسے محسوس کرے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے:

((**واعظ الله في قلب كل امرىء مسلم**))(اخرجه الترمذی:۲۸۵۹، احمد:۱۷۱۸۴)

ہر مسلم کے دل میں اللہ کا واعظ ہوتا ہے۔

نیز حدیث میں آیا ہے:

((ان فی البدن لمضغة ، اذا صلحت صلح جمیع الجسد، واذا فسدت فسد جمیع البدن ،الاوھی القلب)) (اخرجه البخاری: ۵۲ ،مسلم: ۱۵۹۹)

بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ جس کے درست ہونے سے تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے' تمام بدن خراب ہو جاتا ہے، یاد رکھو! یہ ٹکڑا دل ہے۔

لہٰذا جب انسان اپنے دل میں اپنے برے اعمال پر غور کرتا ہے اور ان برے افعال کو جن کو وہ کرتا ہے، دیکھتا ہے' تو اس کے دل میں توبہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کو اپنے برے اعمال سے باز آنے کا خیال آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ارادہ کو پا کر اس کی مدد فرماتا ہے، اور وہ اچھے طریقے سے برے اعمال سے باز آنے کی ابتداء کرتا ہے، تو توبہ کے اسباب کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔

توبہ کے اسباب پر عمل کی ابتداء' برے دوستوں کی مجلس سے الگ رہنے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ وہی اسے اس ارادہ کو ترک کرنے پر اکساتے ہیں اور اس ارادہ کے صحیح ہونے میں شکوک پیدا کرتے ہیں، اس کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے' جب وہ اس مشاہدہ پر مداومت کرے' جو توبہ کرنے کی رغبت میں اضافہ کرتا ہے اور جس بات کا اس نے عزم کیا ہے، اس کے پورا کرنے کے لئے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے' جن سے اس کے خوف اور رجاء کو قوت حاصل ہوتی ہے، تب کہیں اس کے دل سے برے اعمال پر اصرار کرنے کی گرہ کھلتی ہے، اور وہ ممنوع امور کو کرنے سے رک جاتا ہے اور شہوات کی تابعداری کرنے سے اپنے نفس کی لگام کو کھینچ لیتا ہے، فوراً اپنی غلطی کو ترک کر دیتا ہے۔

اگر وہ اپنے ارادہ کے مطابق چلا اور اپنے عزم کے مطابق کام کیا' تو گویا صحیح معنوں میں توفیق ایزدی کے قابل ہوا۔ اگر اس نے کئی بار توبہ توڑی' اور اپنے ارادہ کو از سر نو توبہ کرنے پر مجبور کیا' تو بسا اوقات ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ ہمیں اس قسم کے لوگوں کے توبہ کرنے سے مایوس نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ ہر بات کے لئے مقررہ وقت ہے۔

ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ دارانی کی توبہ کا واقعہ:

ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ دارانی سے حکایت ہے کہ میں ایک قصہ خواں کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ اس کے کلام کا میرے دل پر اثر ہوا، مگر مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا' تو میرے دل پر کوئی اثر نہ رہا، میں دوبارہ اس مجلس میں گیا اور اس کا کلام سنا' تو میرے دل پر اس کا اثر راستہ بھر رہا، مگر پھر زائل ہو گیا۔ تیسری بار پھر گیا' تو اس کا اثر میرے دل پر گھر پہنچنے تک رہا۔ چنانچہ میں نے

مخالفت کے سارے آلات توڑ ڈالے اور طریقت کی راہ پر لگ گیا۔

اس کے بعد انہوں نے یحییٰ بن معاذ کو یہ حکایت سنائی' تو فرمایا: ایک چڑیا نے کرکی (کونج) کا شکار کر لیا، چڑیا سے ان کی مراد قصہ خواں تھا اور کرکی سے ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ دارانی۔

ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ حداد' سے حکایت کی جاتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کئی بار اپنا پیشہ چھوڑا' مگر پھر وہی پیشہ کرنے لگ جاتا، آخر اس پیشہ نے مجھے چھوڑ دیا' جس کے بعد میں نے پھر وہ کام نہیں کیا۔

ابو عمرو بن نجید اور ابو عثمان:

کہا جاتا ہے کہ ابو عمرو بن نجید' ابتداء میں ابو عثمان کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ ان کے کلام کا ان کے دل پر اثر ہوا اور ابو عمرو نے توبہ کر لی۔ پھر ان سے سستی ہو گئی۔ اب جب ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے' تو دور بھاگتے اور ان کی مجلس میں بھی نہ جاتے۔

ایک بار ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ سامنے سے آ نکلے، ابو عمرو راستہ سے ہٹ کر دوسرے راستہ پر ہوئے۔ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا پیچھا کیا' وہ ان کے پیچھے چلتے رہے، یہاں تک کہ ان کو پا لیا۔ کہا: بیٹا! جو شخص تجھ سے صرف اس صورت میں محبت کرتا ہے کہ جب تو معصوم ہو' تو اس کی صحبت میں نہ رہ، ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ! تجھے اسی حالت میں نفع پہنچا سکتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ابو عمرو بن نجید نے توبہ کی، اور ان کے مرید ہو گئے اور اس پر قائم رہے۔

ایک اور مرید کا واقعہ:

شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرید نے توبہ کی' مگر اس سے سستی ہو گئی۔ ایک دن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر دوبارہ توبہ کرے گا' تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ اس پر غیب سے ندا آئی: تم نے ہماری اطاعت کی' تو ہم نے شکریہ ادا کیا۔ تو نے ہمیں چھوڑ دیا' تو ہم نے تمہیں مہلت دی، پھر لوٹ آؤ گے' تو ہم تجھے قبول کر لیں گے۔

مرید پھر ارادتمندی کی طرف لوٹ آیا، اور اس بات پر ثابت قدم رہا۔

لہٰذا جب انسان معصیت کو ترک کر کے اپنے دل سے اصرار کی گرہ کو کھول دیتا ہے اور پھر یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ وہ پھر ایسا کام نہ کرے گا' تب کہیں اس کے دل پر خالص ندامت طاری ہوتی ہے' اور وہ اپنے کئے پر افسوس کرتا ہے اور اپنے اعمال اور برے افعال کے مرتکب ہونے پر نادم ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی توبہ مکمل ہوتی ہے اور اس کا مجاہدہ صحیح ہوتا ہے۔

اور لوگوں سے میل جول رکھنے کے بجائے' ان سے علیحدگی اختیار کرنے لگ جاتا ہے اور برے دوستوں کی صحبت میں بیٹھنے کے بجائے' وہ ان سے متنفر ہو کر خلوت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ وہ دن رات افسوس کرتا رہتا ہے اور اکثر اوقات سچے دل

سے نادم وشرمسار رہتا ہے۔ وہ اپنے آنسوؤں کی بارش سے اپنی لغزش کے نشانات مٹاتا ہے اور اچھی توبہ کے ذریعے وہ اپنے گناہوں کے زخموں کا علاج کرتا ہے۔ اپنے ہم جنسوں کے درمیان' اپنے گناہوں کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے اور اس کی لاغری کے ذریعہ اس کی حالت کی درستی کا پتہ چلتا ہے۔

توبہ کی تکمیل:

انسان کی توبہ کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی، جب تک وہ اپنے مخالفوں کو راضی نہیں کرتا۔ کیونکہ توبہ کی پہلی منزل یہی ہے کہ اپنے مظلوموں کو' جس طرح بھی ہو' راضی کرے۔ اگر اس کے پاس اس قدر دولت ہو کہ وہ ان کے حقوق ادا کر سکے' تو بہتر ہے کہ ادا کر دے' یا وہ لوگ اپنی خوشی سے معاف' یا بری کر دیں، تو خوب ہے، ورنہ اسے چاہئے کہ وہ دل سے عزم کرے کہ جب بھی ممکن ہو سکے گا، وہ ان کے حقوق ادا کر دے گا اور سچے دل سے عجز وانکساری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے اور ان کے لئے دعا کرے۔

تائبین کی صفات وحالات:

توبہ کرنے والوں کی چند صفات وحالات ہیں' جو ان کے خصائل میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا شمار توبہ میں اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ ان کی صفات میں سے ہیں، اس لئے نہیں کہ یہ امور توبہ کے سچے ہونے کے لئے شرائط ہیں۔ توبہ کے اسی مفہوم کی طرف شیوخ کے اقوال اشارہ کرتے ہیں۔

ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں:

اوّل: توبہ۔ دوم: انابہ اور سوئم: اوبہ۔

اس تقسیم میں توبہ کو ابتدائی مقام حاصل ہے اور اوبہ کو آخری اور انابہ کو درمیانی۔

جس شخص نے سزا کے خوف سے رجوع کیا' تو اس کو ''توبہ'' کہتے ہیں۔ جس نے ثواب کی لالچ کی وجہ سے توبہ کی' اس کو ''انابہ'' اور جس نے حکم کی پابندی کے خیال سے توبہ کی' نہ تو ثواب کی خواہش کی' نہ سزا سے خائف ہوا، تو اس کو ''اوبہ'' کہتے ہیں۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ توبہ مومنین کی صفت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (النور: ۳۱)

اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔

انابت' اولیاء اور مقربین کی صفت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾ (ق:۳۳)

اور اوبہ' نبیوں اور رسولوں کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ (ص:۳۰)

جعفر بن نصیر' جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ توبہ کے تین معنی ہیں:

ایک ندامت۔

دوسرا اپکا ارادہ کہ وہ دوبارہ ان باتوں کی طرف نہ لوٹے گا' جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

تیسرے لوگوں سے زبردستی لی ہوئی چیزوں کو واپس کرنا۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ لیت ولعل کو ترک کرنے کا نام توبہ ہے۔

حارث کہتے ہیں کہ میں نے یہ کبھی نہ کہا:

اللهم انی اسئلك التوبة

لیکن میں یہ کہتا ہوں: **اسئلك شهوة التوبة**

ابو عبداللہ شیرازی' حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں سری کے پاس گیا' تو ان کی حالت بدلی ہوئی دیکھی۔ میں نے عرض کیا: کیا بات ہے؟ فرمایا: ایک نوجوان نے آ کر مجھ سے توبہ کے متعلق سوال کیا' تو میں نے سے کہا: توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو نہ بھولے۔ اس نے میری بات کاٹ کر کہا: بلکہ توبہ' توبہ یہ ہے کہ تو گناہ کو بھول جائے۔

میں نے عرض کیا: میرے نزدیک درحقیقت وہی بات ہے' جو نوجوان نے کہی۔ انہوں نے فرمایا: کیوں؟ میں نے کہا: اس لئے کہ جب میں جفا کی حالت میں ہوں اور وہ مجھے منتقل کر کے وفا کی حالت میں لے آئے' تو صفائی کی حالت میں جفا کا ذکر کرنا جفا ہو گی۔ اس پر سری خاموش ہو گئے۔

ابونصر سراج نے' سہل بن عبداللہ سے توبہ کے متعلق دریافت کیا' تو فرمایا:

توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو بھول جائے۔

ابونصر فرماتے ہیں کہ سہل کا اشارہ' مریدین اور معترفین کے احوال کی طرف ہے۔ کیونکہ کبھی یہ حالات ان کے حق میں ہوتے ہیں اور کبھی ان کے خلاف' مگر جنید رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ محققین کی توبہ کی طرف ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دائمی ذکر کے غلبہ کی وجہ سے اپنے گناہوں کو یاد نہیں کرتے۔

پھر فرمایا کہ یہ جواب' اسی قسم کا ہے' جس قسم کا ''رویم'' نے دیا تھا' جب ان سے توبہ کی نسبت پوچھا گیا' تو فرمایا: توبہ

سے تائب ہونے کا نام توبہ ہے۔

ذوالنون مصری سے توبہ کی نسبت پوچھا گیا' تو فرمایا: عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے۔

نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا ہر چیز سے توبہ کرلے۔

محمد بن احمد بن محمد صوفی' عبداللہ بن علی تمیمی سے روایت کرتے ہیں کہ ان تین شخصوں کی توبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے:

ایک' وہ جو اپنی لغزشوں سے توبہ کرتا ہے۔

دوسرے' وہ جو غفلتوں سے توبہ کرتا ہے

اور تیسرے' جو اپنی نیکیوں کو دیکھنے سے توبہ کرتا ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلوص والی توبہ' توبہ کرنے والے پر' معصیت کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑتی' نہ باطن میں ' نہ ظاہر میں اور جس کی توبہ خالص ہو' اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ صبح کیسے گذاری اور شام کیسے؟

محمد بن رومی' یحییٰ بن معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ خدایا! میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے توبہ کی ہے اور میں پھر ایسا نہیں کروں گا، کیونکہ میں اپنے اخلاق کو جانتا ہوں۔ میں گناہوں کو ترک کرنے کی ضمانت نہیں دیتا، اس لئے کہ مجھے اپنی کمزوری معلوم ہے۔ میں پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ آئندہ ایسا گناہ نہ کروں گا، ہوسکتا ہے کہ میں دوبارہ ایسے گناہ سے پہلے مرجاؤں۔

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گناہ سے باز آنے کے بغیر توبہ کرنا' کذاب لوگوں کی توبہ ہے۔

محمد بن الحسین فرماتے ہیں کہ نصر اباذی کہتے ہیں کہ ابن یزدانیار سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کوئی انسان اللہ طرف نکل آئے' تو کن اصولوں پر کارفرما ہو؟ فرمایا کہ

اس اصول پر کہ جس گناہ سے وہ ایک بار نکل گیا ہے' دوبارہ اس کی طرف نہ لوٹے گا اور جس کی طرف نکل گیا ہے، اس کے سوا کسی اور کی پرواہ بھی نہیں کرے گا اور جس چیز سے وہ بیزار ہوا' اس کی طرف اشارہ کرنے سے' اپنے باطن کو محفوظ رکھے گا۔ اس پر کسی نے عرض کیا: حضور! یہ تو اس شخص کا حکم ہے، جو کسی وجودی چیز سے نکل کر جائے' لیکن اگر عدم سے نکل کر آئے؟

تو فرمایا: ماضی میں گناہ کی کڑواہٹ پانے کے بدلے' نئی چیز یعنی توبہ میں حلاوت پانا۔

بوشنجی سے کسی نے توبہ کی نسبت سوال کیا' تو فرمایا: جب تو گناہ کا ذکر کرے اور تجھے اس کے ذکر سے اس کی مٹھاس محسوس نہ ہو' تو یہی توبہ ہے۔

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے تمہارے لئے اس قدر تنگ معلوم ہو کہ تمہیں قرار حاصل نہ ہو، بلکہ تمہارا نفس بھی تمہارے لئے تنگ ہو جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

﴿ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ﴾

(التوبة: ۱۱۸)

ان کے نفس بھی ان کے لئے تنگ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے بھاگ کر اللہ کے سوا کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، تاکہ وہ لوٹ آئیں۔

ابن عطا فرماتے ہیں: توبہ دو طرح کی ہے:

ایک توبہ الانابہ اور دوسری توبہ الاستجابہ

توبۂ الانابہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی سزا کے خوف سے توبہ کرے اور توبہ الاستجابہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی بخشش سے حیا کے مارے توبہ کرے۔

کسی نے ابوحفص سے کہا کہ توبہ کرنے والا دنیا سے کیوں بغض رکھتا ہے؟ جواب دیا:

اس لئے کہ دنیا وہ گھر ہے، جس میں اس نے گناہ کیا ہے۔ سائل نے پھر پوچھا: دنیا تو وہ گھر ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ سے نوازا ہے؟ تو فرمایا:

اسے اپنے کرنے کا تو حتمی طور پر علم ہے، مگر قبول توبہ کے متعلق کھٹکا ہے۔

واسطی کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے طرب یعنی سرور اور اطاعت گذاری کی حلاوت نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ لمبے لمبے سانس بھرتے تھے اور وہ دوسری حالت یعنی غم کی حالت میں، جسے انہوں نے چھپا کر رکھا تھا، زیادہ مکمل تھے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ کذابین کی توبہ ان کی زبان کی نوک پر ہوتی ہے۔ ان کی مراد استغفر اللہ کہنے سے ہے۔ (یعنی وہ زبان سے توبہ یا استغفار کہتے رہتے ہیں، مگر دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا)۔

کسی نے ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا:

توبہ میں بندہ کا کچھ دخل نہیں، کیونکہ توبہ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے، نہ کہ بندہ کی طرف۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی: اے آدم! تیری اولاد تھکنے اور چور ہونے کی وارث ہوئی اور تو نے انہیں توبہ کا وارث بنا دیا۔ لہٰذا جو شخص مجھے اس طرح پکارے گا، جس طرح تو نے پکارا ہے، میں اس کی پکار کا اسی طرح جواب دوں گا، جس طرح میں نے تجھے دیا ہے۔

اے آدم! جب میں قبروں میں سے توبہ کرنے والوں کو اٹھاؤں گا' تو وہ مجھ سے خوش ہوں گے اور ہنس رہے ہوں گے کہ ان کی دعا قبول کی گئی ہے۔

ایک شخص نے رابعہ بصری سے کہا: میں نے بہت سے گناہ اور معاصی کئے ہیں، اب اگر توبہ کروں' تو کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا؟ فرمایا:

اصل معاملہ یوں نہیں، اصل بات یہ ہے کہ خدا تجھے معاف کر دے گا، تب ہی تو توبہ کرے گا۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ (البقرة : ۲۲۲)

بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے' اور پاکی حاصل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

جس سے کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے' اسے اپنی غلطی کا یقین ہوتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے' تو توبہ کی مقبولیت کا شک رہتا ہے۔ بالخصوص جب کہ توبہ کے مقبول ہونے کی شرط اور حق یہ ہے کہ تائب' اللہ تعالیٰ کی صحبت کا مستحق ہو اور یہ بات بہت ہی مستبعد ہے کہ عاصی ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ وہ اپنے اوصاف میں ایسی علامات پائے، جن سے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ لہٰذا جب بندہ کسی ایسی بات کا مرتکب ہوتا ہے' جس سے توبہ کرنا ضروری ہے' تو اس کے لئے یہی صورت ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے سامنے انکساری کرے اور اپنے گناہ سے بیزاری کا اظہار اور استغفار کرتا رہے۔

چنانچہ صوفیاء کا قول ہے: استشعار الوجل الی الأجل۔ خوف کا احساس موت تک رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران: ۳۱)

اے نبی! انہیں فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے' تو میری تابعداری کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اور آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ استغفار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

((انه ليغان على قلبي فاستغفر الله في اليوم سبعين مرة))

میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے' تو میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

عبداللہ بن سہل' روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ

توبہ کی لغزش' توبہ سے پہلے کی ستر لغزشوں سے بدتر ہے۔

ابو عثمان فرماتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ﴾ (الغاشیہ:۲۵) کی یوں تشریح فرمائی:

خواہ یہ لوگ' اللہ کی مخالفت میں کس قدر دور کیوں نہ چلے جائیں، انہیں بالآخر ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔

علی بن عیسیٰ کا وزارت سے استعفیٰ:

ابوبکر الرازی' ابوعمر الانماطی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار علی بن عیسیٰ وزیر' کی سواری بڑی دھوم دھام سے نکلی۔ غیر ملکی لوگ پوچھنے لگے کہ یہ کون ہے؟ ایک عورت راستہ میں کھڑی تھی' کہنے لگی: تم کب سے پوچھنے لگے کہ یہ کون ہے؟ یہ کون ہے؟ اور پھر خود ہی کہا: ایک ایسا بندہ ہے' جو اللہ کی نگاہ میں گر چکا ہے۔ اسی لئے تو اللہ نے اسے اس معصیت میں گرفتار کر رکھا ہے، جسے تم دیکھ رہے ہو۔

یہ بات علی بن عیسیٰ نے سن لی۔ گھر لوٹ کر وزارت سے استعفاء دے دیا اور مکہ چلا گیا، اور وہیں رہنے لگا۔

باب

مجاہدہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (العنکبوت: ٦٩)

جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی، ہم انہیں اپنی راہ ضرور دیکھائیں گے۔ اللہ ضرور نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

سب سے افضل جہاد؟

ابن عیینہ نے، علی بن زید سے روایت کی کہ ان سے ابونضرہ نے کہا کہ ابوسعید خدری نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کہ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((كلمة عدل عند سلطان جائر)) (اخرجه الترمذی: ٢١٧٥، ابو داؤد: ٤٣٤٤، ابن ماجه: ٤٠١١)

ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا، اس پر ابوسعید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے ظاہر کو ''مجاہدہ'' کے ساتھ مزین کر لیا، اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو ''مشاہدہ'' کے ساتھ مزین کر دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (العنکبوت: ٦٩)

جنہوں نے ہمارے راستہ میں کوشش کی، ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھا دیں گے۔

مجاہدے کے بغیر کچھ نہیں:

یاد رکھیں کہ جو شخص ابتداء میں مجاہدہ نہیں کرتا، وہ اس طریقہ میں سے شمہ بھر بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے خیال کیا کہ مجاہدہ کے بغیر ہی طریقت کے کچھ اسرار اس پر کھل جائیں گے، یا کچھ امور اس پر واضح ہو جائیں گے، تو وہ سراسر غلطی پر ہے۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ جو شخص ابتداء میں (بارگاہ رب العزۃ) میں کھڑا نہیں رہا۔ وہ آخر میں بیٹھنے کا حق دار بھی نہیں ہو سکتا۔

لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے، اسی لئے ظاہری حرکتیں' باطنی برکت کا سبب بنتی ہیں۔

اصلاح نفس:

حسین بن علویہ' روایت کرتے ہیں کہ ابو یزید فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال تک اپنے نفس کا لوہار رہا' اور پانچ سال تک اپنے دل کا آئینہ رہا، اور ایک سال میں ان دونوں کے درمیان دیکھتا رہا' تو میں نے دیکھا کہ میری کمر پر تو ظاہری زنار ہے۔

اس پر میں نے بارہ سال اس زنار کو کاٹنے میں لگائے۔ میں نے پھر دیکھا' تو میرے باطن میں زنار تھا، جس کے کاٹنے کے لئے میں پانچ سال عمل کرتا رہا' میں سوچتا کہ اسے کیسے کاٹوں، بالآخر معاملہ واضح ہو گیا۔ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا' تو انہیں مردہ پایا۔ لہٰذا میں نے مخلوق پر (جنازہ کی) چار تکبیریں کہیں (یعنی مخلوق کو خیر آباد کہا)۔

نو جوانوں کو جنید کی نصیحت:

جنید رحمۃ اللہ علیہ نے' سری سے روایت کی فرماتے ہیں:

جوانو! میری عمر کو پہنچنے سے پہلے کوشش کر لو، ورنہ تم بھی اسی طرح کمزور ہو جاؤ گے اور کوتاہی کرنے لگ جاؤ گے۔ جس طرح میں کمزور ہو چکا ہوں اور کوتاہی کرنے لگ گیا ہوں، حالانکہ اس وقت بھی کوئی جوان عبادت میں ان تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

تصوف کی بنیاد:

عبدالعزیز النجرانی نے' حسن قزاز سے روایت کی کہ تصوف کی بنیاد تین باتوں پر ہے:

(۱) صرف فاقہ کے وقت کھانا (۲) اور صرف نیند کے غلبہ کے وقت سونا۔

(۳) اور ضرورت کے بغیر کلام نہ کرنا۔

چھ گھاٹیاں:

احمد بن خضرویہ نے' ابراہیم بن ادہم سے روایت کی کہ کوئی شخص اس وقت تک صالحین کا درجہ نہیں پا سکتا' جب تک چھ گھاٹیاں طے نہ کرے:

پہلی گھاٹی یہ ہے کہ وہ ناز و نعمت کا دروازہ بند کر دے اور سختی کا دروازہ کھول دے۔

دوسری گھاٹی یہ ہے کہ عزت کا دروازہ بند کر دے اور ذلت کا دروازہ کھول دے۔

تیسری گھاٹی یہ ہے کہ آرام وراحت کا دروازہ بند کردے اور کوشش کا دروازہ کھول دے۔

چوتھی گھاٹی یہ ہے کہ نیند کا دروازہ بند کردے اور بیداری کا دروازہ کھول دے۔

پانچویں گھاٹی یہ ہے کہ مالداری کا دروازہ بند کردے اور فقر کا دروازہ کھول دے۔

چھٹی گھاٹی یہ ہے کہ امید کا دروازہ بند کردے اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول دے۔

شیخ عبدالرحمٰن سلمی نے 'اپنے نانا ابوعمرو بن نجید سے روایت کی کہ جس نے اپنے نفس کی عزت کی، اس کے نزدیک دین ایک معمولی بات ہے۔

منصور بن عبداللہ نے 'ابوعلی روذباری سے روایت کی کہ جب کوئی صوفی صرف پانچ دن (گذرنے پر) کہے کہ بھوکا ہوں، تو اسے کہہ دو کہ بازار میں جا کر روزی کمائے۔ (اور تصوف کا نام لینا چھوڑ دے)۔

مجاہدے کی حقیقت:

یاد رکھیں کہ مجاہدہ کی حقیقت اور اس کا تمام تر دارومدار 'اس بات پر ہے کہ انسان اپنے نفس کو ان تمام امور سے چھڑا دے، جن کا وہ عادی ہو چکا ہے اور اسے بالعموم اپنی خواہش کے خلاف کام کرنے پر مجبور کردے۔

نفس کا علاج:

جو باتیں نفس کو نیک کام کرنے سے روکتی ہیں 'وہ یہ ہیں:

(۱) خواہشات میں منہمک ہونا۔ (۲) اور اطاعت گذاری سے باز رہنا۔

جب نفس 'سرکش ہو کر اپنی خواہش کے مطابق کام کرنا چاہے 'تو اس وقت تقویٰ کی لگام ڈال کر اسے روکنا ضروری ہو جاتا ہے اور دین کے موافق کاربند ہونے سے اکڑ جائے 'تو اسے اس کی خواہش کے خلاف چلانا چاہئے اور جب نفس غصہ سے مشتعل ہو جائے 'تو اس وقت اس کی حالت کی رعایت رکھنا ضروری ہے، کیونکہ غصہ میں نفس کے ساتھ جنگ کرنے میں اچھا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے 'اس سے ایسے حسن خلق سے پیش آنا چاہئے، جو اس کے غلبہ کو توڑ دے اور نرمی کے ساتھ اس کی آگ کو بجھا دے اور جب نفس رعونت کی شراب کو جائز سمجھے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے سے نہ رکے اور دیکھنے والوں کے لئے خوبصورت بن کر پیش ہو 'تو اسے بھی توڑنا ضروری ہے، مگر ساتھ ہی اس کے لئے رعونت کو اس طرح پیش کیا جائے 'جس میں ذلت پائی جائے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ ایک حقیر و خسیس چیز ہے اور ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔

عوام کی کوشش اعمال کو پورے طور پر ادا کرنے میں ہوتی ہے اور خواص کا ارادہ اپنی حالت کو پاک وصاف کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بھوک اور بیداری کو برداشت کر لینا، ایک آسان اور معمولی بات ہے اور اخلاق کے ساتھ جنگ کرنا اور

خسیس و حقیر اخلاق سے پاک ہونا' بہت مشکل امر ہے۔

نفس کی مشکل آفتیں:

نفس کی مشکل آفتوں میں سے ایک آفت یہ ہے کہ یہ اپنی تعریف سننے کو پسند کرے۔ جس نے ایک گھونٹ بھی اس کا پی لیا، یوں سمجھ لیں کہ اس نے زمین و آسمان کو ایک پلک پر اٹھا لیا۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جب یہ شراب (یعنی اپنی تعریف کی شراب) نفس کو نہیں ملتی' تو وہ نیک اعمال کے کرنے میں سست پڑ جاتا ہے۔

حکایت:

ایک بزرگ اپنی مسجد میں کئی سال تک پہلی صف میں نماز پڑھتے رہے۔ ایک دن کسی سبب سے وہ پہلی صف میں نہ پہنچ سکے اور انہوں نے آخری صف میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد وہ مدت تک دکھائی نہ دیئے۔ لوگوں نے ان سے اس کا سبب پوچھا' تو کہا: میں اتنے سال نماز پڑھتا رہا ہوں، مگر جس دن میں نے آخری صف میں نماز پڑھی' تو مجھے اس بات سے شرمندگی ہوئی کہ لوگوں نے مجھے آخری صف میں دیکھا ہے۔ اس پر میں سمجھ گیا کہ میں عمر بھر عبادت میں جو چستی دکھاتا تھا، وہ ان لوگوں کو دکھانے کی تھی۔ اس پر میں نے اپنی نمازیں قضا کیں۔

ابو محمد مرتعش کا قصہ:

ابو محمد مرتعش علیہ الرحمۃ سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اتنے حج تجرید کے طور پر کیے، جن میں' میں نے تھکان اور بھوک برداشت کی۔ بالآخر مجھے معلوم ہو گیا کہ ان تمام حجوں میں حظ نفس کی آمیزش تھی اور وہ اس طرح کہ ایک بار میری والدہ نے مجھے پانی کا ایک مٹکا لانے کو کہا: مجھے اس کا بہت بار محسوس ہوا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ ان تمام حجوں میں میرے نفس نے جو میری موافقت کی ہے، اس میں نفس کا حظ اور اس کی آمیزش تھی۔ (اسی لئے اس نے موافقت کی، اور اگر ان میں حظ نفس نہ پایا جاتا ہوتا' تو نفس موافقت نہ کرتا)۔ کیونکہ اگر میرا نفس فنا ہو چکا ہوتا' تو شریعت کے اندر جو حق بات تھی' وہ اسے دشوار محسوس نہ ہوتی۔

ایک عورت کا قصہ:

ایک معمر عورت تھی۔ اس سے اس کی حالت کی نسبت پوچھا گیا' تو فرمانے لگی

کہ جوانی کے عالم میں' میں اپنے نفس میں چستی اور ایک حالت پاتی تھی۔ جس سے میں یہ سمجھتی تھی کہ میری حالت قوی ہے۔ مگر اب جب بوڑھی ہو چکی ہوں' تو یہ سب کچھ جاتا رہا۔ اس سے میں سمجھی کہ (یہ حالت کی قوت نہ تھی' بلکہ) یہ جوانی کی قوت تھی' جسے میں نے حالت سمجھ لیا تھا۔

نفس سے آگاہی اور بے خبری:

ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شیخ نے بھی اس قصہ کو سنا' اسے بڑھیا پر رحم آیا اور کہا کہ بڑھیا منصف تھی۔

یوسف بن الحسین نے' ذوالنون مصری سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ کو اس قدر عزت عطا نہیں فرمائی، جس قدر کہ اس بندہ کو عطا کی' جسے اپنے نفس کے ذلیل ہونے کا پتہ چل گیا اور نہ ہی اللہ نے کسی بندہ کو اس قدر ذلیل کیا، جس قدر کہ اس بندہ کو، جسے اللہ نے اس کے نفس کے ذلیل ہونے سے بے خبر رکھ چھوڑا ہو۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ مجھے جس کسی چیز کا ڈر ہوا' میں نے اسے ضرر کہا۔

عبداللہ رازی نے' محمد بن الفضل سے روایت کی کہ نفس کی آرزوؤں سے نجات کا نام راحت ہے۔

مخلوق کے لئے آفت:

منصور بن عبداللہ نے' ابوعلی روذباری سے روایت کی کہ تین چیزوں سے مخلوق پر آفت آتی ہے:

(۱) طبیعت کی بیماری سے۔ (۲) عادت پر قائم رہنے سے۔ (۳) فساد صحبت سے۔

میں نے سوال کیا کہ طبیعت کی بیماری کیا چیز ہے؟ فرمایا: حرام کا مال کھانا۔

میں نے عرض کیا: عادت پر قائم رہنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: حرام کی طرف دیکھنا، حرام سننا اور غیبت کرنا۔

میں نے عرض کیا: فسادِ صحبت کیا ہے؟ فرمایا: یہ کہ جب کبھی نفس میں کوئی خواہش جوش مارے' تو تو اس کے پیچھے ہولے۔

ابوعلی روذباری نے' نصر آبادی سے روایت کی کہ تمہارا نفس ہی تمہارا قید خانہ ہے۔ جب تو اس سے نکل آیا' تو تو نے ابدی راحت حاصل کر لی۔

ابتدائی مجاہدہ:

ابوالحسین وراق کہتے ہیں کہ ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں' شروع شروع میں ہمارے لئے سب سے بڑا حکم یہ تھا کہ ہم دوسروں کو اپنے اوپر ان چیزوں میں ترجیح دیں' جو فتوح کے طور پر ہمیں دی جائیں' نیز یہ کہ ہم کسی معلوم چیز پر رات نہ گذاریں اور جو شخص ہم سے برا برتاؤ کرے' ہم اپنی ذات کے لئے اس سے بدلہ نہ لیں، بلکہ ہم معذرت چاہیں اور اس کے سامنے تواضع کریں اور جب ہمارے دلوں میں کسی کے متعلق حقارت پیدا ہو جائے' تو ہم اس کی خدمت کریں اور اس سے نیک برتاؤ کریں، یہاں تک کہ وہ حقارت دل سے زائل ہو جائے۔

نفس...تاریکی:

ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نفس ہمہ تن تاریکی ہے۔ اس کا سراس کا چراغ ہے اور توفیق خداوندی اس چراغ کا نور

ہے اور جس کے سر میں توفیق خداوندی ساتھ نہ دے، وہ ہمہ تن ظلمت ہے۔

استاد ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں: ان کا یہ فرمانا 'اس کا سر اس کا چراغ ہے۔ اس سے ان کی مراد وہ سر ہے' جو بندے اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے اور وہی اس کے خلوص کا محل ہے۔ اس کے ذریعہ سے بندہ یہ پہچانتا ہے کہ تمام حادثات اللہ کے ساتھ ہیں، اس کے نفس کے ساتھ نہیں اور نہ ہی اس کے نفس کی طرف سے ہیں۔ تاکہ وہ ہر وقت اپنی قوت و طاقت سے بیزار رہے۔ مزید برآں' جب توفیق خداوندی اس کے ساتھ ہوگی' تو وہ اپنے نفس کے شر سے بچ سکے گا۔ کیونکہ جسے توفیق خداوندی حاصل نہ ہو' اسے اس کا وہ علم' جو اپنے نفس اور اپنے رب کے متعلق ہے' مفید نہ ہوگا۔

اسی لئے تو شیوخ نے فرمایا: جس کے پاس ''سر'' نہیں وہ مصر ہے۔

ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جو شخص اپنے نفس کی کسی چیز کو بھی اچھا جانتا ہو' وہ اپنے نفس کے عیب نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے نفس کے عیب وہی دیکھ سکتا ہے' جو ہر حالت میں اسے متہم جانتا ہو۔

ابو حفص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے عیبوں کو نہیں پہچانتا' وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ معاصی کفر کی راہ دکھاتے ہیں۔

ابو سلیمان فرماتے ہیں: میں نے کسی چیز کو اچھا نہیں سمجھا' چہ جائیکہ اسے کار ثواب سمجھوں۔

سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مالداروں کے پڑوسیوں' بازار میں قرآن پڑھنے والوں اور حکام کے علماء سے بچو۔

فساد کی جڑیں:

ذوالنون فرماتے ہیں: مخلوق میں چھ چیزوں سے فساد پیدا ہوا:

(۱) انسانوں کی آخرت کے عمل میں' نیت کی کمزوری سے۔

(۲) ان کے بدن خواہشات کے تابع ہیں۔

(۳) موت قریب ہونے کے باوجود بڑی بڑی امیدیں لگائے رہتے ہیں۔

(۴) یہ لوگ اللہ کی رضا پر' مخلوق کی رضا کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۵) اپنی خواہشوں کی تابعداری کرتے ہیں اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

(۶) اسلاف کی معمولی لغزش کو اپنے لئے حجت سمجھ لیتے ہیں اور ان کے بیشتر نیک کاموں کو چھپاتے ہیں۔

باب

خلوت اور گوشہ نشینی

بہترین شخص:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

تمام لوگوں میں سے بہتر زندگی اس شخص کی ہے، جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہو اور جونہی اسے کوئی کھٹکھٹاہٹ یا آہٹ سنائی دے' وہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے اور ان جگہوں میں جائے، جہاں موت' یا قتل کا خدشہ ہو' یا بہترین شخص وہ ہے' جو اپنی چند بکریاں لئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہو' یا کسی وادی میں رہتا ہو اور وہاں نماز اداء کرتا ہو، زکوٰۃ دیتا ہو، اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتا رہے، وہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں نیکی ہی نیکی میں ہے۔ (اخرجه مسلم :۱۸۸۹، ابن ماجه:۳۹۷۷)

گوشہ نشینی کیا چیز ہے؟

استاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلوت اہل صفا کی صفت ہے، اور گوشہ نشینی اللہ کے ساتھ وصال کی علامت ہے۔ مرید کے لئے ابتداء میں اپنے ہم جنسوں سے علیحدہ رہنا بہت ضروری ہے۔ پھر آخر میں خلوت میں ضروری ہے' تا کہ اسے اللہ کے ساتھ انس حاصل ہو۔

جب کوئی بندہ گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے' تو اس کا حق یہی ہے کہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ لوگوں سے الگ رہنے سے' لوگ اس کے شر سے بچے ہوئے ہیں۔ گوشہ نشینی سے اس کا مقصد یہ نہ ہو کہ وہ خود لوگوں کے شر سے بچا رہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے، اور جس نے اپنے نفس کو حقیر جانا' وہ شخص متواضع ہے اور جس نے اپنے آپ کو کسی شخص پر فائق سمجھا' وہ متکبر ہے۔

کتے کا پاسبان:

کسی نے ایک راہب کو دیکھا اور پوچھا: کیا آپ راہب ہیں؟ تو اس نے جواب دیا: نہیں! میں تو کتے کا پاسبان ہوں۔ میرا نفس کتا ہے' جو لوگوں کو کاٹتا ہے۔ لہٰذا میں نے اسے لوگوں میں سے نکال لیا ہے' تا کہ وہ اس سے بچے رہیں۔

حکایت:

ایک شخص ایک نیک آدمی کے پاس سے گذرا' تو اس بزرگ نے اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیا۔ اس شخص نے کہا: میرے کپڑے نجس تو نہیں ہیں، آپ نے اپنے کپڑوں کو کیوں سمیٹا؟ اس بزرگ نے کہا: آپ کو وہم ہوا ہے، میرے اپنے کپڑے نجس ہیں۔ میں نے اپنے کپڑوں کو اس لئے سمیٹا کہ آپ کے کپڑے پلید نہ ہو جائیں۔ اس لئے نہیں کہ میرے کپڑے پلید نہ ہو جائیں۔

گوشہ نشینی کے آداب:

گوشہ نشینی کے آداب میں سے ہے کہ انسان اس قدر علوم حاصل کرے کہ جس سے وہ اپنے عقیدہ توحید کو درست کر سکے' تا کہ شیطان اسے وساوس میں ڈال کر بہکا نہ سکے۔ اس کے بعد اس قدر شرعی علوم حاصل کرے کہ جن سے وہ اپنے فرائض اداء کر سکے' تا کہ اس طرح اس کے تصوف کی بنیاد' مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکے۔

گوشہ نشینی' درحقیقت بری خصلتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے۔ لہٰذا گوشہ نشینی کی تاثیر کی غرض و غایت' اپنی صفات کو تبدیل کرنا ہے' اپنے باطن سے دوری مقصود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی سے پوچھا کہ عارف کون ہے؟

تو جواب ملا: ''کائن بائن'' مقصد یہ ہے کہ وہ ہے' جو مخلوق کے ساتھ ہے۔ مگر اپنے باطن کے اعتبار سے اس سے جدا ہے۔

استاد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ جو لباس پہنتے ہیں' تو بھی ان کے ساتھ وہی پہن، اور جو کچھ وہ کھاتے ہیں' تو بھی کھا' مگر اپنے باطن کے اعتبار سے ان سے الگ رہ۔

تصوف کا دارو مدار:

یہی فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ اس کے جواب میں' میں نے کہا: تصوف کا دارو مدار مسافت طے کرنے پر نہیں اور نہ تکلیف برداشت کرنے پر ہے۔ اپنے نفس سے صرف ایک قدم بھر الگ ہو جاؤ' تمہیں تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا' تو میں نے عرض کیا: یا اللہ! میں تجھے کیسے پاؤں؟ فرمایا: اپنے نفس سے جدا ہو کر' چلے آؤ۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ' ابوعثمان مغربی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

خلوت:

جس نے لوگوں کی صحبت کو چھوڑ کر خلوت اختیار کی' اسے چاہئے کہ وہ اپنے رب کے ذکر کے سوا' تمام چیزوں کے ذکر سے علیحدگی اختیار کرے اور سوائے اپنے رب کی رضا کے' ہر قسم کے ارادوں سے علیحدہ رہے۔ نیز یہ کہ اگر نفس کسی قسم کے اسباب کا بھی مطالبہ کرے' تو یہ اس سے بھی علیحدہ ہو۔ اگر اس میں یہ صفات نہ پائی جائیں' تو اس کی خلوت اسے آزمائش اور مصیبت میں ڈال دے گی۔

بعض کہتے ہیں کہ خلوت میں تنہائی' تمام اسباب سکون کی جامع ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ' فرماتے ہیں: غور سے دیکھو' آیا تمہیں خلوت کے ساتھ انس ہے' یا خلوت میں اللہ کے ساتھ انس ہے۔ اگر تمہیں خلوت کے ساتھ انس ہے' تو جب تو خلوت سے نکل آئے گا، تمہارا انس جاتا رہے گا اور اگر خلوت میں تمہیں اللہ کے ساتھ انس ہوگا' تو خواہ صحرا ہو' خواہ جنگل' تمہارے لئے تمام جگہیں یکساں ہوں گی۔

دنیا وآخرت کی بھلائی خلوت میں ہے!

محمد بن حامد' فرماتے تھے کہ ایک شخص' ابوبکر وراق کی زیارت کو آیا۔ جب زیارت کر کے واپس جانے لگا' تو گذارش کی: حضرت! مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا: میں نے دنیا وآخرت کی بھلائی خلوت اور قلت میں پائی ہے' اور دنیا وآخرت کی برائی کثرت اور لوگوں سے میل جول میں۔

منصور بن عبداللہ فرماتے تھے کہ کسی نے جریری رحمۃ اللہ علیہ سے گوشہ نشینی کی نسبت سوال کیا' انہوں نے فرمایا:

گوشہ نشینی یہ ہے کہ تو لوگوں کے ہجوم میں داخل ہو جائے۔ مگر اپنے باطن کو لوگوں کی مزاحمت سے محفوظ رکھے۔ اپنے نفس کو گناہوں سے علیحدہ رکھے، اور تمہارے باطن کا تعلق حق کے ساتھ رہے۔

بعض کہتے ہیں کہ جس نے گوشہ نشینی کو پسند کیا، اس نے حق کو پالیا۔

سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''خلوت'' اس وقت صحیح ہو سکتی ہے، جب کہ حلال روزی کھائی جائے اور اللہ کے حقوق اداء کیئے بغیر کوئی شخص روزی حلال نہیں کھا سکتا۔

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی چیز خلوت سے بڑھ کر اخلاص پر اکسانے والی نہیں دیکھی۔

ابوعبداللہ رملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلوت تمہاری دوست' بھوک تمہارا کھانا اور مناجات تمہاری گفتگو ہونی چاہئے۔ (جس کا نتیجہ یہ ہوگا) یا تو مرجائے گا' یا اللہ تک پہنچ جائے گا۔

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص' جو خلوت میں جا کر مخلوق سے چھپا رہا، وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا' جو اللہ

کے ساتھ ہو کر مخلوق سے چھپا رہا۔

جعفر بن نصیر، جنید سے روایت کرتے ہیں کہ گوشہ نشینی کی تکلیف برداشت کر لینا، لوگوں سے میل جول اور مدارات کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

مکحول فرماتے ہیں: اگر لوگوں سے میل جول رکھنے میں کوئی بھلائی ہے، تو گوشہ نشینی میں شر سے سلامتی ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تنہائی صدیقین کی ہم نشین ہے۔

افلاس کی نشانی:

شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے شبلی سے روایت کی کہ

لوگو! افلاس سے بچو، کسی نے پوچھا: افلاس کی کیا نشانی ہے؟

فرمایا: افلاس کی علامت یہ ہے کہ لوگوں سے انس محسوس ہو۔

یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگوں سے میل جول رکھے گا، وہ ان سے مدارات کرے گا اور جو مدارات کرے گا، وہ ریا کاری کرے گا۔

سعید بن حرب فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں، مالک بن مسعود کے پاس گیا۔ وہ اپنے گھر میں اکیلے تھے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ تنہائی میں وحشت محسوس نہیں کرتے؟ فرمایا: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص اللہ کی صحبت میں وحشت محسوس کر سکتا ہے۔

سکون گوشہ نشینی میں ہی ہے:

ابو عمرو انماطی، جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے دین کو سلامت رکھنا چاہے اور اپنے بدن اور دل کو راحت دینا چاہے، وہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے۔ کیونکہ یہ وحشت کا زمانہ ہے اور عقلمند وہی ہے، جو اس زمانہ میں تنہائی اختیار کرے۔

ابو بکر رازی، ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے:

دنیا سے علیحدگی کی طاقت، صرف قوی لوگوں کو ہے، اور ہم جیسے لوگوں کے لئے تو لوگوں سے مل جل کر رہنا ہی مفید ہے۔ کیونکہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔

ابو العباس الدامغانی کو شبلی نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تنہائی اختیار کرو اور اپنا نام لوگوں کے زمرے سے مٹا دو، اور دیوار کی طرف منہ کئے رکھو، یہاں تک کہ تمہیں موت آ جائے۔

ایک شخص، شعیب بن حرب کے پاس آیا۔ انہوں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ کیسے آئے؟

اس نے عرض کیا: آپ کی صحبت میں رہنے کی غرض سے، اس پر شعیب نے جواب دیا: بھائی! عبادت شرکت نہیں چاہتی، جسے اللہ کے ساتھ انس حاصل ہو، اسے کسی چیز کے ساتھ انس حاصل نہیں ہوسکتا۔

حکایت ہے کہ کسی صوفی سے دریافت کیا گیا کہ تمہیں سیاحت کے دوران کون سی عجیب ترین چیز ملی؟ اس نے جواب دیا: مجھے خضر ملے اور انہوں نے میری صحبت میں رہنے کی مجھ سے درخواست کی۔ اس سے مجھے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ میرے توکل کو خراب نہ کر دے۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو یہاں کسی سے انس ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہاں'' اور اپنا ہاتھ قرآن مجید کی طرف بڑھایا اور اپنی گود میں رکھ کر کہا کہ ''مجھے اس سے انس ہے۔'' اسی مفہوم کا ایک شعر ہے:

وکتبك حولی لاتفارق مضجعی وفیها شفاء للذی أنا کاتم

''اے محبوب! تمہارے خطوط، ہمیشہ میرے اردگرد میرے بستر پر پڑے رہتے ہیں اور ان خطوط میں مجھے (اس عشق کی بیماری) سے شفاء حاصل ہوتی ہے، جسے میں چھپائے ہوئے ہوں۔''

ایک شخص نے ذوالنون مصری سے دریافت کیا کہ میرے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنا کب درست ہوگا؟ فرمایا: جب تجھے اپنے نفس سے علیحدگی کی طاقت ہو۔

ابن المبارک سے دریافت کیا گیا کہ دل کا کیا علاج ہے؟ فرمایا: لوگوں سے کم ملنا۔

کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو معصیت کی ذلت سے نکال کر، اطاعت گذاری کی عزت کی طرف لے جانا چاہتا ہے، تو اسے تنہائی سے مانوس کر دیتا ہے، اور قناعت کے ساتھ مستغنی بنا دیتا ہے اور اسے اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ جسے یہ چیزیں حاصل ہو گئیں، اسے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہو گئی۔

❀❀❀

باب

تقویٰ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

اللہ کے یہاں، تم میں سے سب سے زیادہ ذی عزت وہ شخص ہوگا' جو تم سے سب سے زیادہ پرہیز گار ہوگا۔

ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

اے اللہ کے نبی! مجھے نصیحت کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کے عذاب سے بچتے رہو، کیونکہ اسی میں تمام نیکیاں شامل ہیں اور جہاد اختیار کرو، کیونکہ مسلمان کی رہبانیت یہی ہے۔ اللہ کا ذکر کیا کرو، کیونکہ یہ تمہارے لئے نور ہے۔

(اخرجه ابو يعلى فى مسنده:۱۰۰۰، احمد بن حنبل:۳،۸۲،۲۶۶)

آل محمد ﷺ کون لوگ ہیں؟

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے پوچھا گیا کہ

یا نبی اللہ! آل محمد کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا: ہر متقی۔ (اخرجه الطبرانی فی الاوسط:۳۳۳۲)

لہٰذا تقویٰ تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے۔ اتقاء کے اصلی معنی' اللہ کی اطاعت کے ذریعہ سے اس کے عذاب سے بچنا ہے۔

چنانچہ عربی زبان کا محاورہ ہے۔ اتقى فلان بترسه۔ فلاں نے اپنی ڈھال سے اپنا بچاؤ کیا۔

اصل تقویٰ شرک سے بچنا ہے۔ اس کے بعد معصیت اور برائیوں سے بچنے کا درجہ آتا ہے۔ پھر شبہات سے بچنے کا' پھر یہ کہ تو فضول باتوں کو رد کر دے۔ (یہ بات ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی)۔

انہوں نے ہی فرمایا کہ تقویٰ کی ہر قسم کا الگ الگ باب ہے۔ اللہ کے فرمان اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ۔ ''اللہ کے عذاب سے بچو' جیسا بچنے کا حق ہے'' کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ پھر نافرمانی نہ ہو۔ اسے اس طرح یاد کیا جائے کہ پھر نہ بھولے، اور اس کا ایسا شکر ادا کیا جائے کہ پھر ناشکر گذاری نہ ہو۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں اور رسول اللہ کے سوا کوئی رہنما بھی نہیں، اور تقویٰ کے سوا کوئی اور چیز زادراہ نہیں ہو سکتی اور کوئی عمل نہیں کہلا سکتا' جب تک اس کی پابندی نہ کی جائے۔

ابوبکر رازی نے کتانی سے روایت کی کہ دنیا کی تقسیم' آزمائش کے مطابق کی گئی ہے، اور آخرت کی تقویٰ کے مطابق ہے۔

جریری سے منقول ہے کہ جس شخص کے' اور اللہ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ حاکم نہیں، وہ شخص کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

نصر آبادی فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا' ہر چیز سے بچے۔

سہل فرماتے تھے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا تقویٰ درست ہو، اسے تمام گناہوں کو ترک کر دینا چاہئے۔

نصر آبادی کا قول ہے:

جو شخص تقویٰ پر ڈٹا رہا، وہ اس بات کا مشتاق ہوگا کہ دنیا کو چھوڑ دے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ (الانعام: ۳۲)

آخرت کا گھر' یقیناً ان لوگوں کے لئے' جو پرہیزگار ہیں' بہتر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟

کسی کا قول ہے: جو تقویٰ میں حقیقت کو پہنچ چکا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لئے' دنیا سے اعراض کرنا' آسان کر دیتا ہے۔

ابوعبداللہ روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ تو ان تمام چیزوں سے اجتناب کرے' جو اللہ سے دور رکھیں۔

پرہیزگار کون ہے؟

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ پرہیزگار وہ ہے' جو اپنے ظاہر کو خلاف شرع باتوں سے میلا نہ کرے اور نہ اپنے باطن کو دل سے بہلاوے اور ہمیشہ اللہ کی رضاء کے ساتھ موافقت پر قائم رہے۔

ابوالحسین الفارس نے ابن عطاء سے روایت کی کہ تقویٰ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اس کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ کی حدود کا لحاظ رکھا جائے اور باطن نیت اور اخلاص ہے۔

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

لا عیش الا مع رجال قلوبھم تحنّ الی التقوی وترتاح للذکر

سکون الی روح الیقین وطیبه کما سکن الطفل الرضیع الی الحجر

زندگی' تو وہی ہے، جو ایسے لوگوں کے ساتھ ہو' جن کے دل تقویٰ کے مشتاق ہیں اور ذکر الٰہی سے خوش ہیں، یہ دل'

روح یقین کے پاس اس طرح مطمئن رہتے ہیں، جس طرح ایک دودھ پیتا بچہ گود میں سکون حاصل کرتا ہے۔

تین اقسام سے تقویٰ کا ظہور ہوتا ہے:

کہا جاتا ہے کہ انسان کے تقویٰ کا پتہ تین چیزوں سے چلتا ہے:

(۱) جو چیز اسے حاصل نہ ہو' اس میں اچھی طرح سے توکل کرے۔

(۲) جو کچھ وہ حاصل کر چکا ہے' اس پر اچھی طرح راضی رہے اور

(۳) جو چیز اس کے ہاتھ سے نکل جائے' اس پر بخوشی صبر کرے۔

طلق رحمۃ اللہ علیہ بن حبیب فرماتے ہیں:

اللہ کے عذاب سے ڈرنے' اللہ کے نور کے مطابق' اطاعت خداوندی پر عمل کرنے کا نام تقویٰ ہے۔

ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص کا سرمایہ تقویٰ ہے' اس کے نفع کا بیان زبان سے نہیں اداء ہو سکتا۔

واسطی فرماتے تھے کہ اپنے تقویٰ سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔

ان کی مراد یہ ہے کہ انسان اپنے تقویٰ کو دیکھنے سے بچے۔

متقی ہو تو... جیسا:

متقی ہو' تو ابن سیرین جیسا ہو۔ انہوں نے گھی کے چالیس مٹکے خریدے۔ ان کے غلام نے کسی ایک مٹکے سے چوہا نکالا۔ ابن سیرین نے پوچھا کہ کس مٹکے سے چوہا نکلا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اس پر ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مٹکے انڈیل دیئے۔

یا متقی ہو تو' ابو یزید جیسا ہو۔ انہوں نے ہمذان میں جب القرطم (کسنبہ کا بیج) خریدا۔ تو اس سے کچھ بچ گیا۔ جب بسطام لوٹ کر آئے' تو اس میں دو چیونٹیاں دیکھیں۔ آپ ہمذان واپس گئے اور دونوں چیونٹیوں کو چھوڑ آئے۔

حکایت کی جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقروض کے درخت کے سایہ کے نیچے نہیں بیٹھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ قرض جس سے فائدہ ہو' وہ فائدہ سود ہے۔ (کشف الخفاء: ۲/۱۲۵)

کہتے ہیں کہ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جنگل میں کپڑا دھویا۔ ساتھی نے کہا: اس کپڑے کو انگور کی دیوار پر لٹکا دو۔ فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہم لوگوں کی دیوار میں میخ نہ گاڑیں گے۔ اس پر ساتھی نے کہا: اچھا! درخت پر یہیں لٹکا دو۔ فرمایا: میں یہ بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ اس طرح تو درخت کی ٹہنی ٹوٹ جائے گی۔ ساتھی نے پھر کہا: اچھا! تو ہم اسے اذخر پر پھیلا دیتے ہیں۔ فرمایا: یہ بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ جانوروں کا چارہ ہے۔ ہم اسے ان سے چھپا کر نہیں رکھیں

گے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی قمیص پیٹھ پر ڈال کر سورج کی طرف کر دی۔ یہاں تک کہ ایک طرف سے سوکھ گئی۔ پھر قمیص کو پلٹ دیا۔ یہاں تک کہ دوسرا حصہ بھی خشک ہو گیا۔

ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ:

کہتے ہیں کہ ایک دن ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد میں گئے اور اپنی لاٹھی زمین میں گاڑ دی۔ یہ لاٹھی ایک بوڑھے کی لاٹھی پر جو گڑی ہوئی تھی، گر پڑی اور اس کو بھی گرا دیا۔ بوڑھے نے جھک کر اپنی لاٹھی اٹھا لی۔ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے اس بوڑھے کے گھر جا کر معافی چاہی اور کہا: آپ کے جھکنے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے اپنی لاٹھی اچھی طرح نہیں گاڑی تھی۔ اس لئے گر پڑی اور آپ کو جھکنا پڑا۔

عتبۃ الغلام کا تقویٰ:

کسی نے عتبۃ الغلام کو جاڑے کے موسم میں ایک جگہ دیکھا کہ پسینے پسینے ہو رہے ہیں۔ جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا، تو فرمایا: یہ وہ جگہ ہے، جہاں میں نے اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ فرمایا: میں نے دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا الگ کیا تھا۔ جس سے میرے مہمان نے اپنا ہاتھ صاف کیا۔ میں نے دیوار کے مالک سے مٹی لینے کی اجازت نہیں لی تھی۔

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ:

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک رات صخرہ کے نیچے گذاری۔ کچھ رات گذرنے کے بعد، دو فرشتے اترے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا: یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ۔ پھر کہا: یہ وہی شخص ہے، جس کے درجات سے اللہ تعالیٰ نے ایک درجہ کم کر دیا۔ پہلے فرشتے نے پوچھا: کیوں؟ دوسرے نے کہا: اس نے بصرہ میں کھجوریں خریدیں اور سبزی فروش کی کھجوروں میں سے ایک کھجور، اس کی کھجوروں میں جا پڑی۔ اس نے اسے مالک کو واپس نہیں کیا۔

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ گیا اور اس شخص سے پھر کھجوریں خریدیں اور ایک کھجور اس کی کھجوروں پر گرا کر میں بیت المقدس لوٹ آیا اور صخرہ میں رات گذاری۔ تھوڑی رات گذارنے کے بعد، دو فرشتے آسمان سے اترے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا: یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ اور کہا: وہی جس کو اللہ نے پہلے ہی مرتبہ عطاء کر دیا اور جس کا درجہ بلند کر دیا گیا۔

اقسام تقویٰ:

کہا جاتا ہے کہ تقویٰ کئی طرح کا ہوتا ہے:

عوام کا تقویٰ' یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔

خواص کا تقویٰ' یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔

اولیاء کا تقویٰ' یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے بچیں

اور انبیاء کا تقویٰ' یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان کا تقویٰ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور (ہر چیز سے بچ کر) وہ اللہ کی طرف جاتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

دنیا میں لوگوں کے سردار سخی ہوتے ہیں۔ آخرت میں لوگوں کے سردار متقی ہوں گے۔

قاسم نے ابوامامۃ سے روایت کی' کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

جس کسی شخص کی نظر کسی عورت کی خوبصورتی پر پڑ گئی' پھر فوراً ہی اس نے اپنی نگاہ نیچی کر لی' تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو ایسی عبادت بنا دے گا، جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔ (اخرجه احمد بن حنبل: ٥، ٢٦٤)

سبب نجات؟

محمد بن عبداللہ فرغانی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جنید رحمۃ اللہ علیہ' رویم' جریری اور ابن عطاء اکٹھے بیٹھے ہوتے تھے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ بولے: جس نے بھی نجات پائی' اللہ کے پاس صدق دل سے پناہ لینے سے پائی' کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ (التوبة: ١١٨)

اور خدا نے ان تینوں کی (توبہ قبول کر لی) جو پیچھے رہ گئے تھے، حتیٰ کہ جب زمین' باوجود فراخی کے ان کے لئے تنگ ہو گئی۔''

رویم رحمۃ اللہ علیہ بولے: جس کسی نے نجات پائی' صدق دل سے تقویٰ کے ذریعہ پائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ﴾ (الزمر: ٦١)

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نجات دیں گے' جو اپنی کامیابی میں بھی متقی ہیں۔

جریری رحمۃ اللہ علیہ بولے: جس کسی نے بھی نجات پائی' اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے سے پائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾ (الرعد: ٢٠)

جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے عہد کو نہیں توڑتے۔

ابن عطاء بولے: جس کسی نے بھی نجات پائی' حقیقی حیاء سے پائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴾ (العلق: ١٤)

کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

استاد امام (مصنف رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ جس کسی نے بھی نجات پائی ہے' اللہ کے حکم اور قضاء سے پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى ﴾ (الانبياء: ١٠١)

وہ لوگ' جن کے لئے ہم پہلے نیک کام لکھ چکے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ جس کسی نے نجات پائی ہے' اس لئے پائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے ہی منتخب کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الانعام: ٨٧)

ہم نے انہیں چن لیا اور صراط مستقیم پر چلا دیا۔

باب

ورع

ابوالاسود الدولی نے ابوذر سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایک انسان کے اچھے مسلمان ہونے کی یہ پہچان ہے کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے، جن سے اس کا کوئی مطلب نہیں۔

(اخرجه الترمذی :۲۳۱۸، ابن ماجه:۳۹۷۶)

استاد امام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر مشتبہ چیز کو چھوڑ دینا' ورع ہے۔

اسی طرح ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر مشتبہ بات کو چھوڑ دینا' ورع ہے اور ترك مالا يعينك سے مراد فضول باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ستر قسم کی حلال اور جائز باتوں کو اس خوف سے چھوڑ دیا کرتے تھے کہ کہیں کسی حرام بات میں پھنس نہ جائیں۔

آنحضرت ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

پرہیز گار بنو گے' تو سب سے زیادہ عبادت گذار ہو جاؤ گے۔(اخرجه ابن ماجه:۴۲۱۷)

جنید رحمۃ اللہ علیہ نے' سری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ اپنے زمانہ میں چار شخص پرہیز گار گذرے ہیں:

حذیفہ رضی اللہ عنہ مرعشی' یوسف بن اسباط' ابراہیم بن ادہم اور سلیمان الخواص ان لوگوں نے پرہیز گاری میں غور کیا۔ جب معاملہ مشکل نظر آیا' تو جو کچھ بھی وہ کماتے' اس میں سے کم ہی استعمال کرتے۔

ورع کیا ہے؟

ابوالقاسم الدمشقی نے' شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ

ورع یہ ہے کہ تو ہر ماسوائے اللہ سے پرہیز کرے۔

احمد بن ابی الحواری نے اسحاق بن خلف سے روایت کی کہ گفتار میں پرہیز گاری سونے اور چاندی میں پرہیز گاری سے زیادہ سخت ہے اور ریاست سے زہد کرنا سونے اور چاندی کے زہد سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ تو تو سونے اور چاندی کو ریاست کی خاطر خرچ کر دیتا ہے۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ ورع زہد کی ابتداء ہے، بعینہ اسی طرح جس طرح قناعت رضاء کا ایک کنارہ یا حد ہے۔

ابوعثمان فرماتے ہیں کہ ورع کا ثواب حساب میں آسانی ہونے کی صورت میں ملے گا۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع یہ ہے کہ بغیر کسی قسم کی تاویل کے علم کی حد پر کھڑا رہے۔

عبدالجلاء سے مروی ہے کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو تیس سال مکہ میں مقیم رہا۔ مگر اس نے زمزم کا وہی پانی پیا، جس کو اس نے خود اپنی رسی اور چھاگل سے نکالا تھا اور نہ اس نے وہ کھانا کھایا، جو مصر سے لایا گیا تھا۔

عبداللہ بن مروان کا قصہ:

ابوبکر الرازی علی بن موسیٰ التاھرتی سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مروان سے ایک پیسہ ایک گندے کنوئیں میں گر پڑا تو انہوں نے تیرہ دینار مزدوری پر لگا دیئے یہاں تک کہ اس پیسے کو نکال لیا۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا اس پیسے پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

اقسام ورع:

ابن علویہ یحییٰ بن معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ ورع کی دو قسمیں ہیں:

ایک ظاہری ورع وہ یہ ہے کہ انسان حرکت کرے تو صرف اللہ کیلئے۔

دوسرے باطنی ورع جو یہ ہے کہ تمہارے دل میں اللہ کے سوا کوئی اور داخل ہی نہ ہو۔

یحییٰ بن معاذ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ورع کی باریکیوں میں غور نہیں کرتا وہ اللہ کے بڑے عطیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو شخص دین میں باریک بین ہوگا قیامت میں اس کا مرتبہ بڑا ہوگا۔

ابن الجلاء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص میں محتاجی کی حالت میں تقویٰ نہ ہو وہ قطعی حرام کا مال کھائے گا۔

یونس بن عبید فرماتے ہیں: ہر قسم کے شبے سے نکلنے اور ہر لحظہ محاسبہ کرنے کا نام ورع ہے۔

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ میں نے ورع سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی۔ جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو۔

معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس طرح تو اپنی زبان کو مذمت سے بچاتا ہے اسی طرح مدح سے بچا۔

بشر بن الحارث فرماتے ہیں کہ سخت ترین کام تین ہیں:

محتاجی میں سخاوت خلوت میں پرہیزگاری اور جس شخص سے بھلائی کی امید یا برائی کا ڈر ہو، اس کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن اور امام احمد:

بشر حافی کی بہن امام احمد بن حنبل کے پاس آئی تو کہنے لگی کہ ہم اپنے مکان کی چھت پر سوت کاتتے ہیں تو ظاہریہ کی مشعلیں گزرتی ہیں اور ان کی شعاعیں ہم پر پڑتی ہیں۔ کیا ان کی شعاع میں ہمارے لیے سوت کاتنا جائز ہے؟

امام احمد نے پوچھا: تم کون ہو؟ جواب دیا: بشر حافی کی بہن امام احمد رو پڑے اور کہا: تمہارے ہی گھر سے تو سچی پرہیزگاری نکلتی ہے ان کی شعاع میں سوت نہ کاتا کرو۔

علی عطار فرماتے ہیں کہ میں بصرا کی ایک سڑک سے گزرا وہاں بچے کھیل رہے تھے اور بوڑھے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بچوں سے کہا: کیا تمہیں ان بزرگوں سے شرم نہیں آتی؟ ان میں سے ایک بچے نے جواب دیا: چونکہ ان بزرگوں کی پرہیزگاری میں کمی واقع ہوگئی ہے، اس لئے ان کی ہیبت بھی کم ہوگئی ہے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

مالک بن دینار چالیس برس تک بصرہ میں رہے۔ مگر انہوں نے بصرہ کی ایک کھجور کھانا بھی درست نہ سمجھا۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور انہوں نے بصرہ کی ایک کھجور بھی نہیں چکھی۔ ان کا دستور تھا کہ جب تازہ کھجوروں کا موسم گذر جاتا تو کہتے: اے بصرہ والو! یہ میرا پیٹ ہے۔ اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا، اور نہ تم میں کچھ زیادتی ہوئی ہے۔

ابراہیم بن ادھم سے پوچھا گیا کہ آپ آب زم زم کیوں نہیں پیتے؟ تو فرمایا: اگر میرے پاس ڈول ہوتا تو ضرور پیتا۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ حارث محاسبی جب ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے، جس میں شبہ ہوتا تو ان کی انگلی کے سرے سے ایک رگ پھڑکنے لگ جاتی، جس سے انہیں معلوم ہو جاتا کہ کھانا حلال نہیں ہے۔

بشر بن حافی ایک دعوت میں موجود تھے۔ کھانا ان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ نے بہت کوشش کی کہ آپ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھائیں۔ مگر نہ بڑھا۔ آپ نے تین بار کوشش کی۔ ایک شخص نے جو اس بات کو جانتا تھا۔ کہا: آپ کا ہاتھ اس کھانے کی طرف کبھی نہیں بڑھے گا، جس میں شبہ ہوگا۔ دعوت دینے والے نے انہیں کیوں دعوت دی؟

حلال و پاک کیا ہے؟

احمد بن محمد بن یحییٰ الصوفی' احمد بن محمد بن سالم سے بصرہ میں روایت کرتے ہیں۔

کسی نے سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حلال و پاک کے متعلق پوچھا' تو فرمایا: حلال و پاک وہ ہے' جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی گئی ہو۔

سہل رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: حلال اور پاک وہ چیز ہے' جس میں اللہ کو نہ بھلایا گیا ہو۔

حسن بصری...اور واعظ بچہ:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ' مکہ میں آئے اور وہاں حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے ایک بچے کو کعبہ سے پیٹھ لگائے' لوگوں کو وعظ کرتے دیکھا۔ حسن بصری کھڑے ہو گئے اور بچے سے پوچھا: دین کا دارومدار کس چیز پر ہے؟ بچے نے جواب دیا: پرہیزگاری پر۔ پھر پوچھا: دین کی آفت کس چیز میں ہے؟ جواب دیا: طمع میں' یہ سن کر حسن رحمۃ اللہ علیہ کو تعجب ہوا' حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحیح پرہیزگاری ایک ذرہ بھر بھی ہو' تو وہ نماز روزہ کے ایک ہزار مثقال سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرا قرب چاہنے والے' پرہیزگاری اور زہد سے بڑھ کر کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل ورع و زہد اللہ کے ہم نشین ہوں گے۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا ساتھ پرہیزگاری نہ دے' وہ اگر ہاتھی ہاتھ کھا جائے' تو سیر نہ ہوگا۔

ایک دفعہ' عمر بن عبدالعزیز کے پاس کستوری لائی گئی' جو کہ مال غنیمت سے آئی تھی۔ انہوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ اس کی خوشبو سے ہی فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور میں پسند نہیں کرتا کہ میں اکیلا اس کی خوشبو سونگھوں۔

تقویٰ اور صوفیاء:

ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے ورع کے متعلق دریافت کیا گیا' تو فرمایا کہ ابو صالح حمدون اپنے ایک دوست کے پاس اس کی حالت نزاع میں موجود تھے۔ جب وہ شخص مر گیا' تو ابو صالح نے پھونک مار کر چراغ بجھا دیا۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا' تو فرمایا کہ اب تک چراغ کے تیل کا مالک وہ خود تھا' مگر اب یہ تیل اس کے وارثوں کا ہے۔ لہٰذا کوئی اور تیل لاؤ] تب چراغ جلاؤں گا۔

کھمس' فرماتے ہیں کہ میں ایک گناہ کر بیٹھا' جس کی وجہ سے میں چالیس سال سے رو رہا ہوں۔ بات یوں ہوئی کہ میرا ایک بھائی میری ملاقات کو آیا۔ میں نے اس کے لیے ایک دانق (دانگ) کی تلی ہوئی مچھلی خریدی' جب وہ مچھلی کھا چکے' تو میں نے اپنے ایک پڑوسی کی دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا لیا۔ جس سے انہوں نے ہاتھ صاف کر لیا اور میں اس کی

اجازت نہ لے سکا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ اس میں بیٹھ کر وہ رقعہ لکھا کرتا تھا۔ اس نے حروف کو سکھانے کے لئے دیوار سے مٹی لینی چاہی۔ مگر فوراً دل میں خیال آیا کہ مکان تو کرایہ کا ہے۔ پھر خیال آیا کہ اتنی سی بات سے کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نے حروف پر دیوار سے مٹی لے کر ڈال دی۔ اس پر اس نے غیب سے نداء سنی: اتنی سی مٹی کو حقیر جاننے والے کو کل قیامت کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا حساب کس قدر لمبا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کا زہد:

امام احمد بن حنبل نے مکہ میں تانبے کا ایک برتن' ایک سبزی فروش کے پاس گروی رکھا۔ جب انہوں نے اسے چھڑانا چاہا' تو سبزی فروش دو برتن نکال لایا اور کہا: جونسا چاہو لے لو' تو امام احمد فرماتے ہیں؛ میں اپنا برتن پہچان نہ سکا۔ لہٰذا کہا کہ یہ برتن بھی تیرا ہے' اور یہ درہم بھی تیرے ہیں۔ اس پر سبزی فروش نے کہا: آپ کا برتن یہ ہے۔ میں تو صرف آپ کو آزمانا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا: اب میں اسے نہ لوں گا اور برتن اس کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔

ابن مبارک کا تقویٰ:

حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن مبارک نے ایک قیمتی جانور کھلا چھوڑ دیا اور خود ظہر کی نماز پڑھنے لگ گئے' تو جانور شاہی کھیتوں میں چرتا رہا۔ اس پر ابن مبارک نے اس جانور کو اس شخص کے پاس چھوڑ دیا' جس کے قبضے میں وہ کھیت تھے اور پھر اس پر سوار ہونا پسند نہ کیا۔

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ''مرو'' سے شام' صرف اس غرض سے آئے کہ ان کے پاس ایک عاریت لیا ہوا قلم تھا' جس کو انہوں نے واپس نہ لیا تھا۔

نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سواری کا جانور کرایہ پر لیا۔ راستہ میں ان کا کوڑا ہاتھ سے گر پڑا۔ آپ نے اتر کر سواری کو باندھا اور واپس آ کر کوڑا اٹھایا۔ تو کسی نے عرض کی: کاش! آپ اس جانور کو واپس لے آتے اور جہاں کوڑا گرا ہے۔ وہاں سے اٹھا لیتے۔ فرمایا: میں نے جانور اس شرط پر کرایہ پر لیا تھا کہ اس طرف جاؤں گا' نہ کہ اس طرف۔

ابو بکر دقاق فرماتے ہیں کہ میں پندرہ دن تک بنی اسرائیل کے بیابان میں حیران و پریشان پھرتا رہا۔ پھر جب راستے پر آیا' تو مجھے ایک فوجی ملا۔ جس نے مجھے پانی پلایا اور جس کی وجہ سے میرا دل تیس سال تک قلبی قساوت میں مبتلا رہا۔

کہتے ہیں کہ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی قمیض کا ایک چاک شاہی مشعل کی روشنی میں سی لیا' تو ان کے دل کا سکون چلا گیا' تو جب انہیں یہ بات یاد آئی' تو قمیض کو دوبارہ پھاڑ دیا' جس پر ان کے دل کا سکون واپس پلٹا۔

کسی نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ اُن کے دو پر لگے ہوئے ہیں اور جنت میں ایک درخت سے اڑ کر دوسرے درخت پر جاتے ہیں' تو اس شخص نے پوچھا: آپ کو یہ مرتبہ کیسے ملا؟ فرمایا: پرہیز گاری کی وجہ سے۔

ورع آسان ہے:

حسان بن ابی سنان' حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور پوچھا: تمہیں کون سی چیز سخت مشکل معلوم ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: ورع ومشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا' فرمانے لگے: میرے لئے تو یہ بہت احسان ہے۔ پوچھا کیسے؟ فرمایا: چالیس سال ہونے کو آئے' میں نے تمہاری نہر کا پانی نہیں پیا۔

حسان بن ابی سنان کی عادت تھی کہ یہ نہ تو چت لیٹا کرتے تھے، اور نہ مرغن کھانا کھاتے، اور نہ ٹھنڈا پانی پیتے۔ اسی طرح ساٹھ سال گزار دیئے۔ موت کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ فرمایا: اچھا برتاؤ کیا۔ مگر میں نے ایک سوئی عاریتاً لی تھی اور میں نے اسے واپس نہیں کیا، جس کی وجہ سے مجھے جنت میں جانے سے روکا گیا ہے۔

عبدالواحد بن زید کا ایک غلام تھا۔ جس نے برسوں ان کی خدمت کی اور چالیس سال تک عبادت کرتا رہا۔ یہ لڑکا ابتداء میں وزن کرنے کا کام کرتا تھا۔ مرنے کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا' تو پوچھا: اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا: اچھا برتاؤ کیا۔ مگر میں جنت میں جانے سے روک دیا گیا ہوں۔ میرے ذمے پیمانے کے غبار کے چالیس پیمانہ بھر وزن نکالا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام' ایک قبرستان سے گذرے، آپ نے ایک مردہ شخص کو آواز دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں مزدور تھا اور لوگوں کا بوجھ اٹھا کر لے جاتا تھا۔ ایک دن ایک شخص کی ایک لکڑیاں اٹھا کر لے گیا۔ جس سے میں نے ایک خلال توڑ کر اس سے دانتوں کا خلال کیا تھا۔ جب سے مرا ہوں' مجھ سے اس کا مطالبہ ہو رہا ہے۔

ایک بار ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ خراز نے ورع کے متعلق گفتگو کی' تو اتفاقاً عباس بن المہدی کا ادھر سے گذر ہوا۔ کہا:

اے ابوسعید! تجھے شرم نہیں آتی؟ تو ابوالدوانیق کی چھت کے نیچے بیٹھتا ہے اور زبیدہ کے حوض سے پانی پیتا ہے اور کھوٹے درہموں سے لین دین کرتا ہے اور پھر بھی ورع پر گفتگو کرتا ہے۔

❀❀❀

باب

زہد

ابوخلاد سے، جو صحابی ہیں۔ روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

((اذا رایتم الرجل قد اوتی زھدا فی الدنیا ومنطقا فاقتربوا منه ،فانه یلقن الحکمة))

(اخرجه ابن ماجه: ۴۱۰۱)

جب تم کسی انسان کو دیکھو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا سے اعراض کرنے کی توفیق دی ہے، اور ایسی گفتار عطاء کی ہے کہ وہ لوگوں کو دنیا سے اعراض کرنے کی نصیحت کرتا ہے، تو تمہیں چاہئے کہ اس کا قرب حاصل کرو، کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کی تلقین ہوتی ہے۔

زہد کیا ہے؟

استاد امام ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کے بارے میں لوگوں میں بہت اختلاف ہے۔

چنانچہ بعض کہتے ہیں: زہد صرف، حرام چیزوں سے بچنے کا نام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حلال چیزوں کی اجازت دے رکھی ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی بندے کو حلال مال عطاء کرتا ہے اور بندہ اس مال پر اللہ کا شکر اداء کرتے ہوئے، اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو اس میں اپنے اختیار سے حلال مال کو ترک کرنا اور اسے خرچ نہ کرنا، دونوں یکساں ہیں۔ کسی ایک صورت کو دوسری صورت پر فضیلت نہ ہوگی۔

بعض کہتے ہیں کہ حرام چیزوں کے متعلق زہد واجب ہے اور حلال صورتوں میں زہد افضل ہے۔ کیونکہ بندے کو مال کم دینا، پھر اس کا اپنے حال پر صابر ہونا اور جو کچھ اللہ نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے، اس پر راضی ہونا، نیز اللہ کے دیئے پر قانع ہونا، بدر جہا بہتر ہے، اس حالت سے، جس میں بندے کو اللہ تعالیٰ دنیا کی وسعتیں عطاء کردے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دنیا سے اعراض کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ﴾ (النساء:۷۷)

اے محمد ﷺ! آپ انہیں کہہ دیں کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت' تو ان لوگوں کے لئے ہے' جو پرہیزگار ہوں۔

اس طرح دوسری آیتیں ہیں، جن میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے اور اس سے اعراض کا حکم دیا گیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ جب بندہ اطاعت گذاری میں اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ نیز معلوم ہے کہ وہ اپنی حالت پر صابر ہے اور تنگدستی میں ان چیزوں کے درپے نہیں ہوتا' جن سے شرع نے منع کیا ہے' تو ایسی حالت میں مال حلال کے متعلق اس کا زہد زیادہ کامل ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ بندہ کو چاہئے کہ حلال کو چھوڑنے میں تکلف سے کام نہ لے اور نہ ہی ایسا کرے کہ جن چیزوں کی اسے حاجت نہیں' ان میں سے بیکار چیزوں کی تلاش کرے' اسے اپنی قسمت نگاہ میں رکھنی چاہیے اور اگر اللہ اسے حلال مال عطاء کرے' تو وہ اللہ کا شکر اداء کرے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے صرف اتنا دے' جتنا کہ اسے کفایت کر جائے، تب بھی وہ بیکار مال کی تلاش کا ذکر نہ کرے' فقیر کے لئے صبر اچھا ہے اور حلال مال والے کے لئے شکر زیادہ مناسب ہے۔

زہد کے معنی:

بزرگوں نے زہد کے معنی پر بحث کی ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے وقت کے مطابق بات کی ہے اور زہد کی تعریف کی ہے۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ دنیا سے اعراض کرنا' یہ نہیں ہے کہ تو غیر لطف چیز کھائے اور عباء پہنے' بلکہ زہد یہ ہے کہ تو اپنی امیدوں کو چھوٹا اور کم کر دے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ نے' سری سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں سے دنیا کو سلب کر رکھا ہے اور اصفیاء سے اسے محفوظ رکھا ہے اور اپنے دوستوں کے دلوں سے دنیا کو نکال دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا دینے میں راضی نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ زہد' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے کہ

﴿ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ ﴾ (الحدید: ۲۳)

تاکہ تم اس چیز پر افسوس نہ کرو، جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اور نہ اس چیز پر خوش ہو، جو اللہ تمہیں دے۔

لہٰذا زاہد' دنیا کے ملنے پر خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی دنیا کی اس چیز پر افسوس کرتا ہے، جو اسے نہ ملی ہو۔

ابو عثمان فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو چھوڑ دے اور اس کی پرواہ نہ کرے کہ اسے کون لیتا ہے۔

استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ دقاق فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو جوں کا توں چھوڑ دے۔ یہ مت کہہ کہ ایک سرائے بناؤں گا' یا مسجد تعمیر کروں گا۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ زہد زاہد کے اندر یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت کی اشیاء کی سخاوت کرتا ہے اور محبت سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ محب اپنی جان کی سخاوت کرتا ہے۔

ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کی طرف دیکھے' تو اس طرح دیکھے کہ یہ ایک زوال پذیر چیز ہے۔ تاکہ دنیا' تمہاری نگاہ میں حقیر معلوم ہو اور تمہارے لئے اس سے اعراض کرنا آسان ہو جائے۔

ابن خفیف کہتے ہیں کہ زہد کی نشانی یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی چیزوں کو ہاتھ سے نکال کر' انسان راحت محسوس کرے۔

نیز فرماتے ہیں کہ دل کا اسباب کی طرف خیال نہ کرنا اور اپنی ملکیت کی چیزوں سے ہاتھ جھاڑنے کا نام' زہد ہے۔

کسی نے یوں بھی کہا ہے کہ نفس کا دنیا سے بغیر تکلف کے اعراض کرنے کا نام زہد ہے۔

نصر آبادی فرماتے ہیں کہ دنیا میں زاہد' شاذ و نادر ہوتے ہیں اور عارف آخرت میں نادر ہوں گے۔

یوں بھی کہا گیا ہے کہ جو اپنے زہد میں سچا ہوگا' دنیا خود بخود اس کی طرف کھنچی آئے گی۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر آسمان سے ٹوپی گرتی ہے' تو صرف اس شخص کے سر پر گرے گی، جو اسے نہ چاہے گا۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں سے تمہارا ہاتھ خالی ہے، ان سے دل کے خالی ہونے کا نام زہد ہے۔

ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ دارانی فرماتے ہیں کہ صوف (پشمینہ) پہننا' زہد کی ایک علامت ہے' تو زاہد کے لئے مناسب نہیں کہ تین درہموں کا تو صوف پہنے اور دل میں پانچ درہموں کی خواہش رکھے۔

زہد کی حقیقت کے متعلق سلف میں اختلاف ہے:

سفیان ثوری' احمد بن حنبل' عیسیٰ بن یونس اور دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ امیدوں کو کم کرنا زہد ہے۔

ان کے قول کو اس بات پر محمول کیا جاتا ہے کہ یہ زہد کی علامات میں سے ہے اور یہ صفت زہد پر اکساتی ہے اور زہد کی موجب ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ فقر کی محبت کے ساتھ' اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام زہد ہے۔

یہی قول شفیق رحمۃ اللہ علیہ بلخی اور یوسف بن اسباط کا ہے۔

اللہ پر بھروسہ کرنا بھی' زہد کی علامات سے ہے، یعنی یہ زہد کی تعریف نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کے بغیر زہد کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔

عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ بن زید فرماتے ہیں کہ درہم و دینار ترک کر دینے کا نام زہد ہے۔

ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ دارانی فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز کو ترک کر دینے کا نام زہد ہے، جو اللہ کی طرف مشغولیت سے

رو کے۔ رویم نے جنید رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: دنیا کو حقیر جاننے اور اس کے آثار کو دل سے محو کر دینے کا نام زہد ہے۔

سری فرماتے ہیں کہ جو اپنے نفس کی اصلاح چھوڑ کر اور چیزوں کی طرف توجہ دے' تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں کہلا سکتی۔ اسی طرح اگر عارف اپنے رب کے ساتھ مشغولیت کو چھوڑ کر' اپنے نفس کی طرف مشغول ہو جائے' تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کی نسبت پوچھا گیا' تو فرمایا: اپنی مملوکہ چیز سے ہاتھ کے خالی ہونے اور پھر دل کا اس کی طرف نہ لگنے کا نام زہد ہے۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا کہ اللہ کے سوا جو چیز بھی ہے' اس سے اعراض کرنے کا نام زہد ہے۔

زہد کے لیے تین خصلتیں ضروری ہیں:

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی میں تین خصلتیں نہ پائی جائیں، اس وقت تک وہ زہد کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا:

(۱) عمل کرے تو اس کے دل میں اللہ کی خوشنودی کے سوا کوئی اور خواہش نہ ہو۔

(۲) بات کہے تو بغیر کسی لالچ کے۔

(۳) اور بغیر ریاست کے اپنے آپ کو ذی عزت بنائے رکھے۔

ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد تو صرف حلال چیزوں سے متعلق ہے اور چونکہ دنیا میں کوئی حلال چیز نہیں۔ لہٰذا زہد بھی نہیں۔

ابو عثمان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زاہد کو اس کی خواہش سے زیادہ عطاء کرتا ہے اور دنیا کی رغبت کرنے والے کو اس کی خواہش سے کم دیتا ہے اور قانع شخص کو اسی قدر عطاء کرتا ہے' جتنا وہ چاہتا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زاہد تجھے سرکہ اور رائی کی نسوار دیتا ہے اور عارف تجھے مشک و عنبر سونگھنے کو دیتا ہے۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ بصری فرماتے ہیں کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بغض کا نام زہد ہے۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا' دنیا سے اعراض کس کو کہتے ہیں؟ تو فرمایا: دنیا کی چیزوں کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دینے کا نام زہد ہے۔

ایک آدمی نے ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں کب زاہد بن سکتا ہوں؟ فرمایا: جب تو نفس کی لذتوں سے منہ موڑ لے۔

محمد بن الفضل فرماتے ہیں کہ زاہدوں کا ایثار اس وقت ہوتا ہے، جب وہ مستغنی ہوں اور جوانمردی کا ایثار اس وقت ہوتا ہے، جب حاجتمند ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر: ۹)

خواہ خود تنگدست کیوں نہ ہوں، وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

پسندیدہ اشیاء:

کتانی فرماتے ہیں کہ ایسی چیزیں، جن میں کسی کو اختلاف نہیں، خواہ وہ کوفی ہوں، خواہ شامی، خواہ عراقی، وہ یہ ہیں:

(۱) دنیا سے اعراض۔

(۲) اپنی جان کی سخاوت اور

(۳) مخلوق کے لئے خیر خواہی کرنا۔

ان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ان چیزوں کو ناپسندیدہ نہیں کہتا۔

کسی شخص نے یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں توکل کی دکان میں داخل کب ہو سکتا ہوں؟ زہد کی چادر کب پہن سکتا ہوں اور زاہدوں کے ساتھ کب بیٹھ سکتا ہوں؟ فرمایا:

جب پوشیدہ طور پر تمہاری ریاضت اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ تین دن تک بھی تمہیں روزی نہ دے تو تمہارا نفس کمزوری محسوس نہ کرے۔ اگر تم اس درجہ تک نہیں پہنچے ہو، تو زاہدوں کی چادر پر تمہارا بیٹھنا جہالت ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ تم کہیں صوفیاء میں رسوا نہ ہو جائے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد ایک فرشتہ ہے، جو صرف ان لوگوں کے دلوں میں سکونت اختیار کرتا ہے، جن کے دل دنیا سے خالی ہیں۔

ابوبکر الرازی نے، محمد بن الاشعث الیکندی سے روایت کی کہ جو شخص زہد کی گفتگو کرتا ہے اور لوگوں کو وعظ سناتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کے مال کی رغبت رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے آخرت کی محبت اٹھا لیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہ دنیا سے اعراض کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے، جو اس کے دل میں حکمت کا پودا لگاتا ہے۔

ایک صوفی سے کہا گیا کہ تو دنیا سے کیوں روگردان ہے؟ تو جواب دیا: کیونکہ وہ مجھ سے روگردان ہے۔

زہد تین قسم کا ہے:

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ زہد تین طرح کا ہے:

(۱) ترک حرام، یہ عوام کا زہد ہے۔

(۲) حلال چیزوں میں سے فضول چیزوں کا ترک کرنا، یہ خاص لوگوں کا زہد ہے۔

(۳) ان تمام چیزوں کا ترک کر دینا، جو بندے کو اللہ کی طرف سے چھڑا کر اپنی طرف مشغول رکھتی ہیں، یہ عارفین کا زہد ہے۔

ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ آپ دنیا سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ فرمایا: جب میں نے دنیا کی بیشتر چیزوں سے اعراض کیا، تو میں نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ باقی چیزوں کی طرف رغبت کروں۔

یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بن معاذ فرماتے ہیں کہ دنیا ایک دلہن کی مانند ہے اور اس کے طالب، دنیا کا بناؤ سنگھار کرنے والے ہیں اور جو لوگ دنیا سے اعراض کرتے ہیں، وہ اس کا منہ کالا کرتے ہیں، اس کے بال نوچتے ہیں اور اس کے کپڑے پھاڑتے ہیں۔ مگر جو لوگ عارف ہیں، وہ اللہ کی طرف لگے ہوتے ہیں، وہ دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ، سری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زہد کے بارے میں ہر چیز کی مشق کی اور میری مراد مجھے حاصل ہوگئی۔ البتہ لوگوں کی ملاقات کی خواہش سے اعراض کرنے کی حالت حاصل نہیں ہوئی اور نہ اس کی طاقت حاصل ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ زاہد لوگ، ادنیٰ چیز سے اعلیٰ چیز کی طرف جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ خالی نعمتوں کو باقی رہنے والی نعمتوں کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں۔

نصرآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد میں، زاہدوں کے خون کی حفاظت ہوتی ہے اور عارفوں کا خون بہایا جاتا ہے۔

حاتم اصم فرماتے ہیں کہ زاہد اپنے نفس سے پہلے اپنی تھیلی کو پگھلاتا ہے، تکلف سے زاہد بننے والا اپنی تھیلی سے پہلے اپنے نفس کو پگھلاتا ہے۔

محمد بن جعفر نے فضیل بن عیاض سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے شر کو ایک گھر میں رکھ دیا اور دنیا کی صحبت کو اس کی کنجی بنایا اور ساری بھلائی کو ایک گھر میں رکھ دیا اور زہد کو اس کی چابی بنالیا۔

باب

خاموشی

خاموشی میں نجات ہے:

ابوسلمہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ، ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت ﴾ (اخرجہ البخاری:۶۰۱۸، مسلم:۴۷، احمد:۷۵۷۱)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ دے۔ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے' اس کو چاہئے کہ اگر کچھ کہے' تو نیک بات ہے کہے' ورنہ خاموش رہے۔

ابوامامہ سے' عقبہ بن عامر نے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ نجات کیا ہے؟ حضور نے فرمایا:

اپنی زبان کی حفاظت رکھو' تمہیں گھر کی وسعت تمہارے لئے کافی ہونی چاہئے اور اپنی خطا پر روؤ۔

(اخرجہ الترمذی:۲۴۰۶، احمد:۲۱۷۳۲)

استاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خاموشی سلامتی ہے۔ چونکہ جب خاموش نہ رہنے پر' شریعت نے جبر کیا ہے، اس وقت خاموشی ندامت کا سبب ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خاموش رہنے میں احکام شریعت اور امر و نہی کا لحاظ رکھا جائے۔ اپنے وقت پر خاموش رہنا مردانِ (خدا) کی صفت ہے۔ جس طرح اپنے محل پر بولنا بہت شریف خصلت ہے۔

ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حق بات کہنے سے خاموش رہا، وہ گونگا شیطان ہے اور خاموشی بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کے آداب میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (الاعراف:۲۰۴)

جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو' تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جنوں کے حاضر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا ﴾ (الاحقاف:۲۹)

جب حاضر ہوئے، تو ایک دوسرے سے خاموش رہنے کو کہا۔

نیز فرمایا:

﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴾ (طه : ۱۰۸)

اللہ تعالیٰ کے سامنے (ادب کی وجہ سے) آوازیں پست ہوگئیں۔ اب سوائے دھیمی آواز کے سوا کچھ نہ سنو گے۔

وہ بندہ، جو جھوٹ اور غیبت سے بچنے کی خاطر خاموش رہتا ہے، اس کے اور اس شخص کے درمیان جو دبدبے والے بادشاہ، یعنی اللہ کی ہیبت سے خاموش رہتا ہے، کس قدر فرق ہے؟ اسی سلسلے میں یہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

افکر ما اقول اذا افترقنا واحکم دائبا حجج المقال

فأنساها اذا نحن التقینا فانطق حین انطق بالمحال

جب ہم جدا ہو جاتے ہیں، تو جو کچھ مجھے کہنا ہے، اس کو سوچتا ہوں اور بڑی کوشش سے گفتگو کے دلائل کو مضبوط بناتا ہوں۔ مگر جب درحقیقت ملاقات ہوتی ہے، تو میں ان تمام دلائل کو بھول جاتا ہوں اور جو کچھ بولتا ہوں، وہ سب اوٹ پٹانگ ہوتا ہے۔

نیز:

فیالیل کم من حاجة لی مهمة اذا جئتکم لم ادر یالیل ماهیا

میری بہت سی اہم حاجتیں ہوتی ہیں، مگر اے لیلیٰ جب تمہارے پاس آتا ہوں، تو سب کچھ بول جاتا ہوں اور مجھے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ حاجتیں کیا تھیں۔

نیز:

وکم حدیث لك حتی اذا مکنت من لقیاك انسیته

اے محبوب! تمہیں کہنے کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ مگر جب تمہاری ملاقات میسر ہوتی ہے، تو سب کچھ بھول جاتا ہوں۔

نیز:

رایت الکلام یزین الفتٰی والصمت خیر لمن قد صمت

وکم من حروف تجر الحتوف ومن ناطق ودّ ان لو سکت

''میں دیکھتا ہوں کہ جوانمرد کو یہ بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ وہ بات کہے' مگر خاموش رہنے والے کے لئے خاموشی اچھی ہے۔ بہت سی باتیں موت کا سبب بنتی ہیں اور بہت سے بولنے والے (بولنے کے بعد) یہ چاہتے ہیں کہ کاش وہ خاموش رہتے۔''

خاموشی کی اقسام:

خاموشی کی دو قسمیں ہیں:

ظاہری خاموشی' اور دل وضمیر کی خاموشی۔

چنانچہ ایک متوکل انسان' رزق کا تقاضا کرنے سے خاموش رہتا ہے' مگر عارف کا دل اللہ تعالیٰ کے احکام کی موافقت کی خاطر خاموش ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلا (یعنی متوکل) اللہ تعالیٰ کی عنایات پر کلی اعتماد رکھتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر قناعت کرتا ہے۔ شاعر نے اسی معنی کو اداء کرتے ہوئے کہا ہے:

تجری علیك صروفه وهموم سرك مطرقه

محبوب کی گردشیں تم پر چلتی رہتی ہیں۔ مگر (اس کے باوجود) تمہارے اسرار کے غم سر جھکائے پڑے رہتے ہیں۔

بعض اوقات فی البدیہہ کہنے کی حیرانی' خاموشی کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ جب کشف اچانک حاصل ہو' تو تمام عبارتیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اس وقت نہ کوئی بیان ہوتا ہے اور نہ گویائی اور تمام شواہد ماند پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا نہ کسی قسم کا علم ہوتا ہے اور نہ حس۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ﴾ (المائدہ:۱۰۹)

جس دن تمام رسولوں کو اکٹھا کریں گے اور پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیا' تو وہ جواب دیں گے: ہمیں کچھ پتہ نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ ارباب مجاہدہ نے خاموشی کو کیوں اختیار کیا ہوا ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ کلام کرنے سے کیا کیا آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مزید برآں کلام میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے اور نفس چاہتا ہے کہ مدح کی صفات کا اظہار کرے اور یہ کہ وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور یہ ان امور

میں سے ایک ہے، جن کا شمار مخلوق کی آفتوں میں ہوتا ہے۔

خاموشی، ریاضت کرنے والے صوفیاء کی صفت ہے اور مقام منازلت اور تہذیب اخلاق کے ارکان میں سے ہے۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں:

کہا جاتا ہے کہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے جب اپنے گھر کے اندر خلوت گزیں ہونے کا ارادہ کیا، تو پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہونے کا عزم کیا۔ چنانچہ وہاں جا کر اپنے ساتھی علماء میں بیٹھے رہتے۔ مگر کسی مسئلہ میں گفتگو نہ کرتے۔ جب ایک سال تک اس عادت کو پختہ کر لینے پر کامیاب ہو گئے، تب جا کر اپنے گھر میں خلوت گزیں ہو گئے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کوئی مضمون لکھتے اور اس کے الفاظ انہیں اچھے معلوم ہوتے، تو وہ اپنی نوشت کو پھاڑ ڈالتے اور از سر نو عبارت لکھتے۔

احمد بن الفتح نے، بشر بن الحارث سے روایت کی کہ جب تمہیں اپنا کلام پسند آئے، تو خاموش رہو اور جب خاموشی پسند آئے، تو کلام کرو۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ انسان کا خاموش رہنا، اس وقت درست ہو سکتا ہے، جب خلوت میں رہنے کو اپنے لئے لازم قرار دے اور توبہ بھی اسی وقت درست ہو سکتی ہے کہ جب اپنے لئے خاموش رہنے کو لازم قرار دے۔

ابوبکر فارسی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے خاموشی کو اپنا وطن نہ بنایا، وہ خاموش ہی کیوں نہ رہے، بیکار کام کر رہا ہے۔

خاموشی، صرف زبان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دل اور تمام جوارح کے لئے بھی خاموش رہنا ضروری ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے: جس شخص نے خاموشی کو غنیمت نہ جانا، وہ جب بولے گا، تو بے ہودہ باتیں کرے گا۔

خاموشی سے حکمت کا وارث بن جاتا ہے:

محمد بن عبداللہ بن شاذان نے ممشاد الدینوری سے روایت کی کہ حکماء خاموشی اور تفکر ہی سے حکمت کے وارث بنے ہیں۔

کسی نے ابوبکر فارسی سے راز کی خاموشی کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا: راز کی خاموشی یہ ہے کہ تو ماضی اور مستقبل میں مشغول رہنا چھوڑ دے۔

ابوبکر فارسی فرماتے ہیں کہ جب انسان ضروری بات یا ایسی بات کہہ رہا ہو، جس کے کہنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تو، وہ خاموش ہی خیال کیا جائے گا۔

حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لوگوں سے کم اور اللہ سے زیادہ باتیں کرو۔ شاید کہ تمہارا دل اللہ کو دیکھ لے۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ وہ کون سا شخص ہے جو سب سے زیادہ اپنے نفس کی حفاظت کرتا ہے؟ فرمایا: وہ شخص جو اپنی زبان پر سب سے زیادہ قابو رکھتا ہے۔

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ زبان سے بڑھ کر کوئی چیز دیر تک قید میں رکھنے کی حقدار نہیں۔

علی بن بکار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے دروازے بنائے ہیں، مگر زبان کے چار دروازے بنائے ہیں۔ چنانچہ دونوں ہونٹ دو چوکھٹ ہیں اور دانت دو چوکھٹ ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق' کئی کئی سال اپنے منہ میں پتھر ڈالے رہتے تھے۔ تاکہ وہ کم کلام کر سکیں۔

کہتے ہیں کہ ابو حمزہ بغدادی بہت عمدہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہیں غیب سے آواز آئی: تم بولے اور اچھا بولے۔ اب یہ باقی رہ گیا کہ خاموش رہو اور وہ بھی اچھی خاموشی ہو، اس کے بعد مرتے دم تک انہوں نے بات نہیں کی۔

اسی حالت میں تقریباً ایک ہفتہ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

بعض اوقات متکلم کو سزا کے طور پر چپ رہنے کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے کسی بات میں بے ادبی کی ہوتی ہے۔

شبلی جب اپنے حلقہ میں بیٹھتے اور شاگرد سوال نہ کرتے' تو یہ آیت پڑھتے

﴿ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ﴾

ان کے ظلم کی وجہ سے ہمارا حکم ان پر واجب ہو گیا۔ (یہی وجہ ہے) کہ وہ اب بول نہیں سکتے۔

بعض اوقات متکلم کے لئے خاموش رہنا' اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ مجلس میں ایسا شخص موجود ہے، جو بولنے کا اس سے زیادہ حق دار ہے۔

...تو خاموش ہو گئے:

ابن سماک فرماتے ہیں کہ شاہ کرمانی اور یحییٰ بن معاذ کے درمیان دوستی تھی۔ اتفاق سے ایک ہی شہر میں دونوں آ موجود ہوئے' مگر شاہ کرمانی ان کی مجلس میں حاضر نہ ہوتے تھے، کسی نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا' تو فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔ تا آنکہ وہ ایک دن ان کی مجلس میں جا پہنچے اور ایک طرف ہو کر اس طرح بیٹھ گئے کہ یحییٰ بن معاذ کو ان کا علم نہ ہوا۔ مگر جب یحییٰ کلام کرنے لگے' تو خاموش ہو گئے اور فرمایا: یہاں کوئی ایسا آدمی موجود ہے' جو مجھ سے زیادہ کلام کرنے کا حق دار ہے اور وہ بول نہ سکے۔

اس پر شاہ کرمانی نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ درست یہی ہے کہ مین ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔

بعض اوقات متکلم پر سکوت' اس لئے طاری ہو جاتا ہے کہ حاضرین میں سے کسی میں خرابی ہوتی ہے۔ یعنی ان میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں، جو اس کلام کو سننے کے اہل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس خیال سے کہ مبادا اس کلام کو کوئی نا اہل سن لے، متکلم کی زبان کو محفوظ رکھتا ہے۔

بعض اوقات متکلم کے خاموش رہنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حاضرین میں ایسے اشخاص موجود ہوتے ہیں، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کی حالت ایسی ہے کہ اگر وہ اس شخص کا کلام سن لے گا' تو وہ اس کے لئے فتنہ کا سبب ہو گا' کیونکہ وہ یہ سمجھے گا کہ یہ اس کا وقت ہے۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں' یا یہ کہ وہ اپنے ذمہ ایسی بات لگا دے گا' جس کی برداشت کی اس میں طاقت نہیں۔ لہٰذا اللہ اس پر رحم فرماتے ہوئے اس کے کانوں کو اس کلام کو سننے سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح اس کو محفوظ کر لیتا ہے' یا غلطی سے بچا لیتا ہے۔

بعض اہل طریقت' مشائخ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات خاموشی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مجلس میں ایسے جن ہوتے ہیں، جو کلام کو سننے کے اہل نہیں ہوتے۔ کیونکہ صوفیاء کی مجالس میں جنات بھی حاضر ہوتے ہیں۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ ایک بار ''مرو'' میں' میں بیمار پڑ گیا۔ میری خواہش ہوئی کہ نیشا پور لوٹ جاؤں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہہ رہا ہے' تو اس شہر سے نہیں نکل سکتا، کیوں کہ کچھ جنوں کو تمہارا کلام پسند آ گیا ہے۔ وہ تمہاری مجلس میں آئے تھے، ان کی خاطر آپ کو یہاں ٹھہرنا ہو گا۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان کو ایک زبان' دو کان اور دو آنکھیں اس لئے دی گئیں ہیں کہ وہ کلام کرنے کے مقابلہ میں زیادہ سنے اور زیادہ دیکھے۔

غیبت ....:

ابراہیم بن ادہم' ایک دعوت میں مدعو تھے۔ جب آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھے' تو انہوں نے غیبت کرنی شروع کر دی۔ ابراہیم نے کہا: ہمارے ہاں تو روٹی گوشت سے پہلے کھائی جاتی ہے اور تم نے شروع ہی گوشت کھانے سے کیا ہے۔ آپ کا اشارہ اللہ کے اس فرمان کی طرف تھا:

﴿ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ ﴾ (الحجرات:۱۲)

''کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، اگر تمہیں دیا جائے' تو تم اسے ناپسند کرو گے۔

کسی کا قول ہے کہ خاموشی، علم کی زبان ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے: جس طرح تو کلام کرنا سیکھتا ہے، اسی طرح خاموش رہنا بھی سیکھ، کیونکہ اگر کلام تجھے راستہ بتاتا ہے، تو خاموشی تجھے بچاتی ہے۔

کہا گیا ہے: خاموشی زبان کی پارسائی ہے۔

یوں بھی کہا گیا ہے کہ زبان ایک درندہ ہے، اگر تو اسے جکڑ کر نہیں رکھے گا، تو یہ تجھ پر حملہ کر دے گا۔

خاموشی افضل ہے، یا کلام؟

کسی نے ابوحفص سے دریافت کیا: ولی کے لئے خاموشی افضل ہے، یا کلام کرنا؟ فرمایا:

اگر بولنے والے کو معلوم ہو جائے کہ کلام کرنے میں کیا آفت ہے، تو نوح کی عمر جتنی عمر بھی خاموش رہے اور اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ خاموش رہنے میں کیا آفت ہے، تو وہ اللہ سے نوح جتنی دو عمریں مانگے گا کہ وہ بول سکے۔

مروی ہے کہ عوام کی خاموشی، زبان سے ہوتی ہے اور عارفین کی خاموشی، دل سے، محبین کی خاموشی ان کے باطن کے خیالات سے۔

کسی نے کسی صوفی سے کلام کرنے کو کہا، تو فرمایا: میری زبان ہی نہیں ہے کہ بولوں۔ پھر اسے کہا گیا کہ سنئے، تو کہا: مجھ میں سننے کی جگہ ہی نہیں کہ سن سکوں۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ تیس سال، میری یہی حالت رہی کہ میری زبان جو کچھ سنتی، دل کی طرف سے سنتی، اس کے بعد تیس سال ایسے گذرے کہ دل جو کچھ سنتا، زبان کی طرف سے سنتا۔

کسی کا قول ہے، خواہ تو اپنی زبان کو بھی بند کیوں نہ کر دے، تو اپنے دل کے کلام سے چھٹکارا نہیں پا سکتا اور تیری ہڈیاں بوسیدہ کیوں نہ ہو جائیں، پھر بھی تو نفس کی گفتگو سے خلاصی نہیں پا سکتا اور تو کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے، تمہاری روح تم سے ہم کلام نہیں ہو گی، اس لئے کہ وہ تو اسرار کو چھپانے والی ہے۔

مروی ہے کہ جاہل کی زبان اس کی ہلاکت کی جگہ ہوتی ہے۔

مروی ہے کہ عاشق خاموش ہو جائے، تو مر جاتا ہے اور عارف اگر خاموش رہے، تو اپنے اوپر قابو پا لیتا ہے۔

مردویہ الصائغ نے، فضیل بن عیاض سے روایت کی کہ جس نے اپنے اعمال میں سے اپنی گفتگو کو شمار کیا، وہ ان چیزوں کے سوا جن کی اسے ضرورت ہے، بہت کم گفتگو کرے گا۔

باب

خوف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ (السجدة: ١٦)

''وہ اپنے رب کو خوف اور لالچ کی وجہ سے پکارتے ہیں''

عیسیٰ بن طلحہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يدخل النار من بكى من خشية الله تعالىٰ حتى يلج اللبن في الفرع ،ولا يجتمع غبار في سبيل الله ودخان جهنم في منخري عبد ابداً))

(اخرجه الترمذي:١٦٣٣،النسائي:٣١٠٧،احمد:١٠١٨٢)

جو شخص اللہ کے خوف سے روئے' وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، یہاں تک کہ تھنوں میں دودھ واپس نہ چلا جائے (اور یہ ناممکن ہے) اور اللہ کی راہ میں غبار (یعنی جہاد کا غبار) اور جہنم کا دھواں (دونوں) ایک بندے کے نتھنوں میں جمع نہیں ہو سکتے۔

قتادہ نے' انس سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلاً ولبكيتم كثيراً))

(اخرجه البخاري:٤٦٢١،مسلم:٢٣٥٩،الترمذي:٢٣١٢،النسائي:١٥٠٠،ابن ماجه:٤١٩٠)

''اگر تمہیں ان امور کا علم ہو جائے، جن کا مجھے علم ہے' تو تم ہنسو کم' اور روؤ زیادہ۔

مصنف فرماتے ہیں کہ خوف ایک ایسی کیفیت ہے' جس کا تعلق آئندہ کے ساتھ ہے۔ خوف اس لئے ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ناپسندیدہ بات واقع نہ ہو جائے' یا کوئی محبوب چیز جاتی نہ رہے اور یہ دونوں باتیں ایسی چیز سے تعلق رکھتی ہیں، جو آئندہ ہونے والی ہے۔ جو چیز موجود ہے، اس کے متعلق خوف نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے اس دنیا میں' یا آخرت میں سزا دے اور اللہ تعالیٰ نے

اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس سے ڈرتے رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران: ۱۷۵)

''اگر تم مومن ہو' تو مجھ سے ڈرتے رہو۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴾ (البقرہ: ۴۰)

''مجھ ہی سے ڈرو۔''

اللہ تعالیٰ نے اس ڈر کی وجہ سے مُومنین کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

﴿ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ﴾ (النحل: ۵۰)

''اللہ تعالیٰ جو ان کے اوپر ہے' اس سے یہ لوگ ڈرتے ہیں۔''

خواف کے مراتب:

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ خوف کے تین مرتبے ہیں:

(۱) خوف۔ (۲) خشیت اور (۳) ہیبت۔

خوف' ایمان کی شرط ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران: ۱۷۵)

''اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو

اور خشیت علم کی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر: ۲۸)

''اللہ کے بندوں میں سے صرف عالم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

اور ہیبت معرفت کی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (آل عمران: ۲۸)

''اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔''

محفوظ نے ابو حفص سے روایت کی کہ خوف اللہ تعالیٰ کا ایسا کوڑا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ اپنے در سے بدکے ہوؤں کو سیدھا کرتا ہے۔

خوف کی اقسام:

ابوالقاسم حکیم فرماتے ہیں کہ خوف کی دو قسمیں ہیں:

رہبت اور خشیت۔

رہبت والا' جب ڈرتا ہے تو فرار کی راہ لیتا ہے اور خشیت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ لیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح جذب اور جبذ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اسی طرح ہرب اور رہب ایک ہی چیز ہیں۔ لہٰذا جو بھاگ گیا ہو' وہ اپنی خواہش کے تقاضوں میں کھو گیا، جیسے وہ رہبانیت والے' جو اپنی خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں۔ اور جب علم کی لگام انہیں قابو میں رکھے اور وہ شریعت کے حقوق اداء کریں' تو یہ خشیت ہے۔

خوف کیا ہے؟

ابوعثمان نے ابوحفص سے روایت کی کہ خوف دل کا چراغ ہے' جس کے ذریعہ سے دل کے خیر و شر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

استاد ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ خوف یہ ہے کہ تو اپنے دل کو عسیٰ اور سوف (امید و انتظار) کے الفاظ سے نہ بہلائے۔

ابوالقاسم الدمشقی نے ابوعمرو دمشقی سے روایت کی کہ ڈرنے والا شخص وہ ہے، جو شیطان سے بھی زیادہ اپنے نفس سے ڈرے۔

ابن جلاء فرماتے ہیں کہ ڈرنے والا وہ ہے، جسے ہر وہ چیز' جس سے دنیا ڈرتی ہے، امن دے۔ (کیونکہ اسے اگر خوف ہے تو خدا کا ہے اور کسی چیز کا نہیں)۔

مروی ہے کہ خائف اسے نہیں کہتے جو رو رہا ہو، اور اپنی آنکھیں پونچھتا اور صاف کرتا ہو۔ خائف تو اسے کہیں گے' جو ہر چیز کو' جس پر اسے عذاب کا ڈر ہے' ترک کر دے۔

کسی نے فضیل سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ ہمیں کوئی خائف انسان نظر نہیں آتا؟ فرمایا کہ اگر تم خود خائف ہوتے' تو تمہیں خائف نظر آ جاتے۔ خائف کو خائف ہی دیکھ سکتا ہے اور جس عورت کا بچہ مر گیا ہو، وہی کسی ایسی عورت کو دیکھنا پسند کرتی ہے، جس کا بچہ مر گیا ہو۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ ابن آدم' بے چارہ اگر دوزخ سے اس طرح ڈرتا رہتا' جس طرح وہ تنگ دستی سے ڈرتا ہے' تو جنت میں چلا جاتا۔

کسی نے ذوالنون مصری سے پوچھا' بندہ کے لئے خوف کی راہ کب آسان ہو جاتی ہے؟ فرمایا: جب وہ اپنے آپ کو

بمنزلہ ایک بیمار کے سمجھے' تو وہ اس ڈر سے کہ کہیں بیماری طول نہ پکڑ جائے' ہر چیز سے پرہیز کرتا ہے۔

معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ مومن کے دل کو اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا اور نہ اس کے خوف کو سکون حاصل ہوتا ہے، جب تک کہ وہ جہنم کے پل کو پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں نکل جائے۔

بشر حافی فرماتے ہیں کہ خوف ایک فرشتہ ہے، جو صرف متقی کے دل میں رہتا ہے۔

ابو عثمان حیری فرماتے ہیں کہ ڈرنے والے کے لئے یہ بات اچھی نہیں کہ وہ اپنے خوف میں خوف ہی سے سکون محسوس کرے۔ اس لئے کہ یہ ایک مخفی امر ہے۔

واسطی فرماتے ہیں کہ خوف اللہ اور بندے کے درمیان ایک حجاب ہے۔

واسطی کے اس قول میں اشکال کا مطلب یہ ہے کہ ڈرنے والے کی نگاہ کسی دوسرے وقت کی طرف ہوتی ہے۔ (اپنے موجودہ وقت کی طرف نہیں ہوتی) اور ابنائے وقت (صوفیاء) کی نگاہ مستقبل پر نہیں پڑتی، اس لئے خوف حجاب ٹھہرا، مگر ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں ہیں۔

ابراہیم بن فاتک نے نوری سے روایت کی کہ ڈرنے والا' اپنے رب سے بھاگ کر اپنے رب کی طرف جاتا ہے۔

ایک صوفی فرماتے ہیں کہ خوف کی علامت اضطراب اور باب الغیب (اللہ کے در پر) ٹھہرنا ہے۔

علی بن ابراہیم العکبری فرماتے ہیں کہ کسی نے جنید سے خوف کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: ہر سانس کے جاری ہونے کے ساتھ سزا کی توقع رکھنا خوف ہے۔

ہاشم بن خالد نے ابو سلیمان دارانی سے روایت کی کہ جس دل سے خوف ہٹ گیا' وہ تباہ ہو گیا۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے ابو عثمان سے روایت کی کہ سچا خوف یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پر گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ جب تک لوگوں کے (دلوں سے) خوف زائل نہیں ہوتا' وہ درست راستہ پر رہتے ہیں۔ جونہی خوف زائل ہوا' بھٹک گئے۔

حاتم اصم فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور خوف عبادت کی زینت ہے۔ خوف کی علامت امید کو کوتاہ کرنا ہے۔

کسی شخص نے بشر حافی سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ موت سے ڈرتے ہیں؟ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا بہت سخت چیز ہے۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ میں امام ابو بکر بن فورک کی عیادت کے لئے گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ رو پڑے۔ میں نے

کہا: اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ آپ کو شفاء عطاء کرے گا۔ فرمایا: آپ خیال کرتے ہیں کہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔ (ہرگز نہیں) میں تو موت کے بعد پیش آنے والے امور سے ڈرتا ہوں۔

عبدالرحمٰن بن سعید بن موھب نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ فرمایا کہ

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا آتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ (المومنون: ٦٠)

وہ لوگ جو عمل بھی کرتے ہیں، مگر پھر بھی ان کے دل خائف رہتے ہیں۔

ان سے کیا مراد ہے؟ آیا یہ وہ لوگ ہیں، جو چوری یا زنا کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ فرمایا: نہیں اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں، جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں۔ مگر انہیں ڈر رہتا ہے کہ کہیں یہ نامقبول نہ ہو جائیں۔ (اخرجه الترمذی: ٣١٧٥، ابن ماجه: ٤١٩٨، احمد: ٢٥١٧٧)

ابن مبارک فرماتے ہیں کہ جو چیز خوف کو اس حد تک بھڑکاتی ہے کہ وہ دل میں جاگزین ہو جائے، تو یہ ظاہر و باطن ہر دو حال میں دائمی نگہبانی ہے۔

ابوبکر رازی نے ابراہیم بن شیبان سے روایت کی کہ جب خوف دل میں جاگزین ہو جاتا ہے، تو دل کی خواہشات کی جگہ کو جلا دیتا ہے اور دل سے دنیا کی رغبت کو نکال دیتا ہے۔

مروی ہے کہ احکام خداوندی کے جاری ہونے کے متعلق قوی علم ہونے کا نام خوف ہے۔

نیز مروی ہے کہ رب کے جلال سے دل کا حرکت کرنا خوف ہے۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ دل کے لئے مناسب یہی ہے کہ خوف کے سوا کوئی اور چیز اس پر غالب نہ ہو۔ کیونکہ جب دل پر رجاء (امید) کا غلبہ ہوگا، تو دل خراب ہو جائے گا۔ اس کے بعد (اپنے ایک شاگرد احمد کی طرف متوجہ ہو کر) کہنے لگے: صوفیاء کو خوف ہی کی بدولت بلند مرتبے ملے ہیں۔ اگر اسے کھو دیتے، تو نیچے اتر آتے۔

واسطی فرماتے ہیں کہ خوف و رجاء نفسوں کے لئے دو لگاموں کا کام دیتے ہیں۔ تاکہ نفوس رعونت و تکبر اختیار نہ کریں۔

نیز آپ فرماتے ہیں: جب حق تعالیٰ (کسی انسان کے) باطن پر غالب ہو جاتا ہے، تو اس کے باطن میں کوئی احساس باقی نہیں رہتا، نہ خوف کا اور نہ رجاء کا۔

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ واسطی کے اس قول میں اشکال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب شواھد حق، اسرار کو فنا کر دیتے ہیں، تو وہ ان کے مالک ہو جاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کے حادثہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا خوف و رجاء کی

گنجائش کہاں ہو؟ خوف و رجاء' احکام بشریت کے احساس کے بقاء کی علامتیں ہیں (پس جب احساس نہ رہا' تو یہ کہاں جگہ پا سکتے ہیں؟)۔

حسین بن منصور فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی اور چیز سے ڈرتا ہے' یا اللہ کے سوا کسی اور سے امید رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر ہر چیز کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور اس پر خوف کو مسلط کر دیتا ہے اور اسے ستر پردوں کے پیچھے چھپا دیتا ہے۔ جن میں آسان ترین پردہ' شک ہے۔

جس چیز سے انہیں سخت خوف لاحق ہوتا ہے، وہ ان کا انجام میں فکر کرنا ہے اور اپنے احوال کے تغیر کا خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَبَدَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَالَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴾ (الزمر:٤٧)

''ان کے لئے اللہ کی طرف سے وہ باتیں ظاہر ہوئیں، جن کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعاً ﴾ (الكهف:١٠٣-١٠٤)

''آپ انہیں فرما دیں: کیا میں تمہیں بتا دوں کہ عمل کے اعتبار سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں' یہ وہ لوگ ہیں، جن کی کوششیں دنیا کی زندگی ہی میں رائیگاں گئیں۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھا کام کرتے ہیں''

کہا جاتا ہے کہ کتنے اچھی حالت والے لوگ' جن کی حالت پر لوگ رشک کرتے تھے، ان کی حالت بالکل بدل گئی اور برے اعمال میں مبتلا ہو گئے۔ ان کا انس وحشت سے اور حضور غیبت سے بدل گیا۔

استاد ابو علی دقاق اکثر یہ شعر پڑھتے:

احسنت ظنك بالايام اذ حسنت ولم تخف سوء ماياتى به القدر

وسالمتك الليالى فاغتررت بها وعند صفو الليالى يحدث الكدر

تو نے زمانے کے متعلق' جبکہ اچھے ایام تھے، نیک گمان رکھا اور تجھے ان برائیوں کا' جن کو تقدیر لاتی ہے، خوف ہی نہ رہا۔ زمانے نے تجھ سے دوستی برتی' تو تو اس پر دھوکا کھا گیا۔ زمانے کی صحبت کے وقت ہی تو کدورت پیدا ہوتی ہے۔

منصور بن خلف مغربی فرماتے ہیں کہ دو شخص کچھ مدت تک ایک ہی شیخ کے مرید بن کر اکٹھے رہے۔ پھر ایک کہیں سفر

پر چلا گیا اور اپنے ساتھی سے جدا ہو گیا اور کچھ مدت تک اس کی طرف سے کوئی خبر نہ سنی۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دوسرا مرید' جہاد کے لئے جنگ کو گیا ہوا تھا اور رومیوں کی فوج کے ساتھ جنگ کر رہا تھا کہ رومیوں کی طرف سے ایک مسلح شخص نے مسلمانوں کو دعوت جنگ دیتے ہوئے للکارا، اور ایک مسلمان بہادر اس کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ رومی نے اسے شہید کر دیا۔ پھر دوسرا نکلا، وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر تیسرا نکلا، اسے بھی شہید کر دیا گیا۔

پھر یہ صوفی نکل کر گیا اور دونوں نے تلواروں سے جنگ کی۔ اس رومی نے اپنا چہرہ کھولا، تو معلوم ہوا کہ یہ وہی شخص تھا' جو اس صوفی کا کئی سال تک پیر بھائی رہ چکا تھا۔ صوفی نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی' تو اس نے بتلایا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر ان لوگوں کے ساتھ مل گیا ہے۔

اس کی اولاد ہے اور اس نے بہت سا مال جمع کر لیا ہے۔ صوفی نے کہا: تو تو کئی قراءتوں کے ساتھ قرآن پڑھا کرتا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ اب مجھے تو اس کا ایک حرف بھی یاد نہیں۔ پھر صوفی نے کہا: ایسا مت کرو اور اسلام کی طرف لوٹ آؤ۔ اس نے انکار کیا اور کہا: میری وہاں بڑی عزت ہے اور مجھے دولت ملی ہوئی ہے۔ لہٰذا اب تو واپس چلا جا۔ ورنہ تمہارے ساتھ بھی وہی کروں گا' جو دوسروں کے ساتھ کیا ہے۔ صوفی نے جواب دیا: یاد رکھ! تو نے تین مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے اور اب تجھے واپس چلے جانے میں کوئی عار نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تو واپس چلا جا اور میں تجھے مہلت دیتا ہوں۔ وہ شخص واپس چلا گیا۔ صوفی نے پیچھا کیا: نیزا مارا اور اسے مار ڈالا۔

یہ شخص بے حساب مجاہدات اور ریاضت کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد عیسائیت پر مرا۔

کہتے ہیں کہ جب ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے راندہ درگاہ بنا دیا' تو جبریل اور میکائیل ایک مدت تک روتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رونے کا سبب دریافت کیا' تو عرض کیا:

اے رب! ہم آپ کے رویے سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے۔ میرے حیلوں سے نڈر ہو جاؤ۔

حکایت کی گئی ہے کہ سری سقطی' دن میں کئی بار اپنی ناک کو دیکھا کرتے تھے کہ کہیں سیاہ تو نہیں ہو گئی۔ اس لئے کہ انہیں عذاب الٰہی کا ڈر رہتا تھا۔

ابو حفص فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے اپنے دل میں یہی اعتقاد لئے ہوئے ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری طرف ناراضگی کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور میرے اعمال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

حاتم اصم فرماتے ہیں کہ تو کسی نیک جگہ پر دھوکا نہ کھا، کیونکہ جنت سے بڑھ کر کوئی جگہ اچھی نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی اس

میں آدم علیہ السلام کے ساتھ جو گذری' سو گذری اور نہ ہی کثرت عبادت پر غرور کر، کیونکہ ابلیس کے ساتھ جو کچھ ہوا' وہ بھی اس قدر طویل عبادت کے بعد ہوا،' اور اپنے زیادہ علم پر غرور نہ کر' کیونکہ بلعام اسم اعظم اچھی طرح جانتا تھا۔ دیکھ لو! اس کے ساتھ کیا ہوا؟ صالحین کے دیدار پر بھی دھوکا نہ کھا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی شان ہو سکتی ہے! مگر آپ کے رشتہ دار اور دشمن آپ کے دیدار سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

ایک روز ابن مبارک' نکل کر اپنے شاگردوں کے پاس آئے اور کہا کہ کل رات میں نے اللہ کے ساتھ گستاخی کی کہ میں نے اس سے جنت مانگی۔

فرماتے ہیں کہ ایک دن عیسیٰ علیہ السلام نکلے۔ ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا ایک نیک آدمی بھی تھا۔ ایک شخص جو مشہور بدکار تھا۔ ان کے پیچھے ہو لیا اور ان سے الگ ہو کر نہایت عاجزی سے بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی دعاء مانگی۔ اس نیک آدمی نے بھی دعاء مانگی اور کہا: خدایا! قیامت کے دن ان گنہگاروں کے ساتھ میرا ساتھ نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میں نے ان دونوں کی دعاء قبول کر لی۔ نیک کو تو میں نے رد کر دیا اور مجرم کو معاف کر دیا۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میں نے علیم سے پوچھا کہ تیرا نام مجنون کیسے پڑا؟ کہا: جب ایک عرصہ تک مجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوا' تو میں اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت میں بھی اس کے دیدار سے محروم رہوں۔ دیوانہ ہو گیا۔

اسی مفہوم کا شعر ہے:

لو ان مابی علی صخر لأنحله فکیف یحمله خلق من الطین؟

''اگر وہ کیفیت' جو میری ہے، پتھر میں ہو تو لاغر ہو جائے، پھر مٹی سے بنی ہوئی مخلوق اسے کیسے برداشت کر سکتی ہے۔''

کسی صوفی کا قول ہے کہ میں نے ابن سیرین سے بڑھ کر اس امت کے لئے زیادہ امید رکھنے والا اور اپنی ذات کے حق میں زیادہ ڈرنے والا نہیں دیکھا۔

مروی ہے کہ سفیان ثوری بیمار پڑے' تو ان کا قارورہ طبیب کو دکھایا گیا۔ طبیب نے کہا کہ خوف نے اس شخص کے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس کے بعد اس نے آ کر اس کی نبض دیکھی' تو کہا: مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایسے آدمی مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔

شبلی سے کسی نے پوچھا کہ غروب کے وقت سورج زرد کیوں پڑ جاتا ہے؟ فرمایا: کیوں کہ اسے مقام کمال سے معزول کیا جاتا ہے۔ اس لئے اپنے مقام کے ڈر سے زرد پڑ جاتا ہے۔

یہی حال مومن کا ہے، جب اس کا دنیا سے نکلنے کا وقت قریب آتا ہے' تو اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسے مقام کا ڈر ہوتا ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے' تو چمکدار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب مومن قبر سے اٹھے گا' تو اس کا چہرہ چمکتا ہوا ہوگا۔

احمد بن حنبل سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے لئے خوف کا دروازہ کھول دے' تو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ پھر بھی مجھے اپنی عقل کے چلے جانے کا ڈر ہوا' تو میں نے کہا: خدایا! اس قدر خوف دے کہ جس کی میں طاقت رکھ سکوں' تو اس پر خوف تھم گیا۔

❀❀❀

باب

رجاء (امید)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ﴾ (العنکبوت: ۵)

جو اللہ کے سامنے پیش ہونے کی امید رکھتا ہے (اسے معلوم ہونا چاہئے کہ) اللہ تعالیٰ کی مدت مقررہ آ کر رہے گی۔

علاء بن زید کہتے ہیں کہ میں مالک بن دینار کے پاس گیا' تو دیکھا کہ ان کے پاس شہر بن حوشب بیٹھے ہوئے ہیں، جب میں ان کے پاس سے آنے لگا' تو میں نے شہر سے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے! مجھے زاد راہ دیجئے (یعنی نصیحت کیجئے)، اللہ آپ کو زاد راہ دے!

تو شہر کہنے لگے: ٹھیک ہے، پھر فرمایا کہ حضرت ابو الدرداء، حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جبرئیل نے مجھ سے کہا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے! تو نے اگر میرے ساتھ شرک نہ کیا اور میری عبادت کی اور مجھ سے پر امید رہا' تو میں تیرے تمام گناہ معاف کر دوں گا، اگرچہ تو میرے پاس زمین بھر گناہ بھی لائے! میں بھی ان جیسی مغفرت کے ساتھ تیرا استقبال کروں گا، اور تجھے بخش دوں گا، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں! (اخرجه البيهقي في شعب الايمان: ۱۰۴۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن اللہ پاک فرمائیں گے: جس کے دل میں بھی جو کے دانے کے برابر ایمان ہے' اسے جہنم سے نکال دو، پھر فرمائیں گے: جس کے دل میں بھی رائی کے دانے کے برابر ایمان ہے' اسے بھی نکال دو، پھر فرمائیں گے: میری عزت وجلال کی قسم! جو شخص مجھ پر ایمان لایا' میں اسے لحہ بھر کے لئے بھی اس شخص کی طرح نہیں کروں گا' جو مجھ پر ایمان نہیں لایا۔

(اخرجه الطبراني في الاوسط: ۳۹۷۶)

رجاء کہتے ہیں: مستقبل میں حاصل ہونے والی محبوب چیز کے ساتھ دل کو وابستہ کرنا۔

جس طرح خوف کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے' اسی طرح رجاء کا تعلق بھی مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے۔ دلوں کی زندگی اور استقلال رجاء ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔

رجاء اور تمنا میں فرق:

رجاء اور تمنا میں فرق یہ ہے کہ تمنا سے تمنا کرنے والے میں سستی و کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ تمنا کرنے والا کوشش نہیں کرتا۔ برخلاف رجاء کے، لہٰذا رجاء قابل تعریف چیز ہے اور تمنا مذموم۔

صوفیاء نے رجاء سے بحث کی ہے۔

رجاء کی اقسام:

چنانچہ شاہ کرمانی فرماتے ہیں: رجاء کی علامت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے۔

ابن خلیق فرماتے ہیں: رجاء تین طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) ایک شخص نیک کام کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ وہ کام مقبول ہوگا۔

(۲) ایک شخص برائی کرنے کے بعد توبہ کرتا ہے اور اسے مغفرت کی امید ہوتی ہے۔

(۳) ایک جھوٹا انسان گناہ کرتا چلا جاتا ہے' مگر کہتا ہے کہ مجھے مغفرت کی امید ہے۔

جس شخص کو معلوم ہو کہ اس نے برے اعمال کئے ہیں۔ اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ اس کا خوف اس کی امید پر غالب ہو۔

رجاء کیا ہے؟

مروی ہے کہ سخی (یعنی اللہ) سے سخاوت کی امید کرنے کا نام' رجاء ہے۔

بعض سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنے کا نام رجاء ہے۔

بعض سے مروی ہے کہ دل کے' اللہ کی مہربانی کے قریب ہونے کو رجاء کہتے ہیں۔

بعض سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کی طرف نگاہ رکھنے کا نام رجاء ہے۔

بعض سے مروی ہے کہ رجاء یہ ہے کہ دل اچھے انجام پر خوش ہو۔

منصور بن عبداللہ نے ابوعلی روذباری سے روایت کی کہ خوف و رجاء کی مثال پرندے کے دو پروں کی سی ہے۔ اگر دونوں یکساں ہوں' تو پرندہ بھی یکساں رہتا ہے اور اس کی اڑان بھی مکمل ہوتی ہے اور جب ایک میں کمی آ جائے' تو اڑان میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اور اگر دونوں جاتے رہیں' تو پرندے کی حالت نیم مردہ کی سی ہو جاتی ہے۔

رجاء کی کیا علامت ہے؟

علی بن شہمر ذان نے فرمایا کہ کسی نے احمد بن عاصم انطا کی سے سوال کیا کہ بندے میں رجاء کے پائے جانے کی کیا علامت ہے؟ فرمایا:

جب بندے کو اللہ تعالیٰ کے احسان نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو' تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں شکر کرنے کا خیال ڈال دے، جس کی وجہ سے وہ دنیا میں یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو اس پر تمام کر دے گا اور آخرت میں اسے پورے طور پر معاف کر دے گا۔

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر خوشی کا اظہار کرنا ''رجاء'' ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ' جس سے امید رکھی جاتی ہے، کی بخشش کو دیکھ کر دلوں کے خوش ہونے کو رجاء کہتے ہیں۔

شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمیٰ نے ابوعثمان مغربی سے روایت کی کہ جس نے اپنے نفس کو (صرف) رجاء پر رکھا۔ اس نے عمل چھوڑ دیا اور جس نے (صرف) خوف پر رکھا، وہ مایوس ہو گیا۔ انسان کو کچھ رجاء اور کچھ خوف کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ابن ابی الدنیا نے بکر بن سلیم الصوف سے روایت کی کہ جس دن مالک بن انس کی وفات ہوئی، ہم ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے ابوعبداللہ! آپ کیا محسوس کرتے ہیں۔ فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ میں تمہیں کیا کہوں۔ ابھی تم اللہ تعالیٰ کی اس قدر عفو کا معائنہ کر لو گے، جس کا تمہیں وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ ہم ابھی انہیں کے پاس تھے کہ ہم نے ان کی آنکھیں بند کر دیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ (خدایا) قریب ہے کہ گناہوں کے ہوتے ہوئے' تمہارے کرم پر میری امید پر غالب آ جائے، جو اعمال کے ہوتے ہوئے کی جاتی ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اعمال میں اخلاص پر بھروسہ کرتا ہوں۔ مگر میں اعمال کو آفات سے کیسے بچا سکتا ہوں، جب کہ میں ان آفات کی وجہ سے مشہور ہوں۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے' میرا اعتماد تمہاری عفو پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے' تو سخی مشہور ہوتے ہوئے گناہوں کو معاف نہ کرے؟

ذوالنون مصری' نزع کی حالت میں تھے، لوگوں نے ان سے بات کرنا چاہی۔ فرمایا: میری توجہ اللہ کی طرف سے نہ ہٹاؤ' مجھے تو اللہ کی کثیر التعداد مہربانیوں پر تعجب ہوتا ہے۔

رجاء شیریں ترین عطیہ ہے:

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ خدایا! تمہاری امید (رجاء) میرے دل میں شیریں ترین عطیہ ہے اور میری زبان پر شیرین ترین کلام تمہاری تعریف ہے اور سب سے محبوب گھڑی میرے لئے وہ گھڑی ہو گی۔ جس میں میں تمہیں دیکھ لوں گا۔

ایک تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ باب بنی شیبہ سے اپنے اصحاب کے پاس آئے' تو انہیں دیکھا کہ وہ ہنس رہے

ہیں۔ فرمایا: کیا تم ہنس رہے ہو؟ اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جاتا، جن کا مجھے علم ہے، تو تم تھوڑا ہنستے اور بہت روتے۔

پھر آپ چلے گئے۔ جب واپس لوٹے، تو فرمایا: ابھی جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت لائے:

﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (الحجر: ۴۹)

''میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور رحیم ہوں۔''

عطاء بن یسار نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ بندوں کی مایوسی اور اللہ کی اس رحمت کو جو ان کے قریب ہے، دیکھ کر ہنستا ہے۔

اس پر حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ ہنستا ہے؟ تو فرمایا: اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ ہنستا ہے، تب ہی تو وہ ہمیں نیکی سے محروم نہ رکھے گا۔

یاد رکھیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی ہنسی کا ذکر ہو تو یہ اس کی صفات فعلیہ میں سے ہے۔ جس سے مراد ''مہربانی کا اظہار'' ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ضحکت الارض بالنبات (زمین سے سبزہ اگنے لگا) لوگوں کی مایوسی پر اللہ تعالیٰ کی ہنسی سے مراد ان عنایات ربانی کے تحقق کا اظہار ہے، جو عنایتیں اس انتظار کے مقابلہ میں، جو انہیں کرنا پڑتا ہے، کئی گنا زیادہ ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک مجوسی:

مروی ہے کہ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کھانا مانگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ کھانا دیتا ہوں، تو مجوسی نے کہا: جب میں مسلمان ہو گیا، تو پھر آپ کا مجھ پر کیا احسان؟

یہ کہہ کر مجوسی چل دیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی بھیجی:

اے ابراہیم! تو اس کو اس شرط پر کھانا کھلائے، تاکہ وہ مسلمان ہو جائے اور ہم ستر برس سے اسے اسی کفر کی حالت میں روزی دے رہے ہیں۔ اگر تم اسے ایک رات کھانا کھلا دیتے، تو کیا حرج تھا؟

یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مجوسی کے پیچھے ہو لئے۔ اسے (لاکر) کھانا کھلایا۔ مجوسی نے اس کا سبب پوچھا: آپ نے وجہ بیان کر دی۔ یہ سن کر مجوسی نے کہا کہ میرا رب مجھ سے اس طرح کا معاملہ کرتا ہے؟ بہتر ہے کہ آپ اسلام پیش کیجئے اور وہ مسلمان ہو گیا۔

ابو علی دقاق روایت کرتے ہیں کہ استاد ابو سہل صعلوکی نے ابو سہل زجاج کو خواب میں دیکھا اور زجاج کا عقیدہ یہ تھا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عذاب دینے کی دھمکی دے دی، وہ عذاب اس پر ہو کر رہے گا۔ صعلوکی نے پوچھا: کیا حال ہے؟ جواب

دیا: ہم نے معاملہ اپنے خیال کے مقابلہ میں آسان تر پایا۔

ابوبکر بن اشکیب نے' ابوسہل صعلوکی کو خواب میں اس قدر اچھی حالت میں دیکھا کہ بیان سے باہر ہے' میں نے دریافت کیا کہ حضرت یہ مرتبہ کیسے ملا؟ فرمایا کہ اپنے رب کے متعلق حسن ظن کی بدولت۔

مالک بن دینار کو خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ تو جواب دیا کہ میں اپنے رب کے پاس زیادہ گناہ لے کر پہنچا' جن کو اللہ تعالیٰ کے متعلق میرے حسن ظن نے بالکل مٹا دیا۔

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ انا عند ظن عبدی بی ،وانا معه اذا ذکرنی ،ان ذکرنی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ هو خیر منهم ،وان اقترب الی شبر اقتربتُ الیه ذراعا وان اقترب الی ذراعا اقتربت الیه باعا ،وان اتانی یمشی اتیته هرولة ﴾

''میں ویسا ہی ہوں، جیسا میرا بندہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔ جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے، میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل ہی دل میں یاد کرتا ہے، میں اسے دل ہی دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے' تو میں اس کا ذکر اس کی مجلس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت بھر میری طرف آتا ہے' تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر ایک ہاتھ بڑھتا ہے' تو میں ایک باع (یعنی دو ہاتھ) اس کی طرف بڑھتا ہوں، اگر وہ پیدل آتا ہے' تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔

(اخرجه البخاری: ۷۴۰۵، مسلم: ۲۶۷۵، ترمذی: ۳۶۰۳، ابن ماجه: ۳۸۲۲)

ابوصالح نے ابوہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح روایت کو بیان کیا۔

عبداللہ ابن المبارک اور ایک کافر:

مروی ہے کہ ایک بار ایک طاقتور کافر سے جنگ کر رہے تھے کہ اس کافر کی نماز کا وقت آ گیا۔ اس نے ابن المبارک سے مہلت مانگی' تو آپ نے مہلت دے دی۔ مگر جب اس نے سورج کو سجدہ کیا' تو ابن المبارک نے تلوار سے اسے قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت ہوا میں کسی کو کہتے سنا:

﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُوْلاً ﴾ (الاسراء: ۳۴)

''اپنے عہد کو پورا کرو، کیونکہ اس کی باز پرس ہوگی۔''

یہ سن کر آپ رک گئے' جب مجوسی نماز سے فارغ ہوا' تو اس نے پوچھا تو اپنے ارادہ سے کیوں رک گیا؟ ابن المبارک

نے بتایا کہ مجھے یہ نداء آئی اور آیت پڑھ کر سنائی۔ یہ سن کر مجوسی نے کہا: کیا ہی اچھا رب ہے؟ اپنے دوست کو اپنے دشمن کے بارے میں عتاب کرتا ہے، پھر وہ مسلمان ہوگیا اور نیک مسلمان بنا۔

کسی نے کہا ہے کہ لوگ گناہوں میں اس لئے پڑے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام غفور رکھا ہے۔

نیز کہا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ میں گناہ معاف نہیں کروں گا' تو کبھی کوئی مسلمان گناہ نہ کرتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ﴾

اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا۔ کوئی مسلمان شرک نہیں کرتا ہے، لیکن جب یوں کہہ دیا:

﴿ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾

اس کے علاوہ جو گناہ بھی ہو' جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے' تو لوگوں کو اللہ کی مغفرت کی تمنا ہوئی۔

خوف سے امید ہی امید:

ابراہیم بن ادھم سے حکایت کی گئی ہے کہ فرماتے ہیں:

میں ایک مدت تک اس بات کا منتظر رہا کہ مطاف کو (بیت اللہ کو لوگوں) سے خالی پاؤں' ایک مرتبہ رات بہت تاریک تھی اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ مطاف لوگوں سے خالی ہوگیا۔ میں جا کر بیت اللہ کا طواف کرنے لگا اور یہ کہتا گیا: خدایا! مجھے بچانا۔ اس پر غیب سے نداء آئی: اے ابن ادہم! تو گناہ سے بچنے کی درخواست کرتا ہے، ہر شخص کی درخواست یہی ہوتی ہے۔ اگر میں تمہیں بچا دوں' تو رحم کس پر کروں۔

مروی ہے کہ ابو العاص بن سریج نے اپنی مرض الموت میں خواب میں دیکھا کہ قیامت بپا ہے اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: علماء کہاں ہیں؟ علماء حاضر ہو گئے۔ فرمایا: کیا تم نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا' ہم سب نے کہا: خدایا! ہم نے کوتاہی کی اور برے اعمال کئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ جواب پسند نہیں آیا۔ اس لئے وہی سوال دہرایا۔ اس پر میں نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے' میرے نامہ اعمال میں شرک نہیں ہے اور تیرا وعدہ ہے کہ اس کے علاوہ جو گناہ بھی ہوگا' معاف کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اس واقعہ سے تین راتوں کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

مروی ہے کہ ایک شخص بہت زیادہ شراب پیا کرتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے ہم نشیں لوگوں کو جمع کیا اور ایک لڑکے کو چار درہم دیئے کہ ان کے لیے پھل خرید لائے۔ بچے کا گذر منصور بن عمار کی مجلس کے دروازے پر ہوا۔ منصور ایک محتاج کے لئے کچھ مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: جو کوئی اسے چار درہم دے گا، اس کے لیے میں چار دعائیں کروں گا۔

یہ سن کر بچے نے چاروں درہم اسے دے دیئے ،منصور نے کہا: تو کیا دعاء کروانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: میرا ایک آقا ہے، میں اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ منصور نے دعاء کی اور کہا:...اور کیا چاہتا ہے؟

اس نے کہا: اللہ تعالیٰ میرے درہموں کے بدلے اور درہم دے دے۔ انہوں نے یہ دعاء بھی کر دی ،...اور پھر کہا: اور کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میرے آقا کی توبہ قبول کر لے۔ انہوں نے یہ دعاء بھی کر دی اور پوچھا:..اور کیا؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے میرے آقا کو اور آپ کو اور جو لوگ یہاں موجود ہیں، ان کو معاف کر دے۔ منصور نے یہ دعاء بھی کی۔

اس کے بعد یہ اپنے آقا کے پاس لوٹ آیا۔ آقا نے پوچھا: تو نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔ اس نے سارا قصہ بیان کر دیا، تو آقا نے کہا: انہوں نے کیا دعاء کی؟ اس نے کہا: میں نے آزاد ہونے کی درخواست کی تھی۔ آقا نے کہا: جاؤ تم آزاد ہو۔ دوسری دعاء کون سی کی تھی؟ اس نے کہا: یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان درہموں کے بدلے میں اور درہم دے دے۔ آقا نے کہا: یہ لو چار ہزار درہم، پھر کہا: تیسری دعاء کون سی ہے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے۔ اس نے کہا: میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا، پھر کہا: چوتھی کون سی ہے، تو کہا کہ یہ اللہ تمہیں، مجھے، قوم اور نصیحت کرنے والے کو معاف کر دے۔ آقا نے کہا: یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔

جب رات ہوئی، تو اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اسے کہہ رہا ہے: جو کچھ تمہارے اختیار میں تھا، تو نے کر دیا۔ کیا تیرا خیال ہے کہ جو کچھ میرے اختیار میں ہے، میں نہیں کروں گا؟ میں نے تجھے تیرے غلام کو اور منصور بن عمار کو اور ان لوگوں کو جو وہاں موجود تھے، معاف کر دیا۔

رباح قیسی کا واقعہ:

مروی ہے کہ رباح قیسی نے بہت سے حج کیے۔ ایک دن میزاب کے نیچے کھڑے ہو کر کہنے لگے:

الٰہی! میں نے اپنے حجوں میں سے اتنے حج نبی کریم ﷺ کو ھبہ کیے۔ دس حج، آپ ﷺ کے دس صحابہ (عشرہ مبشرہ) کو، دو اپنے والدین کو، اور باقی مسلمانوں کو بخشے۔ اس پر غیب سے نداء آئی:

یہ لو! یہ لو یہ شخص ہم پر اپنی سخاوت جتا رہا ہے۔ میں تمہیں تمہارے والدین اور ان لوگوں کو جنہوں نے صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھا، ضرور بخش دوں گا۔

ایک مخنث کا جنازہ:

عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی سے مروی ہے کہ میں نے ایک جنازہ کو دیکھا، جسے تین مرد اور ایک عورت اٹھائے جا رہے تھے۔ میں نے عورت کی جگہ لے لی۔ ہم سب قبرستان پہنچے اور نمازِ جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ میں نے اس عورت

سے دریافت کیا: تیرا اس میت سے کیا رشتہ تھا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا تھا۔

میں نے پھر پوچھا: کیا آپ کے پڑوسی نہیں ہیں؟ کہنے لگی: ہیں تو، مگر انہوں نے اسے حقیر سمجھا۔ میں نے پھر پوچھا: یہ کیا تھا؟ عورت نے جواب دیا: یہ مخنث تھا۔

عبدالوہاب فرماتے ہیں: مجھے اس پر رحم آیا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا اور میں نے اسے پیسے، گندم اور کپڑے دیئے۔ جب رات کو سویا، تو خواب میں ایک شخص آیا، جس کا چہرہ چودھویں کے رات کے چاند کی طرح تھا اور اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس نے میرا شکریہ اداء کیا، میں نے پوچھا: تو کون ہے؟ جواب دیا: میں وہی مخنث ہوں، جسے تم نے آج دفن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بخش دیا ہے کہ لوگ تجھے حقیر جانتے تھے۔

ابوعمرو بیکندی اور ایک نوجوان:

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ابوعمرو بیکندی کا گذر ایک راستہ سے ہوا۔ دیکھا کہ کچھ لوگ ایک نوجوان کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے محلہ سے نکالنا چاہتے ہیں اور ایک عورت رو رہی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس کی ماں ہے، ابوعمرو کو اس پر رحم آیا اور اس نوجوان کی ان لوگوں سے سفارش کی اور کہا کہ اب کی بار اسے چھوڑ دو، اور ابوعمرو چل دیئے۔

چند دنوں کے بعد ان کا گذر پھر اسی سڑک پر ہوا۔ انہوں نے دروازے کے پیچھے سے اسی بڑھیا کے رونے کی آواز سنی، انہوں نے کہا: ہوسکتا ہے کہ اس نوجوان نے پھر کوئی شرارت کی ہو اور اسے محلہ سے نکال دیا گیا ہو۔ لہٰذا انہوں نے دستک دی اور اس بڑھیا سے اس نوجوان کا حال دریافت کیا، تو بڑھیا نے جواب دیا کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آ گیا، تو اس نے مجھ سے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو میری موت کی خبر نہ دینا، کیونکہ میں انہیں دکھ دیتا رہا ہوں۔ اس لئے وہ میرے مرنے پر خوش ہوں گے اور میرے جنازے میں ساتھ نہ ہوں گے۔

جب تو مجھے دفن کرنے لگے، تو یہ میری انگوٹھی ہے، جس پر بسم اللہ لکھا ہوا ہے۔ اسے بھی ساتھ ہی دفن کر دینا اور دفن سے فارغ ہو کر میرے رب کے پاس میری سفارش کرنا۔ وہ عورت کہتی ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا، جب میں اس کی قبر سے اٹھ کر چلنے لگی، تو میں نے اس کی آواز سنی کہ وہ مجھے کہہ رہا ہے: اماں! واپس ہو جاؤ، میں رب کریم کے پاس پہنچا ہوں۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ لوگوں سے کہہ دو کہ میں نے انہیں اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ان سے کوئی فائدہ حاصل کروں، میں نے انہیں اس لئے پیدا کیا کہ وہ مجھ سے فائدہ حاصل کریں۔

انہیں مشائخ میں سے ابراہیم الاطروش سے مروی ہے کہ ہم بغداد میں معروف کرخی کے ساتھ، دریائے دجلہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کشتی میں نوعمروں کی ایک ٹولی دف بجاتے، شراب پیتے اور کھیلتے ہوئے گذری۔ ہم نے معروف کرخی سے

کہا کہ آپ انہیں دیکھ رہے ہیں، یہ لوگ علی الاعلان خدا کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ ان کے لئے بد دعاء کیجئے، یہ سن کر معروف کرخی نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

خدایا! جس طرح تو نے انہیں دنیا میں خوش کر رکھا ہے، آخرت میں بھی خوش رکھنا' تو لوگوں نے کہا: ہم نے آپ کو بد دعاء کرنے کو کہا تھا؟ آپ نے فرمایا: جب اللہ ان کو آخرت میں خوش رکھے گا' تو ان کی توبہ بھی قبول فرمائے گا۔

انہی بزرگوں میں سے عبداللہ بن سعید سے مروی ہے کہ یحییٰ بن اکثم قاضی' میرے دوست تھے۔ انہیں مجھ سے محبت تھی اور مجھے ان سے۔ جب یحییٰ نے وفات پائی' تو میں چاہتا تھا کہ مجھے خواب میں دکھائی دیں' تو ان سے پوچھوں کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟

چنانچہ ایک رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔ مگر ساتھ ہی سرزنش بھی کی' سرزنش کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کہا:

اے یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ! تو نے دنیا میں نیک و بد میں تخلیط کی (یعنی کچھ کام نیک کئے اور کچھ بد)، میں نے عرض کی: ہاں، یا اللہ! میں نے تو اس حدیث پر بھروسہ کر رکھا تھا، جس کی روایت مجھ سے ابو معاویہ ضریر نے کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خدا! تو نے کہا: میں بوڑھے آدمی کو دوزخ کا عذاب دینے سے شرماتا ہوں۔ (کشف الخفاء: ۷۴۲)

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا، اے یحییٰ! میں نے تجھے معاف کر دیا۔ مگر تو نے نیک و بد دونوں قسم کے اعمال غلط ملط کر دیئے۔

باب

حزن (غم)

ارشاد الٰہی ہے کہ:

﴿ وَقَالُوْا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ﴾ (فاطر: ٣٤)

اور انہوں نے کہا: تعریف ہے، اس خدا کی جس نے ہم سے غم دور کیا۔

عطاء بن یسار، سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((ما من شیء یصیب العبد المؤمن من وصب او نصب او حزن او الم یهمه الا کفر الله تعالیٰ من سیئاته)) (اخرجه مسلم: ٢٥٧٣، ترمذی: ٩٦٦، احمد: ١١٩٠)

جو بیماری یا تھکان، یا غم، یا کوئی بے قرار کرنے والا دکھ کسی مومن بندے کو لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے کچھ گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں۔

حزن کس کا نام ہے؟

حزن ایک ایسی کیفیت و حالت کا نام ہے، جو دل پر قابو پا کر اسے غفلت کی وادیوں میں پریشان پھرنے سے روکتی ہے اور یہ اہل سلوک کے اوصاف میں سے ہے۔

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ حزن والا انسان اللہ کی راہ کو ایک ماہ میں اتنا طے کر لیتا ہے، جبکہ وہ شخص جسے حزن نہیں، اسے کئی سال کے اندر بھی طے نہیں کر سکتا۔

حدیث پاک سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غم زدہ دل کو پسند کرتا ہے۔

(اخرجه البیهقی فی شعب الایمان: ١٤٣٠)

تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو اس کے دل میں ایسی صفات پیدا کر دیتا ہے، جو اسے خوش ہونے پر اکساتی ہیں۔

ایک روایت میں آنحضور ﷺ برابر محزون اور ہمیشہ تفکر میں رہتے تھے۔

(اخرجه الطبرانی فی الکبیر: ۲۲/ ۱۵۶)

بشر بن حارث فرماتے ہیں کہ غم ایک ایسا فرشتہ ہے کہ جب کسی جگہ پر سکونت اختیار کر لیتا ہے' تو یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی وہاں رہائش اختیار کرے۔

مروی ہے کہ جب دل میں غم نہ ہو' تو دل ویران ہو جاتا ہے.... جیسے گھر کہ اس میں رہنے والے نہ ہوں' تو گھر ویران ہو جاتا ہے۔

ابو سعید قرشی سے منقول ہے کہ غم سے رونا اندھا کر دیتا ہے اور شوق سے رونا آنکھ کو کمزور کر دیتا ہے، اندھا نہیں کرتا' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں؛

﴿ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ وَهُوَ كَظِيمٌ ﴾ (یوسف: ۸۴)

''غم کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی اور وہ مغموم تھے۔''

ابن خفیف سے منقول ہے کہ نفس کو خوشی کے لئے اٹھنے سے روکنے کا نام 'حزن' ہے۔

رابعہ عدویہ نے ایک شخص کو واحزناہ (ہائے غم) کہتے ہوئے سنا' تو فرمایا: یوں کہو: واقلة حزناہ (ہائے غم کی قلت) اگر تو غم ناک ہوتا' تو سانس نہ لے سکتا۔

سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی غمزدہ کسی امت میں روئے' تو اللہ تعالیٰ اس کے رونے کی وجہ سے اس امت پر رحم فرماتا ہے۔

داؤد طائی پر غم غالب تھا۔ وہ رات کو پکارا کرتے تھے: خدایا! تمہارے غم نے تمام غموں کو معطل کر دیا اور میری نیند کو اچاٹ کر دیا اور کہا کرتے تھے: ہر وہ شخص جس پر نئی مصیبت آتی رہتی ہے' وہ غم سے کب چھوٹ سکتا ہے؟

منقول ہے کہ غم کھانا کھانے سے روکتا ہے اور خوف گناہوں سے۔

ایک صوفی سے پوچھا گیا کہ کسی کے غم کا کیسے پتہ چل سکتا ہے؟ تو فرمایا: اس کے کثرت سے آہ وزاری کرنے سے۔

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ تمام لوگوں کا غم' مجھ پر ڈال دیا جائے۔

لوگوں نے غم سے بحث کی ہے اور سب یہی کہتے ہیں کہ صرف آخرت کا غم قابل تعریف ہے، دنیا کا غم قابل تعریف نہیں۔ ابو عثمان اس میں اختلاف کرتے ہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ غم خواہ کسی طرح کا ہو، فضیلت کا سبب ہے اور جب تک کسی مصیبت کی خاطر نہ ہو۔ مومن کے لئے زیادتی مراتب کا باعث ہے۔ اس لیے کہ بالفرض اگر یہ انسان کے درجے بلند

نہیں کرتا' تو گناہوں سے پاک تو کرتا ہے۔

صوفیاء میں سے بعض حضرات سے مروی ہے کہ جب ان کا کوئی مرید سفر کو جاتا' تو وہ اسے کہتے کہ اگر کوئی تجھے غم زدہ مل جائے' تو اسے میرا سلام کہنا۔

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ صوفی' سورج غروب ہونے کے وقت کہا کرتے تھے کہ کیا آج تمہارا طلوع کسی غمزدہ پر ہوا؟

حسن بصری کی یہ حالت تھی کہ جو کوئی بھی انہیں دیکھتا' یہی کہتا کہ ابھی ان پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔

جب فضیل رحمہ اللہ کی وفات ہوئی' تو وکیع نے کہا: آج دنیا سے غم جاتا رہا۔

گذشتگان میں سے ایک بزرگ کا قول ہے: مومن انسان اپنے نامہ اعمال میں زیادہ تر نیکیاں غم اور فکر کرنے کی پائے گا۔

احمد بن ابی روح' اپنے والد کی وساطت سے فضیل بن عیاض سے نقل فرماتے ہیں کہ پچھلے بزرگ فرمایا کرتے تھے:

ہر چیز پر زکوۃ ہے اور طول حزن' عقل کی زکوۃ ہے۔

ابوالحسن الوراق سے منقول ہے کہ ایک دن' میں نے ابو عثمان حیری سے غم کے متعلق پوچھا' تو فرمایا: غمزدہ کو اتنی فرصت کہاں کہ غم کے متعلق سوال کرے' پہلے غم کی طلب میں کوشاں ہو' پھر پوچھو۔

باب

بھوک اور ترک اشتہاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ ﴾ (البقرہ: ۱۵۵)

ہم تمہیں ضرور کسی قدر خوف اور بھوک کے ذریعہ آزمائیں گے۔

اس آیت کے آخر میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴾ (البقرہ: ۱۵۵)

''صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو بھوک برداشت کرتے ہیں، صبر سے کام لیتے ہیں، اچھے ثواب کی بشارت دی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر: ۹)

''خواہ انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو، پھر بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔''

محمد بن عبداللہ نے انس بن مالک سے روایت کی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے فاطمہ! یہ ٹکڑا کیسا ہے؟ عرض کیا کہ میں نے ایک روٹی پکائی تھی۔ میرے دل نے پسند نہ کیا کہ میں اسے اکیلی کھاؤں۔ لہٰذا میں یہ ٹکڑا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔

تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پہلا کھانا ہے، جو تین دنوں میں تمہارے باپ کے منہ میں گیا ہے۔

(اخرجه البيهقي في شعب الايمان: ۱۰۴۳۰)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو کی روٹی لے کر آئی تھیں۔

بھوک کس چیز کا نام ہے؟

بناء بریں بھوک صوفیاء کی صفت رہی ہے اور یہ مجاہدہ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، ارباب سلوک نے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالی۔ اپنے نفس کو کھانے سے روکا اور انہیں بھوک میں حکمت کے چشمے ملے۔ اس بارے میں صوفیاء کی بہت حکایتیں بیان کی جاتی ہے۔

ابن سالم فرماتے ہیں کہ بھوک کا ادب یہ ہے کہ روز مرّہ کی خوراک میں سے صرف بلی کے کان کے برابر کم کیا جائے۔

مروی ہے کہ سہل بن عبداللہ' پندرہ دن میں (ایک بار) کھانا کھایا کرتے تھے اور جب رمضان کا مہینہ آتا' تو نیا چاند دیکھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور ہر رات سادہ پانی سے روزہ افطار کرتے تھے۔

یحیٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ اگر بھوک ایسی چیز ہوتی، جو بازار میں خریدی جاسکتی' تو آخرت کے طالبین کے لئے' جب بھی بازار میں داخل ہوتے' یہ مناسب نہ ہوتا کہ کسی اور چیز کو خریدتے۔

بھوک میں علم و حکمت ہے:

ابو محمد عبداللہ بن احمد اصطخری نے سہل بن عبداللہ سے روایت کی کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا' تو پیٹ بھر کر کھانے میں معصیت اور جہالت کو رکھ دیا اور بھوک میں علم اور حکمت کو۔

بھوک کیا ہے؟

یحیٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ بھوک مریدوں کے لئے ریاضت ہے اور توبہ کرنے والوں کے لئے تجربہ اور زاہدوں کے لئے سیاست اور عارضوں کے لئے کرامت و بزرگی۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ ایک بزرگ ایک شیخ کے پاس آئے۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ جب انہوں نے رونے کا سبب پوچھا' تو فرمایا کہ میں بھوکا ہوں۔ انہوں نے کہا: آپ جیسے آدمی بھوک کی وجہ سے روئیں۔ شیخ نے فرمایا: چپ رہو' کیا نہیں جانتے کہ مجھے بھوکا رکھنے میں' اللہ کی مرضی یہی ہے کہ میں روؤں؟

داؤد بن معاذ نے مخلد سے روایت کی کہ حجاج بن فرافصہ ہمارے ساتھ شام میں تھے۔ پچاس راتیں گزر گئیں۔ انہوں نے نہ پانی پیا اور نہ کوئی چیز کھا کر آسودہ ہوئے۔

ابو عبداللہ بن احمد بن یحیٰ الجلاء سے مروی ہے کہ ابو تراب نخشبی بصرہ کے جنگل کے راستے مکہ آئے۔ ہم نے ان سے ان کے کھانے کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: میں بصرہ سے نکلا' تو نباج میں' پھر ذات عرق میں کھانا کھایا اور وہاں سے اب تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ اس طرح انہوں نے صرف دو کھانوں میں صحرا کو طے کرلیا۔

احمد بن ابی الحواری نے عبدالعزیز بن عمیر سے روایت کی کہ ایک قسم کے پرندے چالیس دن تک بھوکے رہے۔ پھر ہوا میں اڑ گئے۔ چند دنوں کے بعد جب لوٹ کر آئے' تو ان سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔

سہل بن عبداللہ کی حالت:

یہ تھی کہ جب وہ بھوکے ہوتے' تو طاقتور ہوتے اور اگر کچھ کھا لیتے تو کمزور ہو جاتے۔

ابوعثمان مغربی سے مروی ہے کہ ربانی یعنی اللہ والے لوگ چالیس دنوں میں اور صمدانی لوگ اسی دنوں میں کھانا نہیں کھاتے ہیں۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ سیر ہو کر کھانا' دنیا کی کنجی ہے اور بھوک' آخرت کی کنجی۔

ابومحمد اصطخری نے سہل بن عبداللہ روایت کی کہ ایک شخص دن میں ایک مرتبہ کھانا کھاتا ہے۔ (یہ کیسا ہے؟) فرمایا: یہ صدیقین کا کھانا ہے۔ پھر پوچھا: جو کوئی دو بار کھانا کھاتا ہے؟ جواب دیا: یہ مومنین کا کھانا ہے۔ پھر پوچھا کہ تین بار کھائے تو؟ فرمایا: گھر والوں کو کہہ دو کہ تمہارے لئے وہ جگہ تیار کر دیں۔ (جہاں جانور چارہ کھاتے رہتے ہیں)۔

ابوبکر سائح نے یحییٰ بن معاذ سے روایت کی کہ بھوک نور ہے اور سیری آگ اور شہوت مثل ایندھن ہے، جس سے جلنے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس کی آگ اس وقت تک نہیں بجھتی' جب تک شہوت والے کو جلا نہیں دیتی۔

ابونصر سراج طوسی سے مروی ہے کہ ایک دن ایک صوفی کسی شیخ کے پاس آئے۔ شیخ نے کھانا پیش کیا۔ پھر پوچھا: کتنے دنوں سے آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا؟ جواب دیا: پانچ دنوں سے' شیخ نے فرمایا: تمہاری بھوک ایک بخیل آدمی کی بھوک جیسی ہے۔ تمہارے پاس کپڑے ہوتے ہوئے تم بھوکے رہے۔ یہ فقیر کی بھوک نہیں ہے۔

ابوسلیمان دارانی کا قول ہے کہ میرے نزدیک رات بھر قیام میں گزارنے سے بہتر یہ ہے کہ میں رات کو ایک لقمہ کم کھاؤں۔

ابوالقاسم جعفر بن احمد رازی سے مروی ہے کہ ابوالخیر عسقلانی کئی سال تک مچھلی کھانے کی خواہش کرتے رہے۔ بالآخر حلال طریقے سے یہ بات میسر آ گئی۔ مگر جب کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا' تو مچھلی کی ہڈیوں کا ایک کانٹا انگلی میں چبھ گیا۔ جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ ضائع ہو گیا۔ اس پر کہنے لگے: خدایا! یہ تو اس شخص کی سزا ہے' جس نے ایک حلال چیز کی خواہش کی اور ہاتھ بڑھایا۔ اس شخص کا کیا حال ہوگا' جو حرام چیز کی خواہش کے ساتھ ہاتھ بڑھائے گا؟

رستم شیرازی نے ابوعبداللہ بن خفیف سے روایت کہ کہ عبداللہ بن خفیف ایک دعوت میں تھے۔ ان کے مرید نے ان سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کیونکہ وہ کئی دن سے فاقہ سے تھا۔ اس پر ایک اور مرید نے اسے تنبیہ کی کہ اس نے شیخ

سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا کر شیخ کی بے ادبی کی اور اس نے اس فقیر کے سامنے کوئی چیز رکھ دی' جس سے وہ سمجھ گیا کہ اس کی اس بے ادبی کو برا منایا گیا ہے۔ لہٰذا اس نے عہد کر لیا کہ اپنے نفس کی تادیب وسزا کے لئے پندرہ دن تک کچھ نہ کھائے گا۔ اس طرح اس نے اپنی بے ادبی سے توبہ کرنے کی ظاہری صورت نکالی، حالانکہ وہ پہلے ہی فاقہ میں مبتلا تھا۔

مالک بن دینار سے مروی ہے کہ جو شخص اپنی دنیاوی خواہشات پر غالب آ گیا، شیطان اس کے سایہ سے الگ کر دیا گیا۔

منصور بن عبداللہ الاصفہانی نے ابوعلی روذباری سے روایت کی کہ اگر کوئی صوفی پانچ دن کے فاقے کے بعد یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں' تو اسے کہو کہ بازار میں جا کر کمائے اور تصوف اور فقر کا نام نہ لے۔

استاد ابوعلی دقاق سے منقول ہے کہ کسی شیخ سے مروی ہے کہ دوزخیوں کی اشتہاء' ان کے پرہیز پر غالب آ گئی۔ اس لئے وہ رسوا ہوئے۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ تو کبھی کسی چیز کی خواہش نہیں کرتا؟

اس نے جواب دیا: خواہش تو ہوتی ہے' مگر میں پرہیز کرتا ہوں۔

انہی نے فرمایا کہ ایک صوفی سے کہا گیا: تجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہوتی؟ جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ خواہش پیدا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوتا... یعنی خواہشات کا احساس مر چکا ہے۔ یہ درجہ زیادہ کامل ہے۔

ابونصر تمار سے مروی ہے کہ ایک رات میرے پاس بشر آئے' میں نے کہا: اس خدا کا شکر ہے، جو تمہیں یہاں لے آیا۔ ہمارے پاس خراسان سے کچھ روئی آئی۔ بچی نے اسے کات کر بیچا اور گوشت خریدا۔ لہٰذا آپ ہمارے ہاں افطار کیجئے' فرمایا: اگر میں نے کسی کے ہاں کھانا کھایا' تو تمہارے ہاں کھاؤں گا۔ پھر فرمایا: کئی سال سے بینگن کھانے کی خواہش کر رہا ہوں۔ مگر ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ میں نے عرض کیا: اس گوشت میں حلال کی کمائی کے بینگن بھی ڈالے ہیں۔ فرمانے لگے: (تب کھاؤں گا) جب بینگن کی محبت پاک ہو جائے۔

ابواحمد صغیر نے ابوعبداللہ بن خفیف کو حکم دیا کہ ہر رات ان کی افطاری کے لئے کشمش کے دس دانے پیش کیا کروں۔ ایک رات مجھے ان پر ترس آ گیا' تو میں نے دس کی بجائے پندرہ دانے پیش کئے۔ آپ نے میری طرف دیکھا اور کہا: تجھے پندرہ دانے لانے کا کس نے حکم دیا؟ آپ نے صرف دس کھائے اور باقی پانچ چھوڑ دیئے۔

یوسف بن الحسین نے ابوتراب نخشی سے روایت کی کہ میرے نفس نے صرف ایک بار ایک خواہش کی۔ اس نے روٹی اور انڈا کھانا چاہا۔ اس وقت میں سفر میں تھا۔ میں ایک بستی کی طرف ہو لیا۔ ایک شخص اٹھا اور مجھ سے چمٹ گیا اور کہا: یہ شخص

چوروں کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے مجھے ستر درے مارے اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا اور کہا: یہ تو ابو تراب نخشی ہیں۔

لوگوں نے مجھ سے معافی مانگی۔ ایک شخص تعظیم اور مہربانی کے طور پر مجھے اپنے گھر لے گیا اور روٹی اور انڈا کھانے کے لئے پیش کیا۔ میں نے اپنے نفس سے کہا: ستر درے کھانے کے بعد اب اسے کھاؤ۔

باب

خشوع اور تواضع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾ (المؤمنون: ۲-۱)

''وہ مومن جو اپنی نماز' خشوع سے ادا کرتے ہیں' نجات پا گئے۔''

عبداللہ بن مسعود نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کی کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہ جائے گا اور جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک شخص عمدہ لباس پہننا چاہتا ہے' تو فرمایا:

اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے، خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں۔ حق بات قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا' تکبر کہلاتا ہے۔

(اخرجه مسلم: ۹۱، ترمذی: ۱۹۹۹، ابو داؤد: ۴۰۹۲)

مسلم اعور نے انس بن مالک سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ مریض کی عیادت کو جایا کرتے۔ جنازہ کے ساتھ جاتے' گدھے پر سوار ہوتے، ایک غلام کی بھی دعوت قبول کرتے۔

بنی قریظہ اور بنی نضیر کی جنگ کے دن آپ گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی اور جھول بھی چھال کا تھا۔ (اخرجه الترمذی: ۱۰۱۷، ابن ماجه: ۴۱۷۸)

خشوع اور تواضع کی تعریف:

خشوع' حق تعالیٰ کی تابعداری کرنا ہے اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سپرد کرنے اور اس کے حکم پر اعتراض نہ کرنے کا نام' تواضع ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اپنے دین سے سب سے پہلی چیز جو گم ہوگی' تو وہ خشوع ہے۔

کسی صوفی سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا' تو فرمایا:

''خشوع یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کے سامنے پورے ارادے سے کھڑا ہوا۔''

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں خشوع ہے، شیطان اس کے قریب نہ آئے گا۔

مروی ہے کہ بندے کے خشوع کی علامت یہ ہے کہ جب اسے غصہ دلایا جائے' یا اس کی مخالفت کی جائے' یا اس کو رد کیا جائے' تو وہ ان باتوں کو بخوشی قبول کرے۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ دل کا خشوع یہ ہے کہ نگاہوں کو دیکھنے سے مقید کر دیا جائے۔

محمد بن علی ترمذی سے مروی ہے کہ خشوع کرنے والا شخص وہ ہے' جس کی خواہشات کی آگ بجھ چکی ہے اور اس کے سینہ کا دھواں ساکن ہو چکا ہے اور تعظیم کا نور اس کے دل میں روشن ہو چکا ہے۔ جس کی خواہشات نفسانی مر چکی ہے' جس کا دل زندہ ہو چکا ہے اور اس کے تمام اعضاء میں خشوع سیرایت کر چکا ہو۔

حسن بصری سے مروی ہے کہ ایسا دائمی خوف' جو دل کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہو' خشوع کہلاتا ہے۔

جنید سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا' تو فرمایا:

علام الغیوب کے سامنے دلوں کا ذلیل ہونا' خشوع کہلاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ﴾ (الفرقان: ٦٣)

اللہ کے بندے وہ ہیں' جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں' جو اپنے جوتوں کے تسمے بھی اچھے نہیں رکھتے۔

خشوع کا مقام دل ہے:

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ خشوع کا مقام دل ہے۔

ایک صوفی نے ایک آدمی کو دیکھا۔ بظاہر بہت مفکر اور غمگین تھا اور اس کے دونوں کندھے سکڑ گئے تھے۔ صوفی نے اسے اس کے سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ارے! خشوع تو یہاں ہوتا ہے اور کندھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہاں نہیں ہوتا۔

روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں داڑھی کے ساتھ کھیل رہا ہے' تو حضور نے فرمایا کہ اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا' تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع پایا جاتا۔ (اخرجه ابن ابی شیبه فی مصنفه: ۲/ ۱۹۰)

مروی ہے کہ نماز میں بھی خشوع کی شرط یہ ہے کہ نمازی کو معلوم ہی نہ ہو کہ کون اس کے دائیں جانب ہے، اور کون بائیں جانب۔

استاد امام نے فرمایا کہ حق سبحانہ کے حضور میں اپنے دل کو باادب جھکا دینے کا نام خشوع ہے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطلاع سے دل کا مرجھا جانا خشوع کہلاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ حقیقت کے غلبہ کے وقت دل کا پگھلنا اور پیچھے ہٹنا خشوع کہلاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ خشوع ہیبت خداوندی کے غلبہ کا پیش خیمہ ہے۔

نیز فرمایا کہ خشوع رونگٹوں کا کھڑا ہو جانا ہے' جو حقیقت کے کھل جانے کے وقت دل پر یکا یک طاری ہو جاتا ہے۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے ہاں یہ بات بری سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ظاہری جسم سے اس قدر خشوع سمجھا جائے، جتنا کہ اس کے دل میں نہ ہو۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ اگر سب لوگ اس بات پر اکھٹے ہو جائیں کہ وہ میری قدر کو اس قدر گھٹا دیں، جس قدر کہ میں نے خود اسے گھٹا رکھا ہے' تو وہ یہ بات نہ کر سکیں گے۔

خشوع و تواضع ہی مقصود ہے:

مروی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو نہ گھٹائے گا' وہ اوروں کے نزدیک بلند نہ ہو سکے گا۔

عمر بن عبدالعزیز مٹی کے سوا کسی اور چیز پر سجدہ نہ کیا کرتے تھے۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا' وہ جنت میں نہ جائے گا۔

(اخرجه الترمذی:۱۹۹۸،ابوداؤد:۴۰۹۱،ابن ماجه:۵۹)

مجاہد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کر دیا' تو اور پہاڑوں نے اپنا سر اونچا رکھا۔ مگر جودی پہاڑ نے سرنگوں کر دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے نوح کی کشتی کی قرارگاہ بنایا۔

عمر بن خطاب تیز چلا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس طرح کام جلد سرانجام پاتے ہیں اور یہ چال اکڑ اور غرور سے انسان کو دور رکھتی ہے۔

ایک رات عمر بن عبدالعزیز کچھ لکھ رہے تھے۔ آپ کے پاس ایک مہمان تھا کہ چراغ بجھنے لگا۔ مہمان نے کہا کہ میں اٹھ کر چراغ درست کر دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا کہ مہمان سے خدمت لینا شرافت نہیں ہے۔ مہمان نے کہا: پھر نوکر کو بیدار کریں۔

فرمایا: یہ بھی نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ابھی سویا ہے۔ لہٰذا آپ خود اٹھ کر اس صراحی کی طرف گئے' جس میں تیل تھا اور چراغ میں تیل ڈالا۔ مہمان نے کہا: اے امیر المومنین! آپ خود اٹھ کر گئے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں جب اٹھ کر گیا تھا' تب بھی عمر

تھا اور واپس آیا ہوں' تب بھی عمر ہوں۔

ابو سعید خدری' نبی ﷺ کے اخلاق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ خود اونٹ کے آگے چارہ ڈالا کرتے' گھر میں جھاڑو دیتے' جوتا سیتے' کپڑے میں پیوند لگاتے اور بکری کا دودھ دوہتے' خادم کے ساتھ کھانا کھاتے اور جب وہ تھک جاتا' تو اس کے ساتھ مل کر چکی پیستے' آپ بازار سے سودا سلف خود اٹھا کر لانے میں شرم محسوس نہ کرتے تھے۔ ہر وغریب سے مصافحہ کرتے' سلام کرنے میں پہل کرتے' کسی قسم کی بھی دعوت ہوتی' آپ اسے حقیر نہ سمجھتے ،خواہ وہ ادنیٰ قسم کی کھوریں ہی کیوں نہ ہوتیں، آپ نرم خو اور نرم اخلاق والے تھے اور کریم الطبع تھے۔

لوگوں سے اچھی طرح میل جول رکھتے' خندہ پیشانی اور تبسم سے پیش آتے۔ ضحک وہنسی کا مظاہرہ نہ کرتے اور بغیر ترش روئی کے آپ محزون دکھائی دیتے۔ آپ متواضع تھے' مگر ذلت کا شائبہ نہ ہوتا۔ بغیر اسراف کے سخی تھے۔ رقیق القلب تھے۔ ہر مسلمان کے ساتھ رحم دل تھے۔ آپ نے کبھی سیر ہو کر ڈکار نہیں لیا اور نہ ہی کسی قسم کے لالچ کی وجہ سے کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

مردویہ صائغ نے فضیل بن عیاض سے روایت کی کہ اللہ کے لئے قرآن پڑھنے والے' عاجزی کرنے والے اور تواضع کرنے والے ہوتے ہیں اور حکام کے لئے قرآن پڑھنے والے مغرور و متکبر ہوتے ہیں۔

فضیل بن عیاض سے مروی ہے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو قدر و قیمت والا خیال کیا' اس کا انکساری میں کوئی حصہ نہیں ہوسکتا۔

تواضع کیا ہے؟

کسی نے فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے تواضع کی نسبت سوال کیا' تو فرمایا کہ تواضع یہ ہے کہ تو حق بات کے سامنے جھک جائے اور اس کی اطاعت کرے اور حق بات کہنے والے کی بات کو قبول کرے۔

فضیل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی طرف وحی بھیجی کہ میں تم میں سے ایک پر' ایک نبی سے باتیں کرنے والا ہوں' تو اس پر تمام پہاڑ اکڑنے لگے۔ مگر طور سینا نے انکساری کی' تو اسی تواضع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اس پر بات کی۔

ابراہیم بن فاتک سے مروی ہے کہ کسی نے جنید سے تواضع کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا کہ تواضع یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کے لئے اپنے آپ کو جھکا دے اور ان سے نرم برتاؤ کرے۔

وھب سے مروی ہے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی ایک کتاب میں ہے کہ میں نے آدم علیہ السلام کی پشت میں سے' ان کی اولاد کو نکالا' تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کے دل سے بڑھ کر زیادہ تواضع کرنے والا کسی اور دل کو نہیں پایا۔ اسی وجہ سے میں نے انہیں منتخب کیا

اور ان سے ہم کلام ہوا۔

ابن المبارک فرماتے ہیں کہ مالداروں سے تکبر کرنا اور فقیروں سے انکساری کرنا' تواضع کہلاتا ہے۔

کسی نے ابو یزید سے پوچھا کہ انسان کب متواضع ہوتا ہے؟ تو فرمایا: جب انسان اپنے لیے یہ خیال نہ کرے کہ اس کا کوئی مقام ہے' یہ نہ سمجھے کہ اس کی کوئی حالت ہے اور نہ یہ خیال کرے کہ مخلوق میں اس سے بڑھ کر کوئی اور برا انسان ہو سکتا ہے۔

مروی ہے کہ تواضع ایک ایسی نعمت ہے کہ جس پر کوئی شخص حسد نہیں کرتا اور تکبر ایک ایسی مصیبت ہے کہ جس پر کوئی شخص رحم نہیں کھاتا اور عزت تواضع میں ہے۔ جس نے تکبر میں عزت کو تلاش کیا' وہ اسے نہیں پاتا۔

ابو بکر محمد بن عبداللہ' ابراہیم بن شیبان سے روایت کرتے ہیں کہ تواضع میں شرافت' تقویٰ میں عزت اور قناعت میں حریت پائی جاتی ہے۔

اہل عزت لوگ:

سفیان ثوری سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ عزت والے پانچ طرح کے لوگ ہیں:

(۱) عالم' جو زاہد بھی ہو۔ (۲) فقیہ' جو صوفی ہو۔

(۳) مالدار' جو متواضع بھی ہو۔ (۴) محتاج' جو شاکر بھی ہو۔

(۵) سید زادہ جو سنی بھی ہو۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ تواضع ہر شخص کے لئے اچھی چیز ی ہے' مگر مالدار کے لئے اور بھی اچھی چیز ہے اور تکبر ہر شخص میں بدنما معلوم ہوتا ہے اور محتاج میں اور بھی زیادہ برا لگتا ہے۔

ابن عطاء سے مروی ہے کہ تواضع یہ ہے کہ تو حق بات کو قبول کرے، خواہ کہنے والا کوئی بھی ہو۔

مروی ہے کہ زید بن ثابت سوار ہوئے' تو ابن عباس ان کا رکاب پکڑنے کے لئے آگے بڑھے' تو زید نے کہا کہ اے نبی ﷺ کے چچا زاد بھائی! ٹھہر جایئے! ابن عباس نے کہا: ہمیں علماء کے ساتھ یہی برتاؤ کرنے کو کہا گیا ہے۔ زید بن ثابت نے ابن عباس کا ہاتھ پکڑ کر چوما اور فرمایا: ہمیں بھی رسول ﷺ کے گھر والوں کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تواضع مطلوب ہے:

عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کندھے پر پانی کا ایک مشکیزہ تھا' تو میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! یہ آپ کے شایان شان نہیں! فرمایا: جب میرے پاس اطاعت کرتے ہوئے لوگ آنے لگے' تو میرے دل میں

کچھ نخوت داخل ہو گئی۔ میں نے اس نخوت کو توڑنا چاہا۔ آپ مشکیزہ لے کر انصار کی ایک عورت کے حجرہ میں گئے اور اس کے برتن میں مشکیزہ انڈیل دیا۔

ابو حاتم بجستانی سے روایت ہے کہ جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے گورنر تھے' تو دیکھا گیا کہ وہ اپنی پیٹھ پر ایندھن کا گٹھا اٹھائے لئے جا رہے تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ اپنے حاکم کو راستہ دو۔

عبداللہ رازی فرماتے ہیں کہ لوگوں کی بلا امتیاز خدمت کرنے کا نام تواضع ہے۔

ابو سلیمان سے مروی ہے کہ جس شخص نے یہ خیال کیا کہ اس کی کوئی قیمت ہے' تو وہ خدمت کی مٹھاس کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ اپنے مال و دولت کی وجہ سے تکبر کرے' تو اس کے ساتھ تکبر کرنا تواضع ہے۔

شبلی سے مروی ہے کہ میری ذات نے یہودیوں کی ذلت کو بھی مات کر دیا ہے۔

ایک شخص شبلی کے پاس آیا' تو شبلی نے پوچھا: تو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: جناب میں تو ''باء'' کے نیچے کا نقطہ ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: تو میرا گواہ ہے۔ بشرطیکہ تو اپنے نفس کے لئے کوئی مقام نہ مقرر کرے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ بھی تواضع میں شامل ہے کہ تو اپنے بھائی کا جھوٹا کھائے اور پئے۔

بشر سے مروی ہے کہ دنیا داروں کو سلام نہ کر کے اپنے لئے سلامتی طلب کرو۔

شعیب بن حرب سے مروی ہے کہ میں طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک شخص نے مجھے کہنی ماری' تو میں نے مڑ کر دیکھا تو فضیل رحمۃ اللہ علیہ بن عیاض تھے۔ فرمانے لگے: اے ابو صالح! اگر تو خیال کرتا ہے کہ حج کے موقع پر ہم دونوں سے بڑھ کر کوئی اور بڑا انسان آیا ہوگا' تو تمہارا یہ خیال نہایت ہی برا ہوگا۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں نے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا' جس کے آگے آگے نوکر لوگوں کو اس کی خاطر طواف کرنے سے روک رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے اس شخص کو مدت تک بغداد کے پل پر لوگوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی' تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں نے ایک ایسے مقام پر تکبر کیا' جہاں لوگ انکساری کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے مقام پر ذلت میں مبتلا کیا' جہاں لوگ اپنے کو اونچا کرتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز اور ان کا بیٹا:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو معلوم ہوا کہ ان کے ایک بیٹے نے ایک ہزار درہم سے ایک نگینہ خریدا ہے۔ اس پر حضرت عمر نے اسے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے ایک نگینہ ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔ میری چٹھی دیکھتے ہی انگوٹھی کو بیچ ڈالو اور ایک

ہزار آدمیوں کو کھانا کھلاؤ اور دو درہموں کی ایک اور انگوٹھی خرید لو اور اس کا نگینہ چینی لوہے کا ہو اور اس پر یہ حروف کندہ کراؤ۔

رحم الله امرأ عرف قدر نفسه

''خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنی قدر پہچانی۔''

مروی ہے کہ ایک حاکم کے سامنے ایک غلام پیش کیا گیا۔ جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی۔ جب وہ قیمت لے کر آیا تو اس نے خیال کیا کہ قیمت زیادہ ہے۔ اس کے بعد پھر اسے اس کے خریدنے کا خیال آیا۔ مگر پھر اس نے قیمت خزانہ میں لوٹا دی۔ اس غلام نے کہا: میرے آقا! مجھے خرید لیں۔ کیونکہ ہزار درہم کے عوض مجھ میں ایک خصلت ہے جو ایک ہزار درہموں سے بھی زیادہ ہے۔ حاکم نے پوچھا: وہ کون سی خصلت ہے؟ غلام نے کہا: سب سے کم اور ادنیٰ خصلت یہ ہے کہ اگر آپ مجھے خرید لیں اور مجھے تمام غلاموں پر مقدم رکھیں، پھر بھی میں اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھوں گا اور یہی خیال کروں گا کہ آپ کا غلام ہوں۔ لہٰذا اس نے اسے خرید لیا۔

رجاء بن حیوۃ سے حکایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے لباس کی قیمت لگائی گئی، جن کو پہنے ہوئے وہ خطبہ دے رہے تھے۔ تو ان کی قیمت بارہ درہم لگی۔ ان کے لباس میں یہ چیزیں تھیں۔ چوغہ، پگڑی، قمیص، شلوار، چادر، دو موزے اور ایک ٹوپی۔

مروی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن واسع، اس طرح غرور سے چلے کہ کسی نے اسے پسند نہ کیا، تو ان کے باپ نے (اسے نیچا دکھانے کے خیال سے) ان سے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے تمہاری ماں کو کتنے میں خریدا ہے؟ صرف تین سو درہموں میں خریدا تھا اور تمہارا باپ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اس قسم کا اور باپ پیدا نہ کرے۔ اس کے باوجود تو اس قسم کی چال چل رہا ہے؟

عبداللہ بن منازل نے حمدون قصار سے روایت کی کہ تواضع یہ ہے کہ تو یہ خیال کرے (کہ تو دنیا میں اس قدر ادنیٰ ہے کہ) کسی شخص کو تمہاری ضرورت نہیں، نہ دین میں، نہ دنیا میں۔

ابراہیم بن ادھم:

ابراہیم بن ادھم سے مروی ہے کہ اسلام کی حالت میں صرف تین بار خوش ہوا۔ ایک بار میں ایک کشتی میں تھا۔ اس کشتی میں ایک شخص تھا۔ جو لوگوں کو خوب ہنسایا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا کہ ہم ترکوں کے علاقہ میں کافروں کو یوں پکڑ لیا کرتے تھے۔ یہ کہہ کر میرے سر کے بال پکڑ کر جھنجھوڑا۔ اس سے میں خوش ہوتا تھا۔ کیوں کہ اس کی نظر میں کشتی کے اندر مجھ سے زیادہ حقیر اور کوئی شخص نہ تھا۔

دوسری بار ایسا ہوا کہ میں ایک مسجد میں بیمار پڑا تھا، تو مؤذن نے آکر مجھ سے کہا کہ نکل جاؤ۔ مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی

کہ نکل جاؤں۔ میرا پاؤں پکڑ کر مجھے گھسیٹا اور باہر لے گیا۔

تیسری بار میں ملک شام میں تھا اور میں نے ایک پوستین پہن رکھی تھی۔ ایک بار جو میں نے اسے دیکھا' تو اس قدر جوئیں اس میں تھیں کہ بالوں اور جوؤں میں امتیاز نہ رہا تھا۔ میں اس سے خوش ہوا۔

ابراہیم سے مروی ہے کہ میں کسی چیز سے اس قدر خوش نہیں ہوا' جس قدر کہ میں اس بات سے خوش ہوا کہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک آدمی نے آ کر مجھ پر پیشاب کر دیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ:

مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ آپس میں جھگڑ پڑے۔ ابو ذر نے بلال کو کالا کہا۔ بلال نے جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دی' تو آپ نے فرمایا:

اے ابو ذر! تمہارے دل میں جاہلیت کا تکبر ابھی باقی ہے۔ یہ سن کر ابو ذر نے اپنے آپ کو گرا دیا اور قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائیں گے۔ جب تک بلال ان کے رخساروں پر پاؤں نہ رکھیں گے اور جب تک بلال نے ایسا نہ کیا' سر نہیں اٹھایا۔ (اخرجہ البخاری: ۳۰)

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا گذر کچھ بچوں پر ہوا۔ جن کے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ انہوں نے آپ کو دعوت دی۔ آپ نے اتر کر ان کے ساتھ وہ روٹی کا ٹکڑا کھایا۔ پھر ان کو اپنے گھر لے گئے اور کھانا بھی دیا اور کپڑے بھی دیئے اور فرمایا: ان کا مجھ پر احسان ہے۔ اس لئے کہ ان کے پاس تو وہی کچھ تھا' جو انہوں نے مجھے کھلا دیا اور ہمارے ہاں تو (جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے) اس سے زیادہ موجود ہے۔

مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے غنیمت کے مال میں سے صحابہ میں دوشالے تقسیم کئے اور معاذ کو ایک یمنی جوڑا بھیجا۔ انہوں نے اسے بیچ کر چھ غلام خریدے اور انہیں آزاد کر دیا۔ جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی' تو اس کے بعد انہوں نے پھر جوڑے تقسیم کئے' تو معاذ کے پاس پہلے جوڑے کے مقابلے میں کمتر جوڑا بھیجا۔ یہ دیکھ کر معاذ نے خفگی کا اظہار کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: خفگی کی کوئی بات نہیں۔ تم نے تو پہلا جوڑا بیچ ڈالا تھا۔ معاذ نے کہا: آپ کا اس میں کیا حرج ہے؟ آپ میرا حصہ مجھے دیں۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں یہ چادر آپ کے سر پر دے ماروں گا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرا سر تمہارے سامنے ہے اور بوڑھا بوڑھے کے ساتھ نرمی کیا کرتا ہے۔

❀❀❀

باب

نفس کی مخالفت اور اس کے عیوب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴾

(النازعات: ٤٠-٤١)

''جو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا۔ اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا' ایسے شخص کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔''

محمد بن منکدر نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف 'خواہشات کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوؤں سے ہے۔ (کشف الخفاء: ٣٨٢)

اتباع ھویٰ:

خواہشات کی پیروی' حق سے روکتی ہے اور لمبی آرزو' آخرت کو بھلا دیتی ہے۔ نفس کی مخالفت اصل عبادت ہے۔ مشائخ صوفیاء سے اسلام کے متعلق دریافت کیا گیا' تو فرمایا: مخالفت کی تلوار سے نفس کو ذبح کرنے کا نام اسلام ہے۔ جس شخص کے نفس کی خواہشات ظاہر ہوتی ہیں، اس شخص کے' اللہ کے ساتھ' انس کے روشن راستے غروب ہو جاتے ہیں۔

ذوالنون مصری سے روایت ہے کہ غور و فکر عبادت کی کنجی ہے اور درست کام کرنے کی نشانی یہ ہے کہ تو نفس اور خواہشات کی مخالفت کرے اور ان دونوں کی مخالفت' ان کی خواہشات کو ترک کر دینے سے ہوتی ہے۔

ابن عطاء سے مروی ہے کہ نفس کی سرشت ہے کہ برے آداب کی طرف لگے اور بندے کو حکم دیا گیا ہے کہ آداب کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ لہٰذا نفس اپنی طبیعت کے تقاضے کے مطابق مخالفت کے میدان میں رواں ہوتا ہے اور بندہ اسے اپنی کوشش سے برے مطالبات سے روکتا ہے۔ جس نے نفس کی باگ چھوڑ دی، وہ نفس کی برائیوں میں نفس کا شریک ہے۔

ابو عمر انماطی نے جنید سے روایت کی کہ نفس جو ہمیں برائیوں کا حکم دیتا ہے، وہی ان ہلاکتوں کو بلاتا ہے، جو

دشمن (شیطان) کی مددگار ہیں اور ہم سے ایسی خواہشات کی پیروی کراتی ہیں، جو طرح طرح کی برائیوں کے ساتھ متہم ہیں۔

ابوحفص سے مروی ہے کہ جس شخص نے ہر لحظہ اپنے نفس کو متہم نہیں کیا اور ہر حالت میں اس کی مخالفت نہیں کی اور اپنے تمام ایام (زندگی) میں اسے ایسے امور میں نہیں لگایا، جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے' تو وہ شخص دھوکا کھائے گا اور جس شخص نے نفس کی کسی ایک چیز کو بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، اس نے اسے ہلاک کر دیا۔ عقل مند اپنے نفس سے کیسے راضی ہوسکتا ہے؟ جبکہ کریم' ابن کریم' ابن کریم' ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل جیسی شخصیت فرماتی ہے:

﴿ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْءِ ﴾ (یوسف:۵۳)

''میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا، کیونکہ نفس تو بدی کا حکم دیتا ہے۔''

جنید سے مروی ہے کہ میں ایک رات بیدار رہا اور اپنے ورد کے لئے اٹھا، مگر وہ لذت جو میں محسوس کیا کرتا تھا، حاصل نہ ہوئی۔ میں نے سوچا کہ سو جاؤں۔ مگر سو نہ سکا۔ پھر میں بیٹھ گیا مگر مجھ سے بیٹھا نہ گیا۔ اس پر میں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ دیکھتا کیا ہوں ایک شخص چوغے میں لپٹا ہوا راستہ پر پڑا ہے۔ جب اس نے میری آہٹ سنی' تو سر اٹھا کر کہا: اے ابوالقاسم! اتنی دیر لگا دی۔ میں نے عرض کیا: جناب! میرا آپ سے کوئی وعدہ نہ تھا۔ فرمانے لگے: کیوں نہیں؟ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو دلوں کو حرکت دینے والا ہے، درخواست کی تھی کہ وہ آپ کے دل کو حرکت دے۔ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے یہ بات تو کر دی۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ دل کی بیماری' دل کا علاج کب بن جاتی ہے؟

میں نے جواب دیا: جب نفس اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے' تو اس کی بیماری خود اس کا علاج بن جاتی ہے۔

یہ سن کر وہ شخص اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ سن لو۔ میں نے یہی جواب تمہیں سات بار دیا' مگر تو نے مجھ سے یہ جواب قبول نہیں کیا۔ اور کہتا رہا، جب تک جنید سے نہ سن لوں گا' نہ مانوں گا۔ اب تو نے جنید سے جواب سن لیا۔

جنید فرماتے ہیں: یہ کہا اور وہ شخص کہیں چلا گیا، نہ میں اس شخص کو جانتا تھا اور نہ اس واقعہ کے بعد اس سے واقفیت ہوئی۔

ابوبکر طمستانی سے مروی ہے کہ اپنے نفس (کے قابو) سے نکلنا ہی سب سے بڑی نعمت ہے، اس لئے کہ تمہارا نفس ہی اللہ اور تمہارے درمیان بہت بڑا حجاب ہے۔

سہل سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نفس اور اس کی خواہشات کی مخالفت کی جائے۔

ابوعمر انماطی سے روایت ہے کہ کسی نے ابن عطاء سے پوچھا کہ وہ کون سی چیز ہے، جس سے اللہ تعالیٰ بہت جلد ناراض ہوتا ہے؟ فرمایا: نفس اور اس کے احوال کو (بنظر استحسان) دیکھنا اور اس سے بھی سخت بات یہ ہے کہ انسان نفس کے افعال پر معاوضہ کی امید رکھے۔

جعفر بن نصیر نے ابراہیم خواص سے روایت کی کہ میں جبل لکام پر تھا' تو وہاں انار دیکھا۔ میرے نفس نے اس کی خواہش کی۔ چنانچہ میں نے بڑھ کر ایک انار لے لیا۔ جب اس کو ٹکڑے کیا' تو ترش نکلا۔ میں انار چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے ایک شخص کو زمین پر پڑا ہوا پایا، جس پر بھڑیں اکٹھی ہو رہی تھیں۔ میں نے السلام علیک کہا۔ اس نے جواب میں کہا: اے ابراہیم! وعلیک السلام۔ میں نے پوچھا: آپ نے مجھے کس طرح پہچانا؟

کہا: جسے اللہ معرفت دے، اس سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی۔ پھر میں نے کہا: میں دیکھتا ہوں، اللہ کے ہاں آپ کا مرتبہ ہے۔ لہٰذا اگر آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ آپ کو ان بھڑوں سے بچائے (تو وہ بچا سکتا ہے)۔

اس نے کہا: میں بھی دیکھتا ہوں کہ آپ کا اللہ کے ہاں مرتبہ ہے۔ اگر آپ اللہ سے درخواست کرتے کہ وہ انار کی خواہش سے آپ کو بچائے (تو اللہ بچا سکتا تھا)۔ اس لئے کہ انار کے کاٹنے کا درد انسان آخرت میں پائے گا۔

اور بھڑوں کے کاٹنے کا درد صرف دنیا میں ہوگا۔ اس پر میں انہیں چھوڑ کر چل دیا۔

سستے چھوٹے....!

ابراہیم بن شیبان سے حکایت ہے کہ میں نے چالیس سال تک کبھی چھت کے نیچے رات نہیں گزاری اور نہ ہی ایسی جگہ رات گذاری، جس پر تالا لگا ہو۔ بعض اوقات میں چاہتا تھا کہ مجھے پیٹ بھر کر مسور کی دال مل جائے، مگر ایسا نہ ہوا۔

ایک بار میں شام میں تھا کہ میرے پاس ایک بڑا پیالہ' جس میں مسور کی دال تھی' لایا گیا۔ میں نے اس میں سے کھایا اور باہر نکلا، تو میں نے کچھ بوتلیں لٹکی ہوئی دیکھیں۔ جن میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نمونے کی کچھ سیال چیز ہے۔ میں نے اسے سرکہ سمجھا۔ کسی شخص نے مجھ سے کہا: تو کیا دیکھ رہا ہے؟ شراب کے نمونے ہیں اور مٹکوں میں بھی شراب ہے۔

اس پر میں نے اپنے دل میں کہا: اب تو مجھ پر ایک فرض عائد ہو گیا ہے۔ لہٰذا میں شراب فروش کی دوکان میں داخل ہو گیا اور تمام مٹکوں کو انڈیلتا گیا۔ شراب فروش یہ سمجھتا رہا کہ میں سلطان کے حکم سے انڈیل رہا ہوں۔ مگر جب اسے حقیقت کا علم ہوا۔ تو مجھے ابن طولون کے پاس لے گیا۔ ابن طولون نے مجھے دو سو بید لگانے کا حکم دیا اور مجھے قید کر دیا۔

ایک مدت تک میں قید میں رہا۔ یہاں تک کہ میرے استاد (استاد ابو عبداللہ مغربی) اس شہر میں آئے۔ اور میری سفارش کی، جب ان کی نظر مجھ پر پڑی' تو فرمانے لگے: کیا کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: پیٹ بھر کر دال کھائی اور دو سو بید کھائے۔ ابو عبداللہ مغربی نے جواب دیا: سستے چھوٹے۔

جنید نے سری سقطی سے روایت کی کہ تیس یا چالیس سال سے میرا نفس مجھ سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ میں ایک گاجر شہد میں ڈبو کر (کھالوں)، مگر میں نے نفس کی اطاعت نہیں کی۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی نے اپنے نانا سے روایت کی کہ انسان کے لئے آفت اس بات میں ہے کہ اس کا نفس، جو کام کر رہا ہے، وہ اس پر رضامندی کا اظہار کرے۔

حسین بن علی قرمسینی سے مروی ہے کہ عصام بن یوسف بلخی نے کوئی چیز حاتم اصم کے پاس بھیجی اور انہوں نے اسے قبول فرمایا۔ کسی نے پوچھا: آپ نے کیوں قبول کر لیا؟ فرمایا: اس کے سینے میں ان کی عزت پائی جاتی تھی اور میری ذلت ...اور اسے رد کر دینے میں میری عزت تھی اور ان کی ذلت، میں نے اپنی عزت پر ان کی عزت کو ترجیح دی اور اپنی ذلت کو ان کی ذلت پر۔

کسی صوفی سے کسی نے پوچھا کہ میں ساری دنیا سے الگ ہو کر حج کرنا چاہتا ہوں' تو صوفی نے جواب دیا کہ پہلے اپنے دل کو ہر قسم کے سہو سے' نفس کو لہو و لعب سے' اور زبان کو لغو باتوں سے خالی کر لو۔ پھر جہاں چاہو، جاؤ۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں:

جس شخص نے رات کے وقت کوئی نیک کام کیا، اسے اسی دن اس کی جزاء مل جاتی ہے اور جس نے دن کے وقت نیک کام کیا، اسے اسی رات کو بدلہ مل جاتا ہے اور جس نے اپنی خواہشات کو صدق دل سے ترک کیا، اللہ تعالیٰ اسے ان خواہشات کی تکلیف سے کفایت کرتا ہے اور اللہ اس سے بہت زیادہ کریم ہے کہ وہ اس دل کو سزا دے، جس نے اپنی خواہشوں کو اللہ کی خاطر ترک کیا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی: اے داؤد! اپنے اصحاب کو خواہش کی چیزیں کھانے سے بچاؤ۔ اسے لئے کہ جو دل خواہشات دنیا میں لگے رہتے ہیں، ان کی عقلیں مجھ سے حجاب میں رہتی ہیں۔

ایک آدمی کو لوگوں نے دیکھا کہ ہوا میں بیٹھا ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا: تو نے یہ بات کیسے حاصل کی؟

جواب دیا: میں نے اپنی خواہشات کو ترک کیا، لہٰذا ہوا میرے حکم کے ماتحت ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ اگر کسی مومن کو ایک ہزار خواہش بھی پیش آئے، وہ انہیں خوف کے ذریعہ سے نکال سکتا ہے اور اگر کسی کافر کو ایک خواہش بھی پیش آ جائے' تو یہی اس کے دل سے خوف کو نکال دیتی ہے۔

مروی ہے کہ تو اپنی باگ اپنی خواہش کے ہاتھ میں نہ دے۔ کیونکہ وہ تجھے تاریکی کی طرف لے جائے گی۔

یوسف بن اسباط سے مروی ہے کہ صرف بے قرار کرنے والا خوف اور بے چین کرنے والا شوق ہی دل سے خواہشات کو نکال سکتا ہے۔

خواص سے مروی ہے کہ جس شخص نے کوئی خواہش ترک کی۔ پھر اس کے دل کو کوئی چیز اس کے بدلے میں نہیں ملی، تو سمجھ لو کہ وہ اسے ترک کرنے میں جھوٹا ہے۔

جعفر بن نصیر فرماتے ہیں کہ جنید نے مجھے ایک درہم دیا اور فرمایا کہ اس سے وزیری انجیر خرید لا۔ جب افطار کرنے لگے تو ایک انجیر لے کر منہ میں رکھی۔ پھر اسے پھینک دیا اور رو پڑے فرمایا: اسے اٹھالو۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا: میرے دل سے آواز آئی کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک خواہش کو تو نے محض میرے لئے چھوڑ دیا۔ پھر تو اسی خواہش کا اعادہ کرتا ہے۔ صوفیاء ایسے موقعہ پر یہ شعر پڑھتے ہیں:

نون الھوانِ من الھویٰ مسروقة   وصریع کل ھویً صریع ھوان

لفظ ہوان (جس کے معنی ذلت کے ہیں) کا نون ہویٰ (خواہش) سے چرالیا گیا ہے۔ جسے خواہش نے پچھاڑا، اسے ذلت گرالیتی ہے۔

❀❀❀

باب

حسد

نفس کے کئی مذموم اخلاق ہیں، ان میں سے ایک حسد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴾ (الفلق ۲-۱)

اے نبی! آپ یوں کہیں کہ میں صبح کے رب کے ساتھ ان چیزوں سے پناہ لیتا ہوں، جن کو اس نے پیدا کیا۔

اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾ (الفلق:۵)

اور جب حاسد حسد کرے، تو اس کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو، جسے اللہ تعالیٰ نے تعویز قرار دیا ہے، حسد کے ذکر پر ختم کیا ہے۔

گناہ کی جڑ...تین اشیاء:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ

تین چیزیں ہر گناہ کی جڑ ہیں، ان سے ڈرو اور ان سے بچو۔

تکبر سے بچو، کیونکہ تکبر ہی نے ابلیس کو اکسایا تھا کہ آدم کو سجدہ نہ کر۔

حرص سے بچو، کیونکہ آدم کو حرص ہی نے درخت کا پھل کھانے پر مجبور کیا۔

اور حسد سے بچو، کیونکہ حضرت آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو حسد ہی نے برانگیختہ کیا کہ اپنے بھائی کو قتل کرو۔

(کنز العمال:۷۷۳٤)

کسی کا قول ہے کہ حاسد (حسد کرنے والا) جاحد (انکار کرنے والا) ہے۔ اس لئے کہ وہ واحد (اللہ تعالیٰ) کی قضاء پر راضی نہیں ہوتا۔

یوں بھی کہا گیا ہے: حاسد سردار نہیں بن سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ (الاعراف:۳۳)

میں ''ما بطن'' کی تفسیر کسی نے حسد سے کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے ایک کتاب میں ہے کہ حاسد میری نعمتوں کا دشمن ہے۔

حسد سے بچنا ہی قابل قدر ہے:

کسی کا قول ہے کہ حسد کا اثر دشمن میں ظاہر ہونے سے پہلے' خود تجھ میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

اصمعی سے مروی ہے کہ میں نے ایک بدوی کو دیکھا۔ جس کی عمر کے ایک سو بیس سال گذر چکے تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہاری عمر کس قدر لمبی ہے؟ جواب دیا: میں نے حسد ترک کر دیا، لہٰذا میں بچا رہا۔

ابن المبارک سے مروی ہے کہ شکر ہے، اس خدا کا کہ اس نے میرے امیر کے دل میں وہ بات ڈالی، جو میرے حاسد کے دل میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ پانچویں آسمان میں ایک فرشتہ ہے۔ جب کسی بندے کا عمل اس کے پاس سے گذرتا ہے اور اس کی روشنی سورج کی طرح ہوتی ہے' تو یہ فرشتہ کہتا ہے: ذرا ٹھہر جا! میں حسد کا فرشتہ ہوں۔ (اور تیرے عمل میں حسد کی ملاوٹ ہے)۔ لہٰذا میں اس عمل والے کے منہ پر اسے دے ماروں گا۔ اس لئے کہ یہ شخص حاسد ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ہر انسان کو راضی کر سکتا ہوں، سوائے حاسد کے' کیونکہ وہ تو بغیر اس کے کہ یہ نعمت مجھ سے زائل ہو جائے، راضی نہیں ہونے کا۔

مروی ہے کہ حسد کرنے والا ایسا ظالم ہوتا ہے' جو نہ کسی چیز کو باقی رکھتا ہے، اور نہ چھوڑتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ میں نے حاسد سے بڑھ کر کسی ظالم کو مظلوم کے ساتھ زیادہ مشابہ نہیں دیکھا، کیونکہ حاسد کو ہمیشہ غم رہتا ہے۔

مروی ہے کہ حسد کرنے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ جب تمہارے سامنے آئے' تو چاپلوسی کرے اور جب چلا جائے' تو غیبت کرے اور جب (محسود پر) مصیبت نازل ہو' تو وہ خوش ہو۔

حضرت معاویہ سے مروی ہے کہ شر کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت' حسد سے بڑھ کر انصاف کرنے والی نہیں۔ اس لئے کہ یہ محسود سے پہلے حاسد کو تباہ کرتی ہے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں تجھے سات چیزوں کا حکم دیتا ہوں:

میرے نیک بندوں کی غیبت نہ کرنا اور میرے بندوں میں سے کسی سے حسد نہ کرنا' تو سلیمان علیہ السلام نے عرض کی:

اے میرے رب! میرے لئے اسی قدر کافی ہے۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے پاس دیکھا۔ انہیں اس پر رشک آ گیا اور پوچھا کہ اس شخص کی کیا تعریف ہے؟ جواب ملا کہ یہ شخص لوگوں سے ان چیزوں پر حسد نہیں کرتا تھا' جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطاء کی ہوئی تھیں۔

مروی ہے کہ حاسد جب کسی کے پاس' اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھتا ہے' تو پریشان ہوتا ہے اور اس شخص سے کوئی لغزش دیکھتا ہے' تو خوش ہوتا ہے۔

نیز فرمایا کہ اگر تو حاسد سے بچنا چاہے' تو اپنے امور کو اس سے مشتبہ بنا کر رکھو۔

مروی ہے کہ حاسد اس شخص پر غضب ناک ہوتا ہے' جس کا کوئی گناہ نہیں اور جو چیزیں اس کی ملکیت میں بھی نہیں ہیں، ان پر بخل کرتا ہے۔

مروی ہے کہ حاسد کو دوست بنانے کے لئے اپنے آپ کو تکلیف نہ دو۔ کیونکہ وہ تمہارا احسان قبول نہ کرے گا۔

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر ایسا دشمن مسلط کرنا چاہے، جو اس پر رحم نہ کرے تو اس پر حسد کرنے والے کو مسلط کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

وحسبك من حادث بامرئ ترى حاسديه له راحمينا

كل العداوة قد ترجى اماتتها الا عداوة من عاداك من حسد

کسی انسان کے ساتھ صرف یہ حادثہ کافی ہے کہ اس کے حاسد بھی اس پر رحم کھا رکھے ہیں۔

ہر قسم کی دشمنی کے مٹ جانے کی امید ہو سکتی ہے، مگر اس شخص کی دشمنی نہیں مٹ سکتی' جو حسد کی وجہ سے تم سے دشمنی رکھتا ہو۔

قل للحسود اذا تنفس طعنة ياظالما وكانه مظلوم

ابن المعتز سے مروی ہے کہ جب حاسد آہ بھرے' تو کہو: اے ظالم! خدا تجھے نیزہ مارے' حالانکہ وہ اپنے حسد کی وجہ سے مظلوم دکھائی دیتا ہے۔ نیز یہ شعر پڑھا جاتا ہے:

واذا اراد الله نشر فضيلة طويت اتاح لها لسان حسود

جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کوئی چھپی ہوئی فضیلت لوگوں پر مشہور ہو جائے' تو اس کی قسمت میں حاسد کی زبان لکھ دیتا ہے۔

باب

غیبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ﴾ (الحجرات:١٢)

''تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟''

غیبت سے بچنا ضروری ہے:

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مگر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا: یہ شخص کس قدر کمزور ہے؟ اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

تم نے اپنے بھائی کو کھایا ہے اور اس کی غیبت کی ہے۔ (اخرجه الطبراني في الاوسط:٤٦١)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جس شخص کی وفات غیبت سے توبہ کرنے کے بعد ہوئی، وہ سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اور جو غیبت پر اصرار کرتے ہوئے مرا وہ سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔

عوف فرماتے ہیں کہ میں ابن سیرین کے پاس گیا اور حجاج کو برا بھلا کہا، اس پر ابن سیرین نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ایک منصف حاکم ہے۔ جس طرح لوگوں کے حقوق کا مطالبہ حجاج سے کرے گا، اسی طرح حجاج کے حقوق کا مطالبہ بھی کرے گا اور جب تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آئے گا تو چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی جو تم نے کیا ہوگا، وہ اس بڑے سے بڑے گناہ سے جس کو حجاج نے کیا، تمہارے لئے زیادہ سخت ہوگا۔

غیبت نیکیوں سے خالی کر دیتی ہے:

مروی ہے کہ ابراہیم بن ادہم ایک دعوت میں مدعو تھے۔ یہ وہاں گئے ایک ایسے شخص کا ذکر لوگوں نے چھیڑ دیا جو ابھی نہیں آیا تھا۔ انہوں نے اس کے متعلق کہا کہ وہ بھاری ہے۔ یہ سن کر ابراہیم نے کہا: مجھ سے جو کچھ کہا ہے۔ میرے نفس نے کہا ہے۔ کیونکہ میں ایسی جگہ آ گیا ہوں، جہاں لوگ ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ نکل کر چلے گئے اور تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔

مروی ہے کہ اس شخص کی مثال، جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے اس شخص کی سی ہے، جس نے ایک منجنیق نصب کر رکھی ہے اور ہر جہت میں اپنی نیکیوں کو اس منجنیق کا نشانہ بنا رہا ہے۔ وہ کبھی کسی خراسانی کی غیبت کرتا ہے، کبھی حجازی کی اور کبھی ترکی کی۔ اس طرح وہ اپنی نیکیوں کو تقسیم کر دیتا ہے اور جب اٹھتا ہے، تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔

مروی ہے کہ قیامت کے دن بندے کا اعمال نامہ جب لایا جائے گا اور وہ اس میں کوئی نیکی نہیں دیکھے گا' تو کہے گا: میری نماز' میرا روزہ اور عبادت کہاں گئی؟ جواب ملے گا: لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے تمہارے تمام اعمال رائیگاں گئے۔

مروی ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی غیبت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے، اس کے نصف گناہ معاف کر دیتا ہے۔

سفیان بن حسین نے کہا کہ میں ایاس بن معاویہ کے پاس بیٹھا تھا اور میں نے ایک آدمی کے متعلق برا بھلا کہا۔ ایاس نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے ترکوں اور رومیوں سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا کہ رومی' ترکی تو بچ گئے' مگر تمہارا مسلمان بھائی تم سے نہیں بچ سکا۔

مروی ہے کہ ایک آدمی کو اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور وہ اس میں ایسی نیکیاں دیکھے گا' جو اس نے کبھی نہ کی تھیں' تو اسے کہا جائے گا کہ ان غیبتوں کے عوض میں ہیں' جو لوگوں نے تیری کیں اور تجھے معلوم بھی نہ تھا۔

سفیان ثوری سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے متعلق کہ

اللہ تعالیٰ اس گھرانے کے لوگوں کو جو پلے ہوئے اور موٹے ہیں' ناپسند کرتا ہے۔

(شعب الایمان للبیهقی: ٥٦٦٨)

دریافت کیا کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں' جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: اگر میں کسی کی غیبت کرتا' تو اپنے والدین کی کرتا، کیونکہ وہ میری نیکیوں کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

مؤمن کے لیے تین قسم کا حصہ:

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ کسی مومن کے لئے تجھ سے تین قسم کا حصہ ہونا چاہیے۔

اگر تو اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا' تو اسے نقصان بھی نہ پہنچا۔

اگر تو اسے خوش نہیں کر سکتا' تو اسے مغموم بھی نہ کر۔

اور اگر اس کی مدح نہیں کر سکتا' تو مذمت بھی نہ کر۔

کسی نے حسن بصری سے کہا کہ فلاں شخص نے تیری غیبت کی ہے' تو حسن نے اس کے پاس مٹھائی کا طبق بھیجا اور کہلا بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنی نیکیوں کا طبق مجھے دیا ہے' اس لئے میں اس کے بدلے یہ بھیج رہا ہوں۔

انس بن مالک نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((من القی جلباب الحیاء عن وجھه فلا غیبة له))

''جس شخص نے حیاء کی چادر اتار دی' اس کے متعلق کچھ کہنا غیبت نہیں ہے۔''

(السنن الکبری للبیھقی: ۱۰/ ۲۱۰)

پھر ایسا کرو گے؟

جعفر بن محمد بن نصیر نے جنید سے روایت کی کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں ایک جنازہ کا منتظر بیٹھا کہ نماز جنازہ پڑھوں۔ اہل بغداد اپنے اپنے مدارج پر بیٹھے جنازہ کے منتظر تھے کہ میں نے ایک فقیر کو دیکھا' جس پر عبادت کرنے کے آثار دکھائی دیتے تھے، وہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ بہتر ہوتا کہ یہ شخص کوئی کام کرتا، تاکہ لوگوں سے اپنے نفس کو بچا سکتا' جب گھر واپس گیا اور میں رات کو وردیعنی رونے اور نماز وغیرہ میں مشغول ہوا، تو یہ تمام اوراد بوجھل معلوم ہوئے۔

میں نے بیٹھے بیٹھے صبح کر دی اور میری آنکھ لگ گئی' کیا دیکھتا ہوں کہ اسی فقیر کو ایک خوان کے اوپر میرے پاس لایا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ اس کا گوشت کھاؤ، کیونکہ تم نے اس کی غیبت کی۔ مجھ پر سارا حال منکشف ہوا' تو میں نے کہا: میں نے اس کی غیبت تو نہیں کی' میں نے صرف دل میں ایک بات کہی تھی۔ جواب ملا کہ تو ان لوگوں میں سے نہیں' جن سے اس قسم کی بات پسند کی جائے اور اس سے معافی مانگ' صبح ہوئی، میں چکر لگاتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اسے ایک جگہ پر دیکھا کہ پانی میں سے سبزی کے ان پتوں کو چن رہا ہے، جو دھونے میں گر جاتے ہیں۔ میں نے اسے سلام کیا، تو اس نے مجھے کہا کہ ابو القاسم! کیا پھر ایسا کرو گے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ اس نے پھر کہا کہ خدا میری اور تیری دونوں کی مغفرت کرے۔

ابو طاہر اسفرائنی نے ابو جعفر بلخی سے روایت کی کہ ہمارے ہاں بلخ کا ایک نوجوان تھا۔ وہ مجاہدہ اور عبادت کیا کرتا۔ مگر ہمیشہ لوگوں کی غیبت کرتا اور کہتا: فلاں ایسا ہے، فلاں ویسا ہے۔ ایک روز میں نے اسے ان ہیجڑوں کے پاس سے نکلتا دیکھا' جو لوگوں کے کپڑے دھویا کرتے تھے۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا، کہنے لگا: یہ لوگوں کو برا کہنے کی سزا ہے کہ مجھے اس حال میں ڈال دیا۔

میں ان میں سے ایک مخنث کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہوں' اس لئے اس مخنث کی وجہ سے میں ان کی خدمت کرتا ہوں اور پہلے احوال جو مجھے اللہ کی طرف سے حاصل تھے، سب جاتے رہے۔ لہٰذا آپ اللہ سے دعا کریں کہ مجھ پر رحم کرے۔

باب

قناعت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً ﴾ (النحل:۹۷)

''جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت' ہم اسے ضرور اچھی زندگی عطاء کریں گے۔''

بہت سے اہل تفسیر کا قول ہے کہ حیات طیبہ سے مراد دنیا میں قناعت ہے۔

جابر بن عبداللہ نے روایت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((القناعة كنزلا يفنى))

''قناعت نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔'' (الترغيب و الترهيب:۱۲۳۶)

حضرت ابو ہریرہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا

پرہیز گار بنو، تم سب سے زیادہ عبادت گذار بن جاؤ گے۔ قانع بنو، تم سب سے زیادہ شکر گزار ہو جاؤ گے۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو، تم مومن بن جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی سے اچھی طرح سے پیش آؤ، تم مسلمان کہلاؤ گے۔ کم ہنسو کیونکہ بہت ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (اخرجه ابن ماجه:۴۲۱۷)

مروی ہے کہ محتاج لوگ مردے ہیں، ماسوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ قناعت کی عزت سے زندہ رکھے۔

قناعت کیا ہے؟

بشر حافی فرماتے ہیں کہ قناعت ایک فرشتہ ہے، جو مومن کے دل کے سوا کہیں سکونت اختیار نہیں کرتا۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ قناعت اور رضاء کا آپس میں وہی تعلق ہے، جو ورع اور زہد کا ہے۔ قناعت رضاء کی ابتداء ہے اور ورع زہد کی۔

مروی ہے کہ جن چیزوں سے انسان کو الفت ہے، ان کے نہ ہونے پر بھی سکون ہونے کا نام قناعت ہے۔

ابوبکر مراغی فرماتے ہیں کہ عقلمند وہ شخص ہے، جو دنیاوی امور کی تدبیر قناعت اور لیت ولعل کرنے سے کرے اور آخرت کے امور کی تدبیر حرص اور جلد بازی سے کرے اور دین کے معاملات کی تدبیر علم اور کوشش سے کرے۔

ابوعبداللہ بن خفیف سے مروی ہے کہ مفقود چیز کی امید کو ترک کرنے اور موجود چیز کے ساتھ استغفار کرنے کا نام قناعت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ﴾ (الحج: ۸۵)

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ رزق حسن سے مراد قناعت ہے۔

محمد بن علی ترمذی سے مروی ہے کہ جو رزق کسی انسان کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے، اس پر راضی رہنے کا نام قناعت ہے۔

نیز فرمایا کہ قناعت یہ ہے کہ تجھے جو چیز مل گئی ہے، اس پر اکتفاء کرے اور جو چیز حاصل نہیں ہوئی، اس کا لالچ نہ کرے۔

وہب فرماتے ہیں کہ عزت اور مالداری دونوں رفیق کی تلاش میں نکلیں۔ انہیں قناعت مل گئی اور وہ وہیں ٹھہر گئیں (کہ اب اور کسی چیز کی تلاش کی ضرورت نہیں)۔

مروی ہے کہ جس کسی میں قناعت زیادہ پائی جائے گی، اسے ہر قسم کا شوربا اچھا لگے گا اور جو شخص ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قناعت عطاء کرتا ہے۔

مروی ہے کہ ابوحازم ایک قصاب کے پاس سے گذرے۔ جس کے پاس فربہ گوشت تھا۔ قصاب نے ابوحازم سے کہا کہ گوشت لے لیں۔ اس لئے کہ یہ فربہ ہے۔ انہوں نے کہا: میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں۔ قصاب نے کہا کہ میں آپ کو مہلت دے دوں گا۔ ابوحازم نے فرمایا کہ میرا نفس مجھے تم سے بہتر مہلت دے گا۔

قانع کون شخص ہے:

کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ قانع کون شخص ہوسکتا ہے؟ جواب ملا کہ وہ شخص، سب سے زیادہ قانع ہے، جو سب سے زیادہ لوگوں کی مدد کرتا ہے اور انہیں کم تکلیف دیتا ہے۔

زبور میں ہے کہ "قناعت کرنے والا، خواہ بھوکا ہی کیوں نہ ہو، مالدار ہوتا ہے۔"

پانچ چیزیں:

مروی ہے اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کو پانچ جگہوں پر رکھا ہے:

عزت کو اطاعت میں۔

ذلت کو معصیت میں۔

مصیبت کو قیام لیل میں۔

حکمت کو خالی پیٹ میں

اور مالداری کو قناعت میں۔

ابراہیم مارستانی فرماتے ہیں کہ اپنی حرص سے اس طرح انتقام لو، جس طرح تم اپنے دشمن سے قصاص کے ذریعے بدلہ لیتے ہو۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ جس نے قناعت کی' وہ اپنے اہل زمانہ سے آرام میں رہا اور اپنے ساتھیوں سے سبقت لے گیا۔

مروی ہے کہ جس نے قناعت کی، وہ اہل زمانہ سے آرام میں رہا اور اس نے سب پر فوقیت حاصل کی۔

کتانی سے مروی ہے کہ جس نے حرص کے عوض قناعت لی اسے عزت اور مروت مل گئی۔

نیز فرمایا کہ

جو شخص لوگوں کے مال پر نگاہ رکھتا ہے، اس کا غم زیادہ ہوتا ہے۔

یہ شعر بھی پڑھا جاتا ہے۔

واحسن بالفتی من یوم عام ینال به الغنی کرم وجوعٌ

انسان کے لئے اس عار والے دن سے' جن میں وہ مال و دولت حاصل کرے، کرم اور بھوک بہتر ہے۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک دانا کو دیکھا کہ جو سبزی پانی کے اوپر گر پڑی تھی، وہ اسے کھا رہا تھا۔ اس شخص نے دانا سے کہا کہ اگر تو بادشاہ کی نوکری کر لیتا' تو تجھے یہ کھانے کی نوبت نہ آتی۔ دانا نے جواب دیا تو بھی اگر قناعت کرتا تو تجھے بادشاہ کی نوکری کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

مروی ہے کہ عقاب اپنی اڑنے کی جگہ میں بڑا ذی عزت ہوتا ہے۔ کسی صیاد کی نگاہ یا طمع اس کی طرف اٹھ نہیں سکتی۔ مگر جب وہ کسی مردار کی' جو جال میں پھنسا ہوا ہے، طمع کرتا ہے تو اپنے اڑنے کی جگہ سے نیچے اتر آتا ہے اور جال میں پھنس جاتا ہے۔

مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے طمع کا ذکر کرتے ہوئے خضر کو کہا:

﴿ لَوْ شِئْتَ لَا تَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ (الکهف: ۷۷)

اگر تو چاہتا تو اس کی اجرت لے سکتا تھا۔ خضر نے جواب دیا:

﴿ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ﴾ (الکهف: ۷۸)

اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔

نیز فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے' تو موسیٰ اور خضر کے درمیان ایک ہرن کھڑا ہو گیا۔ اس وقت دونوں بھوکے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہرن کا پہلو تھا۔ وہ بھنا ہوا نہ تھا اور جو پہلو خضر کی طرف تھا، وہ بھنا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴾ (الانفطار: ۱۳) میں نعیم کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ یہ قناعت ہے۔

اور ﴿اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴾ (الانفطار: ۱٤) کی تشریح دنیا کی حرص سے کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴾ (البلد: ۱۳) کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد طمع کی ذلت سے گردن کو آزاد کرنا ہے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ (الاحزاب: ۳۳) میں رجس کی تشریح بخل اور طمع سے کی گئی ہے اور

﴿ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾ (الاحزاب: ۳۳) سے مراد سخاوت اور ایثار کے ساتھ پاک کرنا ہے۔

﴿هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ ۢبَعْدِيْ ﴾ (ص: ۳۵) کی تفسیر میں ملک سے مراد قناعت کا مقام ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے قناعت کا وہ مقام عطاء فرما' جس میں میں اوروں سے ممتاز رہوں اور جہاں میں اے اللہ! تیری قضا پر راضی رہوں۔

﴿ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا ﴾ (النمل: ۲۱) کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے قناعت سلب کر دوں گا اور تجھے طمع میں مبتلا کر دوں گا۔ بالفاظ دیگر میں اللہ سے درخواست کروں گا کہ تجھے ایسا کر دے۔

کسی نے ابو یزید سے پوچھا کہ تو اس مقام پر کیونکر پہنچا؟ فرمایا کہ میں نے دنیا کے اسباب کو جمع کر کے قناعت کی رسی سے باندھ دیا۔ پھر صدق کی منجنیق میں رکھ کر ناامیدی کے سمندر میں پھینک دیا۔ لہٰذا میں آرام میں رہا۔

عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ حج کے موسم میں' میں جنید کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کے ارد گرد عجمیوں اور مولدین کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا۔ ناگاہ ایک شخص پانچ سو دینار لایا اور ان کے سامنے رکھ کر عرض کیا کہ ان کو محتاجوں میں تقسیم کر دیجئے۔

جنید نے پوچھا: کیا تمہارے پاس اور بھی دینار ہیں؟ اس نے جواب دیا: میرے پاس بہت ہیں۔

پھر جنید نے کہا: کیا تو اور بھی لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

اس پر جنید نے کہا کہ انہیں لے جا۔

کیونکہ تجھے ان کی ہم سے زیادہ ضرورت ہے اور ان دیناروں کو قبول نہیں کیا۔

باب

توکل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ (الطلاق: ۳)

''جو اللہ پر اعتماد رکھتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾ (التوبۃ: ۵۱)

''متوکلین کو چاہئے کہ اللہ پر اعتماد رکھیں۔''

نیز فرمایا۔

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (المائدۃ: ۲۳)

''اگر تم مومن ہو، تو اللہ پر بھروسہ کرو۔''

عبداللہ بن مسعود نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی کہ

مجھے حج کے موسم میں تمام امتیں دکھلائی گئیں، میں نے اپنی امت کو دیکھا کہ دشت وجبل کو پر کئے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی کثرت اور ان کی ہیئت بہت پسند آئی۔ مجھ سے پوچھا گیا: کیا تو اس پر راضی ہے؟ تو میں نے جواب دیا: ہاں۔

فرمایا: ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے، جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، جو نہ تو اپنے جسموں کو (علاج کے لئے) داغتے ہیں، نہ شگون لیتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کرواتے ہیں، بلکہ وہ اپنے رب پر بھروسہ کئے رہتے ہیں۔

اس پر عکاشہ بن محصن اسدی نے اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ سے دعاء کیجئے کہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے۔ رسول ﷺ نے دعا کی۔ پھر ایک اور شخص اٹھا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ سے درخواست کیجئے کہ مجھے بھی ان لوگوں میں بنا دے۔

رسول ﷺ نے فرمایا۔ عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا۔ (اخرجه البخاری: ٦٥٤١، مسلم: ٢٢٠)

متوکلین کی علامات:

عمر بن سنان نے سہل بن عبداللہ کی حکایت بیان کی کہ سہل نے فرمایا کہ

متوکل کی تین علامتیں ہیں:

وہ نہ تو کسی سے مانگے۔

نہ کسی چیز کو رد کرے اور

نہ اپنے پاس کچھ روکے رکھے۔

ابوموسیٰ دبیل سے مروی ہے کہ کسی شخص نے بایزید بسطامی سے پوچھا کہ توکل کیا ہے؟

انہوں نے مجھ سے پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ صوفیاء کا قول ہے کہ اگر درندے اور سانپ تمہارے دائیں بائیں ہوں، تب بھی اس سے تمہارا باطن متزلزل نہ ہو۔

ابو یزید نے فرمایا۔ ٹھیک ہے، قریب قریب یہی بات ہے۔ مگر اہل جنت، جنت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہوں اور دوزخی دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں۔ پھر تم ان دونوں میں امتیاز کرنے لگو، تو تم متوکلین کی صف میں سے نکل جاؤ گے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے:

توکل کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سامنے ہو، جس طرح غسل دینے والے کے سامنے مردہ ہوتا ہے کہ جس طرح چاہتا ہے، اسے پلٹتا ہے، نہ وہ حرکت کر سکتا ہے، نہ کوئی تدبیر۔

حمدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ پر اعتماد کرنے کا نام توکل ہے۔

انہی مشائخ میں سے احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حاتم اصم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾ (المنافقون: ٧)

''اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کے خزانے ہیں۔ مگر نفاق والے نہیں سمجھتے!''

توکل کا تعلق دل کے ساتھ ہے:

توکل کا مقام دل ہے۔ جب بندے کے دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ تقدیر اللہ کی طرف سے ہے، تو پھر اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اس کی تقدیر سے ہوگی اور اگر کوئی چیز اتفاقیہ مل جائے، یا آسان ہو، تو وہ بھی اللہ ہی کے آسان کرنے سے

آسان ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں ظاہری حرکات وکوشش توکل کے موافق نہ ہوں گے۔

انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک ناقہ سوار آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اس اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ پر بھروسہ کئے رہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس کی ٹانگوں میں رسی باندھ دو، پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ (اخرجه الترمذی:۲۵۱۷، ابن ماجه:۷۳۱)

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ جس کا بھروسہ خود اس کی ذات پر صحیح ہے، اس کا بھروسہ غیر پر بھی صحیح ہوگا۔

بشر حافی بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر ان لوگوں کو اللہ پر بھروسہ ہوتا' تو یہ لوگ ان تمام امور پر رضاء مند ہوتے' جو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کرتا ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت متوکل ہوتا ہے، جب وہ اللہ کو اپنا وکیل بنانے پر راضی ہو۔

انہیں بزرگوں میں سے ابراہیم بن خواص سے مروی ہے کہ میں ایک دفعہ جنگل میں جارہا تھا کہ آواز سنائی دی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا' تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدوی جارہا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا: اے ابراہیم! ہمارے ہاں توکل ہے۔ ہمارے ہاں قیام کرو، تاکہ تمہارا توکل درست ہو جائے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تمہارا کسی شہر میں داخل ہونے کی امید کرنا' جہاں مختلف قسم کے کھانے مل جاتے ہوں' تجھے اس شہر میں مقیم ہونے پر اکساتا ہے۔ شہروں سے امید منقطع کرلو اور توکل کرو۔

ابن عطاء سے کسی نے دریافت کیا کہ توکل کیا ہے؟

فرمایا: اس کے باوجود کہ تمہیں اسباب کی اشد ضرورت ہے۔ اگر تم اسباب کی طرف جانے کے لئے بے چین نہ ہوئے اور باوجود اس کے کہ تم اسباب وذرائع کو استعمال میں لا رہے ہو، پھر بھی تم اس سکون واطمینان سے' جو تمہیں حق کے ساتھ حاصل ہے' نہ ہٹے تو تم میں توکل ہے۔

توکل کی شرط:

ابوتراب نخشبی بیان کرتے ہیں کہ بندوں کو اللہ کی بندگی میں لگائے رکھنا اور دل کا تعلق رب کے ساتھ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت پر مطمئن ہونا۔ لہٰذا اگر اسے کوئی چیز مل جائے' تو وہ اس کا شکریہ اداء کرے اور اگر کوئی چیز نہ ملے' تو صبر کرے۔

ذوالنون بیان کرتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ تو نفس کی تدبیر کرنا چھوڑ دے اور اپنی طاقت وقوت سے بیزاری کا اظہار کرے، بندہ توکل کی طاقت اس وقت رکھ سکتا ہے' جب اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو' جن میں وہ لگا ہوا ہے' جانتا اور دیکھتا ہے۔

انہیں بزرگوں میں سے الکتانی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شاطر کو جو جمل عائشہ کے نام سے مشہور تھا، دیکھا اسے کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ مار کا درد کب آسان ہو جاتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ جب وہ شخص جس کی خاطر ہمیں مارا جاتا ہے، ہمیں دیکھ رہا ہو۔

انہی مشائخ میں سے حسن بن منصور نے ابراہیم خواص سے دریافت کیا کہ تو نے ان سفروں اور جنگلوں کو طے کرنے کے دوران کیا کام کیا؟

جواب دیا: میں توکل میں پڑا رہا، تاکہ توکل پر میرا نفس صحیح ہو جائے۔ حسین نے کہا: تو نے اپنی عمر اپنے باطن کو آباد کرنے میں گذاری۔ توحید باری تعالیٰ میں اپنے آپ کو فنا کرنا کہاں گیا؟

ابو دقاق بیان کرتے ہیں:

زندگی کی فکر ایک دن تک چھوڑنا اور کل کا غم نہ کرنا، پھر فرمایا یہ ایسا ہے جیسا سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ چاہے' تو اس کے ساتھ انبساط اور انس محسوس کرے۔

انہی بزرگوں میں سے ابو یعقوب نہر جوری سے مروی ہے کہ کمال حقیقت کے ساتھ اللہ پر توکل تو وہی تھا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبرائیل سے فرمایا تھا:

اما الیک فلا مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے۔

اس لئے کہ ان کا نفس تو اس وقت اللہ کے ساتھ غائب تھا۔

لہٰذا انہیں اللہ کے ساتھ کوئی اور دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔

ایک شخص نے ذوالنون مصری سے دریافت کیا کہ توکل کیا ہے؟ فرمایا:

تمام خداؤں کو جو ماسوائے اللہ ہو' اتار پھینکنا اور اسباب و ذرائع کو توڑ ڈالنا،

سائل نے عرض کیا: ذرا مزید وضاحت فرما دیں تو فرمایا:

توکل یہ کہ نفس کو بندگی میں ڈال دینا اور دل کو رب العزت کے ساتھ لگا دینا۔

کسی شخص نے حمدون قصار سے توکل کے بارے میں سوال کیا' تو انہوں نے فرمایا:

اگر تمہارے پاس دس ہزار درہم ہوں اور تمہارے ذمہ ایک دان بھی قرض ہو' تو تمہیں ڈر رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور یہ قرض میرے ذمے رہ جائے اور برعکس اس کے تمہارے ذمے دس ہزار درہم کا قرض ہو اور تم اتنی رقم نہ چھوڑ کر مرے جو اس قدر قرض کو پورا کر دے، تو تو پھر بھی مایوس نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے اسے اداء کر دے۔

ایک شخص نے ابوعبداللہ سے توکل کے بارے میں دریافت کیا' تو انہوں نے فرمایا:

ہر حالت میں اللہ کے ساتھ تعلق ہونے کو توکل کہتے ہیں۔ سائل نے عرض کی اور وضاحت کیجئے' تو فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ تو ہر اس سبب کو ترک کر دے' جو کسی دوسرے سبب تک پہنچائے۔ یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ اس سب کا والی بن جائے۔

سہل بن عبداللہ کا قول:

سہل بن عبداللہ روایت کرتے ہیں:

توکل آنحضرت ﷺ کا حال تھا اور کسب آپ ﷺ کی سنت ہے' جو آنحضرت ﷺ کے حال پر رہے، اسے آپ ﷺ کی سنت کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔

ابوسعید خراز کا قول:

ابوسعید خراز سے مروی ہے کہ توکل' بغیر سکون کے اضطراب اور بغیر اضطراب کے سکون کا نام ہے۔

کہا جاتا ہے کہ توکل یہ ہے کہ تیرے نزدیک دنیا کی کثرت وقلت یکساں ہو۔

ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

ابن مسروق سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی قضاء کے سامنے سر تسلیم خم کرنا' توکل ہے۔

انہیں بزرگوں میں سے ابوعثمان حیری سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ پر ہی کفایت کرنے کا نام توکل ہے۔

حسین بن منصور روایت کرتے ہیں کہ صحیح متوکل وہ شخص ہے کہ جب تک شہر میں اس سے زیادہ حق دار لوگ موجود ہوں وہ بلاضرورت کوئی چیز نہ کھائے۔

ابن ابی شیخ نے عمر بن سنان سے روایت کی ہے کہ ابراہیم خواص ہمارے پاس سے گذر رہے تھے، ہم نے ان سے درخواست کی کہ جو عجیب ترین واقعہ آپ کے سفروں میں پیش آیا ہو' بیان فرمائیں۔

فرمایا: خضر علیہ السلام مجھے ملے اور مجھ سے ساتھ دینے کو کہا۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پاس اطمینان سے رہنے سے کہیں میرے توکل میں فرق نہ آ جائے، لہٰذا میں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

سہل کا قول:

سہل بن عبداللہ سے توکل کے متعلق دریافت کیا گیا' تو فرمایا:

متوکل وہ شخص ہے' جس کا دل اللہ کے سوا تمام لوگوں سے تعلق چھوڑ کر صرف اللہ کے ساتھ زندہ رہے۔

مراتب توکل:

استاد ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ توکل کے تین مراتب ہیں:

(۱) توکل (۲) تسلیم (۳) تفویض۔

چنانچہ متوکل کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اطمینان ہوتا ہے اور تسلیم کے درجے والا اس پر اکتفاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کا علم ہے اور تفویض والا اللہ کے حکم پر راضی ہوتا ہے، خواہ اس کے موافق ہو یا مخالف۔

وفد یہ فرماتے ہیں کہ توکل ابتداء ہے، تسلیم درمیانی درجہ اور تفویض انتہائی درجہ ہے۔

دقاق سے توکل کے متعلق دریافت کیا' تو فرمایا: بغیر طمع کے کھانے کو توکل کہتے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ کا قول:

یحییٰ بن معاذ بیان کرتے ہیں کہ صوف پہننا دکان کی مانند ہے اور زہد کی باتیں کرنا پیشہ وری اور قافلوں کے ساتھ چلنا اسباب (کے اختیار کرنے کے مترادف ہے) اور یہ تمام امور دنیاوی علامات واسباب ہیں۔

ایک شخص شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کثیر العیال ہونے کی شکایت کی' تو فرمایا: گھر جا کر ان تمام لوگوں کو گھر سے نکال دو، جن کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہیں ہے۔

محمد بن الحسین نے سہل بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ جس نے تگ و دو کرنے پر کسی کو طعن کیا، اس نے سنت پر طعن کیا اور جس نے توکل پر طعن کیا، اس نے ایمان پر طعن کیا۔

ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ میں نے مکہ کے راستے میں ایک وحشی شخص کو دیکھا' تو میں نے کہا:

تو انسان ہے' یا جن۔ اس نے جواب دیا: میں جن ہوں۔ میں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہا: مکہ کو۔

میں نے پوچھا: کیا زاد راہ کے بغیر ہی؟ جواب دیا کہ ہم میں بھی بعض ایسے لوگ ہیں، جو خدا پر توکل کرتے ہوئے سفر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا: توکل کیا ہے؟ جواب دیا: اللہ سے (کسی چیز کا) لینا۔

فرغانی سے مروی ہے کہ ابراہیم خواص توکل میں یکتا تھے اور اس بارے میں دقیق باتیں کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے ساتھ ہمیشہ سوئی، دھاگہ' لوٹا اور قینچی رکھتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا: اے ابواسحٰق! آپ تو ہر چیز سے اپنے آپ کو روکتے ہیں۔ یہ چیزیں کیوں اٹھاتے پھرتے ہیں؟

فرمایا: اس قسم کی چیزوں سے توکل میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ ہمارے ذمہ اللہ کے بہت سے فرائض ہیں اور فقیر کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ کپڑا پھٹ جاتا ہے، لہٰذا اپنے پاس سوئی دھاگہ نہ ہو' تو ستر کے کھل جانے کا اندیشہ

ہے، جس سے نماز فاسد ہو جائیگی۔

اسی طرح اگر آپ کے پاس لوٹا نہ ہو تو طہارت فاسد ہونے پر پا کی کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے۔لہٰذا اگر کوئی فقیر تمہیں لوٹے اور سوئی دھاگے کے بغیر دکھائی دے، تو سمجھ لو کہ اس کی نماز کیسی ہوگی؟

استاد ابوعلی دقاق بیان کرتے ہیں کہ توکل مومنین کا خاصہ ہے اور تسلیم اولیاء کا، تفویض موحدین کا ،لہٰذا توکل عوام کی صفت ٹھہری۔تسلیم خواص کی ،اور تفویض خواص الخواص کی۔

نیز فرمایا:توکل انبیاء کی صفت ہے،تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ،اور تفویض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابوجعفر حداد کا توکل:

محمد بن عبداللہ، ابوجعفر الحداد سے روایت کرتے ہیں کہ میں دس سے کچھ اوپر سالوں تک توکل کا عزم کیے رہا۔مگر بازار میں مزدوری کرتا رہا اور ہر روز اپنی مزدوری لیتا۔مگر اس میں سے پانی کا گھونٹ تک نہ پیتا اور نہ حمام کی آمدنی لیتا۔ نیز میں فقراء کے پاس آتا اور میں خود اسی طرح رہتا۔(یعنی اپنی حالت کو لوگوں سے چھپائے رہتا)۔

حسن سے مروی ہے کہ میں نے ننگے پاؤں چودہ حج کیے، پاؤں میں جب کانٹا چبھتا اور درد محسوس ہوتا، تو میں یاد کرتا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ اللہ پر توکل کروں گا۔یہ کہہ کر میں زمین پر پاؤں رگڑتا اور چل پڑتا اور کانٹا نہ نکالتا۔

ابوحمزہ کا توکل:

محمد بن عبداللہ الواعظ، خیر النساج سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوحمزہ کو سنا کہ فرما رہے تھے کہ مجھے سیر ہو کر جنگل میں جانے سے شرم آتی ہے۔جب میں نے اللہ پر توکل کرنے کا عہد کر رکھا ہے، تو کہیں سیر ہو کر (عبادت کرنے میں) کوشش کرنا میرا توشہ نہ بن جائے۔

حمدون کا توکل:

کسی نے حمدون سے توکل کے متعلق سوال کیا، تو فرمایا کہ

یہ ایک ایسا مرتبہ ہے، جس تک میں ابھی تک نہیں پہنچا اور وہ شخص جس کے ایمان کا حال ابھی درست نہیں ہوا، توکل کے متعلق کیسے بات کر سکتا ہے؟

کہتے ہیں کہ اللہ پر توکل کرنے والے کی مثال اس بچے کی سی ہے کہ جسے اپنی والدہ کے پستانوں کے سوا کسی اور جائے پناہ کا پتہ نہیں، یہی حال متوکل کا ہے کہ اسے راہ ملتی ہے تو صرف خدا کی۔

توکل صوفیاء کا شعار ہے:

کسی صوفی سے مروی ہے کہ میں جنگل میں تھا کہ ایک قافلہ آیا اور اس نے اپنے آگے ایک شخص کو دیکھا، میں تیزی سے چل کر اس تک پہنچا، دیکھا تو وہ ایک عورت تھی۔ جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی اور آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

میں نے سمجھا کہ وہ تھک گئی ہے۔ لہٰذا میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بیس درہم نکال کر پیش کیے اور کہا کہ ان درہموں کو لے اور وہاں ٹھہر جا۔ یہاں تک کہ قافلہ آ جائے اور ان درہموں سے جانور کرایہ پر لے لے اور اس کے بعد میرے پاس رات گزارے، تاکہ میں اس کی حالت سنوار سکوں، اس عورت نے ہوا میں ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کے ہاتھ میں دینار ہی دینار تھے اور کہنے لگی: تم تو جیب سے درہم نکالتے ہو اور میں غیب سے لیتی ہوں۔

کئی دن سے زمزم کو پوجتا تھا!

ابوسلیمان دارانی نے مکے میں ایک شخص کو دیکھا' جو سوائے زمزم کے پانی کے گھونٹ کے کچھ اور کھاتا پیتا نہ تھا۔ کسی روز انہیں ایسے دیکھتے گزر گئے۔ ایک دن ابوسلیمان نے ان سے کہا: فرض کرو اگر زمزم کا پانی خشک ہو جائے' تو تم کیا پیو گے؟

اس پر اس شخص نے اٹھ کر سر کو بوسہ دیا اور کہا: خدا تمہیں نیک جزاء دے' تو نے مجھے راہِ راست پر لا کھڑا کیا۔ کیونکہ میں تو کئی دن سے زمزم کو پوجتا تھا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

توکل توجہ الی اللہ سے نہ پھیرے:

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ خواص فرماتے ہیں کہ میں نے شام کے راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا۔ جو بڑے اچھے اخلاق والا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ کیا تم میری صحبت میں رہنا چاہتے ہو؟

میں نے کہا: میں تو بھوکا رہتا ہوں۔ کہنے لگا: اگر تو بھوکا رہے گا' تو میں بھی بھوکا رہوں گا۔

چار دن اس طرح گزر گئے۔ اس کے بعد ہمارے پاس کہیں سے کوئی چیز آ گئی' تو میں نے اسے کہا: آؤ کھا لو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو عہد کر چکا ہوں کہ کسی کے ذریعے سے کوئی چیز نہ لوں گا۔

میں نے کہا: اے بچے! تم نے تو بہت باریک بات کہی۔ کہنے لگا: اے ابراہیم! میری جھوٹی تعریف نہ کرو۔ کیونکہ پرکھنے والا تمہارے مال اور توکل کو خوب جانتا ہے۔

پھر کہنے لگا: توکل کا کمتر درجہ یہ ہے کہ اگرچہ تجھے فاقہ پر فاقہ آئے، پھر بھی تیرا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے۔

مروی ہے کہ تمام شکوک کے رفع ہو جانے اور ملک الملوک کو (تمام معاملات) سونپنے کا نام توکل ہے۔

حیلہ کو ترک کردو:

مروی ہے کہ کچھ لوگ جنید کے پاس آئے اور کہا: ہم رزق کہاں ڈھونڈیں؟ تو فرمایا کہ اگر تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون سی جگہ ہے؟ تو ڈھونڈ لو۔

پھر کہنے لگے کہ ہم اللہ سے مانگیں گے۔

فرمایا کہ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ تمہیں بھول گیا ہے' تو اسے یاد کرادو، پھر کہنے لگے کہ ہم گھر کے اندر پڑے رہتے ہیں اور اللہ پر توکل کرتے ہیں' تو فرمایا کہ اللہ کو آزمانا اس بات کی دلیل ہے کہ تمہیں شک ہے۔

کہنے لگے: پھر کیا حیلہ کیا جائے؟ جنید نے فرمایا کہ حیلہ کو ترک کردیا جائے۔

ابوسلیمان دارانی نے احمد بن ابی الحواری سے کہا کہ اے احمد! آخرت کے راستے بہت سے ہیں اور تمہارے شیخ (پیر) کو ان میں سے بہت سے راستوں کا پتہ ہے، سوائے توکل کے' کہ میں نے ان سے اس کی بو بھی نہیں سونگھی۔

مروی ہے کہ توکل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی قدرت میں ہے' تو اس پر بھروسہ کرے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے' تو اس سے ناامید ہو جائے۔

نیز فرمایا کہ طلب رزق کا تقاضا کرنے میں غور وفکر کرنے سے اپنے باطن کو فارغ رکھنا ہی' توکل ہے۔

کسی نے حارث محاسبی سے دریافت کیا کہ آیا متوکل شخص کو طمع لاحق ہوتی ہے' یا نہیں؟

فرمایا: طبیعت کے تقاضے کے مطابق کچھ خطرے (طمع وغیرہ کے) اسے لاحق ہوتے ہیں۔ مگر اسے کچھ نقصان نہیں پہنچاتے' طمع کو ساقط کرنے میں تقویت حاصل کرنے کے لئے اسے چاہئے کہ لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس سے ناامید ہو جائے۔

مروی ہے کہ جنگل میں نوری کو بھوک لگی' تو انہیں غیب سے نداء آئی کہ تمہارے نزدیک کون سی چیز بہتر ہے؟ سبب یا کفایت؟ جواب دیا: کفایت' جس کی کوئی انتہا نہیں۔ چنانچہ سترہ دن تک اسی طرح بغیر کھانے کے رہے۔

ابوروذباری سے مروی ہے کہ جب پانچ دن کے بعد فقیر یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں' تو اسے مجبور کرو کہ بازار میں جا کر کام کرے اور کمائے۔

ابوتراب نخشبی اور ایک صوفی:

مروی ہے کہ ابوتراب نخشبی نے ایک صوفی کو جس نے تین دن کچھ نہ کھایا تھا، دیکھا کہ اس نے تربوز کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: جا بازار میں جا کر کوئی پیشہ اختیار کر' کیونکہ تجھ میں تصوف کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔

ابو یعقوب اقطع بصری سے مروی ہے کہ ایک بار حرم میں، میں دس دن تک بھوکا رہا۔ جس سے میں نے ضعف محسوس کیا۔ دل میں خیال آیا، تو میں جنگل کی طرف نکل گیا کہ شاید کچھ کھانے کو مل جائے، جس سے اپنی کمزوری کو سکون دے سکوں۔

مجھے ایک گرا پڑا شلجم دکھائی دیا۔ میں نے اسے اٹھالیا۔ مگر دل میں نفرت پیدا ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص مجھ سے یوں کہہ رہا ہے کہ تو دس دن بھوکا رہا اور اس کے بعد کیا تمہاری قسمت میں ایک خراب شلجم ہی لکھا ہے۔

لہٰذا میں نے اسے پھینک دیا اور مسجد میں چلا گیا۔ وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت ایک عجمی آ کر، میرے سامنے بیٹھ گیا اور اس نے آ کر ایک صندوقچہ رکھ دیا اور کہنے لگا: یہ تمہارا ہے؟ میں نے پھر پوچھا: تم نے یہ کیسے میرے لئے مخصوص کر دیا؟

کہنے لگا: ہم دس دن سے سمندر میں سفر کر رہے تھے اور کشتی ڈوبنے کے قریب ہوگئی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نجات دے، تو کوئی چیز صدقہ میں دیں گے۔ چنانچہ میں نے بھی نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے نجات دے، تو حرم کے مجاوروں میں سے جس شخص پر پہلے نظر پڑے گی، اسے میں یہ صدقہ کے طور پر دوں گا اور آپ ہی پہلے شخص ہیں، جس سے میری ملاقات ہوئی ہے۔

میں نے کہا: اسے کھولو۔ کھولا تو اس میں مصری میدے کا کیک، چھلے ہوئے بادام اور قند سفید کی ڈلیاں تھیں۔

میں نے کچھ اس میں سے لے لیا اور کچھ اس میں سے لیا اور کہا کہ باقی اپنے بچوں کے لئے جاؤ۔

یہ ان کے لئے میری طرف سے تحفہ ہے۔

اس نے اسے قبول کر لیا۔ اس پر میں نے اپنے دل سے کہا کہ تمہارا رزق دس دن سے تمہاری طرف آ رہا ہے اور تو اسے وادی میں ڈھونڈ رہا ہے۔

ابو بکر رازی سے مروی ہے کہ میں ایک بار ممشاد دینوری کے پاس تھا کہ قرض کا ذکر چھڑ گیا۔ ممشاد فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے ذمے کچھ قرض تھا، جس کی وجہ سے میں مغموم سا تھا۔ اس کے بعد میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا: اے بخیل! تم نے صرف اسی قدر رقم ہم پر اعتماد کرتے ہوئے لی؟ لے جاؤ اور ہم دیئے جائیں گے۔ اس واقعہ کے بعد میں نے نہ کسی سبزی فروش سے حساب کیا اور نہ کسی قصاب سے اور نہ کسی اور سے۔

بنان حمال سے مروی ہے کہ میں مکہ کی راہ میں جا رہا تھا۔ اس وقت میں مصر سے آیا تھا اور میرے ساتھ زادِ راہ تھا۔ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی: اے بنان! تم تو مزدور (حمال) ہو۔ اپنی پیٹھ پر زادِ راہ اٹھائے پھرتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ اللہ تم کو رزق نہ دے گا۔

فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنا زادِ راہ پھینک دیا اور پھر تین دن تک کچھ کھانے کو نہ ملا۔ اس کے بعد مجھے راستے میں

ایک پازیب ملی۔ میں نے دل میں کہا کہ اسے اٹھالوں۔ شاید اس کا مالک مل جائے، ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے کچھ دے دے۔

پھر میں یہ اسے واپس کر دوں، دیکھا تو پھر وہی عورت موجود ہے اور کہہ رہی ہے کہ تم تو تاجر ہو، دل میں کہتے ہو کہ شاید اس کا مالک آ جائے اور میں اس سے کچھ لوں۔

پھر اس عورت نے کچھ درہم میری طرف پھینکے اور کہنے لگی: ان کو خرچ کر لو۔ یہ درہم مکہ تک پہنچنے کے لئے میرے لئے کافی ہیں۔

بنان اور لونڈی کا قصہ:

مروی ہے کہ بنان کو اپنی خدمت کے لئے ایک لونڈی کی ضرورت پڑی۔ اس نے بے تکلفی سے اس کا ذکر اپنے بھائیوں سے کر دیا۔ انہوں نے رقم جمع کر لی اور کہا: یہ لو۔ ایک گروہ آ رہا ہے، جو لونڈی ہمیں پسند آ گئی' اس کو خرید لیں گے۔ جب وہ گروہ آ گیا' تو ان سب نے ایک لونڈی خریدنے پر اتفاق رائے کیا اور کہا: یہی اس کے لئے مناسب ہوگی۔

اس کے مالک سے جب قیمت پوچھی' تو اس نے جواب دیا کہ یہ بیچنے کے لئے نہیں ہے۔ انہوں نے جب اصرار کیا' تو کہنے لگا کہ سمرقند سے ایک عورت نے یہ لونڈی بطور تحفہ کے بنان حمال کے لئے بھیجی ہے' میں اس لونڈی کو بنان کے پاس لے گیا اور سارا قصہ بیان کیا۔

بشر حافی کا توکل:

محمد بن عبدون نے حسن خیاط سے روایت کی کہ ایک بار میں بشر حافی کے پاس تھا کہ لوگ آئے اور انہوں نے بشر کو سلام کیا۔ بشر نے پوچھا: تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم شام سے آپ کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور حج کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بشر حافی نے فرمایا کہ خدا تمہاری سعی قبول فرمائے۔ انہوں نے پھر عرض کیا: آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں؟

فرمایا: تین شرطوں پر تمہارے ساتھ چلوں گا:

پہلی یہ کہ ہم ساتھ کوئی چیز نہ لے جائیں گے۔

دوسری یہ کہ کسی سے کوئی چیز نہ مانگیں گے۔

اور تیسری یہ کہ کوئی شخص دے گا' تو پھر بھی قبول نہیں کریں گے۔

انہوں نے جواب دیا: پہلی اور دوسری شرط ہمیں منظور ہے۔ مگر تیسری شرط کہ کوئی ہمیں دے' تو قبول نہ کریں۔ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس پر بشر نے فرمایا کہ تم تو پھر دوسرے حاجیوں کے زادراہ پر توکل کر کے نکلے ہو (یعنی اللہ پر توکل نہیں ہے)۔

فقراء کی اقسام:

اس کے بعد فرمایا: اے حسن! فقیر تین قسم کے ہوتے ہیں:

ایک وہ جو نہ کسی سے مانگتا ہے اور کوئی دے بھی تو لیتا نہیں۔ یہ فقیر روحانی ہے۔

دوسرا وہ جو خود تو مانگتا نہیں۔ مگر اگر کوئی دے دے تو قبول کر لیتا ہے۔ اس شخص کے لئے بارگاہ رب العزۃ سے دستر خوان لگائے جائیں گے۔

اور تیسرا وہ ہے جو مانگتا بھی ہے اور اگر کوئی اسے دے دے تو صرف اپنی ضرورت پر قبول کر لیتا ہے۔ اس کے سوال کرنے کا کفارہ یہ ہے کہ وہ صرف اس وقت مانگے جب اسے سخت بھوک لگے۔

حبیب عجمی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے تجارت کو کیوں چھوڑ دیا؟ تو فرمایا:

میرے رزق کا ضامن بہت ثقہ ہے۔

مروی ہے کہ پہلے زمانے میں ایک شخص سفر میں تھا اور اس کے پاس ایک روٹی تھی۔ کہنے لگا کہ اگر میں اسے کھالوں گا تو مر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ شخص روٹی کھائے تو اسے اور رزق دینا اور اگر نہ کھائے تو اسے اور روٹی نہ دینا۔ وہ روٹی اس کے پاس اسی طرح رہی اور وہیں مر گیا۔

مروی ہے کہ جو تفویض (ہر چیز کو اللہ پر چھوڑ دینا) کے میدان میں ہو اس کی مراد اسے اس طرح پہنچا دی جاتی ہے کہ جس طرح دلہن کو دلہن کے مالک کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔

تضیع اور تفویض میں فرق:

تضیع اور تفویض میں فرق یہ ہے کہ تضیع حقوق اللہ میں ہوتی ہے اور یہ حقوق اللہ کو ضائع کرنا ہے۔ مثلاً اوامر پر عمل نہ کرنا اور نواہی سے باز نہ آنا مذموم بات ہے اور تفویض تمہارے اپنے حقوق میں سے ہے اور یہ محمود امر ہے۔

عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ جس شخص نے ایک پیسہ حرام کا لے لیا وہ متوکل نہیں ہے۔

ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ ایک بار میں زادراہ کے بغیر جنگل کو نکل گیا۔ راستہ میں مجھے بھوک لگی۔ (تھوڑی دیر بعد) مجھے دور سے منزل دکھائی دی تو مجھے خوشی ہوئی کہ میں اب منزل کو پہنچنا چاہتا ہوں۔ مگر دل میں سوچا کہ میں نے ماسوا پر اعتماد کیا اور ماسوا پر سکون واطمینان کا اظہار کیا۔

ریت میں قید!

لہٰذا میں نے قسم کھائی کہ منزل یعنی شہر میں داخل نہ ہوں گا۔ ہاں اگر کوئی جبراً لے جائے' تو لے جائے۔ چنانچہ میں نے ریت میں اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور چھاتی تک اپنے آپ کو اس میں چھپا دیا۔ لوگوں نے آدھی رات کے وقت ایک بلند آواز سنی کہ اے شہر والو! اللہ کے ولی نے اپنے آپ کو اس ریت میں قید کر رکھا ہے، جا کر اس کی مدد کرو۔ چنانچہ کچھ لوگ آئے اور مجھے نکال کر شہر کو لے گئے۔

درندے نے آ کر جان بچائی:

ابوحمزہ خراسانی نے بیان کیا کہ ایک بار میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں' میں ایک کنویں میں گر پڑا۔ میرے نفس نے مجھے فریاد کرنے کو کہا، مگر میں نے قسم کھالی کہ میں قطعاً فریاد نہ کروں گا۔ ابھی یہ خیال ہی کر رہا تھا کہ کنویں پر سے دو آدمی گذرے' تو ایک نے کہا کہ آؤ اس کا منہ بند کر دیں، تاکہ کوئی اس میں گر نہ پڑے۔

چنانچہ وہ کچھ سرکنڈے اور ایک چٹائی لائے۔ اس سے کنویں کا منہ بند کر دیا، میں نے چلانے کا ارادہ کیا، مگر پھر دل میں کہا کہ اس کے پاس فریاد کروں گا، جو ان سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہے۔ لہٰذا میں چپ رہا۔

ابھی ایک گھنٹہ ہی گذرا تھا کہ ایک چیز آئی اور اس نے کنوئیں کا منہ کھول دیا اور اپنی ٹانگ لٹکا دی اور بھنبھناتی ہوئی آواز میں' جس کے ساتھ میں پہلے ہی مانوس تھا اور کہا کہ میرے ساتھ لٹک جاؤ۔ چنانچہ میں لٹک گیا اور اس نے مجھے نکال لیا، دیکھا تو وہ درندہ تھا۔ درندے نے اپنی راہ لی۔

غیب سے آواز آئی: اے ابوحمزہ! کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم نے تمہیں ہلاک کرنے والی چیز کے ذریعے ہلاکت سے بچا لیا؟ میں وہاں سے چل دیا اور یہ شعر پڑھنے لگا۔

اها بك ان ابدى اليك الذى اخفى
وسرى يبدى ما يقول له طرفى
نهانى حيائى منك ان اكتم الهوىٰ
واغنيتنى بالفهم منك عن الكشف
تلطفت فى امرى فابديت شاهدى
الى غائبى واللطف يدرك باللطف
تراء يت لى بالغيب حتى كانما

تبشرنی بالغیب انک فی الکف
اراك وبی من هیبتی لك وحشة
فتؤنسنی باللطف منك وبالعطف
وتحیی محباً انت فی الحب حتفه
وذا عجب کون الحیاة مع الحتف

جوراز میں چھپاتا ہوں' اسے تمہارے پاس ظاہر کرنے سے مجھے ڈر لگتا ہے۔ مگر جو کچھ میری نگاہ' میرے باطن کو کہتی ہے، میرا باطن اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ میری حیاء تم سے عشق کو چھپائے رکھنے سے مجھے منع کرتی ہے۔ مگر تو نے اپنی فہم سے ہی سمجھ کر مجھے راز کھولنے سے بچالیا۔ تو نے مجھ پر مہربانی کی اور میرے موجودہ حال کو میرے غائب حال پر ظاہر کر دیا اور تمہاری عنایت کو لطیف طریقہ پر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

تم مجھے باوجود اس کے کہ غیب میں ہو، دکھائی دیتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غائب میں ہوتے ہوئے بھی' تم مجھے اس بات کی خوشخبری دے رہے ہو کہ تم گویا میرے ہاتھ میں ہو۔ تمہاری ہیبت کی وجہ سے، وحشت ہونے کے باوجود' جب تمہیں دیکھتا ہوں' تو تم اپنی عنایت و مہربانی سے مجھے مانوس کر دیتے ہو۔ تم اپنے عاشق کو باوجود اس کے کہ عشق میں تم اس کے لئے موت ہو، زندہ کر دیتے ہو اور یہ عجیب بات ہے کہ موت کے ساتھ زندگی ہے۔

ابو سعدان التاہرتی نے حذیفہ مرعشی سے روایت کی کہ یہ حذیفہ مرعشی' ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہ چکے ہیں اور انہوں نے ان کی خدمت کی ہے۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ابراہیم میں کون سی بات سب سے زیادہ عجیب دیکھی؟ تو فرمایا کہ ہم مکہ کی راہ پر جا رہے تھے کہ کئی دنوں تک ہمیں کھانا نہ ملا' پھر کوفہ پہنچے' تو ایک ویران مسجد میں قیام کیا۔ ابراہیم بن ادہم نے میری طرف دیکھا، کہا اے حذیفہ! میں تجھ پر بھوک کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ میں نے عرض کی کہ حضور ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا: دوات اور کاغذ لاؤ۔

میں لے آیا۔ آپ نے اس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے اللہ! ہر حالت میں تو ہی ہمارا مقصود ہے اور ہر بات میں تمہاری ہی طرف ہمارا اشارہ ہوتا ہے۔

انا حامد انا شاکر انا ذاکر
انا جائع انا نائع انا عاری
هی ستة وانا الضمین لنصفها

فكن الضمين لنصفها يا بارى

مدحى لغيرك لهب نار خضتها

فاجر عبيدك من دخول النار

والنار عندى كالسؤال فهل ترىٰ

ان لا تكلفنى دخول النار

میں تمہاری تعریف کرنے والا، شکر گزار اور تمہیں یاد کرنے والا ہوں۔ میں بھوکا ہوں، پیاسا ہوں اور ننگا ہوں۔ یہ چھ صفات ہیں، جن میں سے پہلی تین کا تو میں ضامن ہوں اور باقی آدھے کا، اے خدا! تو ضامن بن، (اے خدا) تمہارے سوا کسی اور کی تعریف کرنا ایسا ہے، جیسے دوزخ کی آگ میں گھسنا۔ لہٰذا تو اپنے بندے کو اس آگ میں پڑنے سے بچالے اور میرے نزدیک دوزخ اور بھیک مانگنا ایک ہی بات ہے۔ کیا آپ مجھے آگ میں پڑنے کی تکلیف سے نہیں بچائیں گے؟

اس کے بعد آپ نے یہ رقعہ مجھے دیا اور فرمایا: جاؤ اور غیر اللہ سے دل نہ لگاؤ اور جو شخص تمہیں سب سے پہلے ملے اسے یہ رقعہ دے دو۔

فرماتے ہیں کہ میں ان کے فرمان کے مطابق نکل گیا۔ پہلا شخص، جس سے میری ملاقات ہوئی، ایک ایسا شخص تھا، جو خچر پر سوار تھا۔ میں نے وہ رقعہ اسے دے دیا۔ اس نے وہ رقعہ لیا اور رونے لگا۔ کہنے لگا: اس رقعہ کا لکھنے والا کہاں ہے؟

میں نے جواب دیا: فلاں مسجد میں، پھر اس نے مجھے چھ سو دینار دیئے۔ اس کے بعد مجھے ایک اور شخص ملا، جس سے میں نے پوچھا کہ یہ خچر والا آدمی کون ہے؟ اس نے کہا: یہ عیسائی ہے۔

پھر میں ابراہیم بن ادھم کے پاس چلا آیا اور سارا قصہ بیان کر دیا۔

فرمانے لگے: اس تھیلی کو ہاتھ نہ لگانا، کیونکہ وہ ابھی آئے گا۔ ایک گھنٹہ ہی گذرا تھا کہ وہ عیسائی آ پہنچا۔ ابراہیم بن ادھم کے سر کو بوسہ دیا اور مسلمان ہو گیا۔

❀❀❀

باب

شکر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ (ابراھیم: ۷)

''اگر شکر کرو گے' تو البتہ تمہیں اور زیادہ دوں گا''

کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

عطاء سے مروی ہے کہ میں عبید بن عمیر کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ جو عجیب ترین بات آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھی ہو، بیان فرمایئے' تو آپ اس پر رو پڑیں اور فرمانے لگیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی بات عجیب نہ تھی؟ ایک رات وہ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ میرے بستر میں میرے لحاف میں گھس گئے۔ یہاں تک کہ میرا جسم ان کے جسم کے ساتھ لگ گیا' تو فرمانے لگے:

اے ابوبکر کی بیٹی! مجھے چھوڑ دو میں اپنے رب کی عبادت کرلوں۔

میں نے کہا: میں آپ کے قریب رہنا چاہتی ہوں، چنانچہ میں نے آپ کو اجازت دے دی۔

آپ اٹھ کر پانی کے مشکیزے کی طرف گئے اور وضوء کیا اور بہت سا پانی بہایا۔ پھر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگ گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے پر بہنے لگے۔ پھر رکوع میں جا کر روئے۔ اسی طرح سجدے میں۔ پھر سر اٹھا کر روتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے رہے' تا آنکہ بلال نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں رو رہے تھے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام قصور معاف کر دیئے ہیں؟

فرمایا: کیا میں شکر گذار بندہ نہ ہوں؟ اور میں ایسا کیوں نہ کروں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت اتاری ہے:

﴿ إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ﴾ (البقرة: ١٦٤) (اخرجه ابن حبان: ٦٢٠)

شکر کی حقیقت:

استاد سے مروی ہے کہ شکر کی حقیقت' اہل تحقیق کے نزدیک یہ ہے کہ نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے کی نعمت کا اعتراف کیا جائے۔ اسی قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کو مجازاً شکور کہا جائے گا، یعنی یہ کہ وہ اپنے بندوں کو شکر گذاری پر جزاء دیتا ہے۔ لہٰذا شکر کی جزاء دینے کو یہاں شکر کہا گیا۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ (الشوری: ۴۰)

''برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہوگا۔''

بعض سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ معمولی سے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطاء فرماتا ہے۔

چنانچہ عربی کا محاورہ ہے: دابة شكور۔ یعنی وہ جانور' جسے باوجود اس کے کہ کم چارہ دیا جاتا ہو، وہ زیادہ موٹا ہو۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کی جائے۔

چنانچہ بندے کا شکر گذاری کرنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر اداء کرنا یہ ہوگا کہ وہ بندے کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف فرماتے ہیں۔

مزید براں بندے کا احسان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اللہ کا شکر اداء کرنے کی توفیق عطاء کرنے کا انعام عطاء کرے اور دل سے اس کا اقرار کرے۔

شکر کی قسمیں:

شکر کی تین قسمیں ہیں:

زبان کا شکر اور وہ اس طرح ہے کہ عجز وانکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔

بدن اور اعضاء کا شکر اور یہ اس طرح ہے کہ انسان اپنے منعم کا وفادار اور خدمت گذار رہے۔

اور دل کا شکر اس طرح کہ منعم کے احترام کی ہمیشہ رعایت رکھتے ہوئے، اس کے احسان کو ہر لحظہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے۔

ایک اور تقسیم:

مروی ہے کہ ایک شکر عالموں کا ہوتا ہے اور وہ اقوال ونطق کے ساتھ ہوتا ہے۔ (یعنی زبان کا شکر)

دوسرا شکر عابدوں کی صفت ہوتی ہے، جو ان کے احوال کی قسم سے ہوتا ہے۔ (یعنی افعال و جوارح کا شکر)

اور تیسری قسم کا شکر عارفوں کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے عام احوال میں اپنے منعم کے لئے کار بند رہتے ہیں۔

ابو بکر وراق سے مروی ہے کہ کسی کی نعمتوں کا شکر، یہ ہے کہ اس کے احسان کو حاصل کرنے میں اپنے آپ کو مستحق نہ سمجھے، بلکہ طفیلی سمجھے۔

جنید سے مروی ہے کہ شکر کے اندر (شکر کرنے کا) سبب پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ شاکر اپنے لئے اور عنایات کا طالب ہوتا ہے۔ لہٰذا شکر گذار در حقیقت اللہ کے ساتھ ہو کر اپنی ذات کے لئے حظ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ابو عثمان سے مروی ہے کہ شکر یہ ہے کہ تو شکر اداء کرنے سے اپنے آپ کو عاجز سمجھے۔

مروی ہے کسی کا شکر اداء کرنے پر شکر کرنا، شکر کرنے سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ کیونکہ تو اپنی شکر گذاری کو بھی اسی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی توفیق میں سے شمار کرے گا اور یہ توفیق بھی تم پر انعامات بخشنے کی خاطر ہوگی۔ لہٰذا تو شکر پر بھی شکر کرے گا، پھر شکر پر شکر کرے گا اور پھر یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔

نیز مروی ہے کہ شکر یہ ہے کہ تو اپنی عاجزی کو جانتے ہوئے احسان کو احسان کرنے والے کی طرف منسوب کرے۔

جنید فرماتے ہیں: شکر یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو احسان کا اہل نہ سمجھے۔

رویم سے مروی ہے کہ شکر تو یہ ہے کہ انسان اپنی تمام کی تمام طاقت، احسان کنندہ کی اطاعت میں لگا دے۔

شاکر اور شکور میں فرق:

مروی ہے کہ شاکر اور شکور میں فرق یہ ہے کہ

شاکر وہ ہے جو موجودہ چیز پر شکر گذار ہو اور شکور وہ ہے، جو ناموجود چیز پر شکر گذاری کرے۔

نیز مروی ہے کہ شاکر وہ ہے جو کسی عطیہ پر شکر کرے اور شکور، وہ ہے جو نہ دینے پر بھی شکر کرے۔

جو نفع پر شکر اداء کرے وہ شاکر ہے اور جو کسی چیز کے نہ ملنے پر بھی شکر اداء کرے وہ شکور ہے۔

جو عطیہ پر شکر اداء کرے، وہ شاکر کہلاتا ہے اور جو مصیبت پر شکر اداء کرے وہ شکور کہلاتا ہے۔

جو انعام پر شکر اداء کرے شاکر کہلاتا ہے اور جو ڈھیل ڈالنے پر بھی شکر اداء کرے، وہ شکور کہلاتا ہے۔

جنید سے مروی ہے کہ میں ابھی سات سال کا تھا اور سری سقطی کے سامنے کھیل رہا تھا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ شکر کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: شکر کیا چیز ہے؟

میں نے عرض کیا کہ شکر یہ ہے کہ تو اس کے احسان کے بدلے، اس کی نافرمانی نہ کرے، اس پر سری نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے کرم سے تجھے زبان عطاء کرے گا۔

جنید سے مروی ہے کہ میں سری کے ان الفاظ کی وجہ سے اب تک روتا رہتا ہوں۔

شبلی سے مروی ہے: احسان کرنے والے کو نگاہ میں رکھنا شکر ہے' نہ کہ احسان کو نگاہوں میں رکھنا۔

مروی ہے کہ احسان جو کہ موجود ہے، اس کی حفاظت کرنا اور طلب مزید کا جو اس وقت معدوم ہے، طلب کرنا شکر ہے۔

ابوعثمان سے مروی ہے عوام کا شکر تو کھانے اور لباس پر ہوتا ہے، مگر خواص تو ان واردات پر شکر اداء کرتے ہیں، جو ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں۔

مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: اے باری تعالیٰ! میں تمہارا کیسے شکر اداء کروں؟ جبکہ میرا شکر اداء کرنا بھی تمہاری ایک عنایت ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اب تو نے میرا شکریہ اداء کیا ہے۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مناجات میں عرض کیا: اے اللہ! تو نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور پھر اس کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا۔ لہٰذا اس نے تمہارا شکریہ کیسے اداء کیا؟

اللہ نے فرمایا: اسے معلوم تھا کہ سب کچھ میری طرف سے ہے، لہٰذا یہی جاننا شکر شمار کیا گیا۔

مروی ہے کسی ایک شخص کا ایک دوست تھا، جسے بادشاہ نے قید کر دیا۔ اس شخص نے اپنے دوست کو پیغام بھیجا۔ اور اس نے کہا: اللہ کا شکر اداء کرو۔ پھر اس شخص کو مار پڑی۔ اس نے پھر دوست کو لکھا، دوست نے پھر لکھا: اللہ کا شکر اداء کرو۔ اس کے بعد ایک مجوسی لایا گیا، جسے پیٹ کی بیماری تھی اور بیڑیاں لائی گئیں۔ بیڑیوں کا ایک حلقہ اس شخص کے پاؤں میں ڈال دیا گیا اور دوسرا مجوسی کے پاؤں میں۔ مجوسی رات کو کئی بار حاجت کے لئے اٹھتا اور اس شخص کو مجوسی کے فارغ ہونے تک اس کے پاس کھڑا رہنا پڑتا۔ اس نے پھر دوست کو لکھا، مگر پھر وہی جواب ملا کہ اللہ کا شکر اداء کرو۔

اس نے کہا: تم کب تک مجھ سے یہی کہے جاؤ گے اور اس سے بڑھ کر کون سی مصیبت ہو سکتی ہے؟

دوست نے کہا: اگر اس کا زنار تمہاری کمر میں ڈال دیا جاتا' جس طرح کہ بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں' تو تم کیا کر سکتے تھے؟

مروی ہے کہ ایک شخص سہل بن عبداللہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ چور میرے گھر میں گھس کر سارا سامان لے گیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر اداء کرو۔ اگر چور (یعنی شیطان) تمہارے دل میں گھس کر توحید کو خراب کر دیتا' تو تو کیا کر سکتا تھا؟

مروی ہے کہ آنکھوں کا شکریہ ہے کہ تو لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالے اور کان کا شکریہ ہے کہ جو عیب کی بات سنے اس پر پردہ ڈالے۔

بعض سے مروی ہے کہ شکریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطیات پر جو کسی طرح بھی واجب نہیں ہیں، اس کی تعریف کر کے

لذت حاصل کی جائے۔

جنید سے مروی ہے کہ جب سری مجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں' تو مجھ سے کوئی سوال کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے مجھ سے پوچھا: اے ابو القاسم! شکر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: شکر یہ ہے کہ اللہ کی نعمت کو اس کی نافرمانی کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ پھر پوچھا: تجھے یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ میں نے عرض کیا: آپ کی ہم نشینی سے۔

مروی ہے کہ حسن بن علی نے خانہ کعبہ کے رکن سے چمٹ کر کہا: اے اللہ! تو نے مجھ پر انعام کیا، مگر تو نے مجھے شاکر نہ پایا، تو نے مجھے مبتلا کیا، مگر مجھے صابر نہ فرمایا۔ مگر باوجود اس کے کہ میں نے شکر ادا نہیں کیا' تو نے مجھ سے اپنی عنایات کو روک نہیں لیا اور نہ ہی میری بے صبری کی وجہ سے تو نے مصیبت کو دائم رکھا۔

فرمایا: الھی! ما یکون من الکریم الا الکرم! (بزرگوں سے بزرگی ہی ظاہر ہوتی ہے)

مروی ہے کہ جب تو جزا دینے سے قاصر ہو' تو تیری زبان شکر گزاری کے ساتھ لمبی ہونی چاہئے۔

چار اشیاء:

مروی ہے کہ چار چیزوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا:

(۱) بہرے سے راز میں بات کرنے کا۔

(۲) ناشکر گزار پر احسان کرنے کا۔

(۳) شور زمین میں بیج ڈالنے کا۔

(۴) سورج کی روشنی میں چراغ جلانے کا۔

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کو مغفرت کی بشارت دی' تو انہوں نے زندگی چاہی۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا' کہا کہ میں اس لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں کہ میں اس کا شکر ادا کروں۔ کیونکہ اس سے پیشتر میں مغفرت کے لئے عمل کرتا تھا۔ اس پر فرشتے نے اپنا پر پھیلایا اور انہیں اٹھا کر آسمان پر لے گیا۔

مروی ہے کہ ایک نبی' ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے' جس سے پانی کثرت سے نکل رہا تھا۔ نبی کو اس پر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کی ان سے گفتگو کرا دی۔ پتھر نے کہا: جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے:

﴿ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ (التحریم:٦)

نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ ایسی آگ میں داخل کرے گا' جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔

میں ڈر کے مارے رو رہا ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس پتھر کو دوزخ سے پناہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی کو خبر دی کہ ہم نے اسے پناہ دے دی۔ یہ سن کر نبی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ پانی بدستور پھوٹ رہا ہے۔ انہیں پھر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر پتھر کو گویائی دے دی۔

نبی نے پوچھا: اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کر دیا ہے' تو کیوں رو رہا ہے؟ پتھر نے جواب دیا: وہ رونا غم اور خوف کا تھا اور یہ رونا شکر اور سرور کا ہے۔

مروی ہے کہ شکر گذار بندے کو ہر وقت مزید انعام ملتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ (ابراهيم:۷)

''اگر تم شکر کرو گے' تو تمہیں میں اور زیادہ دوں گا۔''

اور صابر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مبتلا کرنے والے کے حضور میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ﴾ (البقرة: ۱۵۳)

مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک وفد آیا۔ ان میں ایک نوجوان تھا۔ جس نے بات شروع کی۔ حضرت عمر نے کہا: جو بڑا ہو وہ بات کرے۔

نوجوان نے عرض کی: اے امیر المومنین! اگر بات عمر پر ہوتی' تو امت میں آپ سے بڑی عمر کے بہت سے لوگ ہیں۔ اس پر حضرت عمر نے کہا: کہو! کہنے لگا: ہم نہ تو کسی لالچ کے لئے آئے ہیں اور نہ کسی ڈر سے۔ رغبت کی تمام چیزیں آپ کی مہربانی سے ہم تک پہنچ رہی ہیں اور ڈر اس لئے نہیں کہ ہمیں آپ کے عدل وانصاف نے امن میں رکھا ہے۔

حضرت عمر نے کہا: پھر تم کیسے آئے ہو؟ نوجوان نے جواب دیا کہ ہم صرف شکر اداء کرنے کو آئے ہیں۔ شکر اداء کر کے واپس چلے جائیں گے اور پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا:

ومن الرزية ان شكري صامت
عما فعلت وان برك ناطق
وأرى الصنيعة منك ثم اسرها
أني اذن ليد الكريم لسارق

مشکل تو یہ ہے کو جو احسانات تم نے مجھ پر کئے ہیں، میرا شکر ان کا حق اداء کرنے سے قاصر ہے۔ مگر تمہارے

احسانات ناطق ہیں، میں تمہارے احسانات کو دیکھوں اور پھر انہیں چھپائے رکھوں، تب تو میں سخی کے احسانات کا چور ٹھہرا۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں پر رحم کھاؤ، خواہ وہ مصیبت میں گرفتار ہوں' یا نہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: جو مبتلا نہیں ان پر کیونکر رحم کھاؤں؟

فرمایا: اس لئے کہ جو عافیت میں نے انہیں دے رکھی ہے، اس پر وہ شکر گذار نہیں ہیں۔

مروی ہے کہ حمد باری تعالیٰ انفاس صالحہ پر کی جاتی ہے اور شکر جسمانی نعمتوں پر۔

مروی ہے کہ حمد کی ابتداء اللہ کی طرف سے ہے اور شکر تمہاری طرف سے فدیہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جن لوگوں کو سب سے پہلے جنت میں جانے کے لئے بلایا جائے گا' وہ ایسے لوگ ہوں گے، جو ہر حالت میں اللہ کی حمد بیان کرتے ہوں گے۔ (مستدرك حاكم: ۱/ ۶۸۱، بيهقي: ۹ · ۲)

مروی ہے کہ حمد' ان مصائب پر کی جاتی ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ دور کرے اور شکر' ان انعامات پر ہے، جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

کسی صوفی سے حکایت کی گئی کہ انہوں نے ایک سفر میں ایک نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا۔ انہوں نے اس کا حال پوچھا' تو بوڑھے نے بیان کیا کہ میں ابتداء عمر میں اپنی چچا زاد بہن پر عاشق تھا اور اسے بھی مجھ سے عشق تھا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ میرا اس سے نکاح ہو گیا۔ شب زفاف میں ہم دونوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں پر مہربانی فرما کر ہمیں بذریعہ نکاح اکٹھا کر دیا ہے، لہٰذا آج رات ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

چنانچہ ہم رات بھر نماز پڑھتے رہے اور ایک دوسرے کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ دوسری رات بھی ہم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ ستر یا اسی سال سے ہم ہر رات اس طرح کرتے چلے آتے ہیں۔ پھر بڑھیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا: کیا ایسا نہیں ہے؟ بڑھیا نے کہا: بات ایسی ہی ہے، جس کو شیخ نے بیان کیا۔

❀❀❀

باب

یقین

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴾ (البقرہ:٤)

اور متقین وہ لوگ ہیں، جو آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ سے پہلے اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کا بھی انہیں یقین ہے۔

راحت وخوشی یقین میں ہے:

خیثمہ، عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

اللہ کو ناراض کر کے کسی کو راضی نہ کرو اور اللہ کی مہربانیوں پر کسی اور کی تعریف نہ کرو، اور نہ ان چیزوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں نہیں دیں، کسی کو مذمت کرو۔ کیونکہ حریص کا حرص اللہ کے رزق کو تمہارے پاس نہیں لا سکتا اور نہ کسی شخص کے ناپسند کرنے سے وہ رزق تم سے روک دیا جا سکتا ہے۔

اللہ نے راحت اور خوش رہنا، رضا اور یقین میں رکھا ہے اور وہم وشک ناراضگی میں رکھا ہے۔

(اخرجه الطبرانی فی الکبیر:١٠٥١٤، والبیهقی فی الشعب:٢٠٩)

ابوعبداللہ انطاکی سے مروی ہے کہ کم سے کم یقین بھی، جب دل میں داخل ہو جائے، تو دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور دل سے ہر قسم کے شک دور کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے دل، شکر اور اللہ کے خوف سے پر ہو جاتا ہے۔

یقین کیا ہے؟

ابوجعفر حداد فرماتے ہیں کہ ایک بار میں جنگل میں ایک حوض پر بیٹھا تھا کہ مجھے ابوتراب نخشی نے دیکھ لیا۔ اس وقت مجھ پر سولہ دن بغیر کھائے اور پئے گزر چکے تھے، ابوتراب نخشی نے مجھ سے پوچھا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟

میں نے عرض کیا کہ میں علم اور یقین کی کش مکش میں منتظر ہوں کہ کون ان میں سے غالب آتا ہے کہ اس کا ساتھ دوں۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر علم غالب آئے' تو پانی پی لوں اور اگر یقین غالب آئے' تو اسی طرح چلتا رہوں، یہ سن کر ابوتراب نے کہا: تو عنقریب بڑی شان والا ہوگا۔

ابوعثمان حیری سے مروی ہے کہ یقین یہ ہے کہ تو آئندہ کے لئے کوئی اہتمام نہ کرے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ یقین ایمان کی زیادتی اور تحقیق کا سبب بنتا ہے۔

نیز فرمایا: یقین کا ایک جزو ہے اور تصدیق سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ یقین ایسا علم ہے' جو دلوں میں ودیعت کیا جاتا ہے۔

اس قول کے قائل کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک وہبی چیز ہے، کسبی نہیں۔

سہل سے مروی ہے: یقین کی ابتداء مکاشفہ سے ہوتی ہے۔

اسی لئے سلف میں سے کسی کا قول ہے کہ اگر پردہ اٹھ بھی جائے' تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔

اس کے بعد معائنہ کا درجہ ہے، پھر مشاہدہ کا۔

ابوعبداللہ بن خفیف سے مروی ہے کہ بندہ کے دل میں ان تمام باتوں کا پختہ یقین ہونا کہ جن مغیبات کی انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نے خبر دی، سچ ہیں' یہی یقین ہے۔

ابوبکر بن طاہر سے مروی ہے کہ علم میں شکوک واقع ہوتے ہیں۔ مگر یقین میں کوئی شک نہیں ہوتا۔

ان کا اشارہ علم کسبی اور اس علم کی طرف ہے' جو بدیہی کے برابر ہے۔

صوفیاء کے علوم کا بھی یہی حال ہے کہ ابتداء میں کسبی ہوتے ہیں، مگر آخرکار بدیہی بن جاتے ہیں۔

محمد بن حسین نے کسی صوفی سے نقل کی ہے کہ سب سے پہلا درجہ معرفت کا ہے، پھر یقین کا' پھر تصدیق کا' پھر اخلاص کا' پھر شہادت کا اور اطاعت کا۔

اور ایمان ایک ایسا نام ہے، جو ان سب کو شامل ہے۔

اس قول کے کہنے والے کا اشارہ اس طرف تھا کہ سب سے ضروری چیز' اللہ تعالیٰ کو جاننا (معرفت) ہے اور یہ معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اس کی شرائط پوری نہ کرلی جائیں۔

معرفت کی شرائط:

اور شرائط یہ ہیں:

(۱) نظر صائب، پھر جب (دل پر) دلائل متواتر پائے جائیں اور (ان کے ذریعہ سے) وضاحت ہو جائے' تو

انسان ان انوار کے پیاپے آنے اور کمال بصیرت کے حصول سے ایسا ہو جائے، گویا وہ دلیل میں غور کرنے سے مستغنی ہے۔ یہ یقین کی حالت ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کی ان خبروں کی تصدیق کرے، جو رسولوں کی زبانی مخلوق تک پہنچیں اور وہ آئندہ آنے والے امور سے متعلق تھیں (مثلاً حشر ونشر وغیرہ)، اس لئے کہ تصدیق صرف خبروں کے متعلق ہو سکتی ہے (نہ کہ انشاء کے متعلق)۔

(۳) پھر اخلاص اور وہ یہ ہے کہ تصدیق سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اوامر پر کار بند ہو، اور نواہی سے اجتناب کرے۔

(۴) اچھے طریقے سے اقرار کرتے ہوئے' داعی (شارع علیہ السلام) کی بات کو مان لینا۔

(۵) جن چیزوں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ان میں توحید کے ساتھ اور جن سے منع کیا ہے، ان سے پرہیز کرنے کے ساتھ اطاعت گذاری کرنا۔

امام ابوبکر بن فورک سے مروی ہے کہ زبان کا ذکر دل کے اس فیضان کا نتیجہ ہے، جو دل کی طرف سے زبان پر وارد ہوتا ہے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جو دل غیر اللہ سے سکون حاصل کرے' وہ کبھی بھی یقین کی بو نہیں سونگھ سکتا۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ یقین امیدوں کو کوتاہ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور امیدوں کو کوتاہ کرنا' زہد کی طرف لے جاتا ہے اور زہد سے حکمت پیدا ہوتی ہے اور حکمت سے انجام میں غور وخوض کی عادت پڑتی ہے۔

علامات یقین:

سعید بن عثمان نے ذوالنون مصری سے روایت کی کہ تین چیزیں یقین کی علامت ہیں:

(۱) لوگوں سے کم میل جول۔

(۲) ان کے عطیوں پر ان کی مدح نہ کرنا۔

(۳) اور جب وہ کچھ نہ دیں' تو ان کی ندامت کرنے سے اپنے آپ کو پاک رکھنا۔

علامات یقین الیقین:

اور تین چیزیں یقین الیقین کی علامات میں سے ہیں:

(۱) ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھنا۔

(۲) ہر بات میں اللہ کی طرف رجوع کرنا

(۳) اور ہر حالت میں اللہ سے مدد مانگنا۔

جنید سے مروی ہے: یقین دل کے اندر ایک ایسا پختہ علم ہے، جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

ابن عطاء سے مروی ہے: جس قدر کسی کا دل تقویٰ سے قریب ہوگا، اسی قدر اس کو یقین بھی حاصل ہوگا اور تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے الگ رہے اور مناہی سے الگ رہنا، دراصل خواہشات نفس سے الگ رہنا ہے۔ جس قدر کسی نے خواہشات نفس کو چھوڑا، اسی قدر اس کو یقین حاصل ہوا۔

کسی صوفی سے منقول ہے کہ یقین کسی امر کے کھل جانے (مکاشفہ) کا نام ہے اور مکاشفہ تین قسم کا ہوتا ہے:

پہلا مکاشفہ بالاخبار ہے۔

دوسرا مکاشفہ قدرت خداوندی کو ظاہر کرنا ہے

اور تیسرا یہ کہ دل پر حقائق ایمان کا مکاشفہ ہو جائے۔

صوفیاء کے نزدیک مکاشفہ کی تعریف:

صوفیاء کے کلام میں جو مکاشفہ کا لفظ آتا ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ کسی چیز کا ذکر دل پر اس قدر غالب آجائے کہ وہ چیز دل پر واضح ہو جائے، یہاں تک کہ اس چیز میں شک و شبہ نہ رہے۔

بعض اوقات مکاشفہ سے مراد، وہ کیفیت ہوتی ہے، جو تقریباً ایسی ہوتی ہے، جسے دیکھنے والا بیداری اور خواب کی درمیانی حالت میں دیکھتا ہے۔ اس حالت کو بالعموم ''ثبات'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام ابوبکر بن فورک سے مروی ہے کہ میں نے ابوعثمان مغربی سے سوال کیا کہ یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ مجھے لوگوں نے یوں یوں کہا، کیا آپ انہیں اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں، یا مکاشفہ سے؟ تو انہوں نے فرمایا: مکاشفہ سے۔

عامر بن عبدقیس سے مروی ہے کہ اگر پردہ اٹھ بھی جائے، تب بھی میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔

نیز فرمایا کہ قوت ایمانیہ کے ساتھ کسی چیز کو اپنے سامنے دیکھنا، یقین کہلاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ تمام معارضات کے زائل ہو جانے کا نام، یقین ہے۔

جنید سے مروی ہے کہ امور غیبیہ کے مشاہدہ میں شک کا رفع ہو جانا، یقین کہلاتا ہے۔

استاد ابوعلی دقاق کو آنحضرت ﷺ کے اس قول کے متعلق، جو انہوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا کہ

لو ازداد یقینا لمشی فی الھواء۔

اگر انہیں اور یقین حاصل ہو جاتا' تو ہوا میں چلتے' فرماتے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے اس فرمان میں اپنی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے' جو آپ کو معراج کی رات حاصل تھی، کیونکہ معراج کے لطائف بیان فرماتے ہوئے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ براق پیچھے رہ گیا اور میں آگے کی طرف چل پڑا۔ (اخرجه الترمذی:۳۱۴۷)

جنید سے مروی ہے کہ سری سے کسی نے یقین کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا کہ جب بہت سی واردات تمہارے سینہ میں موجزن ہوں' تو پھر بھی تم مطمئن رہو، یہی یقین ہے کہ تمہارا ان میں حرکت کرنا کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ یہ اللہ کی قضاء کو رد کر سکتا ہے۔

علی بن سہل سے مروی ہے کہ حضور' یقین سے افضل ہے۔

اس لئے کہ حضور میں انسان پوری طرح متمکن اور سکون میں ہوتا ہے اور یقین میں حرکت وخلجان میں رہتا ہے۔

انہوں نے یقین کو حضور کی ابتداء قرار دیا اور حضور کے بغیر یقین حاصل ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر یقین کے بغیر حضور کے حاصل ہونے کو ناممکن قرار دیا ہے۔

اسی لئے نوری سے مروی ہے کہ یقین مشاہدہ کا نام ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ مشاہدہ کے اندر ایسا یقین پایا جاتا ہے' جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، کیونکہ وہ شخص' جسے اپنے امن پر اعتماد نہیں، اسے مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

ابوبکر وراق سے مروی ہے کہ دل کا تمام تر دارومدار یقین پر ہے اور اس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ یقین سے ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور عقل کے ذریعہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو سمجھ سکتا ہے۔

جنید سے مروی ہے کہ یقین کی بدولت کچھ لوگ پانی پر چل سکتے ہیں۔ مگر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ لوگ جو ان سے یقین کے اعتبار سے اعلیٰ افضل تھے، پیاسے مر گئے۔

جعفر سے روایت ہے کہ ابراہیم خواص نے فرمایا کہ مجھے ایک نوجوان بیابان میں ملا۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ چاندی کی ڈلی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا: بچے! کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا: مکہ جارہا ہوں۔

میں نے پھر پوچھا: کیا بغیر ارادہ کے اور بغیر سواری کے اور خرچ کے؟ بچے نے جواب دیا: اے ضعیف الیقین! وہ خدا جو زمین وآسمان کی حفاظت کرتا ہے' وہ مجھے بغیر اسباب کے مکہ تک نہیں پہنچا دے گا؟

ابراہیم سے مروی ہے کہ جب میں مکہ میں داخل ہوا' تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بچہ طواف کررہا ہے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے:

یاعین سحی أبداً یانفس موتی کمداً

ولا تحبی احداً الا الجلیل الصمدا

اے آنکھ! ہمیشہ روتی رہ! اے نفس! غم سے مر جا۔ مگر اللہ کے سوا کسی سے محبت نہ کرنا۔

جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی، تو کہنے لگا: شیخ! ضعف یقین کے باوجود آپ بھی یہاں؟!

نہر جوری سے مروی ہے کہ جب بندہ حقائق یقین کی تکمیل کرے، تو مصیبت اس کے نزدیک نعمت ہو جاتی ہے اور آسائش مصیبت۔

اقسام یقین:

ابوبکر وراق سے مروی ہے کہ یقین تین طرح کا ہوتا ہے:

خبروں کا یقین، دلیلوں کا یقین اور مشاہدہ کا یقین۔

ابوتراب سے مروی ہے کہ میں نے ایک بچے کو جنگل میں بغیر زادراہ کے جاتے دیکھا، میں نے کہا: اگر اس کے ساتھ یقین نہیں ہے، تو یہ تباہ ہو جائے گا۔ لہٰذا میں نے اسے کہا: بچہ! کیا تو ایسی جگہ بغیر زادراہ کے چل رہا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: اور بوڑھے! ذرا سر اٹھا کر دیکھو، کیا تجھے حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز دکھائی دیتی ہے؟ یہ سن کر میں نے اسے کہا: اب جہاں چاہو جاؤ!

ابوسعید خراز فرماتے ہیں کہ علم وہ ہے، جو تجھے عمل کی طرف لے جائے اور یقین وہ ہے، جو تجھے جدوجہد پر اکسائے۔

ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ میں نے حلال کی روزی کھانے کے لئے ذریعہ معاش طلب کیا اور مچھلی کا شکار کیا۔ ایک بار جال میں ایک مچھلی آئی۔ میں نے اس کو نکال لیا اور جال پانی میں ڈال دیا۔ پھر ایک اور آ گئی، میں نے اسے بھی پھینک کر جال ڈال دیا۔ اس پر غیب سے نداء آئی کہ تجھے روزی کمانے کے لئے اس کے سوا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں کہ تو ان کے پاس آ کر انہیں قتل کر دے، جو ہمارا ذکر کرتے ہیں؟ یہ سن کر میں نے سنبی توڑ دی اور مچھلیوں کا شکار چھوڑ دیا۔

باب

صبر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ (النحل:۱۲۷)

صبر کیجئے، اللہ کی مدد کے بغیر تم صبر بھی نہیں کر سکتے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

﴿ ان الصبر عند الصدمة الاولیٰ ﴾ (اخرجه ابو یعلی فی مسنده: ۱۰/۴۵۴)

صبر تو وہ ہے، جو مصیبت کی پہلی ٹھوکر لگنے پر کیا جاتا ہے۔

اقسام صبر:

صبر کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) انسان کا اپنے کاموں پر صبر اور ان امور میں صبر، جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں۔ پھر انسان کا اپنے کاموں پر صبر دو طرح کا ہے:

ان امور پر صبر، جن کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور ان چیزوں پر صبر، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

ان امور پر صبر، جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں۔

جنید سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا، تو فرمایا:

ناک منہ چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ پی جانا ہی صبر ہے۔

علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ صبر اور ایمان میں وہی تعلق ہے، جو سر اور بدن میں ہے۔

ابو القاسم حکیم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا واصبر فرمانا، عبادت کرنے کا حکم ہے اور

﴿وما صبرك الا بالله﴾ (النحل:۱۲۷) فرمانا، یہ عبودیت ہے۔

چنانچہ جو شخص للٰہ یعنی اپنی طاقت پر اعتماد کے ہر درجہ سے ترقی کر کے بلٰہ یعنی اپنی طاقت سے بیزاری اور عدم اعتماد کے درجہ کو پہنچ جائے' تو سمجھ لو کہ وہ عبادت کے درجہ سے منتقل ہو کر عبودیت کے مرتبہ کو جا پہنچا، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

تیرے ذریعہ ہی سے زندہ ہوں اور تمہارے مارنے سے ہی مروں گا۔

(اخرجه البخاری: ۷۳۹٤،مسلم: ۲۷۱۱)

ابو سلیمان سے صبر کی نسبت سوال کیا گیا' تو فرمایا: اللہ کی قسم! ہم تو اپنی پسند کی چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے' تو ناپسندیدہ چیزوں پر کیسے صبر کر سکتے ہیں یعنی اللہ کی توفیق کا ہونا ضروری امر ہے۔

صبر پر قائم رہنے کا اجر:

ذوالنون سے مروی ہے: اللہ کے احکام کی مخالفت سے دور رہنے کا اور مصائب کے گھونٹ پینے پر سکون واطمینان اور زندگی کے میدان میں باوجود محتاجی کے اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام صبر ہے۔

ابن عطاء فرماتے ہیں؛ اچھی طرح ادب کو قائم رکھتے ہوئے' مصیبت پر قائم رہنا صبر ہے۔

ابوعثمان سے مروی ہے کہ بہت صبر کرنے والا وہ شخص ہے' جو مصیبت میں داخل ہونے کے ساتھ اپنے آپ کو عادی بنالے۔

بعض سے مروی ہے کہ جس طرح انسان عافیت کے ہوتے ہوئے اپنی حالت پر ثابت قدم رہتا ہے، اسی طرح اچھے آداب کے ساتھ مصیبت پر ثابت قدم رہنا صبر کہلاتا ہے۔

ابوعثمان فرماتے ہیں کہ اگر کسی عبادت پر بہترین جزا ہو سکتی ہے' تو وہ صبر ہے۔ کیونکہ صبر کی جزا سے بڑھ کر کوئی جزا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (النحل:۹۶)

ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کی بہترین جزا دیں گے۔

عمرو بن عثمان سے مروی ہے کہ اللہ کے احکام پر ثابت قدم رہنا اور اس کی آزمائش کو خندہ پیشانی اور سکون کے ساتھ قبول کرنا صبر ہے۔

خواص سے مروی ہے کہ کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ عاشقوں کا صبر' زاہدوں کے صبر کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ کس طرح صبر کرتے ہیں؟ چنانچہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے:

الصبر یجمل فی المواطن کلها ۔۔۔ الا علیك فانه لا یجمل

اے محبوب! تمام مواقع پر صبر اچھا معلوم ہوتا ہے، سوائے تمہارے کہ یہاں صبر کرنا اچھا نہیں ہے۔

رویم سے مروی ہے: شکایت نہ کرنا صبر ہے۔

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ صبر اپنے نام کی طرح سخت کڑوا اور مشکل ہے۔

ابن عطاء نے اپنا یہ شعر سنایا:

سأ صبر کی ترضی واتلف حسرۃ وحسبی ان ترضی ویتلفنی صبری

تمہیں راضی کرنے کی خاطر میں صبر کرونگا، خواہ میں حسرت سے جان ہی کیوں نہ دے دوں، میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں صبر کرتے ہوئے ہلاک ہو جاؤں اور تو مجھ سے راضی رہے۔

اقسام صابر:

ابوعبداللہ بن خفیف سے مروی ہے کہ صابر کی تین قسمیں ہیں؛

(۱) بناوٹی صابر (۲) صابر (۳) اور بہت زیادہ صبر کرنے والا۔

مشکل صبر:

حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے: صبر ایسی سواری ہے، جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔

عبداللہ بصری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے شبلی کے پاس آ کر سوال کیا: صبر کرنے والے کے لئے کون سا صبر مشکل ہے، کیا اللہ کی اطاعت میں صبر کرنا سخت مشکل ہے؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے پھر کہا: کیا وہ صبر جس میں واردات الٰہیہ ہوتی ہیں، مگر پھر بھی بندہ متأدب رہتا ہے (صبر مع اللہ)؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے پھر پوچھا: پھر آخر کون سا صبر سخت ہے؟ کہا: صبر عن اللہ، یعنی وہ صبر جس میں بندہ کو قرب الٰہی حاصل ہو جانے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے سے دور کر دے، مگر وہ اس کا دروازہ نہ چھوڑے اور وہیں عاجزی سے پڑا رہے۔

علی بن عبداللہ بصری سے مروی ہے کہ یہ کہہ کر شبلی نے اس قدر زور سے چیخ ماری کہ معلوم ہوتا تھا، انہوں نے دم توڑ دیا۔

ابومحمد جریری سے مروی ہے کہ صبر یہ ہے کہ بندہ کے لئے آرام و راحت اور مصیبت کی حالتیں دونوں یکساں ہوں اور دونوں حالتوں میں اسے سکون قلب حاصل ہو اور بناوٹی صبر یہ ہے کہ مصیبت پر سکون خاطر تو ہو، مگر بندہ تکلیف کا احساس کرتا ہو۔ کسی نے کسی کا یہ شعر پڑھا:

صبرت ولم اطلع ھواك علی صبری واخفیت مابی منك عن موضع الصبر

مخافۃ ان یشکوا ضمیری صبابتی الی دمعتی سراً فتجری ولا ادری

میں نے صبر یہاں تک کیا کہ تیرے عشق کی خبر صبر تک کو نہ کی، اور عشق کو میں نے صبر کی جگہ یعنی دل میں بھی چھپائے رکھا۔ اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دل گھبرا کر میرے عشق کی شکایت چپکے سے میرے آنسوؤں کے پاس کر دے اور میری دانست کے بغیر ہی میرے آنسو بہنے لگ جائیں۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ صبر کرنے والے دونوں جہانوں کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (البقرہ:۱۵۳)

تشریح فرمان الٰہی:

اللہ کے فرمان ﴿اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا﴾ (آل عمران:۲۰۰)

کی تشریح یوں بھی کی گئی ہے کہ صبر مصابرہ سے کم درجہ رکھتا ہے اور مصابرہ کا رتبہ مرابطہ سے کم تر ہے۔

ایک تشریح یوں کی گئی ہے کہ اصبروا کے معنی ہیں، اللہ کی اطاعت پر اپنے نفسوں کو روکے رکھو اور اللہ کی خاطر مصیبتوں پر اپنے دلوں کو لگائے رہو اور اپنے باطن کو اللہ تعالیٰ کے شوق کی طرف لگائے رہو۔

بعض اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صبر کرو۔ اللہ کی مدد کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھو اور اللہ تعالیٰ کے ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھو۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ میرا خلق اختیار کرو۔ میرا ایک خلق یہ ہے کہ میں صبور (بہت صبر کرنے والا) ہوں۔

مروی ہے کہ صبر کے گھونٹ بھرو، اگر اس نے تمہیں مار ڈالا تو تم شہید ہو اور اگر زندہ رکھا تو عمر بھر باعزت زندہ رہو گے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر صبر کرنا تکلیف کا سبب ہے (صبر للہ)، اور (صبر باللہ) اللہ کی مدد کے ساتھ صبر کرنا بقاء کا سبب ہے۔

نیز صبر فی اللہ آزمائش ہے، صبر مع اللہ وفا ہے اور صبر عن اللہ جفا ہے۔ صوفیا یہ شعر پیش کرتے ہیں:

والصبر عنك فمذموم عواقبة   والصبر فی سائر الاشیاء محمود

اے محبوب! تجھ سے صبر کر کے بیٹھ رہنے کا انجام برا ہے۔ حالانکہ دیگر اشیاء میں صبر قابل تعریف ہے۔

یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

وکیف الصبر عمن حل منی بمنزلة الیمین من الشمال

اس محبوب سے کس طرح صبر ہوسکتا ہے، جس کی مجھ سے ایسی ہی نسبت ہے، جیسی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے۔

اذا لعب الرجال بکل شیء رأیت الحب یلعب بالرجال

جب لوگ ہر چیز سے کھیلتے ہیں' تو میں دیکھتا ہوں کہ عشق لوگوں سے کھیلتا ہے۔

نیز مروی ہے: ہر بات کے مطالبہ میں صبر کرنا کامیابی کی علامت ہے اور مصیبت پر صبر کرنا کشائش کی علامت ہے۔

منصور بن خلف مغربی سے مروی ہے کہ کسی شخص کو کوڑے لگانے کے لئے ننگا کیا گیا۔ جب (کوڑے لگنے کے بعد) اسے قید خانہ میں واپس لے جایا گیا' تو اس نے ایک ساتھی کو بلا کر اس کے ہاتھ پر تھوکا اور اپنے منہ سے چاندی کے ٹکڑے اس کے ہاتھ پر ڈال دیئے۔

جب اس سے اس کے متعلق پوچھا گیا' تو جواب دیا کہ میرے منہ میں دو درہم تھے اور اس حلقہ میں میرا ایک محبوب تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے مار پڑ رہی تھی اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔

میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں مار کی وجہ سے چیخوں، جب کہ میرا محبوب مجھے دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا جب مار پڑتی' تو ان درہموں کو دانتوں سے کاٹتا۔ اس طرح وہ درہم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

مروی ہے کہ جس حالت میں تو ہے' وہ ہی تمہارے لئے حفاظت گاہ ہے اور اللہ کے سوا جو کچھ ہے، وہ سب تمہارا دشمن ہے۔ لہٰذا تمہیں اپنی حالت کی حفاظت گاہ میں خوب تیار رہنا چاہئے۔

بعض سے مروی ہے کہ صبر میں اس قدر صبر کرنا کہ اندر صبر مستغرق ہو جائے اور صبر سے صبر عاجز آ جائے، مصابرہ کہلاتا ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ اس نے صبر پر صبر کیا، یہاں تک کہ صبر نے کہنا شروع کر دیا کہ صبر کرو۔

شبلی کا صبر:

مروی ہے کہ شبلی کو پاگل خانے میں قید کر دیا گیا' تو کچھ لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے۔ شبلی نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہم تمہارے دوست ہیں، تمہاری زیارت کے لئے آئے ہیں۔

اس پر شبلی نے انہیں پتھر مارنے شروع کر دیئے اور وہ لوگ بھاگنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر شبلی نے کہا: ارے جھوٹو! اگر تم میرے دوست ہوتے' تو میرے آزمانے پر صبر کرتے۔

بعض احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مصائب برداشت کرنے والے' جو کچھ میری خاطر برداشت کرتے

ہیں، وہ میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاصْبِرْ بِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ﴾ (الطور: ۴۸)

آپ اللہ کے حکم پر صبر کریں، کیونکہ آپ ہماری نگاہوں میں ہیں۔

ایک صوفی کا بیان ہے: میں مکہ میں تھا۔ وہاں میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور جیب سے ایک رقعہ نکال کر اسے دیکھا اور چل دیا۔ جب دوسرا دن ہوا' تو اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں کئی دن تک اسے دیکھتا رہا۔ چنانچہ ایک دن اس نے طواف کے بعد رقعہ کو دیکھا اور کچھ دور ہٹ کر گرا اور مر گیا۔

میں نے اس رقعہ کو اس کی جیب سے نکالا' تو اس میں لکھا تھا:

﴿وَاصْبِرْ بِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (الطور: ۴۸)

ایک نوجوان اور ایک بوڑھا:

مروی ہے کہ ایک نوجوان کو دیکھا گیا کہ وہ ایک بوڑھے آدمی کے منہ پر جوتے مار رہا ہے۔ کسی نے اسے کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ایسے بوڑھے کے چہرے کو جوتے مار رہا ہے؟ نوجوان نے کہا: اس کا جرم بہت بڑا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ بوڑھا میری صحبت کا دعویٰ کرتا ہے، مگر تین دن سے یہ مجھے دیکھنے کو نہیں آیا۔

ایک صوفی سے مروی ہے کہ میں ہندوستان گیا اور ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ ہے اور لوگ اسے صبور کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا' تو مجھے بتایا گیا کہ ابتداء جوانی میں ان کے ایک دوست سفر کو نکلے اور یہ انہیں الوداع کہنے کو گئے۔ ان کی ایک آنکھ سے آنسو بہنے لگے' مگر دوسری آنکھ سے آنسو نہ نکلا۔ اس پر انہوں نے اس آنکھ کو جس سے آنسو نہ نکلے کہا کہ تو نے میرے دوست کے فراق پر آنسو کیوں نہیں بہائے؟ لہٰذا اب میں تجھے دنیا کو دیکھنے سے محروم کر دوں گا۔

چنانچہ انہوں نے آنکھ بند کر لی اور اب ساٹھ سال گزر گئے ہیں' آنکھ نہیں کھولی۔

صبر جمیل:

اللہ کے فرمان ﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا﴾ (المعارج: ۵)

کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت قوم کے اندر کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کون شخص مصیبت میں مبتلا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے: اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے' تو مجھے قطعاً اس بات کی پرواہ نہ ہوتی کہ میں ان

میں سے کس پر سوار ہوں۔

ابن شبرمہ پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ' تو فرماتے کہ یہ بادل عنقریب چھٹ جائیں گے۔

حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا ' تو فرمایا:

صبر و تحمل ایمان میں سے ہے۔ (مسند احمد:١٩٤٥٤، بیهقی:٨٠١٤)

سری سے صبر کے متعلق دریافت کیا گیا ' تو آپ صبر پر گفتگو فرمانے لگے۔ اسی دوران ایک بچھوان کی ٹانگ پر چڑھ گیا اور کئی ایک ڈنک مارے، مگر آپ نے قطعاً حرکت نہ کی۔ آپ سے کسی نے کہا کہ آپ نے اسے ہٹا کیوں نہیں دیا؟

فرمایا: مجھے اللہ سے شرم آ گئی کہ میں تو صبر کے متعلق گفتگو کروں، مگر خود صبر نہ کروں۔

حدیث میں ہے کہ صبر کرنے والے فقیر ' قیامت کے دن اللہ کے ہم نشین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے اپنے بندے پر اپنی آزمائش ڈالی۔ اس پر اس نے مجھے پکارا۔ میں نے اس کی دعا قبول کرنے میں دیر کی۔ پھر اس نے مجھ سے شکایت کی ' تو میں نے کہا: اے میرے بندے! میں ایسی چیز سے تجھ پر کیوں رحم کھاؤں ' جس کی بدولت میں تجھ پر رحم کرتا ہوں۔

ابن عیینہ اللہ کے فرمان:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا﴾ (السجدہ:٢٤)

''جب انہوں نے صبر کیا ' تو ہم نے ان کو امام بنا دیا کہ لوگوں کو ہمارے حکم سے راہ راست دکھائیں۔''

کی تشریح فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے امر دین کی جڑ کو پکڑ لیا ' تو ہم نے بھی ان کو سردار بنا لیا۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ صبر کی تعریف یہ ہے کہ تو تقدیر پر اعتراض نہ کرے، اپنی مصیبت کا اظہار اس طریقہ پر کرے کہ اس میں شکایت کا پہلو نہ پایا جاتا ہو اور یہ صبر کے منافی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایوب علیہ السلام کے قصے میں فرماتا ہے:

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ﴾ (ص:٤٤)

ہم نے اسے صابر پایا ' وہ بہت اچھا بندہ تھا۔

مگر ساتھ ہی اللہ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ کہے

﴿مَسَّنِيَ الضُّرُّ﴾ (الانبیاء:۸۳)

مجھے تکلیف پہنچی ہے۔

نیز انہی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ یعنی

﴿مَسَّنِيَ الضُّرُّ﴾ (الانبیاء:۸۳)

اس لئے نکلوائے' تاکہ اس امت کے کمزور آدمیوں کے لئے سانس لینے کی گنجائش نکل آئے۔

بعض سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا﴾ (ص:٤٤) فرمایا ہے'صبور کا لفظ جو مبالغہ کے لئے ہے]
نہیں فرمایا۔

اس لئے کہ آپ ہر حال میں صابر نہ تھے، بلکہ بعض حالات میں آپ اس آزمائش سے لذت حاصل کرتے تھے۔
لہٰذا لذت حاصل کرنے کی صورت میں آپ صابر نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبوراً نہیں فرمایا۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ صبر' دراصل یہ ہے کہ انسان جب مصیبت سے نکلے' تو اس کی وہی کیفیت ہو' جو
اس کی اس وقت تھی، جب وہ مصیبت میں مبتلا ہوا تھا۔

جیسے ایوب علیہ السلام کی حالت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مصیبت کے اختتام پر یہ الفاظ کہے
﴿مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۸۳) آپ نے گفتگو کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے: ﴿وَاَنْتَ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ کہا، تصریحاً اِرْحَمْنِيْ نہیں کہا۔

صبر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صبر عابدین (۲) صبر محبین۔

عابد کا بہترین صبر یہ ہے کہ یہ دائمی ہو۔ اور محبین کا بہترین صبر یہ ہے کہ صبر کو ترک کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

تبین یوم البین ان اعتزامه علی الصبر من احدی الظنون الکواذب

عاشق صبر کے بڑے دعوے کیا کرتا تھا، مگر محبوب کی جدائی کے دن معلوم ہو گیا کہ اس کا صبر کرنے کا دعویٰ' جھوٹا دعویٰ
تھا' کیونکہ وہ اس کی جدائی کو برداشت نہیں کر سکا اور بے صبرا ہو گیا۔

استاد ابو علی سے مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام صبح کو یہی وعدہ فرماتے ہیں کہ میں صبر کروں گا' چنانچہ
﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ (یوسف:۸۳) کہا،
مگر رات آنے سے پہلے ہی پکار اٹھے
﴿يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾ (یوسف:۸٤)
(یعنی وہ صبر نہ کر سکے)۔

باب

مراقبہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ رَّقِيْباً ﴾ (الاحزاب:۵۲)

''ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔''

جریر بن عبداللہ البجلی سے مروی ہے کہ جبرائیل'ایک آدمی کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ،اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پر اللہ کے فرشتوں، اللہ کے رسولوں پر' اچھی یا بری یا میٹھی یا کڑوی تقدیر پر ایمان لانا' ایمان ہے۔

یہ سن کر جبرئیل نے کہا: آپ سچ کہتے ہیں۔

ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے۔ اس نے پھر کہا کہ اسلام کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اسلام ہے۔

اس پر اس شخص نے پھر کہا: آپ سچ کہتے ہیں۔ اس نے پھر کہا: احسان کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے' تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے پھر کہا: آپ نے سچ کہا۔ (اخرجه البخاری: ۵۰، مسلم: ۸)

شیخ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا: اگر تو خدا کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس میں مراقبہ کی حالت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مراقبہ یہ ہے کہ بندے کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

مراقبہ کیا ہے؟

بندے کا اس حالت کو ہمیشہ قائم رکھنا مراقبہ ہے۔ مراقبہ ہر نیکی کی اصل ہے اور انسان اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا،

جب تک پہلے اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے۔ جب محاسبہ کر چکے، جیسا کہ مذکور ہوا اور موجودہ وقت میں اپنی حالت کی اصلاح کر لے اور اللہ کے راستہ پر لگا رہے اور اپنے اور اللہ کے درمیان اپنے دل کی اچھی طرح سے نگہبانی کرے اور اپنے سانسوں کو اللہ کے احکام کے ساتھ محفوظ رکھے' تو یہ شخص اپنے اکثر احوال میں اللہ کو دیکھتا رہے گا اور جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے دل کے قریب ہے، اس کے حالات کو جانتا ہے، اس کے افعال کو دیکھتا ہے اور اس کے افعال کو سنتا ہے اور جس شخص نے ان باتوں سے تغافل کیا' وہ وصل کے ابتدائی مدارج تک بھی نہیں پہنچ سکتا، چہ جائیکہ قربت کے حقائق تک پہنچے۔

جریریؒ سے مروی ہے کہ جس شخص نے اپنے اور اللہ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ کو مضبوط نہیں کیا' وہ شخص کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ کسی حاکم کا ایک وزیر تھا۔ ایک روز وہ وزیر کے سامنے کھڑا تھا کہ اس نے نوکر کی طرف جو وہاں کھڑا تھا' نگاہ کی، مگر کسی بری نظر سے نہیں صرف اس لیے کہ اس نے اس کی کوئی حرکت' یا آواز محسوس کی تھی۔ اتفاقاً حاکم نے اس وزیر کو اس حالت میں دیکھ لیا۔ اس سے وزیر کو ڈر ہوا کہ کہیں حاکم یہ نہ سمجھے کہ اس نے اس کی طرف بری نظر سے دیکھا ہے۔ لہٰذا اس نے اسی طرز پر امیر کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس دن کے بعد جب کبھی بھی یہ وزیر' حاکم کی خدمت میں آتا تو ایک طرف دیکھتا رہتا' تا آنکہ حاکم کو خیال ہوا' کہ وزیر کی عادت ہی اس طرح سے دیکھنا ہے اور حاکم کے دل سے وہ خیال جاتا رہا۔

یہ تو اس مراقبہ کا حال ہے' جو ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے لئے ہے۔ لہٰذا بندہ اگر اپنے آقا کے لئے مراقبہ کرے' تو پھر کتنی اچھی بات ہے۔

توجہ:

فقراء میں سے کسی سے منقول ہے کہ کسی حاکم کا ایک غلام تھا۔ جس کی طرف اس کی توجہ اوروں کی نسبت زیادہ تھی۔ حالانکہ نہ تو اس کی قیمت ان کے مقابلے میں زیادہ تھی، اور نہ ان کے مقابلہ میں وہ زیادہ خوبصورت تھا۔ لوگوں نے اسے اس کے بارے میں کہا' تو امیر نے انہیں بتلانا چاہا کہ خدمت گذاری میں وہ اوروں کے مقابلہ میں کس طرح افضل ہے۔

چنانچہ ایک دن وہ اپنے نوکروں سمیت سواری کے لئے نکلا۔ کچھ فاصلہ پر پہاڑ تھا۔ جہاں برف پڑی ہوئی تھی۔ حاکم نے اس برف کی طرف نگاہ کر کے سر کو نیچے جھکا دیا۔ فوراً اس غلام نے گھوڑا دوڑایا اور کسی کو خبر نہ کی کہ اس نے گھوڑا کیوں دوڑایا ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد وہ برف لے کر حاضر ہوا۔ حاکم نے اس سے سوال کیا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں برف

چاہتا ہوں؟

غلام نے جواب دیا: آپ نے برف کی طرف دیکھا تھا اور بادشاہ کا کسی چیز کو دیکھنا' قصد صحیح کے بغیر نہیں ہوسکتا۔اس پر حاکم نے کہا کہ میری عنایت اور توجہ اس کی طرف اس لئے زیادہ ہے کہ ہر ایک اپنے کام میں مشغول رہتا ہے، مگر اس کا کام یہ ہے کہ وہ میری نگاہ کو دیکھتا ہے اور میرے حالات پر نظر رکھتا ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے: جس شخص نے خواطر قلبیہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی نگاہ میں رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کو گناہ سے بچادے گا۔

ابوالحسین بن ہند سے کسی نے سوال کیا: چرواہا اپنی بکریوں کو ہلاکت کی چراگاہ سے کب اپنی لاٹھی کے ساتھ ہانک کرلے جاتا ہے؟ فرمایا: جب اس کو علم ہوتا ہے کہ کوئی دیکھنے والا ہے۔

اللہ ہر جگہ موجود ہے:

مروی ہے کہ ایک بار ابن عمر سفر میں تھے' تو انہوں نے ایک غلام کو بکریاں چراتے دیکھا، انہوں نے اسے (آزمائش کے طور پر) کہا: کیا تو ان میں سے ایک بکری بیچے گا؟ غلام نے جواب دیا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔آپ نے پھر کہا: مالک سے کہنا کہ بھیڑیا ایک بکری لے گیا ہے۔اس پر غلام نے جواب دیا: پھر اللہ کہاں ہے؟ اس واقعہ کے بعد مدت تک ابن عمر کہا کرتے تھے: اس غلام نے ''اللہ کہاں ہے؟'' کہا تھا۔

جنید سے مروی ہے کہ جو شخص مراقبہ میں ثابت قدم رہا' اسے صرف اللہ کے ہاں اپنے حظ کے فوت ہونے کا ڈر ہوگا کسی اور کے ہاں نہیں۔

ایک استاد کے کچھ شاگرد تھے اور ان میں سے ایک کی طرف بمقابلہ دوسروں کے زیادہ توجہ دیتے تھے۔لوگوں نے اس بارے میں ان سے ذکر کیا' فرمایا: میں ابھی واضح کردوں گا۔

چنانچہ اس نے ہر شاگرد کو ایک ایک پرندہ دیا اور ہر ایک کو کہا کہ اسے ایسی جگہ ذبح کرنا' جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ اسی طرح اس شاگرد کو بھی ایک پرندہ دیا۔

ذبح کرنے کے لئے روانہ ہوگئے اور ہر ایک جب واپس آیا' تو اس کے پاس ذبح کیا ہوا پرندہ تھا۔مگر جب یہ شاگرد آیا' تو اس کے پاس وہی زندہ پرندہ موجود تھا۔استاد نے پوچھا: تو نے اسے ذبح کیوں نہیں کیا؟

شاگرد نے جواب دیا: آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے ایسی جگہ ذبح کروں، جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی۔ یہ جواب سن کر استاد نے فرمایا: یہی وجہ تھی کہ میں اس کی طرف اپنی خاص توجہ کرتا تھا۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ مراقبہ کی علامت یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو پسند کرے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور ان چیزوں کی تعظیم کرے، جن کی اللہ تعالیٰ نے تعظیم کی اور ان چیزوں کو حقیر جانے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حقیر جانا۔

نصر آبازی سے مروی ہے کہ امید تجھے اطاعت پر تحریک کرتی ہے اور خوف تجھے معصیت کے کام سے دور لے جاتا ہے اور مراقبہ تجھے حقائق کی راہ تک پہنچا دیتا ہے۔

جعفر بن نصیر سے مراقبہ کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا: ہر خیال جو دل میں پیدا ہوا اور بندہ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے' اپنے باطن کے واردات کا خیال رکھے تو یہی مراقبہ ہے۔

جریری سے مروی ہے کہ تصوف کے معاملہ کی بنا دو باتوں پر ہے:

اوّل یہ کہ تو اپنے نفس پر لازم کرے کہ وہ ہمیشہ اللہ کو نگاہ میں رکھے اور اس علم کا اثر تمہارے ظاہر پر موجود ہے۔

ابوالقاسم بغدادی سے مروی ہے کہ ہر لحظہ اور ہر لفظ کے ساتھ غیب کو دیکھتے ہوئے اپنے باطن کا دھیان رکھنا مراقبہ ہے۔

ابن عطاء سے پوچھا گیا کہ افضل ترین عبادت کون سی ہے؟ تو فرمایا: ہر دم اللہ کو نگاہ میں رکھنا۔

ابراہیم خواص سے مروی ہے: احکام خداوندی کا لحاظ رکھنے سے مراقبہ پیدا ہوتا ہے اور مراقبہ سے ظاہر و باطن میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

ابوعثمان مغربی سے مروی ہے کہ طریقت میں سے سب سے افضل چیز' جس کو انسان اپنے اوپر لازم قرار دے، یہ ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے، اللہ کو نگاہ میں رکھے اور اپنے علم کے ذریعے سے اپنے اعمال کی سیاست کرے۔

مروی ہے کہ ابوعثمان سے ابوحفص نے کہا کہ جب تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے بیٹھو' تو دل اور نفس کو نصیحت کرو، اپنے پاس لوگوں کا ہجوم دیکھ کر دھوکے میں نہ پڑو، کیونکہ لوگ تو صرف تمہارا ظاہر دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارا باطن دیکھتا ہے۔

ابوسعید فراز سے مروی ہے کہ میرے شیخ نے مجھے فرمایا: اپنے باطن اور مراقبہ کا ہر دم لحاظ رکھو۔

فرماتے ہیں کہ ایک بار جب میں جنگل میں جا رہا تھا، یکایک میرے پیچھے سرسراہٹ سی سنائی دی۔ جس سے میں ڈر گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھنا چاہا، مگر نہ مڑا۔ پھر دیکھا کہ کوئی چیز میرے کندھے پر کھڑی ہے، پھر وہ ہٹ گئی۔ مگر میں بدستور اپنے باطن کو نگاہ میں رکھے رہا۔ پھر جو مڑ کر دیکھا تو وہ ایک بڑا درندہ تھا۔

واسطی سے مروی ہے کہ بہترین عبادت یہ ہے کہ تو اپنے اوقات کی حفاظت کرے اس طرح کہ اپنی حدود کے سوا کسی چیز کی طرف نہ جھانکے' نہ اپنے رب کے سوا کسی اور کو نگاہ میں رکھے اور اپنے وقت کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے۔

باب

رضاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ (المائدة:۱۱۹)

''خدا ان سے راضی ہوا، اور وہ اس سے راضی ہوئے۔''

رسول ﷺ نے فرمایا: ایک بار جب اہل جنت اپنی ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ یکا یک جنت کے دروازے پر نور ظاہر ہوا۔ اہل جنت نے سر اٹھا کر دیکھا' تو اللہ تعالیٰ تشریف فرما تھے اور فرمان جاری تھا کہ اے اہل جنت! مجھ سے کچھ مانگ لو' تو اہل جنت نے جواب دیا کہ ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ تو ہم سے راضی ہو جا۔

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میری رضا ہی کی بدولت' تو تم میرے گھر میں آ کر اترے ہو اور تمہیں میری طرف سے عزت حاصل ہوئی ہے، یہی وقت ہے مانگ لو' تو اہل جنت نے عرض کیا: ہم اور رضا چاہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پھر ان کے پاس سرخ یاقوت کی اونٹنیاں لائی جاتی ہیں۔ جن کی باگیں سبز رنگ کے زمرد اور سرخ رنگ کے یاقوت ہیں۔ چنانچہ وہ ان پر بیٹھ گئے۔ ان کے پاؤں اس قدر دور پڑتے تھے کہ جس قدر نگاہ پہنچ سکتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پھلدار درختوں کو حکم دیا۔ پھر موٹی آنکھوں والی لڑکیاں آئیں اور کہنے لگیں: ہم نازک اندام ہیں۔ ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ہم ہمیشہ جنت میں رہنے والیاں ہیں، ہمیں موت نہ آئے گی۔ ہم مومنوں کی باعزت بیویاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے اور سفید خوشبودار کستوری کے ٹیلے پر ایک ہوا اڑائیں گی، جس کا نام مثیرہ ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں لے کر جنت عدن میں آ جائیں گی۔ یہ جنت عدن جنت کا بہترین حصہ ہے، یہ دیکھ کر فرشتے کہیں گے

اے اللہ! یہ لوگ آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مرحبا! اے سچ بولنے والو! مرحبا! اے عبادت گذارو!

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ پھر ان کے لئے پردہ اٹھایا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں اور نور رحمٰن کو دیکھ کر اس قدر حظ حاصل کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: انہیں ان تحفوں کے ساتھ محلوں کی طرف لوٹا دو، اور آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ جب وہ واپس آئیں گے، تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴾ (فصلت:۳۲)

''اللہ غفور رحیم کی طرف سے یہ ضیافت ہوگی۔'' (حلیۃ الاولیاء:۶/۲۰۹)

عراقیوں اور خراسانیوں کا رضاء میں اختلاف:

عراقیوں اور خراسانیوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا رضاء احوال میں سے ہے، یا مقامات میں سے؟

چنانچہ اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضاء مقامات میں سے ایک مقام ہے اور یہ توکل کی انتہا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رضا ایک ایسی چیز ہے، جسے انسان کوشش کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا ہے۔

اہل عراق کہتے ہیں کہ رضاء احوال میں سے ہے اور انسان اسے اپنی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے، جو اللہ کی طرف سے بندے کے دل پر نازل ہوتی ہے۔ جس طرح دیگر احوال نازل ہوتے ہیں، ان دونوں اقوال کے درمیان مطابقت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ رضا کی ابتداء تو انسانی کوشش سے ہوتی ہے اور یہ ایک مقام ہے اور رضاء کی انتہاء احوال میں سے ہے، جو کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

رضاء صوفیاء کے نزدیک:

صوفیاء نے رضاء پر بحث کی ہے، چنانچہ ہر ایک نے اپنی حالت اور اپنے مشروب کا اظہار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عبارات میں اسی طرح اختلاف ہے، جس طرح رضا میں سے حصہ لیتے ہیں کہ کسی کو کم ملا اور کسی کو زیادہ۔ اب رہی علم کی شرط تو اس کا ہونا ناگزیر ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ راضی ہے، وہ وہی ہو سکتا ہے، جو اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرے۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ رضا یہ نہیں ہے کہ تم معصیت کا احساس نہ کرو، بلکہ رضا یہ ہے کہ تم اللہ کے حکم اور اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرو۔ بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قضاء پر راضی رہے، جس پر راضی رہنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ بندے کے لئے ہر اس بات پر جو اس کی تقدیر میں ہے، راضی رہنا جائز یا واجب نہیں... مثلاً معصیت پر یا مسلمانوں کی ایذاء رسانی وغیرہ پر۔

صوفیاء سے مروی ہے کہ رضا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا دروازہ ہے۔

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ نے اپنی رضاء سے نوازا ہو، اس پر اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے۔

عبدالواحد بن زید سے مروی ہے کہ رضاء اللہ کا بہت بڑا دروازہ ہے اور دنیا کی جنت ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ بندہ اس وقت تک حق تعالیٰ سے راضی نہیں ہو سکتا، جب تک حق تعالیٰ اس سے راضی نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (المائدہ:۱۱۹)

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ ان سے ایک شاگرد نے سوال کیا: کیا بندے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ رب اس سے راضی ہے؟ تو استاد نے کہا: نہیں، اسے اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ اللہ کی رضاء ہم سے پوشیدہ ہے۔ اس پر شاگرد نے کہا کہ ولی کو اس کا علم ہوتا ہے! استاد نے پوچھا: کیسے؟ شاگرد نے جواباً کہا کہ جب میں اپنے دل کو اللہ پر راضی پاتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ اللہ بھی مجھ سے راضی ہے۔ استاد نے کہا: تو نے بہت اچھا جواب دیا!

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے، جس کے کرنے سے تو مجھ سے راضی رہے۔ اللہ نے جواب دیا: تو وہ کام نہ کر سکے گا۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام عاجزی سے سجدہ میں گر پڑے، اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے عمران کے بیٹے! میری رضاء تو اسی میں ہے کہ تو میری قضاء پر راضی رہے۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے تھے کہ جب بندہ اپنی خواہشات کو ترک کر دے' تو وہ اللہ سے راضی ہے۔

انہی سے مروی ہے کہ نصر آبادی فرماتے تھے: جو شخص مقام رضا تک پہنچنا چاہے' اسے ان باتوں میں لگا رہنا چاہئے، جن میں رضائے الٰہی ہے۔

رضاء کی دو اقسام:

محمد بن خفیف سے مروی ہے کہ رضاء کی دو اقسام ہیں:

(۱) رضا باللہ۔ (۲) رضا عن اللہ۔

رضا باللہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے بحیثیت مدبر کے راضی رہیں اور رضا عن اللہ یہ ہے کہ ہم اس کی قضاء پر راضی رہیں۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ سالکین کا راستہ بہت لمبا ہے اور وہ ریاضت کا طریقہ ہے اور خواص کا طریقہ بہت قریب ہے، اگرچہ زیادہ دشوار ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا عمل ان باتوں پر ہو' جن سے اللہ راضی رہے اور تو اللہ کی قضاء سے راضی رہے۔

رویم فرماتے ہیں کہ رضا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جہنم کو کسی شخص کے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں' تو وہ یہ دعاء نہ کرے کہ اے اللہ! اسے بائیں ہاتھ پر کر دے۔

ابو بکر بن طاہر فرماتے ہیں: دل سے کراہت کو نکال دینے کا نام رضا ہے۔ یہاں تک کہ دل میں فرح و سرور کے

علاوہ کچھ نہ رہے۔

واسطی فرماتے ہیں کہ جہاں تک تجھ سے ہو سکے' اللہ کی رضاء کے مطابق عمل کرو، یہ نہ ہو کہ رضاء تمہیں استعمال کرے، اگر ایسا کرو گے' تو اس کی لذت اور اذیت کی وجہ سے حقیقت الٰہیہ سے محجوب ہو جاؤ گے۔

غور کرو سوچو! کہ واسطی کا یہ کام بڑی عظمت والا ہے اور اس میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ صوفیاء رضا کے اس معنی پر عمل کرتے ہیں، احساس کئے بغیر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں اور ان کا تعلق خدا سے منقطع نہ ہو جائے۔ کیونکہ ایک حالت میں سکون واطمینان سے رہنا' حالات کے بدلنے والے خدا سے حجاب کا سبب ہے۔ لہٰذا جب بندہ اس کی رضاء سے لذت پاتا ہے اور اپنے دل میں رضاء کی راحت محسوس کرتا ہے' تو اسی وقت مشاہدہ حق سے محجوب ہو جاتا ہے۔

نیز واسطی سے مروی ہے کہ عبادتِ خداوندی سے لطف اندوز ہونا' زہر قاتل ہے۔

ابن خفیف سے مروی ہے اللہ کے احکام میں دل لگانا اور جن چیزوں سے اللہ راضی ہوتا ہے اور جنہیں وہ پسند کرتا ہے، دل کا اُن کی موافقت کرنا رضاء کہلاتا ہے۔

رابعہ سے سوال کیا گیا: بندہ کب راضی برضاء کہلانے کا حق دار ہوتا ہے؟ فرمایا: جب وہ مصیبت میں بھی اسی طرح خوش رہے، جس طرح آرام میں خوش رہتا ہے۔

مروی ہے کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں شبلی نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا۔ جنید نے کہا: تمہارے یہ الفاظ دل کی تنگی کی وجہ سے ہیں اور دل کی تنگی اس وجہ سے کہ تو نے رضاء الٰہی پر رہنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر شبلی خاموش رہے۔

ابوسلیمان سے مروی ہے کہ رضا یہ ہے کہ نہ تو اللہ سے جنت مانگے اور نہ دوزخ سے پناہ طلب کرے۔

علامات رضاء:

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ رضاء کی تین علامات ہیں:

(۱) قضاء سے پہلے اختیار کو چھوڑ دینا۔

(۲) قضاء کے نازل ہونے کے بعد اس کی تلخی کو محسوس کرنا۔

(۳) عین مصیبت میں محبت کا بھڑکنا۔

حسین ابن علی ابن ابی طالب سے کسی نے کہا کہ ابوذر فرماتے تھے کہ مجھے محتاجی بہ نسبت مالداری کے اور بیماری بہ نسبت صحت کے زیادہ پسند ہے' تو حسین بن علی نے فرمایا: اللہ ابوذر پر رحم فرمائے! مگر میں یوں کہتا ہوں کہ جس نے اللہ کی پسند پر بھروسہ کیا، پھر وہ انہی چیزوں کی تمنا کرے، جنہیں اللہ نے اس کے لئے پسند کر رکھا ہے۔

رضاء اور زہد میں افضلیت:

فضیل بن عیاض نے بشر حافی سے کہا: رضاء زہد سے افضل ہے۔ اس لئے کہ راضی رہنے والا' اپنے مقام سے بڑھ کر کسی اور مقام کی تمنا نہیں کرتا۔

کسی نے ابوعثمان سے نبی کریم ﷺ کے فرمان: اسالك الرضاء بعد القضاء۔ (تجھ سے قضاء کے بعد رضاء کی درخواست کرتا ہوں) کے متعلق دریافت کیا' فرمایا:

آنحضرت ﷺ نے اس لئے فرمایا کہ قضاء سے پہلے راضی ہونا رضاء پر عزم کرنا ہے اور حقیقی رضاء قضاء کے بعد ہوتی ہے۔

ابوسلیمان سے مروی ہے کہ اگر خدا مجھے دوزخ میں بھی ڈال دے اور میں اس پر راضی رہوں' تو سمجھوں گا کہ رضاء کو تھوڑا سا سمجھ سکا ہوں۔

ابوعمر دمشقی سے مروی ہے کہ حکم خداوندی خواہ کسی قسم کا ہو، اس میں اگر بے چینی نہ ہو تو رضاء ہے۔

جنید سے مروی ہے کہ اختیار کا اٹھ جانا رضاء ہے۔

ابن عطاء سے مروی ہے کہ اللہ نے بندے کے لئے جو کچھ ازل سے اختیار کر رکھا ہے، اس پر دل کی نگاہ رہنا رضاء ہے۔ بالفاظ دیگر اختیار خداوندی پر ناراض نہ ہونا رضاء ہے۔

رویم فرماتے ہیں: اللہ کے احکام کے جاری ہونے پر دل کا سکون حاصل کرنا رضاء ہے۔

محاسبی سے مروی ہے کہ اللہ کے احکام کے جاری ہونے پر دل کو سکون حاصل رہنا رضاء ہے۔

نوری سے مروی ہے کہ قضا الٰہی کے گذرنے پر دل کا خوش ہونا رضاء ہے۔

جریری سے مروی ہے: جو شخص اپنے مرتبہ سے کم چیز پر راضی ہو' اللہ تعالیٰ اسے اس کی مرتبہ سے زیادہ بلند مرتبہ دے گا۔

ابوتراب نخشی سے مروی ہے کہ جس شخص کے دل میں دنیا کی قدر و منزلت ہو' وہ رضاء کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

عامر بن سعد' حضرت عباس بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو اللہ کو اپنا رب سمجھ کر اس سے راضی رہا، اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔

(اخرجه الترمذی:۲۶۲۳،مسند احمد:۱۷۸۱)

عمر بن خطاب نے موسیٰ اشعری کو لکھا:

سلام و صلوٰۃ کے بعد واضح کر کے فرمایا کہ بھلائی ہمہ تن رضاء میں ہے، اگر تم راضی بقضاء الٰہی رہ سکتے ہو' تو بہتر،

ورنہ صبر کرو۔

مروی ہے کہ عتبۃ الغلام ساری رات صبح تک یہ الفاظ کہتا رہا کہ اگر تو مجھے سزا بھی دے' تو تب بھی تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور اگر مجھ پر رحم کرے' تو تب بھی تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ انسان تو ٹھیکری ہے اور ٹھیکری کی کیا بساط کہ وہ اللہ کے حکموں کا مقابلہ کرے؟

ابوعثمان حیری سے مروی ہے کہ مجھے چالیس سال ہو گئے۔ اللہ نے مجھے جس مقام پر رکھ دیا، میں نے اسے ناپسند نہیں کیا اور جس مقام کی طرف پھیر دیا، میں ناراض نہیں ہوا۔

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنے غلام پر غصے ہوا، غلام نے کسی شخص کو سفارش کے لئے کہا' تو آقا نے اسے معاف کر دیا۔ اس پر غلام رونے لگ گیا، سفارش کرنے والے نے غلام سے پوچھا: اب جب تمہارے آقا نے تمہیں معاف کر دیا' تو تو کیوں رو رہا ہے؟ آقا نے کہا: یہ تو میری رضاء چاہتا ہے اور میں راضی ہونے کا نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ رو رہا ہے۔

باب

عبودیت

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ (الحجر:۹۹)

''مرتے دم تک عبادت الٰہی کرتے رہو۔''

عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ ابوسعید خدری اور ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ نے روایت کی کہ اس دن جب کے اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ کرنے والا نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے سایہ میں لے گا۔

وہ سات آدمی جو سایہ الٰہی میں ہوں گے:

(۱) امام عادل کو۔

(۲) اس نوجوان کو جس کی پرورش اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو۔

(۳) اس شخص کو جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد مسجد کی طرف لگا رہتا ہو، یہاں تک کہ وہ مسجد میں پھر چلا آتا ہے۔

(۴) ان دو شخصوں کو، جنھوں نے اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کی، اسی پر وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔

(۵) اس شخص کو جو خلوت میں یاد الٰہی کر کے روتا ہے اور آنسو بہاتا ہے۔

(۶) اس شخص کو جسے ایک خوبصورت عورت دعوت گناہ دیتی ہے، مگر وہ کہتا ہے: مجھے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔

(۷) اس شخص کو جو اس قدر پوشیدہ طور پر خیرات کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔

عبادت، عبودیت اور عبودت میں فرق:

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ عبودیت عبادت سے زیادہ کامل ہے۔ چنانچہ پہلے عبادت آتی ہے، پھر عبودیت اور پھر عبودت۔

عبادت عام مومنین کا کام ہے، عبودیت خواص کا اور عبودت خاص الخاص کا۔

انہی سے مروی ہے کہ علم یقین والوں کے لئے عبادت ہے۔ عبودیت عین الیقین والوں کے لئے اور عبودت حق الیقین والوں کے لئے۔

انہی سے مروی ہے کہ عبادت مجاہدہ کرنے والوں کے لئے اور ارباب معاہدہ کے لئے عبودیت اور عبودت اہل مشاہدہ کا خاصہ ہے۔

لہٰذا جس نے اپنے نفس کو اللہ کے لئے ذخیرہ نہیں کر رکھا' وہ صاحب عبادت ہے اور جس نے اپنے دل کے ساتھ اللہ پر بخل نہیں کیا' وہ صاحب عبودیت ہے اور جس نے اپنی روح کے ساتھ اللہ کے معاملہ میں بخل نہیں کیا' وہ صاحب عبودت ہے۔

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عبادت پر کامل طور پر کاربند رہنا اور جو عبادت تم سے صادر ہو' اسے باوجود کامل ہونے کے ناقص سمجھتے رہنا اور جو نیک اعمال تم کو حاصل ہوں، ان کو تقدیر الٰہی جاننا عبودیت کہلاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو تقدیر بھی معرض وجود میں آئے، اس میں اختیار کو ترک کر دینا عبودیت ہے۔

یہ بھی مروی ہے کہ اپنی طاقت اور قوت سے بیزاری کا اظہار کرنا اور اللہ نے جو مال و دولت تم پر انعام کر دیئے، ان کا اقرار کرنا عبودیت کہلاتا ہے۔

یہ بھی مروی ہے کہ جن امور کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، ان کو گلے لگانا اور جن سے منع کیا گیا ہے، ان کو چھوڑنا عبودیت ہے۔

محمد بن خفیف سے سوال کیا گیا: صحیح عبودیت کیا ہے؟ فرمایا: جب تو اپنا بوجھ اپنے آقا (خدا) پر ڈال دے اور اس کی لائی ہوئی مصیبتوں پر صبر کرے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جب تک انسان کی حالت یہ نہ ہو جائے کہ ان چار چیزوں یعنی بھوک' ننگا رہنا' فقر اور ذلت سے کوئی گھبراہٹ نہ ہو' تب تک اس کی عبودیت بھی صحیح نہیں ہوتی۔

نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ عبودیت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دے اور اپنا بوجھ اسی پر ڈال دے۔

نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ عبودیت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ تو تدبر کو چھوڑ دے اور تقدیر کا مشاہدہ کرے۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عبودیت یہ ہے کہ تو ہر حال میں اس کا بندہ بنا رہے، جس طرح کہ ہر حالت میں وہ تمہارا رب ہے۔

جریری فرماتے ہیں کہ نعمتوں کے بندے تو بہت ہیں، مگر انعام کرنے والے کے بندے بہت کم ہیں۔

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ جس کی غلامی اور قید میں تو پھنسا ہو' تو اسی کا بندہ ہے اور اگر تو دنیا کی قید میں ہے' تو دنیا کا بندہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ درہموں کا بندہ ہلاک ہوا، دیناروں کا بندہ ہلاک ہوا، چادر کا بندہ ہلاک ہوا۔

(اخرجه البخاري: ۲۸۸٦، ابن ماجه: ٤١٣٦)

ابوزید نے ایک شخص کو دیکھا اور پوچھا: تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے کہا: میں خربند (گدھوں والا) ہوں۔ اس پر ابوزید نے کہا: خدا کرے تیرا گدھا مر جائے' تجھے اللہ کا بندہ ہونا چاہئے' نہ کہ گدھے کا۔

ابوعمرو بن نجید سے مروی ہے کہ کسی انسان کا عبودیت میں قدم اسی وقت پاک وصاف ہوسکتا ہے، جب وہ اپنے اعمال کو ریاکاری اور اپنے احوال کو محض دعویٰ خیال کرے۔

عبداللہ بن منازل یوں کہا کرتے تھے کہ بندہ اس وقت تک بندہ ہے، جب وہ اپنی ذات کے لئے خادم تلاش نہ کرے اور جب اس نے اپنی ذات کے لئے خادم تلاش کیا' تو عبودیت کی حد سے گذر گیا اور اس نے عبودیت کے آداب ترک کر دیئے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ بندے کی عبادت گذاری اس وقت درست ہوسکتی ہے، جب اس کی حالت ایسی ہو کہ اگر وہ مفلس ہو جائے' تو ذلت کے آثار اس پر نہ پائے جائیں، اگر مالدار ہو جائے' تو تب بھی دولت کا اس پر کوئی اثر نہ ہو۔

بعض کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مشاہدہ کرنا عبودیت ہے۔

ابوعلی دقاق' نصرآبادی سے روایت کرتے ہیں کہ عبادت گذاری کی قدر ومنزلت' معبود کی بدولت ہوتی ہے۔ جس طرح عارف کے لئے شرف اسی چیز کے ساتھ ہے کہ جس کے ساتھ اس کے عرفان کا تعلق ہو۔

ابوحفص سے مروی ہے کہ عبودیت بندے کے لئے زینت ہے۔ لہٰذا جس نے عبودیت ترک کر دی' وہ زینت سے عاری ہو گیا۔

عبادت کی اصل تین اشیاء:

نباجی سے مروی ہے کہ تین چیزیں عبادت کی اصل ہیں:

(۱) یہ کہ تو اللہ کے کسی ایک حکم کو بھی رد نہ کرے۔

(۲) نہ کوئی چیز اس سے بچا کر رکھے۔

(۳) نہ ہی خدا یہ سنے کہ تو اپنی حاجت غیر اللہ سے مانگ رہا ہے۔

چار باتیں عبودیت کی:

ابن عطاء سے مروی ہے کہ عبودیت چار باتوں میں پائی جاتی ہے:

(۱) وعدہ پورا کرنا۔

(۲) حدود اللہ کی نگہداشت۔

(۳) جو اپنے پاس موجود ہو اس پر راضی رہنا۔

(۴) اور جو کچھ حاصل نہ ہو اس پر صبر کرنا۔

عمر بن عثمان المکی فرماتے تھے کہ میں اگر چہ مکہ اور دیگر مقامات میں بہت سے عبادت گذاروں سے ملا ہوں، نیز ان میں سے کئی ایک حج کے موقعہ پر بھی ہمارے پاس آئے۔ مگر میں نے مزنی سے بڑھ کر کوشش کرنے والا اور عبادت میں ہمیشگی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کسی کو اللہ کے احکام کی تعظیم کرتے دیکھا اور نہ ہی کوئی شخص ایسا نظر آیا، جو ان سے بڑھ کر اپنی ذات پر تنگی کرتا ہو اور دوسروں پر وسعت کرتا ہو۔

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ عبودیت سے بڑھ کر کسی اور چیز میں شرف نہیں پایا جاتا اور نہ ہی مومن کے لئے عبودیت سے بڑھ کر کوئی اور نام مکمل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کی شان میں معراج کی رات یہ الفاظ کہے اور معراج کا وقت آنحضرت ﷺ کے لئے دنیا میں اشرف ترین وقت تھا:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (الاسراء: ۱)

نیز فرمایا ﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی﴾ (النجم: ۱۰)

اگر کوئی اور نام عبودیت سے بڑھ کر بزرگی والا ہوتا' تو اللہ تعالیٰ اسی نام سے آنحضرت ﷺ کو پکارتے۔

اسی سلسلے میں یہ شعر پیش کئے جاتے ہیں:

یا عمرو ثاری عند زهرائی　　یعرفه السامع والرائی

لا تدعنی الا بیاعبدها　　فانه اشرف اسمائی

اے عمرو! میرے خون کا بدلہ تو میری زہرا کے پاس ہے اور اس بات کو سننے اور دیکھنے والے جانتے ہیں کہ مجھے اگر پکارنا ہے' تو یا عبد زہراء کہہ کر پکارو، کیونکہ یہ نام' میرے لئے بہت شرف والا ہے۔

دو چیزیں:

بعض کہتے ہیں کہ اگر تو نے دو چیزوں کو ترک کر دیا' تو عبودیت کا حق اداء کر دیا۔:

ایک یہ کہ تو اللہ کے سوا کسی لذت سے سکون محسوس نہ کرے

اور دوسرے یہ کہ اپنی کسی حرکت پر اعتماد نہ کرے، بعینہ اسی قسم کا ایک قول واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے عطیوں سے لذت محسوس کرنے سے بچو، کیونکہ اہل صفاء کے لئے یہ لذت سدراہ بن جاتی ہے۔

ابوعلی جوزجانی سے مروی ہے کہ رضا عبودیت کا خانہ ہے اور صبر اس کا دروازہ اور تفویض' گھر، آواز دروازہ پر ہوتی ہے، خانہ میں فراغت اور گھر میں راحت۔

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ جس طرح ربوبیت اللہ کی ایک ایسی صفت ہے، جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح عبودیت بندے کی ایسی صفت' جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوسکتی۔ کسی کا شعر ہے:

فان تسألونی قلت ها انا عبده وان سالوه قال هذاك مولايا

اگر تم مجھ سے اللہ کی نسبت پوچھتے ہو' تو کہوں گا: میں تو اس کا بندہ ہوں اور اگر لوگ اس سے پوچھیں' تو وہ کہے گا: یہ میرا غلام ہے۔

شیخ نصر آبازی سے مروی ہے کہ عبادات بہ نسبت اس کے کہ ہم ان کا معاوضہ اور جزاء طلب کریں، اللہ سے اپنے گناہوں کو درگذر کرنے اور اپنی کوتاہیوں سے معافی چاہنے کے زیادہ قریب ہیں۔

نصر آبازی ہی سے مروی ہے کہ عبودیت یہ ہے کہ معبود کا مشاہدہ کرتے ہوئے' تو اپنی عبادت گذاری کی طرف نہ دیکھے۔

جریری' جنید سے روایت کرتے ہوئے' فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے شغل کو چھوڑ کر ایسے کام میں' جو فراغت کی اصل ہے، مشغول ہونا عبادت کہلاتا ہے۔

باب

ارادت

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ (الانعام:۵۲)

جو لوگ اللہ کی خوشنودی کی خاطر رات دن اسے پکارتے ہیں' آپ انہیں اپنے پاس سے نہ ہٹائیں۔

حضرت انس رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے' تو اس کو استعمال کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ اسے کیسے استعمال کرتا ہے؟ فرمایا: موت سے پہلے اسے نیک عمل کی توفیق دے دیتا ہے۔

(اخرجه الترمذی:۲۱۴۲،احمد:۱۱۶۲۵)

ارادت سلوک کی اصل اور ابتداء ہے:

ارادت راہ طریقت کی ابتداء ہے اور یہ اللہ کی طرف جانے کا ارادہ کرنے والوں کی پہلی منزل کا نام ہے۔

اس صفت کو ارادت اس لیے کہا گیا کہ ارادہ ہر بات کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب تک بندہ کسی چیز کا ارادہ نہ کرلے' اسے کرتا ہی نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی راہ پر چلیں، یہ ابتداء ٹھہری' تو اس کا نام ارادت رکھ دیا گیا۔

کیونکہ اس میں ارادہ کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، جو تمام کاموں کا پیش خیمہ ہے۔

مرید کون ہے؟

اشتقاق کے اعتبار سے مرید وہ ہے کہ جس میں ارادہ پایا جائے، جیسے علم والوں کو عالم کہا جاتا ہے۔ مگر صوفیا کی اصطلاح میں مرید وہ ہے' جس کا اپنا کوئی ارادہ نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص اپنے ارادہ سے علیحدگی اختیار نہیں کرتا، وہ مرید نہیں کہلا سکتا۔ حالانکہ اشتقاق کے اعتبار سے جس کا ارادہ نہ ہو، وہ مرید نہیں کہلا سکتا۔

ارادت سے کیا مراد ہے؟

صوفیاء نے ارادت کے معنی میں بحث کی ہے۔ مگر ہر ایک نے اپنے قلب اور ارادت کے مطابق اس کی تشریح کی ہے۔

چنانچہ بیشتر مشائخ کا قول یہ ہے کہ عام عادت پر چلنا چھوڑ دینا' ارادت کہلاتا ہے اور بالعموم لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ غفلت کے عالم میں پڑے رہتے ہیں، خواہشات کی تابعداری کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جس طرف انہیں ان کی آرزوئیں لے جائیں، ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ مگر مرید ان تمام امور سے اپنے آپ کو نکال لیتا ہے۔

لہٰذا اس کا اس طرح نکلنا ہی اس امر کی علامت اور دلیل ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ صحیح ہے۔ لہٰذا اس حالت کا نام ارادت رکھ دیا گیا۔ یعنی عام عادت سے نکل جانا اور عادت کا چھوڑ دینا' ارادت کی علامت ہے۔

ارادت کی حقیقت:

مگر حقیقت میں ارادت یہ ہے کہ دل طلب حق میں اٹھ کھڑا ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ارادت ایک ایسی جلن ہوتی ہے، جو ہر قسم کی گھبراہٹ آسان کر دیتی ہے۔

ممشاد دینوری سے مروی ہے کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ فقراء کے تمام حالات سنجیدگی کے حالات ہوتے ہیں' تو میں نے اس وقت سے کبھی بھی کسی فقیر سے مذاق نہیں کیا۔

قصہ یوں ہوا کہ ایک فقیر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ تو میرے لئے حلوہ تیار کرے۔ اس وقت میری زبان سے نکلا: صوفی اور حلوہ... یہ سن کر فقیر پیچھے ہٹ گیا۔ مگر مجھے معلوم نہ ہوا۔

میں نے حلوہ بنانے کا حکم دیا اور فقیر کو ڈھونڈا۔ مگر کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اسی وقت واپس چلا گیا تھا اور وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا: صوفی اور حلوہ....' صوفی اور حلوہ.....اور دیوانہ وار نکل کر جنگل میں چلا گیا اور یہی کہتا کہتا مر گیا۔

ایک صوفی کا واقعہ:

ایک صوفی سے مروی ہے کہ میں جنگل میں تنہا تھا۔ جب دل تنگ ہوا' تو میں نے پکارنا شروع کیا: اے انسانو! مجھ سے بات کرو۔ اے جنو! مجھ سے گفتگو کرو، غیب سے ندا آئی: کیا چاہتے ہو؟

میں نے جواب دیا؛ میں اللہ کو چاہتا ہوں۔ ہاتف نے جواب دیا: تو اللہ کو کب چاہ سکتا ہے؟

اس کی مراد یہ تھی کہ جو شخص انسانوں اور جنوں کو کلام کرنے کے لئے بلا رہا ہو، وہ اللہ کا چاہنے والا کب ہو سکتا ہے اور

اللہ کا چاہنے والا کبھی بھی اس کی تلاش میں سست نہیں پڑتا۔

چنانچہ مرید ظاہر میں مجاہدہ کے وصف سے موصوف ہوتا ہے اور باطن میں تکالیف برداشت کرتا ہے اور چنانچہ بستر سے الگ رہتا ہے اور ہر وقت مستعد رہتا ہے، دشوار کام کرتا ہے اور تھکانے والے امور اختیار کرتا ہے، اپنے اخلاق سے کشتی لڑتا ہے، مشقتیں جھیلتا ہے، خطروں سے بغل گیر ہوتا ہے اور ہم جنسوں سے جدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ کہتے ہیں:

ثم قطعت الليل في مهمه　　　لاأسدا اخشى ولا ذيبا

يغلبني شوقي فاطوى السرى　　　ولم يزل ذو الشوق مغلوبا

۔ پھر میں نے رات ایک بیابان میں گذاری، جہاں مجھے نہ شیر کا خوف تھا' نہ بھیڑیئے کا، شوق نے مجھ پر غلبہ پا لیا تھا اور میں اپنی رات کا سفر طے کرتا گیا اور جس پر شوق غلبہ پاتا ہے، وہ مغلوب رہتا ہے۔

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ ارادت دل میں ایک قسم کی جلن ہے، دل میں دغدغہ ہے، ضمیر میں عشق ہے، باطن میں بے چینی اور دل میں بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

فرمانبرداری کا صلہ:

ابو سلیمان اور احمد بن ابی الحواری کے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ احمد ان کے کسی حکم کی مخالفت نہ کریں گے۔ ایک دن آئے' تو وہ اپنی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔ عرض کیا کہ تنور گرم ہو چکا ہے، اب کیا ارشاد ہے؟

ابو سلیمان نے کوئی جواب نہ دیا، احمد نے دوبارہ، پھر سہ بارہ عرض کیا۔ اس پر ابو سلیمان نے فرمایا: جاؤ تنور میں بیٹھ جاؤ۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بار بار کہنے سے ان کا دل تنگ ہو گیا تھا۔ ابو سلیمان نے تھوڑی دیر تک تو تغافل برتا، پھر فرمایا: جاؤ جا کر احمد کو تنور سے نکالو۔ کیونکہ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ میری کسی بات کی مخالفت نہ کرے گا، دیکھا تو وہ واقعی تنور میں تھے۔ مگر ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا تھا۔

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ میں بچپن سے ارادت کی تلاش میں سخت کوشاں تھا اور کہا کرتا تھا کہ کاش! مجھے ارادت کا معنی معلوم ہو جائے۔ مجھے کہا گیا کہ مرید کی صفت یہ ہے کہ وہ نوافل کے ساتھ اللہ کی محبت کرے اور امت کی خیر خواہی میں اخلاص پیدا کرے، خلوت میں اسے انس معلوم ہو، احکام خداوندی کے برلانے میں اسے تکلیف برداشت کرنی پڑے بھی، تو اللہ کے حکم کو ترجیح دے، اللہ سے حیاء کرے۔ مبادا کوئی ایسا کام نہ کرے' جو اللہ کو ناپسند ہو، اللہ کی محبوب باتوں پر عمل

کرنے کی پوری کوشش کرے، ہر ایسا ذریعہ اختیار کرے جو اللہ تک پہنچا دے۔ گمنامی پر قانع رہے اور اپنے دل پر عدم اطمینان کا اظہار کرے، یہاں تک کہ وہ واصل باللہ ہو جائے۔

آفت کی تین اشیاء:

ابو بکر وراق سے مروی ہے کہ تین اشیاء مرید کے لئے سخت آفت ہیں:

(۱) شادی۔ (۲) حدیث لکھنا۔ (۳) سفر کرنا۔

ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے حدیث لکھنی کیوں چھوڑ دی؟ کہا: ارادت نے مجھے اس سے روک دیا۔

حاتم اصم سے مروی ہے کہ جب تو کسی مرید کو دیکھے کہ وہ اپنی مراد کے سوا کسی اور کو چاہ رہا ہے' تو جان لے کہ اس نے اپنا کمینہ پن ظاہر کر دیا۔

تین اشیاء' جو اہم ہیں:

کتانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مرید کے لئے یہی حکم ہے کہ اس میں تین اشیاء پائی جائیں:

(۱) وہ اس وقت سوئے' جب نیند کا غلبہ ہو۔

(۲) اس وقت کھانا کھائے' جب فاقہ کی حالت ہو۔

(۳) ضرورت کے بغیر کلام نہ کرے۔

جنید سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مرید سے بھلائی چاہتا ہے' تو اسے پاک باطن صوفیاء کے حوالے کر دیتا ہے اور فقراء کی صحبت سے اسے روک دیتا ہے۔

ابو بکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ارادت کی انتہاء یہ ہے کہ تو اللہ کی طرف اشارہ کرے اور ساتھ ہی اس کو پائے بھی۔ میں نے عرض کیا: کس چیز میں ارادت پوری ہوتی ہے' تو فرمایا کہ اس میں کہ تو اللہ کو بغیر اشارہ کے پائے۔

ابو بکر دقاق سے مروی ہے کہ مرید اس وقت تک مرید نہیں ہو سکتا، جب تک کہ بائیں جانب والا فرشتہ ۲۰ سال تک اس کا کوئی عمل نہ دیکھے... یعنی ۲۰ سال وہ کوئی برا عمل نہ کرے۔

ابو عثمان حیری سے مروی ہے کہ جس شخص کی ارادت ابتداء ہی میں درست نہ ہو' تو جس قدر زمانہ گذرتا جائے گا، اس کی کم بختی بڑھتی جائے گی۔

نیز انہی سے مروی ہے کہ جب کوئی مرید صوفیاء کے علوم میں سے کچھ سن لے اور پھر اس پر عمل کرے' تو وہ علوم اس کے دل میں آخر عمر تک حکمت بن جائیں گے، جن سے وہ فائدہ اٹھائے گا اور اگر وہ گفتگو کرے گا' تو سننے والا اس سے فائدہ

حاصل کرے گا۔ مگر جس نے صوفیاء کے کچھ علوم سن لئے اور ان پر عمل نہیں کیا' تو یہ ایک قصہ ہوگا، جسے وہ کچھ عرصہ تو ذہن میں محفوظ رکھے گا، پھر بھول جائے گا۔

واسطی سے مروی ہے کہ مرید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادہ کو ساقط کرے، حق تعالیٰ کا ارادہ اختیار کرے۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ مرید کے لئے سخت ترین چیز مخالفین سے میل جول ہے۔

یوسف بن الحسین سے مروی ہے کہ جب تو کسی مرید کو دیکھے کہ وہ ان امور پر عمل کر رہا ہے، جو شریعت میں رخصت کہلاتے ہیں اور دنیا داری میں پھنسا رہتا ہے' تو اس سے طریقت میں کچھ بھی نہ بن سکے گا۔

جنید سے سوال کیا گیا کہ حکایات (صالحین کے قصے) میں مریدوں کے لئے کیا فائدہ ہے؟ فرمایا: حکایات اللہ کے لشکر ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ مریدین کے دلوں کو مضبوط کرتا ہے۔

سوال کیا گیا کہ آپ کے پاس اس کی کیا شہادت ہے؟ فرمایا: اللہ کا فرمان:

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ﴾ (هود: ۱۲۰)

''اور یہ تمام رسولوں کی خبریں، ہم آپ کے دل کو تقویت دینے کے لئے بیان کرتے ہیں۔''

جنید سے مروی ہے کہ مرید کو عالموں کے علم کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مرید اور مراد میں فرق:

دراصل ہر مرید مراد بھی ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ اللہ کا مراد نہ ہوتا، اس لئے کہ اللہ اسے چاہتے ہیں' تو وہ مرید بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ وہی ہوتا ہے' جو اللہ چاہتا ہے اور ہر مراد مرید بھی ہوتا ہے۔

کیونکہ جب اللہ خصوصیت کے ساتھ اسے چاہتا ہے' تو اسے ارادت کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔ مگر صوفیاء کے ہاں مرید اور مراد میں فرق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک مبتدی کو مرید کہتے ہیں اور منتہی کو مراد۔

مرید کون ہے:

یوں بھی تعریف کی جاتی ہے کہ مرید وہ ہے' جو تھکان اور مشقتیں برداشت کرنے میں پڑے اور مراد وہ ہے، جسے مشقتوں سے بچادیا گیا ہو۔

لہٰذا مرید تکلیف میں ہوتا ہے اور مراد آرام میں، جن کو اللہ کے ساتھ ارادت ہوتی ہے' ان کے ساتھ اللہ کا برتاؤ مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ مجاہدات کی توفیق دیتا ہے، وہ مختلف تکالیف برداشت کرنے کے بعد بلند مقامات تک پہنچ جاتے ہیں اور بہتوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء ہی میں بڑے بڑے معانی مکاشفے سے حل ہو جاتے ہیں اور ان

مقامات تک وہ پہنچ جاتے ہیں، جہاں بہت سے اصحاب ریاضت نہیں پہنچ سکتے۔

لیکن اس رفق ومہربانی کے بعد بہتوں کو پھر مجاہدہ اس کی طرف لوٹا دیتا ہے' تا کہ جو ریاضتیں ان سے چھوٹ گئیں ہیں، ان کو وہ مکمل کرلیں۔

ابوعلی دقاق سے ہی مروی ہے کہ مرید وہ ہے' جو طریق ریاضت میں مشقتیں جھیلے اور مراد وہ ہے' جس سے یہ مشقتیں اٹھادی گئی ہوں۔

نیز انہی سے میں نے سنا کہ فرماتے تھے: موسیٰ علیہ السلام مرید تھے، جبھی تو انہوں نے

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾ (طہ:۲۵) فرمایا

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ (الانشراح:۱-۴)

کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور کیا ہم نے آپ سے وہ بوجھ نہیں اتار دیا' جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی؟ اور کیا ہم نے آپ کا نام بلند نہیں کیا؟

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

خدایا! مجھے اپنی ذات دکھادے' تا کہ تجھے دیکھ لوں۔

اللہ نے جواب دیا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ (الفرقان:۴۵)

ابوعلی سے مروی ہے کہ اس مذکورہ آیت میں اصل مقصود صرف یہ الفاظ ہیں

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ﴾ (الفرقان:۴۵)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿مَدَّ الظِّلَّ﴾ (الفرقان:۴۵)

بات کو چھپانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو محفوظ کرنے کے لئے ہے۔

جنید سے سوال کیا گیا: مرید اور مراد میں کیا فرق ہے؟ فرمایا:

مرید کو اس کا علم چلاتا ہے اور مراد کی نگہبانی حق تعالیٰ سبحانہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ مرید پیادہ چلتا ہے اور مراد اڑ کر جاتا ہے۔ لہٰذا پیدل چلنے والا' اڑ کر جانے والے کے مرتبہ تک کب پہنچ سکتا ہے؟

ذوالنون اور بایزید:

مروی ہے کہ ذوالنون نے ایک شخص کے ذریعہ سے بایزید کو پیغام بھیجا کہ قافلہ گذر چکا ہے، پھر یہ نیند اور راحت کب تک؟

بایزید نے جواب دیا: میرے بھائی ذوالنون کو کہنا' کامل شخص وہ ہے' جو رات بھر سویا رہے۔ مگر پھر بھی صبح کو قافلے سے پہلے منزل پر پہنچ جائے۔

یہ سن کر ذوالنون نے کہا: انہیں مبارک ہو، یہ ایسا کلام ہے، جہاں ہماری حالت نہیں پہنچ سکتی۔

باب

استقامت

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ (الاحقاف:۱۳)

بیشک وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے، پھر اس قول پر قائم رہتے ہیں۔

ثوبان' مولا نبی ﷺ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ایمان پر استقامت اختیار کرو، مگر تم نہ کر سکو گے، مگر اللہ کی مدد سے۔ یاد رکھو کہ نماز تمہارے دین کی بہترین چیز ہے اور وضوء کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے۔

(اخرجه ابن ماجه:۲۷۷، احمد:۲۲٤۳۲)

استاد فرماتے ہیں کہ استقامت ایک ایسا درجہ ہے' جس سے امور کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کی بدولت تمام نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور ان کا نظام قائم رہتا ہے۔ جو شخص اپنی حالت پر استقامت نہیں رکھے گا' اس کی کوشش ضائع اور اس کی سعی ناکام رہے گی۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ﴾ (النحل:۹۲)

''تم اس عورت کی طرح مت ہو جاؤ، جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد تار تار کر دیا۔''

جو شخص اپنی صفات پر استقامت اختیار نہیں کرے گا، وہ اپنے موجودہ مقام سے بلند مقام کو نہ جا سکے گا اور نہ ہی اپنے سلوک کی بنیاد صحیح چیز پر رکھ سکے گا۔

لہٰذا مبتدی کے لئے احکام میں استقامت رکھنا ضروری ہے، بعینہ اسی طرح کے عارف کو انتہائی آداب پر پابند رہنا ضروری ہے۔

مبتدی کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ اس کے معاملات میں سستی پیدا نہ ہو۔ متوسط درجہ کے لوگوں کی استقامت

کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی منزل پر ہی نہ ٹھہریں اور اہل نہایت کی علامت یہ ہے کہ ان کے اور اللہ کے ساتھ وصل میں کوئی پردہ حائل نہ ہو جائے۔

مدارج استقامت:

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ استقامت کے تین مدارج ہیں:

(۱) تقویم۔

(۲) اقامت۔

(۳) استقامت۔

تقویم' نفس کی تادیب کے لئے ہے۔ اقامت' دل کو مہذب کرنے کے لئے اور استقامت' اسرار کو قریب لانے کے لئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' اللہ کے فرمان ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کی تشریح لَمْ یُشْرِکُوْا کرتے ہیں۔ یعنی کسی کو اللہ کا شریک نہیں بناتے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لومڑ کی طرح نہ کھسک جائیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تشریح کی بنیاد اصول توحید کو مدنظر رکھنے پر ہے اور حضرت عمر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تاویلات کو چھوڑ کر اپنے عہد کی شرائط پر کاربند رہے۔

استقامت ہی مطلوب ہے:

ابن عطاء سے مروی ہے کہ اِسْتَقَامُوْا کے معنی ہیں: دل کو صرف اللہ کے ساتھ لگائے، پھر اس پر قائم رہے۔

ابو علی جوز جانی سے مروی ہے کہ استقامت والا بن، طالب کرامت نہ بن۔ کیونکہ تمہارا نفس تو کرامت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اور اللہ عزوجل تجھ سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے۔

ابو علی شبوی سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ! آپ سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا (شیبتنی ھود) مجھے (ھود) یعنی سورہ ھود نے بوڑھا کر دیا، کس بات نے آپ کو بوڑھا کر دیا؟ آیا انبیاء کے واقعات نے اور امتوں کی ہلاکت نے؟ تو فرمایا:

نہیں اللہ کے فرمان: فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ نے۔

مروی ہے کہ اکابر کے سوا کسی میں استقامت کی طاقت نہیں پائی جاتی۔ اس لئے استقامت معہود اشیاء سے نکلنا، رسوم و عادات سے علیحدہ ہونا اور حقیقتاً صدق دل سے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا نام ہے۔

اسی لئے تو آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((استقیموا ولن تحصوا))

''استقامت رکھو' مگر تم پورے طور پر نہ رکھ سکو گے۔''

واسطی سے مروی ہے کہ جس خصلت کے ساتھ خوبیاں مکمل ہوتی ہیں اور جس کے نہ ہونے سے خوبیاں قبیح معلوم ہوتی ہیں، وہ خصلت استقامت ہے۔

شبلی سے مروی ہے کہ استقامت یہ ہے کہ تو موجودہ وقت کو قیامت سمجھے۔

روایت کیا جاتا ہے کہ اقوال کی استقامت یہ ہے کہ غیبت نہ کی جائے، افعال کی استقامت یہ ہے کہ بدعت کی نفی ہو اور اعمال کی استقامت یہ ہے کہ سستی نہ پائی جائے اور احوال کی استقامت یہ ہے کہ حجاب نہ آئے۔

ابوبکر محمد بن حسین بن فورک سے مروی ہے کہ استقامت میں جو سین ہے، وہ طلب کے معنی میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ اللہ انہیں توحید پر قائم رکھے' تاکہ وہ اپنے عہدوں پر مداومت اور حدود کی محافظت کریں۔

استاد ہی سے مروی ہے کہ یاد رکھو کہ استقامت سے کرامات کا ہمیشہ رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ

﴿ وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴾ (الجن: ۱۶)

''اگر وہ راہ راست پر قائم رہتے' تو ہم انہیں کثرت کے ساتھ سیراب کر دیتے۔''

اللہ تعالیٰ نے سَقَيْنَا کہنے کی بجائے اِسْقَيْنَا کہا ہے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے: اسقینه اذا جعلت له سقیا جب تو کسی کی سیرابی کے لئے پانی مقرر کر دے' تو اسقیته کہا جاتا ہے۔ اس میں دوام پایا جاتا ہے۔

ابوالعباس مرغانی سے مروی ہے کہ میں نے جنگل میں ایک نوجوان کو ببول کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا: تو یہاں کیوں بیٹھا ہے؟ اس نے جواب دیا: اس حالت کی وجہ سے جو مجھ سے گم ہو گئی ہے۔ اسے وہیں چھوڑ کر چل دیا۔

جب حج سے واپس آیا، دیکھا کہ وہ نوجوان درخت سے ہٹ کر ایک جگہ پر' جو اس کے قریب تھی، چلا گیا۔ میں نے پھر پوچھا: یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے جواب دیا: جو حالت گم ہو گئی تھی، اس مقام پر پھر مل گئی ہے۔ اس لئے میں پھر اس مقام سے چمٹ گیا ہوں۔ (کیونکہ یہیں مجھے میری پہلی حالت ملی ہے)۔

جنید سے مروی ہے کہ میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کی کون سی حالت زیادہ بلند تھی؟ کیا پہلی حالت میں جب وہ اپنی حالت کے گم ہونے پر درخت سے چمٹا رہا تھا، یا دوسری حالت' جبکہ وہ اس جگہ سے چمٹ گیا، جہاں اسے اس کی مراد حاصل ہوئی۔

باب

اخلاص

فرمان الٰہی ہے کہ:

﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ﴾ (الزمر:۳)

''یادرکھو خالص دین اللہ کے لئے ہے۔''

تین باتیں:

انس بن مالک رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ

ایک مسلمان کے دل میں تین باتوں کی کھوٹ پیدا نہیں ہونی چاہئے:

(۱) اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص کے ساتھ عمل کرنا۔

(۲) اپنے حکام سے خلوص نیتی کا اظہار کرنا

(۳) مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا۔ (مسند احمد:۱۳۳۷٤، بیهقی:۱۷۳٦)

اخلاص کی تعریف:

استاد سے مروی ہے کہ صرف حق سبحانہ کے لئے بالارادہ عبادت گذاری کا نام اخلاص ہے اور وہ اس طرح کہ عبادت سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو اور کوئی مقصد نہ ہو۔ مثلاً کسی مخلوق کے لیے تصنع کرنا' یا لوگوں سے مدح کی خواہش کرنا' یا مخلوق سے تعریف کروانے کی محبت رکھنا' یا اللہ کے قرب کے سوا کوئی اور خیال ذہن میں رکھنا۔

یوں کہنا بھی درست ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام اخلاص ہے۔

ایک مستند حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے جبرئیل سے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا کہ

اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے، اسے میں اس بندے کے دل میں رکھتا ہوں، جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ (مسند دیلمی:۴۵۱۳)

ہمارے بعض اسلاف اخلاص کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کرتے رہے۔

مگر حذیفہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے اخلاص کے بارے میں سوال کیا' تو حضور ﷺ نے جبریل سے پوچھا، اور جبریل نے اللہ رب العزت سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو فرمایا:

﴿ الاخلاص سر من سری استودعته قلب من احببته من عبادی ﴾

''یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے' جسے میں اس شخص کے دل میں رکھ دیتا ہوں، جس سے میں محبت کرتا ہوں۔''

اخلاص اور صدق میں فرق!

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ اخلاص لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے اور صدق یہ ہے کہ تو اس بات سے پاک رہے کہ تمہارا نفس تمہارے اعمال کو نہ دیکھے۔ لہٰذا جو مخلص ہوگا، اس میں ریا نہیں پایا جائے گا اور جو صادق ہوگا، اس میں غرور نہ پایا جائے گا۔

ذوالنون سے مروی ہے کہ اخلاص صرف صدق اور اخلاص پر مداوت سے مکمل ہوتا ہے۔ اسی طرح صدق بھی اخلاص اور اس پر مداومت کے بغیر کامل نہیں ہوتا۔

ابو یعقوب سوسی سے مروی ہے کہ جب اپنے اخلاص میں اخلاص کا مشاہدہ کرو' تو سمجھو کہ ان کے اخلاص کو ابھی اخلاص کی ضرورت ہے۔ (یعنی ابھی اس میں ریا ہے)۔

اخلاص کی نشانیاں:

ذوالنون سے مروی ہے کہ تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں:

(۱) عوام کی مدح' یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہو۔

(۲) اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے۔

(۳) یہ بھی بھول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

ابوعثمان مغربی سے مروی ہے کہ جس میں کسی حالت میں بھی حظ نفس نہ پایا جائے' وہ اخلاص ہے۔

یہ عوام کا اخلاص ہے۔ خواص کا اخلاص وہ ہے' جو (اللہ کی طرف سے) ان پر جاری ہو۔ ان کے اپنے ذریعہ سے نہ

ہو۔ اس صورت میں ان سے جو عبادت ظہور میں آتی ہے، اس سے ان کا کوئی ذاتی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی لئے نہ تو ان کی نگاہ ان اعمال پر پڑتی ہے اور نہ وہ ان اعمال کو کسی شمار میں لاتے ہیں، یہ خواص کا اخلاص ہے۔

ابو بکر دقاق سے مروی ہے کہ اپنے اخلاص پر نظر رکھنا' مخلص کے لئے نقصان دہ ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے اخلاص کو خالص بنانا چاہتا ہے' تو اس کے اخلاص سے اپنے اخلاص کے دیکھنے کو نکال دیتا ہے۔ لہٰذا وہ مخلَص (بفتح اللام) ہوتا ہے' نہ کہ مخلِص (بکسر اللام)۔

سہل سے مروی ہے کہ ریا کو مخلص ہی پہچانتا ہے۔ (کہ یہ کیا چیز ہے؟)

ابو سعید سے مروی ہے کہ عارفوں کی ریا' مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ اخلاص وہ عمل ہے' جو انسان کو دشمن (یعنی نفس یا شیطان) سے بچائے' تاکہ وہ اسے خراب نہ کردے۔

ابو عثمان سے مروی ہے کہ خالق کی طرف ہمیشہ نگاہ رکھنے کی وجہ سے مخلوق کی رؤیت کو بھلانے کا نام' اخلاص ہے۔

حذیفہ مرعشی سے مروی ہے: اخلاص یہ ہے کہ بندے کے ظاہری و باطنی اعمال میں یکسانیت ہو۔

مروی ہے کہ اخلاص وہ ہے کہ جس سے حق سبحانہ مقصود ہو اور اس سے صدق مطلوب ہو۔

اخلاص کی حقیقت:

نیز یوں بھی کہا گیا ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھنے سے آنکھ کو بند کر لینا اخلاص کہلاتا ہے۔

سری سے مروی ہے کہ جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے آراستہ کر کے دکھائے' جو درحقیقت اس میں نہیں پائی جاتی ہیں' وہ شخص اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔

فضیل سے مروی ہے کہ لوگوں کی خاطر عمل ترک کر دینا ریا ہے، اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھے۔

جنید سے مروی ہے کہ اخلاص بندے اور رب کے درمیان ایک راز ہے، جسے نہ تو فرشتہ جان سکتا ہے کہ لکھ لے اور نہ شیطان، کہ اسے خراب کر سکے اور نہ خواہش نفس، کہ اسے اپنی طرف مائل کر سکے۔

رویم سے مروی ہے کہ اعمال میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا اپنے عمل کے عوض دنیا اور آخرت میں کوئی چیز نہ چاہے اور نہ ہی دونوں فرشتوں (دائیں اور بائیں والے فرشتے) سے کوئی حصہ مانگے۔

کسی نے سہل سے دریافت کیا کہ نفس پر کون سی چیز گراں ہے؟ فرمایا: اخلاص، کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

کسی صوفی سے اخلاص کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا کہ تو اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بنائے۔

ایک صوفی سے مروی ہے کہ میں جمعہ کے دن نماز سے پہلے سہل بن عبداللہ کے پاس گیا' تو ان کے گھر میں سانپ دیکھا۔ میں نے ایک پاؤں آگے رکھا اور ایک پیچھے' تو انہوں نے فرمایا؛ اندر آ جاؤ۔ انسان اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ وہ دنیا کی کسی چیز سے بھی ڈرتا رہے۔

پھر فرمایا: کیا تو جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہمارے اور مسجد کے درمیان تو ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔ اس پر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ مسجد دکھائی دی ،ہم نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ پھر نکل آئے۔ سہل لوگوں کی طرف دیکھنے کے لئے جب مسجد سے نکل رہے تھے' تو ٹھہر گئے۔ پھر فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ۔ کہنے والے تو بہت ہیں، مگر مخلص ان میں سے بہت نادر ہیں۔

مکحول سے مروی ہے کہ جو بندہ چالیس دن تک اخلاص سے عمل کرتا رہے گا، اس کے دل سے حکمت کے چشمے نکل کر زبان پر جاری ہو جائیں گے۔

یوسف بن الحسین سے مروی ہے کہ دنیا میں نایاب ترین چیز اخلاص ہے۔ میں نے کئی بار اپنے دل سے ریا کو نکالنے کی کوشش کی، مگر پھر وہ کسی اور رنگ میں ظاہر ہو جاتی ہے۔

ابو سلیمان سے مروی ہے کہ جب بندے میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے' تو وسوسوں کی کثرت اور ریا اس سے منقطع ہو جاتی ہے۔

باب

صدق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (التوبة:١١٩)

''مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

رسول ﷺ نے فرمایا:

بندہ سچ بولتا اور سچ کا ارادہ کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور بندہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کا ارادہ کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اسے کذاب لکھا جاتا ہے۔

(اخرجه مسلم:٢٦٠٧، الترمذی:١٩٧١)

استاد سے مروی ہے کہ سچائی دین کا ستون ہے، اسی کے ساتھ دین مکمل ہوتا ہے اور اسی سے دین کا نظام ہے اور نبوت کے بعد دوسرا درجہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ ﴾ (النساء:٦٩)

''یہ وہ لوگ ہیں، جو ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن کو اللہ نے انعام سے نوازا ہے۔ مثلاً انبیاء اور صدیقین۔''

اسی صدق سے لفظ صادق مشتق ہوا ہے اور لفظ صدیق اسی سے مبالغہ کا کلمہ ہے۔ یعنی وہ شخص جو بہت سچ بولتا ہو اور جس پر سچ غالب ہو۔ جس طرح لفظ سکیر اور خمیر وغیرہ۔

صدق کا ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔

صادق وہ ہے، جو اپنے اقوال میں سچا ہو اور صدیق وہ ہے، جو اپنے تمام اقوال، افعال اور احوال میں سچا ہو۔

احمد بن خضرویہ سے مروی ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ اس کے ساتھ ہو' تو اسے سچ بولنے کو اپنے لئے لازم قرار دینا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ (التوبۃ: ۱۱۹)

صادق اور ریاء کار میں فرق:

جنید سے مروی ہے کہ صادق ایک دن میں لاتعداد حالتیں بدلتا ہے۔ (اور افضل سے افضل تر حالت کو جاتا ہے) اور ریاکار ایک ہی حالت پر چالیس سال تک قائم رہتا ہے۔

ابوسلیمان دارانی سے مروی ہے کہ صادق اگر اپنے دل کی بات ظاہر کرنا بھی چاہے، تب بھی اس کی زبان ظاہر نہ کر سکے گی۔

مروی ہے کہ ان مواقع پر حق بات کہنا' جہاں حق بات کہنے سے موت نظر آتی ہو، صدق کہلاتا ہے۔

مروی ہے: دل اور زبان میں موافقت پائے جانے کا نام صدق ہے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے نفس یا کسی اور کے ساتھ دھوکہ بازی کرتا ہے' وہ صدق کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا۔

ابوسعید قرشی سے مروی ہے کہ صادق وہ ہے' جس کے لئے موت تیار ہو۔ مگر پھر بھی اسے اپنے راز کے کھل جانے کی شرم قطعاً محسوس نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ (البقرہ: ۹۴)

''اگر سچے ہو' تو موت کی تمنا کرو۔''

عبداللہ بن منازل کی وفات کیسے ہوئی؟

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ایک روز ابوعلی ثقفی وعظ فرما رہے تھے کہ ان سے عبداللہ بن منازل نے کہا:

اے ابوعلی! موت کی تیاری کرلو، کیونکہ اس سے چھٹکارا نہیں۔

یہ الفاظ سن کر عبداللہ نے اپنے بازو کو تکیہ بنایا اور اس پر اپنا سر رکھ کر فرمایا: لو میں مرا (اور مر گئے)

(یہ حال دیکھ کر) ابوعلی کٹ گئے۔ کیونکہ ان میں عبداللہ کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی۔ اس لئے کہ ان کا اسباب دنیا سے دل لگا ہوا تھا اور عبداللہ حالت تجرید میں تھے اور ان کا دل (اسباب دنیا سے) لگا ہوا نہ تھا۔

وعظ سے موت:

شیخ ابوعبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ایک بار ابوالعباس دینوری' وعظ فرما رہے تھے کہ ایک بڑھیا مجلس میں چیخ اٹھی۔ آپ نے فرمایا: تو مرے۔ یہ سن کر بڑھیا اٹھی، اس نے چند قدم اٹھائے۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: میں تو مر گئی اور گری تو مری پڑی تھی۔

سچائی سے موت:

واسطی سے مروی ہے کہ قصد کے ہوتے ہوئے' صحیح توحید صدق ہے۔

مروی ہے کہ عبدالواحد بن زید نے اپنے مریدوں میں سے ایک نوعمر کو دیکھا کہ اس کا بدن دبلا ہو رہا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا: اے بچے! کیا تو ہمیشہ روزہ دار ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں ہمیشہ بے روزہ رہتا ہوں۔

انہوں نے پھر پوچھا: پھر تو لاغر کیوں ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا: عشق دائمی اور پھر اس کا دائمی چھپائے رکھنا۔

یہ سن کر عبدالواحد نے کہا: خاموش ہو جاؤ! تو کس قدر گستاخ ہے؟ یہ سن کر بچہ اٹھا اور اس نے دو قدم اٹھائے اور کہا: خدایا! اگر میں سچا ہوں' تو مجھے لے لے اور گرتے ہی مر گیا۔

ابوعمر زجاجی سے حکایت کی گئی ہے کہ میری والدہ فوت ہو گئیں۔ ان سے وراثت میں مجھے ایک مکان ملا، جسے میں نے پچاس دینار میں بیچ ڈالا اور میں حج کے لئے نکل پڑا۔ جب بابل پہنچا' تو مجھے ایک راہ دکھانے والا ملا اور اس نے مجھے کہا کہ میرے پاس پچاس دینار ہیں، اس نے کہا لاؤ! مجھے دو۔

میں نے اسے تھیلی دے دی۔ اس نے جب انہیں گنا' تو ٹھیک پچاس دینار تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا: یہ واپس لے لو۔ تمہارے سچ بولنے نے مجھے لے لیا ہے۔ وہ پھر اپنے جانور سے اترا اور مجھے اس پر سوار ہونے کو کہا۔

میں نے کہا: میں سوار ہونا نہیں چاہتا۔ اس نے کہا: یہ نہ ہو سکے گا۔ جب اس نے اصرار کیا' تو میں سوار ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ دوسرے سال وہ میرے پاس آیا اور مرتے دم تک میرے ساتھ رہا۔

ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ صادق کو تو جب بھی دیکھے گا' تو اسے فرض ادا کرتا ہوا پائے گا' یا کسی مستحب کام میں اپنے رب کے لئے مشغول پائے گا۔

جنید سے مروی ہے کہ صدق کی حقیقت یہ ہے کہ تو ان مواقع پر بھی سچ بولے' جن میں جھوٹ کے بغیر تمہاری نجات نہیں ہو سکتی۔

تین باتیں!

مروی ہے کہ صادق آدمی میں یہ تین باتیں ضرور پائی جاتی ہیں:

(۱) حلاوت (۲) ہیبت (۳) رونق۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے داؤد! جو شخص اپنے دل میں مجھ سے سچ کہے گا، میں اسے علانیہ طور پر مخلوق کے سامنے سچا کر دکھاؤں گا۔

صدق کیا چیز ہے؟

مروی ہے کہ ابراہیم بن دوحہ کے ساتھ ابراہیم بن ستنبہ جنگل کو نکلے۔ ابراہیم بن ستنبہ نے کہا: تمہارے پاس دنیاوی علائق کی جو چیزیں ہیں، پھینک دو۔

ابراہیم بن دوحہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دینار کے علاوہ سب کچھ پھینک دیا۔ انہوں نے پھر کہا: اے ابراہیم! میرے دل کو ان چیزوں کے ساتھ مشغول نہ کرو۔ دنیاوی تعلق کی جو چیزیں ہیں' انہیں پھینک دو۔ اس پر میں نے وہ دینار بھی پھینک دیا۔

انہوں نے پھر کہا: اے ابراہیم! علائق دنیا کی جو چیز بھی تمہارے پاس ہے، اسے پھینک دو۔ مجھے یاد آ گیا کہ میرے پاس جوتے کے لئے کچھ تسمے ہیں۔ چنانچہ میں نے انہیں بھی پھینک دیا۔

راستہ میں جب بھی مجھے جوتے کے لئے تسمے کی ضرورت پڑتی' مجھے مل جاتا۔ اس پر ابراہیم بن ستنبہ نے فرمایا:

جو شخص صدق دل سے اللہ کے ساتھ معاملہ کرتا ہے' اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ صدق اللہ کی تلوار ہے، جس پر بھی رکھی جاتی ہے، اسے کاٹ دیتی ہے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ صدیقوں کی خیانت کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے نفس سے باتیں کرنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں۔

فتح موصلی سے صدق کے متعلق سوال کیا گیا' تو انہوں نے لوہار کی بھٹی میں ہاتھ ڈال کر تپتا ہوا لوہا نکالا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور فرمایا: یہ صدق ہے۔

یوسف بن اسباط سے مروی ہے کہ اگر میں ایک رات بھی صدق کے ساتھ اللہ سے معاملہ کر لوں' تو یہ مجھے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ صدق یہ ہے کہ تو درحقیقت اسی طرح ہو، جس طرح تو اپنے نفس کو دیکھتا ہے' یا تو

اپنے نفس کو اسی طرح دیکھے، جس طرح تو حقیقت ہے۔

صدق کی علامت:

حارث محاسبی سے پوچھا گیا کہ صدق کی کیا علامت ہے؟ تو فرمایا:

صادق وہ شخص ہے، جو اپنے دل کی اصلاح کی خاطر اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کی تمام قدر و منزلت، جو مخلوق کے دل میں تھی، نکل گئی ہے اور نہ پسند کرے کہ لوگ اس کی ذرہ بھر نیکی پر بھی مطلع ہو جائیں اور نہ اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس کی برائی سے واقف ہو جائیں۔

کیونکہ یہ ناپسند کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگوں سے اور قدر و منزلت چاہتا ہے اور یہ صدیقوں کا خلق نہیں ہے۔

ایک صوفی نے کہا کہ جو شخص دائمی فرض ادا نہیں کرتا، اس کا وقتی فرض قبول نہ ہوگا۔ ان سے سوال کیا گیا کہ دائمی فرض کیا ہے؟ جواب دیا کہ صدق ہے۔

مروی ہے کہ جب تو اللہ تعالیٰ سے صدق کے ساتھ مانگتا ہے، تو وہ تجھے ایک ایسا آئینہ عطاء کرے گا، جس میں تو دنیا اور آخرت کی ہر عجیب چیز کو دیکھ لے گا۔

مروی ہے کہ جہاں تجھے اس بات کا ڈر ہو کہ سچائی تجھے نقصان دے گی، وہاں بھی سچائی نہ چھوڑ۔ کیونکہ اس سے تجھے فائدہ حاصل ہوگا اور جھوٹ کو چھوڑ دے، جہاں تجھے یہ خیال ہو کہ یہ تجھے سود مند ہوگا۔ کیونکہ درحقیقت یہ تجھے نقصان پہنچائے گا۔

مروی ہے کہ ہر چیز ایک چیز ہے، مگر کذاب کی دوستی کوئی چیز نہیں۔

مروی ہے کہ جھوٹے آدمی کی علامت یہ ہے کہ وہ بغیر اس کے کہ اسے قسم کھانے کو کہا جائے، قسمیں کھائے۔

ابن سیرین سے مروی ہے کہ کلام اس قدر وسیع ہے کہ ظریف کے لئے جھوٹ بولنے کا موقعہ ہی نہیں۔

مروی ہے کہ سچ بولنے والا سوداگر، مفلس نہیں ہوتا۔

❀❀❀

باب

حیاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ﴾ (العلق:١٤)

''کیا اسے معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ دیکھ رہا ہے۔''

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

((الحیاء من الایمان))

''حیاء ایمان کا جزو ہے۔'' (اخرجہ الترمذی:٢٦١٥،ابو داؤد:٤٧٩٥)

حیاء کا حق:

ابن مسعود سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے اس قدر حیاء کرو، جو حیاء کرنے کا حق ہے۔

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم حیاء کرتے ہیں اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔

آپ نے فرمایا: یہ حیاء نہیں ہے، لیکن جو اللہ سے جیسا کہ حیاء کرنے کا حق ہے، حیاء کرنی چاہئے، اسے اپنے اور سر کے اندر کی چیزوں (کان، آنکھ، زبان) کو محفوظ رکھنا چاہئے، پیٹ اور پیٹ میں جو چیزیں شامل ہیں۔ (فرج وغیرہ) کو محفوظ رکھنا چاہئے، موت اور بوسیدگی کو یاد رکھنا چاہئے اور جو شخص آخرت چاہتا ہے، وہ دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے۔

جس نے ایسا کیا، اس نے اللہ سے حیاء کی، جیسا کہ حیاء کرنے کا حق ہے۔

(اخرجہ الترمذی:٢٤٥٨،احمد:٣٦٦٢)

محمد بن مخلد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ایک حکیم کا قول ہے کہ تم ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر حیاء کو زندہ رکھا

کرو، جن سے انسان کو حیاء آئے۔

ابن عطاء سے مروی ہے: ہیبت اور حیاء سب سے بڑا علم ہے۔ جب ہیبت اور حیاء جاتی رہے' تو پھر کوئی بھلائی باقی نہیں رہتی۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ دل میں ہیبت کا پایا جانا اور اس کے ساتھ ان بداعمالیوں کی وجہ سے جو اللہ کی جانب سے تجھ سے سرزد ہو چکی ہیں، خوف کھانا حیاء ہے۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ محبت گویا بناتی ہے، حیاء خاموش کرتی ہے اور خوف بے چین کرتا ہے۔

ابو عثمان سے مروی ہے کہ جو شخص حیاء پر گفتگو کرے اور اسے اس بات سے شرم نہ آئے کہ کس بات پر گفتگو کر رہا ہے؟ تو سمجھ لو کہ وہ شخص استدراج کی حالت میں ہے۔

ابوبکر اشکیب سے مروی ہے کہ حسن بن حداد' عبداللہ بن منازل کے پاس آئے۔ انہوں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابوالقاسم مذکر کی مجلس سے، پھر پوچھا: کیا واعظ فرما رہے تھے؟ جواب دیا: حیاء کے متعلق، یہ سن کر عبداللہ نے کہا: تعجب کی بات ہے کہ جو شخص اللہ سے شرم نہیں کرتا، وہ حیاء کے متعلق وعظ کیوں کر کہتا ہے؟

ابوالعباس المؤدب نے سری سے روایت کی کہ حیاء اور انس دل کے دروازہ پر دستک دیتے ہیں۔ اگر اس میں زہد و ورع پائے جاتے ہوں' تو ڈیرہ ڈال دیتے ہیں، ورنہ کوچ کر جاتے ہیں۔

محمد بن عبداللہ بن شاذان نے جریری سے روایت کی کہ قرن اول کا آپس میں معاملہ دین کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ دین کا معاملہ کمزور ہو گیا۔ پھر قرن ثانی کا معاملہ وفاء کے ساتھ تھا، یہاں تک کہ وفاء جاتی رہی۔ پھر قرن ثالث کا معاملہ مروت کے ساتھ تھا، یہاں تک کہ مروت بھی جاتی رہی۔ پھر قرن چہارم کا معاملہ حیاء کے ساتھ تھا، یہاں تک کہ حیاء بھی جاتی رہی۔ پھر لوگ لالچ اور ڈر کے ساتھ معاملہ کرتے رہے۔

"بُرْهَانَ رَبِّهٖ" کی تشریح:

اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ (یوسف: ۲۴)

میں برہان کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ گھر کے ایک کونہ میں بت تھا، جس پر زلیخا نے کپڑا ڈال دیا تھا۔ یہ دیکھ کر یوسف علیہ السلام نے کہا کہ تو یہ کیا کر رہی ہے؟ زلیخا نے جواب دیا کہ مجھے اس سے حیاء آتی ہے۔

اس پر یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں تم سے بڑھ کر اللہ سے حیاء کرنے کا حق دار ہوں۔

تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَاءٍ کی تشریح:

اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَاءٍ﴾ (القصص: ۲۵)

کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی بیٹی اس لئے شرمائی کہ وہ انہیں ضیافت کی دعوت دینے کو آئی تھی۔ اسے شرم آئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نہ مانیں۔

میزبان کا خاصہ ہے کہ وہ شرمائے اور یہ ان کی طرف سے حیاء کرم تھا۔

حیاء کے ثمرات:

ابوسلیمان دارانی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اے میرے بندے! جب تک تو مجھ سے حیاء کرتا رہے گا، میں تمہارے عیوب لوگوں کے (دلوں سے) بھلا دوں گا اور زمین کے حصوں سے تمہارے گناہ بھلا دوں گا اور ام الکتاب (لوح محفوظ) سے تمہاری لغزشیں مٹا دوں گا اور قیامت کے دن حساب کرنے میں تم سے سختی نہ کروں گا۔

مروی ہے کہ ایک شخص کو مسجد کے باہر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا۔ کسی نے اس سے کہا کہ مسجد کے اندر جا کر کیوں نہیں نماز پڑھتا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ باوجود اس کے کہ میں نے اس کی نافرمانی کی ہے، میں اس کے گھر میں داخل ہوں۔

مروی ہے کہ

ایک رات ہم نکلے اور ایک جنگل سے گذرے۔ دیکھا کہ ایک شخص سویا پڑا ہے اور اس کے سر کے پاس گھوڑا چر رہا ہے۔ ہم نے اسے جگایا اور کہا کہ تجھے ایسی خطرناک جگہ پر سونے سے ڈر نہیں لگتا؟ یہ مقام تو درندوں کا ہے، اس نے سر اٹھایا اور کہا: مجھے تو اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں اس کے سوا کسی اور سے ڈروں اور پھر سر رکھ کر سو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو، اگر یہ قبول کرے، پھر لوگوں کو نصیحت کرو، ورنہ مجھ سے شرم کرو کہ تم لوگوں کو نصیحت کرتے ہو (اور خود عمل نہیں کرتے)۔

اقسام حیاء:

مروی ہے کہ حیاء کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) قصور کی حیاء۔ جیسے آدم علیہ السلام کہ جب انہیں کہا گیا کہ ہم سے بھاگ رہے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ انہیں

بلکہ تم سے حیاء کر رہا ہوں۔

(۲) کوتاہی کی حیاء، جیسے ملائکہ کا یہ کہنا

﴿ سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ ﴾

تو پاک ہے، اے خدا! ہم نے جو عبادت کا حق ہے، وہ ادا نہیں کیا۔

(۳) تعظیم کی حیاء، جیسے اسرافیل کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہوئے اپنے پر کو اپنے اوپر اوڑھ لیا۔

(۴) حیاء کرم، جیسے نبی ﷺ اپنی امت سے شرم کے مارے یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ اب چلے جاؤ۔ جس پر اللہ تعالیٰ کو یہ حکم دینا پڑا

﴿وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ﴾ (الاحزاب:۵۳)

باتوں میں مگن نہ ہو جایا کرو۔

(۵) احترام کی حیاء، جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ کہ انہوں نے مقداد کو رسول ﷺ کی خدمت میں بھیجا' تا کہ وہ آنحضرت سے مذی کے متعلق دریافت کریں کہ اس کا کیا حکم ہے (یعنی مقداد کو بھیجا اور خود نہ پوچھا)، کیونکہ آپ کے گھر میں (آنحضرت ﷺ کی بیٹی) فاطمہ تھیں۔

(۶) حیاء استحقار، جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال کہ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے دنیا کی کوئی حاجت پیش آتی ہے' تو خدایا! مجھے شرم آتی ہے کہ میں تجھ سے (دنیا کی حاجت چاہوں)، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مانگ' خواہ آٹے کا نمک ہی کیوں نہ ہو' یا تمہاری بکری کا چارہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۷) حیاء انعام' اور یہ اللہ تعالیٰ کی حیاء ہے۔ قیامت کے دن جب بندہ صراط کو عبور کر چکے گا' تو اسے سربمہر نامہ دیا جائے گا۔ اس میں لکھا ہو گا' تو نے ایسا ایسا کیا، مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس کا اظہار تجھ سے کروں، جا! میں نے تجھے معاف کر دیا!

حیاء انعام کے سلسلہ میں استاد ابو علی دقاق نے یحییٰ بن معاذ سے روایت کی ہے کہ

پاک ہے، وہ خدا کہ گناہ تو بندہ کرے اور وہ اس سے شرم کرے۔

بدبختی کی پانچ علامتیں:

فضیل بن عیاض سے مروی ہے کہ پانچ چیزیں بدبختی کی علامت ہیں:

(۱) سنگ دلی۔

(۲) آنکھوں کا آنسو نہ بہانا۔

(۳) بے حیائی۔

(۴) دنیا کی رغبت

(۵) لمبی آرزوئیں کرنا۔

اللہ کی کسی الہامی کتاب میں ہے کہ مجھ سے میرے بندے نے انصاف نہیں کیا، کیونکہ وہ مجھے پکارتا ہے' تو مجھے اسے رد کرنے سے شرم آتی ہے، مگر وہ میری نافرمانی کرتا ہے اور پھر مجھ سے شرم نہیں کرتا۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے: جس نے اطاعت گذاری کرتے ہوئے بھی اللہ سے حیاء کی، جب وہ گناہ کرتا ہوگا' تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے شرم کرے گا۔

استاد سے مروی ہے کہ حیاء پگھلانے کا سبب بنتی ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حیاء یہ ہے کہ آقا کو اطلاع ہونے پر انتڑیاں پگھل جائیں۔

مروی ہے کہ حیاء یہ ہے کہ اللہ کی تعظیم کے لئے دل سکڑ جائے۔

مروی ہے کہ جب کوئی شخص لوگوں کو وعظ کرنے کے لئے بیٹھتا ہے' تو اس کے دونوں فرشتے اسے پکار کر کہتے ہیں:

جو نصیحت تو اپنے بھائی کو کر رہا ہے، پہلے اپنے آپ کو کر، ورنہ اپنے آقا سے شرم کر کیونکہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

جنید سے حیاء کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا:

(ایک طرف) اللہ کی نعمتوں کو دیکھنا اور دوسری طرف اپنی کوتاہی کو دیکھنا۔ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان' جو حالت پیدا ہوگی' وہی حیاء ہے۔

واسطی سے مروی ہے کہ جس کسی نے اللہ کی کسی حد کو توڑا' یا اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑا، اس نے حیاء کا مزہ نہیں چکھا۔

نیز مروی ہے کہ حیاء کرنے والے سے ایک قسم کا پسینہ بہتا ہے اور یہ پسینہ وہ بیکار چیز ہے، جو اس کے اندر ہے اور جب تک ان میں سے کچھ بھی نفس کے اندر رہ جاتا ہے، وہ شخص کامل حیاء نہیں کرسکتا۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرنا' حیاء کو ترک کر دینا ہے۔

محمد بن احمد الجوز جانی نے ابو بکر وراق سے روایت کی کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں دو رکعت نماز اداء کرتا ہوں، مگر ختم کرتا ہوں' تو حیاء کے سبب میری یہ کیفیت ہوتی ہے کہ گویا میں نے (نماز نہیں پڑھی بلکہ) چوری کی ہے۔

باب

حریت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر:۹)

یہ لوگ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انہیں خود اس کی حاجت ہی کیوں نہ ہو۔

استاد سے مروی ہے کہ یہ اپنی ذات پر انہیں ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں، جن سے خود نکل آئے اور انہوں نے اوروں کو ان پر ترجیح دی۔

ابن عباس نے روایت کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

تمہارے لئے تو صرف اسی قدر کافی ہے، جس سے تمہارا نفس قناعت کرے۔ کیونکہ تم صرف چار ہاتھ اور ایک بالشت زمین میں جاؤ گے، اس لئے کہ فیصلہ تو انجام پر ٹھہرتا ہے۔ (بیهقی:۷۸۵،مصنف ابن ابی شیبه:۳٤٥٥٢)

استاد سے مروی ہے کہ حریت یہ ہے کہ بندہ نہ مخلوق کی غلامی میں رہے اور نہ ہی دنیا کی چیزوں کا اس پر تسلط ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں چیزوں کا امتیاز نہ رہے۔ چنانچہ اغراض دنیا کی قدر و منزلت اس کے نزدیک ایک جیسی ہو۔

حارثہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا نفس دنیا سے اعراض کر چکا ہے، چنانچہ اب پتھر اور سونا میرے نزدیک برابر ہے۔ (طبرانی:۳۳٦۷،بیهقی:۱۰٥۹۰)

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ جو دنیا میں ایسی حالت میں داخل ہو کہ وہ دنیا سے آزاد ہے، وہ جب کوچ کر کے دنیا سے جائے گا، تو اس سے بھی آزاد ہو گا۔

دقاق سے مروی ہے کہ جو دنیا سے آزاد ہو گا، وہ آخرت میں بھی آزاد ہو گا۔

استاد سے مروی ہے کہ حقیقی آزادی کامل عبودیت میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کی عبودیت خالصۃً اللہ کے لئے ہو، تو اس کی حریت غیر اللہ کی غلامی سے نجات پا جائے گی۔

مگر جس شخص کا یہ خیال ہو کہ بندہ کے لئے بعض اوقات عبودیت کا پٹہ اتار دینے کی اجازت ہے، وہ تھوڑے عرصہ کے لئے اللہ کے اوامر ونواہی سے بے تعلق ہو سکتا ہے اور یہ کہ وہ اس دار تکلیف (دنیا) میں ایک ممتاز ہستی ہے۔ اس زعم کے ساتھ کہ وہ ربوبیت میں مشغول ہے' تو جان لو کہ یہ دین سے نکلنے کے برابر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے:

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ (الحجر:۹۹)

''مرتے دم تک اللہ کی عبادت کرتے رہیں۔''

یقین کے معنی موت کے ہیں، اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور یہ کہ جس حریت کی طرف صوفیاء نے اشارہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے دل میں مخلوقات کی کسی چیز کی غلامی میں نہ پڑے' خواہ وہ دنیا کی چیز ہو' یا آخرت کی۔

تا کہ وہ خدائے یکتا کے لئے فرد واحد ہو جائے' نہ تو موجودہ دنیا اسے غلام بنا سکے' نہ کوئی موجودہ خواہش' نہ آئندہ کوئی آرزو' نہ سوال' نہ حاجت اور نہ حظ نفس۔

شبلی سے کسی نے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ رحمٰن ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں، مگر جب سے میں نے اس کی رحمت کو پہچانا ہے، میں نے اس سے رحم کرنے کی درخواست ہی نہیں کی۔ (تا کہ مجھ پر غیر اللہ کی آرزو ہی نہ رہے) اور حریت کا مقام کمیاب ہے۔

شیخ ابوعلی وقاق نے ابوعباس سیاری سے روایت کی کہ اگر قرآن کے بغیر نماز درست ہو سکتی' تو اس شعر سے ہوتی:

اتمنى على الزمان محالاً ان ترى مقلتاى طلعة حر

میں زمانہ سے محال بات کی تمنا کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو دیکھوں' جو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو۔

حسین بن منصور سے مروی ہے کہ جو شخص حریت کا ارادہ رکھتا ہے، اسے لگاتار عبودیت میں لگا رہنا چاہئے۔

جنید سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ جس کا کھجور کی گٹھلی چوسنے کے برابر تعلق دنیا سے رہ گیا ہو' تو فرمایا: مکاتب غلام کے ذمہ جب ایک درہم بھی باقی ہو، وہ غلام ہے۔ (لہٰذا یہ شخص بھی ابھی تک دنیاوی اشیاء کا غلام ہے)۔

ابوعمر الانماطی نے جنید سے روایت کی کہ جب تک تم میں سے حقیقت عبودیت میں سے ذرہ بھر فرق باقی رہ گیا ہو' تب تک تو خالص آزاد نہیں ہو سکتا۔

بشر حافی سے مروی ہے کہ جو شخص حریت کا ذائقہ چکھنا چاہے اور (غیر اللہ کی) غلامی سے آرام پانا چاہے، اسے اپنے اور اللہ کے درمیان اپنا باطن پاک کر لینا چاہئے (کہ کہیں درمیان میں غیر اللہ تو نہیں)۔

حسین بن منصور سے مروی ہے کہ جب بندہ عبودیت کے تمام مقامات طے کر لیتا ہے، تو وہ عبودیت کی تکان سے آزاد ہو جاتا ہے اور بلا تکلیف کے وہ عبودیت کی صفت سے موسوم رہتا ہے اور یہ مقام انبیاء وصدیقین کا مقام ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ (حامل نہیں رہتا بلکہ) محمول ہو جاتا ہے، اس کے دل پر کوئی بار نہیں ہوتا۔ اگرچہ شرعی طور پر اس کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔

ابوبکر رازی نے منصور فقیہہ کا یہ شعر سنا:

ما بقی فی الانس حر لا ولا فی الجن حر

قد مضی حر الفریقین فحلوا العیش مر

نہ انسانوں میں کوئی آزاد باقی ہے، نہ جنوں میں، دونوں گروہوں کے لوگ چل بسے، لہٰذا اب میٹھی زندگی کڑوی معلوم ہوتی ہے۔

حریت کے بیشتر اوصاف فقراء کی خدمت کرنے میں پائے جاتے ہیں۔

شیخ ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جب تو ایسا شخص دیکھے، جو میرا طالب ہو، تو اس کا خادم بن جا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

((سید القوم خادمهم))

''قوم کا سردار وہ ہوتا ہے، جو ان کا خادم ہو۔'' (جامع صغیر للسیوطی: ۴۷۵۱)

محمد بن رومی نے یحییٰ بن معاذ سے روایت کی کہ دنیا کے لوگوں کی خدمت کرنے والے لونڈیاں اور غلام ہوتے ہیں۔ مگر آخرت کے لوگوں کی خدمت کرنے والے آزاد اور نیک لوگ ہوتے ہیں۔

ابراہیم بن ادھم سے مروی ہے کہ آزاد شریف انسان، دنیا سے نکلنے سے پہلے دنیا سے نکل چکا ہوتا ہے۔

نیز مروی ہے کہ آزاد اور شریف انسان، جو بات سنے، مگر کلام نہ کرے، اس کی صحبت کے سوا کسی کی صحبت میں نہ بیٹھ۔

باب

ذکر

فرمان الٰہی ہے:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کیا کرو۔''

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ تمہارے کون سے اعمال اللہ کے نزدیک بہترین' زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجات کو زیادہ بلند کرنے والے ہیں اور سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی اعلیٰ وافضل ہیں، نیز اس سے بھی افضل کہ تم دشمن سے جہاد میں ملو' تم ان کی اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں؟ صحابہ نے عرض کیا: وہ کون سا عمل ہے' یارسول اللہ ﷺ؟!

تو فرمایا: اللہ کا ذکر۔ (اخرجه الترمذی:٣٣٧٧، ابن ماجه:٣٧٩٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ اللہ کہنے والے کسی شخص پر قیامت نہ آئے گی، یعنی جب قیامت آئے گی' تو دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا۔ (اخرجه مسلم:١٤٨، احمد:١٢٦٨٢)

انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت برپا ہوگی، جب دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے گا۔ (اخرجه مسلم:١٤٨، الترمذی:٢٢٠٧)

ذکر کے حصے:

استاد فرماتے ہیں کہ ذکر' اللہ کی راہ میں ایک قوی رکن ہے، بلکہ اس پر سارا دارومدار ہے اور ذکر دوام کے بغیر کوئی شخص اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

ذکر دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے:

(۱) زبان کا ذکر۔ (۲) دل کا ذکر

زبان کے ذکر کے ذریعہ سے ہی انسان کے دل کے ذکر کو دائم رکھ سکتا ہے۔ مگر تاثیر دل کے ذکر کی ہے۔ لہٰذا جو بندہ زبان اور دل دونوں سے ذکر کرتا ہو وہ سلوک کی حالت میں اپنے وصف میں کامل ہے۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ ذکر ولایت کی پرواز ہے، لہٰذا جسے ذکر کرنے کی توفیق مل جائے، اسے پروانہ مل گیا اور جس سے ذکر چھن گیا، وہ معزول ہو گیا۔

شبلی کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ابتداء سلوک میں ہر روز ایک تہ خانے میں چلے جاتے اور اپنے ساتھ چھڑیوں کا مٹھا لے جاتے، جب ان کا دل غفلت سے طاری ہوتا' تو ان چھڑیوں سے اپنے آپ کو مارتے، یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جاتیں، اکثر ایسا ہوتا کہ رات ہونے سے پہلے چھڑیاں ٹوٹ جائیں' تو آپ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو دیوار سے مارتے تھے۔

مروی ہے کہ دل کا ذکر مریدین کے لئے تلوار ہے۔ اس لئے وہ اپنے دشمنوں سے لڑتے اور ان آفتوں کو دور کرتے ہیں، جو ان پر آتی ہیں اور جب بندے کا امتحان آپڑتا ہے' تو اگر وہ اپنے دل سے اللہ کے ساتھ پناہ لیتے ہیں' تو ہر بات جسے وہ ناپسند کرتے ہیں، فوراً دور ہو جاتی ہے۔

<u>ذکر کیا ہے؟</u>

واسطی سے مروی ہے کہ ان سے ذکر کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا: غلبہ خوف اور شدت محبت کے ہوتے ہوئے غفلت کے میدان سے نکل کر مشاہدہ کی فضا میں جانا' ذکر ہے۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ جس نے حقیقی طور پر اللہ کو یاد کیا، وہ اس کے ذکر کے مقابلہ میں ہر چیز کو بھول جائے گا اور اللہ اس کی ہر چیز کی حفاظت کرے گا اور یہ ذکر اس کے لئے ہر چیز کا نعم البدل ہوگا۔

ابو عثمان سے پوچھا گیا کہ ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں، مگر اپنے دل میں حلاوت نہیں پاتے؟ فرمایا:

اللہ کی تعریف اور شکر کرو کہ اس نے تمہارے عضو کو اپنی عبادت سے مزین کر رکھا ہے۔

ایک مشہور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم جنت کی کیاریاں دیکھو' تو تم ان میں چرنے لگ جاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ریاض جنت کیا چیز ہے؟ فرمایا: مجالس ذکر۔ (اخرجه احمد:١٢٥٤٠)

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ گھر سے نکل کر ہمارے پاس آئے اور فرمایا:

لوگو! ریاض جنت میں چرلو' ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ریاض کیا چیز ہے؟

فرمایا: مجالس ذکر، فرمایا: صبح کو کرو' یا شام کو، ذکر کرتے رہو۔ جو شخص اللہ کے ہاں اپنی منزلت کو معلوم کرنا چاہے،

اسے دیکھ لینا چاہئے کہ اس کے نزدیک اللہ کی کیا منزلت ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ بندے کو اس مقام پر رکھتا ہے، جہاں بندہ اپنے آپ کو رکھتا ہے؟ (مسند ابو یعلی: ۱۸۶۵)

شبلی سے مروی ہے کہ اللہ نے یوں نہیں فرمایا: جو مجھے یاد کرے، میں اس کا ہم نشین ہو جاتا ہوں' بتاؤ تم نے حق تعالیٰ کی ہم نشینی سے کیا حاصل کیا؟

عبداللہ بن موسیٰ السلامی نے شبلی کو اپنی مجالس میں شعر پڑھتے سنا:

ذکرتك لا انی نسیتك لمحة　　وایسر ما فی الذکر ذکر لسانی

وکدت بلا وجد اموت من الهوی　　وهام علی القلب بالخفقان

فلما ارانی الوجد انك حاضری　　شهدتك موجودا بکل مکان

فخاطبت موجودا بغیر تکلم　　ولا حظت معلوما بغیر عیان

میں نے تمہیں یاد کیا، اس لئے نہیں کہ میں تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی بھول گیا تھا اور میری یاد میں سب سے معمولی بات زبان کی یاد ہے۔

میں عشق کی وجہ سے وجہ کے بغیر ہی مرنے کو تھا اور میرا دل دھڑکنے کی وجہ سے پریشان رہا۔ جب میرے وجد نے مجھے دکھا دیا کہ تو میرے پاس موجود ہے' تو میں نے تمہیں ہر جگہ موجود پایا۔

لہٰذا میں نے بغیر کلام کے موجود محبوب سے کلام کیا اور آنکھوں سے دیکھے بغیر معلوم کو دیکھ لیا۔

ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کوئی معین وقت نہیں، بلکہ بندے کو ہر وقت ذکر الٰہی کا حکم ہے' خواہ فرض کے طور پر ہو، خواہ استحباب کے طور پر۔ نماز اگرچہ تمام عبادتوں سے اشرف ترین عبادت ہے، مگر بعض اوقات میں اس کا اداء کرنا جائز نہیں اور ذکر بالقلب ہر وقت عام حالات میں ہمیشہ جاری رکھا جا سکتا ہے۔

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ ﴾ (ال عمران: ۱۹۱)

''جو لوگ اٹھتے' بیٹھتے اور اپنے پہلو پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔''

ابوبکر بن فورک سے مروی ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ ذکر کو ایسا اداء کرتے ہیں کہ جیسا اداء کرنے کا حق ہے، مگر اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔

ابو علی دقاق سے سوال کیا گیا کہ ذکر میں زیادہ کمال پایا جاتا ہے' یا فکر میں؟ تو فرمایا:

آپ کیا سمجھتے ہیں؟ شیخ ابوعبدالرحمٰن! تو انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک تو ذکر فکر سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ اللہ کے لئے ذکر کی صفت بیان کی جاتی ہے، مگر فکر کی نہیں، لہٰذا جو صفت اللہ کے لئے ہو، وہ اس صفت کے مقابلہ میں جو صرف مخلوق کے لئے خاص ہو زیادہ کامل ہوگی۔ اس جواب کو استاد ابوعلی نے پسند کیا۔

کتانی سے مروی ہے کہ اگر اللہ کا ذکر مجھ پر فرض نہ ہوتا' تو میں اس کی تعظیم کی وجہ سے اس کا ذکر نہ کرتا، بھلا میرے جیسا انسان جس نے اپنا منہ ایک ہزار مقبول توبہ کے ساتھ نہ دھویا ہو' اللہ کا ذکر کیسے کر سکتا ہے؟

ابوعلی دقاق کسی کے یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ما ان ذكرتك الا هم يزجرني قلبي وسري و روحي عند ذكراكا

حتي كان رقيبا منك يهتف بي اياك ويحك والتذكر اياكا

میں جب بھی تجھے یاد کرتا ہوں' تو اس وقت میرا دل' میرا باطن اور میری روح مجھے ڈانٹنے کا ارادہ کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ تمہارا محافظ پکار کر کہہ رہا ہے: خبردار! اس کا ذکر نہ کرنا۔

ذکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا تذکرہ' ذکر کے مقابلہ میں ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ کا فرمان مقدس ہے:

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

''تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا۔''

حدیث میں مروی ہے کہ جبریل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اللہ فرماتا ہے کہ میں نے آپ کی امت کو جو کچھ دیا ہے، وہ میں نے کسی امت کو نہیں دیا۔

آپ نے فرمایا: اے جبریل! وہ کیا ہے؟ تو جبریل نے کہا: فرمان الٰہی:

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس امت کے سوا کسی امت سے نہیں کہی۔

مروی ہے کہ ملک الموت ذکر کرنے والے سے' اس کی روح کو قبض کرنے سے پہلے مشورہ کر لیتا ہے۔

ایک آسمانی الہامی کتاب میں مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے رب! تو کہاں رہتا ہے؟

اللہ نے موسیٰ کو بذریعہ وحی بتایا کہ میں اپنے مومن کے دل میں رہتا ہوں۔

اس رہنے سے مراد دل میں ذکر کا سکونت پذیر ہونا ہے، کیونکہ حق تعالیٰ ہر قسم کی سکونت اور حلول سے مبرا' و پاک ہیں، یہاں محض ذکر اور حصول ذکر کو ثابت کرنا ہے۔

ذوالنون سے ذکر کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے کہا: ذکر یہ ہے کہ ذاکر اس قدر ذکر میں محو ہو جائے کہ اسے ذکر کی خبر نہ ہو۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

لا لانی انساك اکثر ذکرا ك ولکن بذاك یجری لسانی

میں تمہارا ذکر کثرت سے کرتا ہوں، یہ اس لئے نہیں کرتا کہ تمہیں بھول جاتا ہوں، بلکہ اس لئے کہ میری زبان کسی اور کی یاد میں' یا کسی اور کام کے لئے نہیں چلتی، صرف تمہارے ہی ذکر میں چلتی ہے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جو دن گذرتا ہے، حق تعالیٰ پکارتے ہیں:

اے میرے بندے! تو نے مجھ سے انصاف نہیں کیا، میں تمہیں یاد کرتا ہوں، مگر تو مجھے بھول جاتا ہے۔ میں تمہیں اپنی طرف بلاتا ہوں، مگر تو دوسروں کی طرف جاتا ہے۔ میں تیرے مصائب دور کرتا ہوں' تو خطا کاری پر ڈٹا رہتا ہے۔

اے ابن آدم! کل قیامت کو جب تو میرے پاس آئے گا' تو تو کیا کہے گا؟

سلیمان دارانی سے مروی ہے کہ جنت کی زمین ہموار ہے۔ جب ذاکر ذکر کرنے لگتا ہے' تو ملائکہ اس میں درخت لگاتے ہیں۔ جب کبھی کوئی فرشتہ ٹھہر جاتا ہے' تو دوسرے پوچھتے ہیں کہ تو کیوں ٹھہر گیا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میرا انسان جس کے لئے میں درخت لگا رہا ہوں، سست ہو گیا ہے۔

حسن سے مروی ہے کہ تین اشیاء میں حلاوت ڈھونڈا کرو:

نماز میں' ذکر میں اور تلاوت قرآن میں، اگر تمہیں حلاوت حاصل ہو، فبہا، ورنہ سمجھ لو کہ توفیق ایزدی کا دروازہ بند ہے۔

حامد اسود سے مروی ہے کہ ایک سفر میں' میں ابراہیم خواص کے ساتھ تھا۔ چلتے چلتے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے، جہاں سانپوں کی کثرت تھی۔ آپ نے اپنا چھاگل (چمڑے کا بیگ) رکھا اور بیٹھ گئے، میں بھی بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی' تو سانپ نکل آئے۔ میں نے چلا کر شیخ کو پکارا، آپ نے فرمایا: اللہ کو یاد کرو۔

میں نے ایسا ہی کیا، سانپ لوٹ گئے۔ پھر دوبارہ آ گئے۔ میں نے پھر شیخ کو پکارا۔ آپ نے پھر وہی پہلی بات کہی، میں صبح تک اسی حالت میں رہا۔ جب صبح ہوئی، آپ اٹھے اور چل دیئے۔ میں بھی آپ کی معیت میں یکا یک چل پڑا' تو مشک سے ایک بہت بڑا سانپ گرا، جو ان سے لپٹا ہوا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہوا؟

فرمایا: نہیں، مدت سے میں ایسی مزے کی نیند نہیں سویا تھا، جیسے آج رات سویا ہوں۔

ابوعثمان سے مروی ہے کہ جس نے اللہ کے ذکر سے غفلت کی وحشت کا مزہ نہیں چکھا، وہ ذکر کا لطف نہیں پا سکتا۔

جنید، سری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک الہامی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ جب میرے بندے پر میرا ذکر غالب ہوتا ہے، تو وہ مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے اور میں اس پر عاشق ہو جاتا ہوں۔

اسی سند سے مروی ہے کہ اللہ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تم میرے ساتھ خوش رہو اور میرے ذکر کا مزہ لو۔

نوری سے مروی ہے کہ ہر چیز کی سزا ہے، عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکر الٰہی سے بیگانہ ہو جائے۔

انجیل میں ہے کہ تو مجھے اس وقت یاد رکھ، جب تو غصہ میں ہو، میں بھی تجھے اس وقت یاد رکھوں گا، جب میں غصے میں ہوں گا اور میں جو تمہاری مدد کروں، اس پر راضی رہ، کیونکہ میری مدد کرنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنی مدد آپ کرے۔

کسی راہب سے سوال کیا گیا' کیا تو روزہ دار ہے؟ کہا: ہاں! اللہ کے ذکر کا روزہ رکھتا ہوں اور جب کسی اور کا ذکر کرتا ہوں' تو روزہ توڑتا ہوں۔

مروی ہے کہ جب ذکر دل میں جاگزین ہو جاتا ہے، اگر اس وقت شیطان اس کے قریب آئے' تو بعینہ اسی طرح پچھاڑا جاتا ہے، جیسے شیطان انسان کے قریب آکر انسان کو پچھاڑ لیتا ہے۔

پھر دوسرے شیطان اکھٹے ہو کر پوچھتے ہیں: اسے کیا ہوا ہے؟ جواب ملتا ہے: اس شیطان کو انسان نے گرا دیا ہے۔

سہل سے مروی ہے کہ میرے نزدیک کوئی معصیت' حق کو بھول جانے سے بدتر نہیں۔

مروی ہے کہ ذکر خفی' فرشتہ اٹھا کر اللہ کے پاس نہیں لے جاتا۔ اس لئے کہ اسے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ تو بندے اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے۔

کسی کا قول ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ ایک جنگل میں ایک اللہ کا ذکر کرنے والا ہے۔ میں اس کے پاس گیا، جب وہ بیٹھا ہوا تھا' تو ایک بہت بڑے درندے نے اسے مارا اور اس سے ایک ٹکڑا نوچ لیا۔ اس پر غشی طاری ہو گئی اور مجھ پر بھی، جب اسے ہوش آیا' تو میں نے کہا: یہ کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے کہا؛

اللہ نے اس درندے کو مجھ پر مسلط کر رکھا ہے، جب کبھی میں ذکر سے سستی کرتا ہوں' تو یہ درندہ مجھے کاٹتا ہے، جیسا تم نے دیکھا۔

جریری سے مروی ہے کہ ہمارے مریدوں میں ایک شخص کثرت سے اللہ اللہ کہا کرتا تھا۔ ایک دن اس کے سر پر شہتیر آ گرا، جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا اور خون ٹپکا، جس سے زمین پر اللہ اللہ لکھا ہوا تھا۔

❀❀❀

باب

فتوت

فرمان الٰہی ہے:

﴿ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ (الکهف:۱۳)

یہ ایک جماعت تھی، جو اپنے رب پر ایمان لا چکی تھی اور ہم نے انہیں اور ہدایت کردی تھی۔

فتوت کیا ہے؟

استاد سے مروی ہے کہ فتوت دراصل یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ دوسروں کے کاموں میں لگا رہے۔

چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

جب تک کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے، اللہ بھی اس کے کام میں لگا رہتا ہے۔

(طبرانی:٤٨٠٢)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

جب تک کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے، اللہ بھی اس کے کام میں لگا رہتا ہے۔

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ یہ ایک ایسا خلق ہے، جس میں کمال صرف حضور ﷺ کو ہی حاصل ہے، اس لئے کہ قیامت کے دن ہر شخص نفسی نفسی پکارے گا، مگر آنحضور ﷺ امتی امتی پکاریں گے۔ (اخرجه مسلم:۱۹۳، احمد:٢٥٤٢)

جنید سے مروی ہے کہ فتوت شام میں، زبان عراق میں، اور صدق خرسان میں ہے۔

فضل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فتوت یہ ہے کہ بھائیوں کی لغزشوں سے درگزر کیا جائے۔

نیز یہ بھی مروی ہے کہ تو اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ سمجھے۔

ابو بکر وراق سے مروی ہے کہ صاحب فتوت وہ آدمی ہے، جو کسی سے نہ جھگڑے۔

محمد بن علی ترمذی سے مروی ہے کہ فتوت یہ ہے کہ تو اپنے رب کی طرف سے اپنی ذات کیخلاف جھگڑے۔

نصر آبادی سے مروی ہے کہ اصحاب کہف کو فِتْيَةٌ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ بلا واسطہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے۔

نیز یہ بھی صاحب فتوت کے بارے میں مروی ہے کہ جو بت توڑے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ سَمِعْنَا فَتىً يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴾ (الانبیاء: ٦٠)

''ہم نے ایک جوان مرد کو جس کا نام ابراہیم ہے، بتوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔''

اور یہ بھی فرمان الٰہی ہے ﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا ﴾ (الانبیاء: ٥٨)

اس نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا

اور ہر شخص کا بت اس کا نفس ہے، لہٰذا جو شخص اپنے نفس کی مخالفت کرے، وہی صاحب فتوت ہے۔

حارث محاسبی سے مروی ہے کہ فتوت یہ ہے کہ تو انصاف کرے اور انصاف طلب نہ کرے۔

عمر بن عثمان المکی سے مروی ہے کہ فتوت اچھے اخلاق کو کہتے ہیں۔

جنید سے فتوت کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا: فتوت یہ ہے کہ تو نہ فقیر سے نفرت کرے اور نہ مال دار کی مخالفت کرے۔

نصرآبادی سے مروی ہے کہ مروت فتوت کی شاخ ہے اور فتوت دونوں جہانوں سے اعراض کرنے اور ان سے نفرت کرنے کا نام ہے۔

محمد بن علی بن ترمذی سے مروی ہے کہ فتوت یہ ہے کہ تیرے لیے موجودہ اور آنے والے یکساں ہوں۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ والد بزرگوار امام احمد سے کسی نے پوچھا کہ مروت وفتوت کیا ہے؟ فرمایا: تو اپنی خواہشات کو دوزخ کے ڈر کی وجہ سے چھوڑ دے۔

کسی بزرگ سے فتوت کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ انسان اس بات میں قطعاً امتیاز نہ کرے کہ اس کے ہاں ولی کھانا کھا رہا ہے' یا کافر۔

کسی عالم سے مروی ہے کہ ایک مجوسی نے ابراہیم خلیل کے ہاں ضیافت چاہی' انہوں نے فرمایا:

اس شرط پر ضیافت کرتا ہوں کہ تو مسلمان ہو جائے، یہ سن کر مجوسی چلا گیا۔ اس پر اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی کہ ہم تو پچاس سال سے اسے باوجود کافر ہونے کے کھانا دے رہے ہیں۔ اگر تو اسے ایک لقمہ دین کی تبدیلی کے بغیر دے دیتا' تو بہتر ہوتا، یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام اس کی تلاش میں نکلے اور اس سے جا ملے اور معذرت چاہی، مجوسی نے اس معذرت خواہی کا سبب پوچھا' تو آپ علیہ السلام نے تمام قصہ سنا دیا۔ اس پر مجوسی اسلام لے آیا۔

فتوت کے بارے میں علماء وصوفیاء کے اقوال:

(۱) جنید فرماتے ہیں کہ کسی کو ایذاء نہ دینے اور مال خرچ کرنے کا نام فتوت ہے۔

(۲) سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں: فتوت اتباع سنت کو کہتے ہیں۔

(۳) فتوت' عہد الٰہی کو پورا کرنے اور حفاظت کرنے کو کہتے ہیں۔

(۴) فتوت ایک ایسی فضیلت ہے، جو تو کرتا تو ہے' مگر اپنے نفس کو اس میں نہیں دیکھتا۔

(۵) فتوت یہ ہے کہ جب سائل آئے' تو تو بھاگے نہیں۔

(۶) فتوت یہ ہے کہ تو ان لوگوں سے چھپ نہ جائے، جو تمہارا قصد کر کے آئیں۔

(۷) فتوت یہ ہے کہ تو مال جمع نہ کرے اور نہ عذر پیش کرے۔

(۸) فتوت یہ ہے کہ تو آرام کو ظاہر کرے اور مصیبت کو چھپائے۔

(۹) فتوت یہ ہے کہ تو دس آدمیوں کو دعوت دے۔ لیکن اگر نو' یا گیارہ آ جائیں' تو تجھ میں ناراضگی پیدا نہ ہو۔

(۱۰) فتوت یہ ہے کہ امتیاز نہ کرے۔

مروی ہے کہ احمد بن خضرویہ نے اپنی بیوی ام علی سے کہا کہ میں ایک دعوت کرنا چاہتا ہوں، جس میں اپنے شہر کے عیار اور شاطر کو جو اپنے شہر کے نوجوان کا سردار ہے، بلاؤں گا۔ بیوی نے کہا کہ تو صاحب فتوت نوجوانوں کی دعوت نہیں کر سکے گا۔

انہوں نے کہا: ضرور کروں گا۔ بیوی نے کہا: اگر تو ایسا ہی کرنا چاہتا ہے' تو بھیڑ' بکریوں' گائیوں اور گدھوں کو ذبح کر کے اس آدمی کے گھر کے دروازے سے لے کر اپنے گھر کے دروازے تک ڈال دے۔

یہ سن کر انہوں نے کہا: بھیڑ' بکریوں اور گائیوں کے متعلق تو میں جانتا ہوں، مگر گدھوں کو کیوں ذبح کیا جائے؟

بیوی نے کہا: تو ایک بافتوت انسان کو اپنے گھر بلا رہا ہے' تو کم از کم محلّہ کے کتوں کو بھی کچھ نہ کچھ خیر ملنی چاہئے۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے دعوت کی اور ان میں ایک شیرازی شیخ بھی تھے۔ جب کھانا کھا چکے' تو انہیں سماع کی حالت میں نیند آ گئی۔ شیخ شیرازی نے میزبان سے کہا: ہمارے سو جانے کی کیا وجہ ہے؟

میزبان نے کہا: مجھے معلوم نہیں، میں نے آپ کو جو کچھ کھلایا ہے، اس کی چھان بین میں، میں نے پوری کوشش کی ہے، سوائے بینگن کے کہ اس کے متعلق میں نے دریافت نہیں کیا تھا۔ صبح ہوئی تو انہوں نے بینگن فروش سے دریافت کیا، اس نے بتایا کہ اس کے پاس کچھ نہ تھا، لہٰذا اس نے فلاں جگہ سے بینگن چرا لئے اور وہ بیچ دیئے۔

یہ لوگ اس بینگن فروش کو زمین کے مالک کے پاس لے گئے، تاکہ وہ اسے معاف کر دے۔ زمین کے مالک نے کہا: تم مجھ سے صرف ایک بینگن معاف کرانے آئے ہو؟ میں نے یہ زمین' دو بیل' ایک گدھا اور آلات زراعت اسے دے دیئے' تاکہ وہ پھر اس قسم کا فعل نہ کرے۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی' مگر زفاف سے پہلے اس عورت کو چیچک ہوگئی۔ خاوند نے کہا کہ مجھے آنکھ میں تکلیف ہے۔ پھر کہا کہ آنکھ اندھی ہوگئی۔ اس کے بعد عورت اس کے گھر آئی اور ۲۰ سال بعد مرگئی۔ پھر جا کر کہیں اس شخص نے اپنی دونوں آنکھیں کھولیں۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی' تو بتایا کہ میں اندھا نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ وہ کہیں غم زدہ نہ ہو، میں نے اپنے آپ کو اندھا ظاہر کیا تھا۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا: تو مروت والوں سے آگے بڑھ گیا!

فتوت کیا ہے؟

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ جو شخص کمال ظرافت وفتوت دیکھنا چاہے' تو وہ بغداد کے پانی پلانے والوں کا دامن پکڑے۔ سوال کیا گیا کہ ان کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب مجھے بے دین' زندیق ہونے کا الزام دیا گیا اور خلیفہ کے پاس لے جایا گیا' تو وہاں میں نے ایک سقاء کو دیکھا، جس نے پگڑی باندھ رکھی تھی اور ایک مصری رومال اوڑھ رکھا تھا اور وہ ہاتھ میں مٹی کے باریک آبخورہ لئے ہوئے تھا۔ میں نے پوچھا: یہ سلطان کا ساقی ہوگا؟ لوگوں نے کہا: نہیں، بلکہ یہ تو عام لوگوں کا سقاء ہے۔

اس پر میں نے اس سے ایک کوزہ پانی لے کر پیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ اسے ایک دینار دے دے۔ مگر اس نے لینا قبول نہ کیا، اور کہا کہ تو قیدی ہے اور تجھ سے کچھ لینا فتوت نہیں۔

مروی ہے کہ دوست سے نفع لینا فتوت نہیں، یہ قول ہمارے ایک دوست کا ہے، جس کا نام احمد بن سہل تاجر تھا۔ اس وقت میں نے اس سے کپڑے کا ایک سفید ٹکڑا خریدا تھا اور اس نے اس کی اصل قیمت لے لی تھی۔ میں نے جب اسے نفع لینے کو کہا' تو جواب دیا: اصل قیمت تو لے لیتا ہوں اور تجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں، کیونکہ جو کچھ میں تمہارے ساتھ کر رہا ہوں، یہ کون سی بڑی بات ہے' مگر نفع تم سے نہ لوں گا، کیونکہ دوست سے نفع لینا فتوت نہیں۔

مروی ہے کہ ایک شخص' جسے فتوت کا بہت دعویٰ تھا۔ نیشاپور سے نساء گیا۔ ایک شخص نے جس کے ساتھ صاحب فتوت لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ اس سے درخواست کی کہ ان کی ضیافت کرے۔ جب کھانا کھا چکے' تو ایک لڑکی ان کے ہاتھ دھلانے کو آئی۔ نیشاپوری نے ہاتھ دھونے سے انکار کر دیا اور کہا: یہ فتوت نہیں کہ عورت آدمیوں کے ہاتھ دھلانے کو ہاتھ ڈالے، اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں کئی سال سے اس گھر میں آ رہا ہوں اور مجھے معلوم ہی نہیں کہ عورت ہمارے

ہاتھوں پر پانی ڈالتی ہے' یا مرد۔

نوح عیار نیشاپوری کا ایک شخص نے امتحان لینا چاہا' تو اس کے پاس لڑکے کے لباس میں ایک لڑکی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ یہ لڑکا ہے۔ لڑکی بہت خوبصورت اور چمکدار چہرے والی تھی۔ نوح نے اس خیال سے کہ وہ لڑکا ہے' اسے خرید لیا۔ وہ لڑکی کئی ماہ تک اس کے پاس رہی، جب لڑکی سے پوچھا گیا کہ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ تو لڑکی ہے؟ تو کہا: نہیں، اس نے تو مجھے چھوا تک نہیں، وہ تو یہی سمجھتا ہے کہ میں لڑکا ہوں۔

مروی ہے کہ ایک شاطر نے اسے کہا کہ جو لڑکا تمہاری خدمت کرتا ہے، اسے سلطان کے سپرد کر دو۔ مگر اس نے انکار کیا۔ اس پر اسے ایک ہزار کوڑے لگائے گئے۔ اس نے پھر بھی نہ دیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس رات اسے احتلام ہو گیا اور سخت سردی کا زمانہ تھا، صبح ہوئی تو اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا۔ لوگوں نے اسے کہا: تم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیا' اس نے جواب دیا: مجھے اللہ سے شرم آئی کہ مخلوق کی خاطر ہزار کوڑے لگنے پر تو صبر کر جاؤں اور اس کی خاطر غسل کرنے میں سردی برداشت کرنے پر صبر نہ کروں۔

ارباب فتوت کے خدمت گذار کو کیسا ہونا چاہئے!

مروی ہے کہ ارباب فتوت کی ایک جماعت' ایک شخص کی زیارت کے لئے آئی، جو فتوت کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس آدمی نے نوکر سے دستر خوان لانے کو کہا، مگر وہ نہ لایا۔ اس آدمی نے دوبارہ' سہ بارہ کہا، وہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور انہوں نے کہا: یہ فتوت نہیں کہ انسان ایسے شخص سے خدمت لینا چاہے، جو دستر خوان لانے میں اس قدر نافرمانی کرے۔

اس شخص نے نوکر سے پوچھا کہ تو نے دستر خوان لانے میں اتنی دیر کیوں کی؟ نوکر نے کہا: دستر خوان پر چیونٹیاں تھیں، لہٰذا یہ مناسب نہ سمجھا کہ چیونٹیوں والا دستر خوان لے آؤں اور یہ بھی فتوت نہ تھی کہ دستر خوان سے چیونٹیوں کو گرا دوں، لہٰذا میں ٹھہر گیا، یہاں تک کہ چیونٹیاں رینگ کر چلی گئیں۔

یہ سن کر سب نے کہا: اے لڑکے! تو نے بڑی دقیق بات کہی ہے۔ ارباب فتوت کی خدمت کرنے والا تمہارے جیسا ہی ہونا چاہئے۔

مروی ہے کہ ایک حاجی مدینہ میں سویا' اور اسے خیال ہوا کہ اس کی تھیلی چوری ہو گئی ہے۔ وہ نکلا اور اس نے جعفر صادق کو دیکھا، ان سے لپٹ گیا۔ کہتا رہا: تو نے ہی میری تھیلی لی ہے۔ جعفر صادق نے فرمایا: اس میں کیا تھا؟

اس نے کہا: ایک ہزار دینار، آپ اسے گھر لے گئے اور ایک ہزار دینار گن کر اسے دے دیئے۔ جب وہ شخص اپنے گھر گیا' تو دیکھا کہ تھیلی گھر میں پڑی ہے اور اسے چوری کا وہم ہوا تھا۔ لہٰذا وہ عذر خواہی کے لئے جعفر صادق کے پاس آیا

اور دینار واپس کرنا چاہے۔ مگر انہوں نے واپس لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

جو چیز میں اپنے ہاتھ سے نکال چکا ہوں، اسے میں واپس نہ لوں گا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ تو امام جعفر صادق ہیں۔

شقیق بلخی اور امام جعفر صادق:

شقیق بلخی نے، جعفر بن محمد سے فتوت کے متعلق پوچھا' انہوں نے کہا: بتایئے آپ کیا کہتے ہیں؟ شقیق نے کہا؛ اگر ہمیں کچھ مل جائے' تو ہم شکر کرتے ہیں اور اگر نہ ملے' تو صبر کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق نے فرمایا: مدینہ میں ہمارے ہاں کتوں کا یہی شیوہ ہے۔ یہ سن کر شقیق بلخی نے کہا: اے رسول اللہ کے نواسے! آپ کے نزدیک فتوت کیا ہے؟ فرمایا: اگر ہمیں کچھ مل جائے' تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور اگر نہ ملے' تو شکر کرتے ہیں۔

جریری سے مروی ہے کہ ایک رات ابوالعباس نے ہمیں اپنے گھر بلایا، راستہ میں ایک دوست آتا ہوا مل گیا، ہم نے اسے کہا کہ ہم شیخ ابوالعباس بن مسروق کے پاس ضیافت کے لئے جا رہے ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔

اس نے کہا: اس نے تو ہمیں بلایا نہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم اجازت لے لیں گے، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کے لئے اجازت مانگی تھی، لہٰذا ہم نے اسے اپنے ساتھ لیا۔ جب ہم شیخ کے دروازے پر پہنچے' تو ہم نے ان سے بیان کیا کہ یہ دوست یوں کہتا تھا، ہم نے اسے یوں جواب دیا، شیخ نے فرمایا کہ آپ نے بغیر دعوت کے یہاں تشریف لا کر اپنے دل میں ہمیں جگہ دی ہے۔ اگر آپ اس جگہ سے جہاں آپ کھڑے ہیں، میرے رخسار کے سوا کسی اور چیز پر چلے تو مجھے خدا کرے ایسا ایسا ہو جائے اور اس پر اصرار کیا، اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔ اس دوست کو اٹھایا گیا اور اس نے اپنا پاؤں شیخ کے چہرے پر رکھا، اس طرح کہ انہیں تکلیف نہ ہو اور شیخ اپنا چہرہ زمین پر گھسیٹتے گئے، یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا، جہاں اسے بیٹھنا تھا۔

استاد سے مروی ہے کہ یاد رکھو! دوستوں کے عیبوں کو چھپانا فتوت ہے، بالخصوص جبکہ اس میں شماتت اعداء پائی جائے۔

مروی ہے کہ نصر آبادی کو کئی بار کہا گیا کہ علی قوال رات کو شراب پیتا ہے اور دن کو آپ کی مجلس میں آتا ہے۔ آپ لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرتے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ ایک دن کہیں جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ ایک ایسا شخص تھا' جو علی کے متعلق آپ کو یہ خبریں دیا کرتا تھا۔ اس نے علی کو ایک جگہ گرا پڑا پایا اور ماس پرستی کے آثار بھی ظاہر تھے۔ وہ وہاں جا پہنچے، جہاں وہ منہ دھو رہا تھا اور کہا کہ کب تک ہم شیخ سے کہے جائیں گے اور آپ نہ سنیں گے؟ یہ علی شراب کے نشے میں گرا

پڑا ہے۔ نصر آبازی نے اس کی طرف دیکھا اور ملامت کرنے والوں سے کہا: اسے اپنی گردن پر اٹھا کر اس کے گھر لے جاؤ۔ اسے آپ کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

مرتعش سے مروی ہے کہ ہم ابوحفص کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لئے گئے۔ ہم بہت سے لوگ تھے۔

ابوحفص نے مریض سے کہا: کیا تو تندرست ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں!

آپ نے اپنے مریدوں سے کہا: تم اس کی طرف سے بیماری اٹھا لو۔

مریض اٹھ کر ہمارے ساتھ نکل آیا اور ہم سب کے سب صاحب فراش ہو گئے۔

❀❀❀

باب

فراست

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴾ (الحجر: ۷۵)

''ان میں صاحب فراست لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔''

ابوسعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مومن کی فراست سے بچو' کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' (اخرجہ الترمذی: ۳۱۲۷)

فراست کیا ہے؟

استاد سے مروی ہے کہ فراست ایک خیال ہے، جو دل پر طاری ہوتا ہے اور ہر متضاد خیال کو نکال دیتا ہے اور دل پر اسی کا حکم ہوتا ہے اور یہ لفظ فریسۃ السبع، یعنی ''درندے کا شکار'' سے مشتق ہے۔ فراست کے مقابلے میں نفس کوئی خیال و شبہات تجویز نہیں کرسکتا۔ فراست ہر شخص کی قوت ایمانی کے بقدر ہوتی ہے، لہٰذا جس کا جس قدر قوی ایمان ہوگا، اس کی اسی قدر زیادہ تیز فراست ہوگی۔

ابوسعید خراز سے مروی ہے کہ جس نے نور فراست سے دیکھا، اس نے نور حق سے دیکھا اور اس کے علم کا مواد حق کی طرف سے ہے، اس میں کسی قسم کا سہو یا غفلت نہ ہوگی، بلکہ یہ حق تعالیٰ کا فیصلہ ہے، جو بندے کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

یہاں نور حق سے مراد وہ خاص نور ہے، جس کے ساتھ اللہ نے اسے مخصوص کیا ہے۔

واسطی سے مروی ہے کہ فراست وہ اٹھتے ہوئے انوار ہیں، جو دلوں میں چمکتے ہیں اور ایسی متمکن معرفت ہے، جو غیبوں میں سے ایک غیب دوسرے غیب تک کے رازوں کو اٹھائے ہوئی ہے، یہاں تک کہ صاحب فراست' اشیاء کو اس طرح دیکھتا ہے، جس طرح حق تعالیٰ اسے دکھاتا ہے۔ اس طرح وہ مخلوق کے ضمیر کی باتیں بتانے لگتا ہے۔

ابوالحسن دیلمی سے مروی ہے کہ وہ ایک حبشی سے ملنے انطاکیہ گئے۔ اس شخص کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ لوگوں

کے راز کی باتیں بتاتا ہے۔ میں نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا، یہاں تک کہ وہ لکام پہاڑ سے نکل کر آیا۔ اس کے پاس کچھ جائز اشیاء تھیں، جنہیں وہ بیچ رہا تھا اور اس وقت میں دو دنوں سے بھوکا تھا۔

میں نے اس سے کہا: یہ کتنے میں بیچتے ہو؟ اور میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں اس کی تمام اشیاء خرید لوں گا، جو اس کے سامنے پڑی تھیں۔ اس نے کہا: وہاں بیٹھ جاؤ۔ جب ہم انہیں بیچ لیں گے' تو تمہیں بھی کچھ پیسے دے دیں گے، جن سے تو کچھ خرید سکے گا۔ میں اسے چھوڑ کر ایک اور شخص کے پاس چلا گیا اور یہ ظاہر کیا کہ میں اس سے سودا کر رہا ہوں۔ میں لوٹ کر پھر اس کے پاس آ گیا اور کہا کہ اگر بیچتے ہو' تو بتاؤ کتنے میں بیچو گے؟

کہنے لگا: تو تو دو دن کا بھوکا ہے۔ وہاں بیٹھ جا! جب ہم بیچ لیں گے تو تمہیں کچھ دے دیں گے۔ جس سے تو کچھ خرید سکے گا۔ میں بیٹھ گیا۔ جب اس نے بیچ دیا' تو اس نے مجھے کچھ دیا اور چلا گیا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا' اس نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا: جب تجھے کوئی ضرورت پیش آئے' تو اللہ کے سامنے پیش کرو، ہاں اگر اس میں تیرے حظ نفس کا دخل ہے، پھر اللہ کے سامنے پیش نہ کرنا، ورنہ تم اللہ سے محجوب ہو جاؤ گے۔

کتانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فراست ایک یقین کا مکاشفہ اور غیب کا معاینہ ہے اور یہ ایمان کے مقامات میں سے ہے۔

امام شافعی اور امام محمد کی فراست:

مروی ہے کہ یہ دونوں حضرات مسجد حرام میں تھے کہ ایک شخص آیا' تو محمد بن الحسن نے کہا کہ میں اپنی فراست سے کہتا ہوں کہ یہ بڑھئی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے نزدیک تو یہ لوہار ہے۔ اس پر انہوں نے اس شخص سے پوچھا' تو اس نے کہا: میں پہلے لوہار کا کام کرتا تھا، مگر اب بڑھئی کا کام کرتا ہوں۔

ابوسعید خراز سے مروی ہے کہ مستنبط وہ ہے' جو ہمیشہ غیب کو دیکھتا ہے اور اس سے نہ کوئی چیز غائب ہو اور نہ مخفی رہے۔ فرمان الٰہی ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ سے یہی مراد ہے۔

اور متوسم وہ ہے' جو وسم یعنی علامت کو پہچانتا ہو اور وہ ایسا شخص ہے' جو استدلال اور علامات کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں کی باتوں کو معلوم کر لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ﴾ (الحجر: ۷۵)

یعنی وہ لوگ جو ایسی علامات کے ذریعہ سے معلوم کر لیتے ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں اور دشمنوں' دونوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے، مگر متفرس اللہ کے نور سے دیکھتا ہے... یعنی وہ اللہ کا دشمن نہیں ہو سکتا اور یہ نور اٹھنے والا نور ہے' جو اس

بندے کے دل میں چمکتا ہے، جن کے ذریعے سے وہ معانی کو سمجھ جاتا ہے اور یہ ایمان کے خواص میں سے ہے۔ ان سے بھی بڑھ کر ربانین ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ﴾ (آل عمران: ۷۹)

یعنی عالم اور حکیم اور اخلاق خداوندی اختیار کرلو، ظاہر میں بھی اور اخلاق میں بھی اور یہ مخلوق کے متعلق خبر دینے اور ان کی طرف دیکھنے اور ان کے ساتھ مشغول ہونے سے مبرا ہوتے ہیں۔

فراست کے ثمرات:

مروی ہے کہ ابوالقاسم منادی بیمار پڑ گئے اور یہ نیشاپور کے مشائخ میں بڑی شان والے تھے۔ ابوالحسن بوشنجی اور حسن حداد ان کی عیادت کو آئے اور راستہ میں انہوں نے ایک سیب آدھے درہم کا ادھار خریدا اور لے آئے۔ جب بیٹھ گئے، تو ابوالقاسم نے کہا: یہ تاریکی کیسی ہے؟ اس پر دونوں نکل آئے اور کہنے لگے۔ ہم نے کیا کیا ہے؟ اور سوچنے لگ گئے، پھر کہا کہ شاید ہم نے سیب کی قیمت ادا نہیں کی ہے۔ انہوں نے قیمت اداء کردی اور پھر دوبارہ گئے۔

اب جب ان کی نگاہ ان دونوں پر پڑی، تو کہا: کیا انسان کے لئے ممکن ہے کہ اتنی سرعت سے ظلمت سے نکل جائے؟ صحیح صحیح بات کہہ دو، اس پر انہوں نے تمام قصہ کہہ سنایا۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر اعتماد کرتا تھا کہ وہ قیمت اداء کردے گا اور بیچنے والا تم دونوں سے تقاضا کرنے سے شرماتا تھا۔ اس طرح قیمت اداء کرنے میں دیر ہو جاتی اور اس کی گرفت تم پر کی جاتی رہتی اور اس ادھار خریدنے کا سبب سیب میں تھا اور میں نے یہ بات تم میں دیکھ لی۔

اور یہ ابوالقاسم ہر روز بازار میں جا کر پکارتے، ان کے ہاتھ میں ایک دانق یعنی دانگ سے لے کر نصف درہم تک جس قدر رقم انہیں کفالت کرتی، لے کر اپنی حالت اور اپنے وقت کی نگہداشت میں لگ جاتے۔

حسین بن منصور سے مروی ہے کہ جب کسی دل پر غلبہ حق ہو جاتا ہے، تو اللہ اسے اسرار کا مالک بنا دیتا ہے، چنانچہ وہ ان اسرار کا معائنہ کرتا ہے اور ان کی خبر دیتا ہے۔

فراست کے متعلق سوال:

یہ بھی مروی ہے کہ کسی صوفی سے فراست کے متعلق سوال کیا گیا، تو فرمایا کہ یہ ارواح ہیں، جو عالم ملکوت میں گھومتی رہتی ہیں اور غیب کے امور سے باخبر ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ مخلوق کے اسرار اس طرح بتاتی ہیں، گویا ان کا مشاہدہ کر رہی ہیں اور گمان و قیاس سے نہیں بتاتیں۔

مروی ہے کہ توبہ سے پہلے زکریا شختنی اور ایک عورت کے درمیان تعلقات تھے۔ ابوعثمان حیری کے خاص مرید بننے

کے بعد، یہ ایک دن ان کے سر کے پاس کھڑے تھے کہ انہیں اس عورت کا خیال آیا۔ ابوعثمان حیری نے فوراً سر اٹھا کر کہا: کیا تجھے شرم نہیں آتی؟

امام قشیری سے مروی ہے کہ ابھی میرا تعلق ابوعلی سے شروع ہی ہوا تھا کہ میں مسجد مطرز میں مجلس وعظ منعقد کیا کرتا تھا۔ میں نے آپ سے نساء جانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ ایک روز میں آپ کے ساتھ آپ کی مجلس کی طرف جا رہا تھا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کاش میری عدم موجودگی میں میری مجلس میں میری نیابت کریں۔

آپ نے فوراً میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمہاری غیر حاضری میں تمہاری مجلس میں تمہاری نیابت کروں گا۔ میں تھوڑا اور چلا' تو میرے دل میں خیال آیا کہ آپ بیمار ہیں، آپ سے ہفتہ میں دو بار نیابت نہ ہو سکے گی۔ اس لئے آپ ہفتہ میں ایک دن نیابت کریں' تو بہتر ہوگا۔ آپ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اگر میں ہفتہ میں دو دن نیابت نہ کر سکوں گا' تو ایک ہی دن کر لوں گا۔ میں آپ کے ساتھ تھوڑا چلا' تو ایک تیسرا خیال میرے دل میں آیا۔ آپ نے پھر میری طرف متوجہ ہو کر صراحۃً اس کا ذکر کر دیا۔

فراست کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے؟

ابوعمرو بن نجید سے مروی ہے کہ شاہ کرمانی' بڑی تیز فراست والے تھے اور اس میں کبھی غلطی نہ کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے حرام سے اپنی نگاہ نیچی رکھی اور اپنے آپ کو سہولت سے روکے رکھا اور اپنے باطن کو مراقبہ کے ساتھ اور ظاہر کو سنت کی تابعداری کے ساتھ ہمیشہ آباد رکھا اور رزق حلال کھانے کا عادی ہوا' تو اس کی فراست میں خطا نہیں ہوگی۔

ابوالحسن نوری سے دریافت کیا گیا کہ فراست والوں میں فراست کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے؟ فرمایا: اللہ کے اس قول سے وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر: ۲۹)

میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

لہٰذا جس شخص کو اس نور میں سے پورا حصہ ملا ہو، اس کا مشاہدہ مضبوط اور اس کی فراست کی بات سچی ہوگی۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس میں روح کے پھونکنے سے اسے سجدہ کرنا کیسے واجب قرار دیا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ ﴾ (الحجر: ۲۹)

''جب اسے ٹھیک ٹھاک کر کے بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں' تو تم سجدہ میں گر پڑنا۔''

ابوالحسن کے اس کلام میں کچھ ابہام پایا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے یہاں روح کے پھونکنے کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان کی

مراد اس سے ان لوگوں کی رائے کو صحیح قرار دینا نہیں ہے، جو روحوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ حالانکہ درحقیقت امراء میں نہیں ہے، جیسا کہ کمزور دلوں کو بظاہر معلوم ہوتا ہے۔

کیونکہ جس چیز کے متعلق نفخ اتصال اور انفال کی صفات وارد ہوں، وہ تاثیر وتغییر کے قابل ہے اور تاثیر اور تغییر حادث ہونے کی علامتیں ہیں۔ لہٰذا روح قدیم نہ ہوئی اور اللہ نے مومنین کو بصیرت اور انوار سے مخصوص کر رکھا ہے، جن کے ذریعہ سے وہ فراست کی بات کہہ جاتے ہیں اور یہ درحقیقت معرفت کی باتیں ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ)) کی تشریح بھی یہی ہے... یعنی نور اللہ سے مراد وہ علم اور بصیرت ہے، جسے اللہ اس انسان کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے اور اپنے ہم جنسوں میں سے اسے ممتاز کر دیتا ہے۔ علوم بصیرت کی باتوں کو انوار کہنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اس کے لئے نفخ کا لفظ استعمال کرنا بھی کوئی بعید نہیں، جبکہ نفخ سے مراد خلق یعنی پیدا کرنا ہے۔

حسین بن منصور سے مروی ہے کہ متفرس وہ شخص ہے کہ جو پہلی ہی نگاہ سے اپنے صحیح مقصد کو پہنچ جائے اور اسے تاویل یا کمال یا خیال کی حاجت نہ رہے۔

مروی ہے کہ مریدین کی فراست ایسا ظن ہے کہ جو تحقیق کو واجب قرار دیتا ہے اور عارضین کی فراست ایسی تحقیق ہے کہ جو درحقیقت حقیقی ہوتی ہے۔

احمد بن عاصم انطاکی سے مروی ہے کہ جب اہل صدق کی مجلس میں بیٹھو، تو نیک نیتی سے بیٹھو۔ اس لئے کہ یہ لوگ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں، یہ لوگ تمہارے دلوں میں اس طرح داخل ہوتے اور نکلتے ہیں کہ تم محسوس بھی نہیں کر پاتے۔

ابوجعفر حداد سے مروی ہے کہ پہلا خیال جس میں کوئی تعارض نہ پایا جائے 'فراست کہلاتا ہے۔ اگر اسی قسم کا کوئی معارض خیال ہو' تو وہ خاطر اور حدیث نفس کہلائے گا۔

ابوعبداللہ رازی سے جو نیشاپور میں آباد ہو گئے تھے' حکایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابن الانباری نے مجھے صوف پہننے کو دیا اور میں نے اپنے شیخ شبلی کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی' جس کی مناسبت اس صوف کے ساتھ تھی۔ میں نے دل میں خواہش کی کہ یہ دونوں چیزیں میرے پاس ہونی چاہئیں۔ جب شبلی اپنی مجلس سے اٹھے' تو میری طرف متوجہ ہوئے، لہٰذا میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے آؤں' تو میری طرف متوجہ ہوتے، جب آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے' تو میں داخل ہوا، پھر آپ نے مجھے صوف اتارنے کو کہا، میں نے اتار لیا۔ آپ نے اسے لپیٹا اور اس کے اوپر ٹوپی رکھ کر سب کو آگ لگا دی۔

ابوحفص نیشاپوری سے مروی ہے کہ فراست کا دعویٰ کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے، مگر اسے دوسروں کی فراست

سے بچنا چاہے۔ اس لئے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا اتقوا فراسة المومن مگر یہ نہیں فرمایا تفرسوا۔

وہ شخص جسے دوسروں کی فراست سے بچنا چاہئے، اس کی زبان سے فراست کا دعویٰ کیسے درست ہوسکتا ہے؟

ابوالعباس بن مسروق سے مروی ہے کہ میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک شیخ کو بلانے گیا' تو اسے برے حال میں پایا، میں نے دل میں کہا کہ یہ کہاں سے کھاتا ہوگا؟ اس نے فوراً کہا: اے ابوالعباس! ان کمینے خیالات کو دل سے نکال دو۔ کیونکہ عنایات الٰہی لوگوں سے چھپی ہوئی ہیں۔

زبیدی سے مروی ہے کہ میں بغداد کی مسجد میں فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ تھا اور کئی دن سے کوئی چیز ہمیں نہ ملی تھی' میں خواص سے کچھ مانگنے کے لئے آیا، جب آپ کی نظر مجھ پر پڑی' تو فرمایا: جس حاجت کے لئے تو آیا ہے، کیا اللہ اسے جانتا ہے' یا نہیں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں جانتا؟ آپ نے فرمایا: پھر خاموش رہو اور کسی مخلوق کے سامنے اس کا ذکر مت کرو۔ اس پر میں واپس چلا آیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کافی زیادہ چیزیں آ گئیں۔

مروی ہے کہ ایک دن سہل بن عبداللہ جامع مسجد میں تھے' تو سخت گرمی اور مشقت کی وجہ سے ایک کبوتری گر پڑی۔ اس پر سہل نے فرمایا کہ اس وقت شاہ کرمانی نے وفات پائی ہے، لوگوں نے لکھ کر دریافت کیا' تو ایسا ہی پایا۔

مروی ہے کہ ابوعبداللہ تروغندی' جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے، طوس کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر گر پڑے، اپنے مرید سے کہا کہ روٹی خرید لے۔ اس نے اس قدر خرید لی، جو دونوں کے لئے کافی ہو جاتی۔ آپ نے فرمایا: زیادہ خرید لو۔ مرید نے ارادةً اس قدر خرید لی کہ دس آدمیوں کے لئے کافی ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے پیر کی بات کو سچا نہیں سمجھا۔ جب پہاڑ پر چڑھے' تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کو چوروں نے قید کر رکھا ہے، کئی دنوں سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ انہوں نے ہم سے کھانا مانگا۔ تروغندی نے فرمایا: ان کے لئے دسترخوان لگاؤ۔

استاد امام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں استاد ابوعلی کے پاس تھا کہ شیخ عبدالرحمٰن سلمی کا ذکر چھڑ گیا کہ سماع کی مجلس میں فقراء کی موافقت کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ استاد ابوعلی نے فرمایا کیا اس جیسا آدمی' جس کی یہ حالت اور مرتبہ ہو، کیا وہ قیام کرتا ہے؟ شاید ان کے لئے سکون زیادہ بہتر ہوتا، پھر اس وقت فرمایا: اس کے پاس جاؤ، تم اس کو اپنے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا پاؤ گے، کتابوں کے اوپر ایک سرخ رنگ کی چھوٹی سی کتاب ہوگی، جس میں حسین بن منصور کے اشعار ہوں گے، یہ کتاب اٹھا لینا اور انہیں کچھ نہیں کہنا اور کتاب میرے پاس لے آنا۔

اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ میں ان کے پاس گیا' دیکھا تو وہ اپنے کتب خانے میں تھے اور کتاب وہیں پڑی تھی' جہاں انہوں نے ذکر کیا، جب میں بیٹھ گیا' تو شیخ عبدالرحمٰن باتیں کرنے لگے اور فرمایا: ایک شخص ایک عالم پر اس لئے

اعتراض کرتا تھا کہ وہ سماع میں حرکت کرتا تھا، اس عالم نے اس شخص کو اپنے گھر میں خلوت میں دیکھا کہ اس طرح چکر لگا رہا ہے، جس طرح کوئی وجد میں چکر لگا رہا ہو۔ اس سے اس کا سبب پوچھا گیا' تو بتایا کہ ایک مشکل مسئلہ تھا۔ جو حل نہ ہوتا تھا۔ پھر حل ہو گیا۔ خوشی کے مارے میں اپنے پر قابو نہ پا سکا۔ اس لئے میں نے اٹھ کر چکر لگانا شروع کر دیا۔

اس شخص کو بتایا گیا کہ علماء اور صوفیاء کا بھی یہی حال ہوتا ہے، جس پر تو اعتراض کرتا ہے۔ جب میں نے وہی کیفیت دیکھی' جس کا استاد ابو علی نے ذکر کیا تھا اور شیخ عبدالرحمٰن کی زبان پر یہ قصہ جاری ہوا، جس کا انہوں نے ذکر کیا' تو میں حیرت زدہ رہ گیا اور کہا کہ اب کیا طریقہ اختیار کروں اور دل میں کہا کہ اب سچ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

لٰہذا میں نے عرض کیا: استاد ابو علی نے مجھ سے اس کتاب کا ذکر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ شیخ کی اجازت کے بغیر میرے پاس کتاب لے کر آنا' مگر مجھے آپ کا ڈر ہے اور میں استاد ابو علی کے حکم کے خلاف بھی نہیں کر سکتا۔ اب آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے ایک اور کتاب نکالی، جو حسین بن منصور کی مسدس تھی اور اس جلد کے اندر ان کی ایک اپنی تصنیف تھی، جس کا نام **کتاب الصیہور فی نقض الدھور** تھا اور فرمایا: ان کے پاس یہ کتاب لے جاؤ اور کہو کہ میں اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے اشعار اپنی تصنیفات میں نقل کرتا ہوں، اس کے بعد میں چلا آیا۔

حسن حداد سے مروی ہے کہ میں ابوالقاسم منادی کے پاس تھا اور آپکے پاس فقراء کی ایک جماعت تھی، آپ نے مجھے فرمایا کہ جا کر ان فقراء کے لیے کچھ لے آؤ، مجھے اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی' کہ آپ نے فقراء کے لیے کچھ کرنے کو مجھ سے کہا اور باوجود اس کے کہ آپ کو علم تھا کہ میں خود محتاج ہوں، مجھے ان کے لیے لانے کو کہا، حسن کہتے ہیں کہ میں نے ایک زنبیل کو لیا اور نکل آیا۔

جب سیار کے محلّہ میں پہنچا' تو ایک بارونق بوڑھے کو دیکھا، میں نے اسے سلام کیا اور کہا کہ فقراء کی ایک جماعت فلاں جگہ پر ہے، کیا آپ ان سے کچھ مروت کریں گے؟ اس نے مجھے روٹیاں اور کچھ گوشت اور انگور دیئے، ابھی میں دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ ابوالقاسم منادی نے دروازے کے پیچھے سے پکارا: جہاں سے چیزیں لائے ہو' ہیں واپس جاؤ، میں واپس لوٹا اور شیخ سے معذرت کی اور چیزیں واپس دے دیں، اس کے بعد میں نے کہا کہ وہ منتشر ہو چکے تھے، اس لیے مجھے نہیں ملے، لٰہذا میں نے چیزیں واپس دے دیں، اس کے بعد میں بازار آیا اور اللہ نے مجھے کوئی چیز دے دی، جسے میں لے آیا۔

آپ نے مجھے داخل ہونے کو کہا، میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ یہ شخص ابن سیار' شاہی نوکروں میں سے ہے، جب تم درویشوں کے لئے کوئی چیز لاؤ' تو اس قسم کی چیز لایا کرو' جو اب لائے تھے۔ پہلی قسم کی چیز مت

لایا کرو۔

ابوالحسین قرافی فرماتے ہیں کہ میں ابوالخیر تیناتی کی زیارت کے لئے گیا۔ جب میں آپ کے پاس سے روانہ ہونے لگا' تو آپ میرے ساتھ مسجد کے دروازے تک نکل کر آئے اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں رکھتے، مگر یہ دو سیب اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں نے لے کر انہیں اپنی جیب میں ڈال لیا اور چل پڑا، جب تین دن تک مجھے کوئی چیز نہ ملی' تو میں نے ایک سیب کو نکال کر کھالیا۔ پھر کچھ دیر بعد دوسرے کو نکالنا چاہا' تو دیکھا دونوں میری جیب میں موجود تھے۔ موصل کے دروازے تک پہنچنے تک' میں ان دونوں سیبوں میں سے کھاتا رہتا اور دونوں ویسے کے ویسے رہتے، اس پر میں نے دل میں کہا کہ یہ سیب تو میری توکل کی حالت کو خراب کردیں گے۔ کیونکہ مجھے ان کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ میں نے ان دونوں کو جیب سے نکال دیا اور ادھر ادھر دیکھا' تو ایک فقیر چادر میں لپٹا ہوا دکھائی دیا، جو یہ کہہ رہا تھا کہ میں سیب کھانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے دونوں سیب اسے دے دیئے۔ جب میں آگے نکل گیا' تو دل میں خیال آیا کہ شیخ نے یہ سیب تو اسی آدمی کے لئے بھیجے تھے۔ اس وقت میرے ساتھ اور ساتھی بھی تھے، جو لوٹ کر اس کی طرف آئے' تو اسے وہاں نہ پایا۔

ابوعمرو بن علوان سے مروی ہے کہ ایک نوجوان جنید کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور لوگوں کے دلوں کی باتیں بتایا کرتا تھا۔ میں نے اس کا ذکر جنید سے کر دیا۔ جنید نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ تمہارے متعلق کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا: آپ کوئی بات دل میں رکھ لیں۔ جنید نے فرمایا: میں نے رکھ لی، جوان نے کہا: آپ نے یہ بات دل میں رکھی ہے۔ جنید نے کہا: نہیں، اس نے پھر کہا: پھر ایک بار اور دل میں رکھ لیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا، جوان نے کہا: آپ نے یہ بات دل میں رکھی ہے۔ جنید نے کہا: نہیں، جوان نے اب تیسری بار پھر کہا: دل میں کوئی بات رکھ لیں۔ اور انہوں نے پھر کہا: نہیں، اس پر نوجوان نے کہا: یہ عجیب بات ہے، آپ بھی سچے آدمی ہیں اور میں اپنے دل کو جانتا ہوں۔ پھر جنید نے کہا: تو نے تینوں بار سچ کہا۔ مگر میں تمہارا امتحان کرنا چاہتا تھا کہ آیا میرے انکار سے تمہارے دل میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے' یا نہیں؟

ابوعبداللہ رازی سے مروی ہے کہ ابن الرقی بیمار ہو گئے۔ ایک پیالے میں آپ کے پاس دوائی لائی گئی۔ آپ نے اسے لے لیا، پھر آپ نے فرمایا: آج سلطنت میں کوئی حادثہ رونما ہوا ہے، جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ وہ کیا حادثہ ہے؟ میں کچھ نہ کھاؤں گا اور نہ پیئوں گا۔ چند دنوں بعد خبر آئی کہ اسی دن قرطبی مکہ میں داخل ہوا اور ایک بہت بڑی جماعت کو اس نے قتل کر دیا۔

مروی ہے کہ اس حکایت کا ذکر ابن الکاتب سے کیا' تو انہوں نے فرمایا: یہ عجیب بات ہے، میں نے جواب دیا: یہ تو کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ یہ بات سن کر ابوعلی بن الکاتب نے کہا: اب مکہ کی کیا خبر ہے؟ میں نے جواب دیا: طلحیون (بنو طلحہ) اور بنوالحسن آپس میں لڑ رہے ہیں اور طلحیون کا قائد ایک سیاہ رنگ کا آدمی ہے، جس نے پگڑی باندھ رکھی ہے اور اس وقت مکہ کے اوپر بادل چھایا ہوا ہے۔ جس نے سارے حرم کو گھیر رکھا ہے۔ ابوعلی نے یہ بات مکہ لکھ بھیجی اور واقعہ ایسا ہی تھا۔

انس بن مالک اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ:

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ وہ حضرت عثمان کے پاس گئے۔ راستہ میں نے انہوں نے ایک عورت دیکھی، جس کے حسن کو انہوں نے غور سے دیکھا۔ حضرت عثمان نے فرمایا: تم میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئے ہیں اور زنا کے آثار ان کی آنکھوں سے واضح ہوتے ہیں۔ میں نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہوئی ہے؟

فرمایا: نہیں، مگر بصیرت' برہان اور سچی فراست ہے۔

ابوسعید فراز فرماتے ہیں: میں مسجد حرم میں گیا' تو ایک فقیر کو دیکھا، جس نے دو کرتے پہن رکھے تھے اور لوگوں سے مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اس قسم کا آدمی لوگوں پر بوجھ ہوتا ہے۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کہا:

﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ﴾ (البقرہ:۲۳۵)

''یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی بات جانتا ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرو۔''

ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں استغفار کیا' تو اس نے مجھے پکار کر کہا:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ (الشوری:۲۵)

اور خدا وہ ہے' جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

فراست میں خطاء نہیں ہوتی:

ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ میں بغداد میں جامع مدینہ میں تھا۔ وہاں فقراء کی ایک جماعت بھی تھی۔ ایک طرف خوشبو میں مہکتا ہوا' جاہ والا خوبصورت نوجوان آیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یہ تو مجھے یہودی معلوم ہوتا ہے۔ سب نے میری بات کو پسند کیا' میں بھی نکل گیا اور وہ نوجوان بھی نکل گیا۔ پھر لوٹ کر ان کے پاس آیا۔ پوچھا کہ میرے متعلق اس بوڑھے نے کیا کہا تھا؟ انہیں کہتے ہوئے شرم آئی۔ اس نے اصرار کیا' تو انہوں نے کہا کہ شیخ نے کہا: تم یہودی ہو۔

ابراہیم فرماتے ہیں کہ وہ شخص میرے پاس آیا۔ میرے ہاتھوں کو چومنے لگا اور اسلام لے آیا۔ اس سے اس کا سبب پوچھا گیا' تو بتایا کہ ہم اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ صدیق کی فراست میں خطاء نہیں ہوتی۔ اس پر میں نے کہا کہ

میں مسلمانوں کو آزماؤں گا۔ میں نے ان میں غور کیا' تو کہا: اگر مسلمانوں میں کوئی صدیق ہوگا' تو اس جماعت میں ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ حق سبحانہ کا کلام پڑھتے ہیں۔ لہٰذا میں نے اپنا معاملہ تم سے چھپائے رکھا، مگر جب اس شیخ کو میری حالت کی اطلاع ہوگئی اور فراست کی بات کہی' تو میں سمجھ گیا کہ یہ صدیق ہیں۔ یہ نوجوان کبار صوفیا میں سے ہوا۔

محمد بن داؤد سے مروی ہیں کہ ہم جریری کے پاس بیٹھے تھے' تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سلطنت میں کوئی واقعہ پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کے وقوع سے پہلے اسے اس کی اطلاع دے دے؟ ہم نے کہا کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے۔ یہ سن کر فرمایا: ان دلوں پر رو دو، جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی نہیں پایا۔

توکل کیا ہے؟

ابو موسیٰ دیلمی سے مروی ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن یحییٰ سے توکل کے متعلق دریافت کیا' تو فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ اگر تو اپنا ہاتھ اژدھا کے منہ میں پہنچوں تک ڈال دے، پھر بھی تو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے، تو یہ توکل ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ پھر میں ابو یزید کے پاس توکل کے متعلق پوچھنے کے لئے گیا۔ جب میں نے دستک دی' تو انہوں نے فرمایا: کیا عبدالرحمٰن کا قول تمہارے لیے کافی نہ تھا؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ دروازہ تو کھولیں۔ انہوں نے جواب دیا: تم میری زیارت کے لئے نہیں آئے، تمہیں دروازے کے پیچھے سے جواب مل گیا۔ مگر دروازہ نہ کھولا، فرماتے ہیں کہ میں چلا گیا اور ایک سال بعد ان کی زیارت کا قصد کیا' تو آپ نے خوش آمدید کہہ کر کہا: اب تم میری زیارت کے لئے آئے ہو۔

میں ایک ماہ تک ان کے پاس ٹھہرا رہا۔ میرے دل میں جو خیال بھی گذرتا' وہ اسے بیان کر دیتے۔ جب میں ان سے رخصت ہونے لگا' تو میں نے عرض کیا کہ کوئی مفید بات فرمایئے، فرمایا: میری والدہ نے مجھے بتلایا کہ میں ان کے پیٹ میں تھا' تو جو کھانا انہیں پیش کیا جاتا، اگر حلال ہوتا' تو ان کا ہاتھ اس طرف بڑھتا۔ اگر کھانا مشکوک ہوتا' تو ہاتھ آگے نہ بڑھتا۔

ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ میں جنگل میں گیا' تو مجھے بہت تکلیف ہوئی اور جب مکہ میں داخل ہوا' تو میرے دل میں تھوڑا سا غرور آ گیا۔ اس پر ایک بڑھیا نے مجھے پکار کر کہا: اے ابراہیم! جنگل میں تمہارے ساتھ تھی، مگر میں نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہارے باطن کو کسی اور کی طرف مشغول کروں۔ یہ وسواس جو تمہارے دل میں پیدا ہوا ہے، اسے نکال دو۔

مروی ہے کہ فرغانی ہر سال حج کے لئے جاتے اور نیشاپور سے ابو عثمان حیری سے ملے بغیر گزر جاتے۔ فرغانی فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ان کے پاس گیا اور سلام کیا' تو انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے دل میں کہا کہ مسلمان

اس کے پاس آ کر سلام کہتا ہے اور یہ سلام کا جواب نہیں دیتا۔

ابو عثمان نے فوراً کہا کہ اس قسم کا آدمی حج کو جاتا ہے اور اپنی والدہ سے نیک برتاؤ نہیں کرتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں فرغانہ واپس چلا گیا اور مرتے دم تک والدہ کے پاس رہا۔ ان کی وفات کے بعد ابو عثمان کے پاس گیا' تو انہوں نے میرا استقبال کیا اور مجھے بٹھایا۔ پھر فرغانی نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے جانوروں کی نگہداشت پر مقرر کر دیں۔ آپ نے انہیں مقرر کر دیا' یہاں تک کہ ابو عثمان وفات پا گئے۔

خیر النساج سے مروی ہے کہ میں اپنے گھر میں تھا کہ دل میں خیال پیدا ہوا کہ جنید دروازے پر ہیں، مگر میں نے اس خیال کو دل سے دور کر دیا، مگر پھر دوبارہ اور سہ بارہ خیال آیا۔ باہر نکلا' تو جنید دروازے پر تھے۔ انہوں نے فرمایا: پہلے خیال پر کیوں نہیں نکلے؟

محمد بن حسین سے مروی ہے کہ میں ابو عثمان مغربی کے پاس گیا اور دل میں خیال کیا کہ شاید وہ مجھ سے کوئی چیز چاہیں گے، اس پر ابو عثمان نے کہا کہ کیا لوگوں کے لئے کافی نہیں کہ میں ان کی چیز قبول کر لیتا ہوں کہ اب مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ ان سے مانگوں؟

ایک فقیر سے مروی ہے کہ میں بغداد میں تھا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مرتعش مجھے پندرہ درہم لا کر دیں، تا کہ میں ایک چھاگل' رسی اور جوتا خریدوں اور جنگل کو چلا جاؤں۔ اتنے میں کسی نے دستک دی، میں نے دروازہ کھولا' تو دیکھا کہ مرتعش ہیں۔ ان کے پاس پرانے کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے۔ مجھے فرمایا کہ یہ لے لو۔ میں نے عرض کیا: اے میرے آقا! مجھے ضرورت نہیں۔ فرمایا: تو پھر مجھے کیوں ایذاء پہنچاتے ہو، تم نے کتنے درہم چاہے تھے؟ میں نے کہا: پندرہ، فرمایا: یہ پندرہ درہم ہی تو ہیں!

مروی ہے کہ ایک صوفی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ﴾ (الانعام:۱۲۲)

''بھلا وہ شخص جو مردہ ہو اور ہم نے اسے زندہ کر دیا ہے۔''

کی تشریح میں فرمایا کہ میت سے مراد وہ شخص ہے' جس کا ذہن مر چکا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے نور فراست سے زندہ کر دیتا ہے اور اسے نور تجلی اور مشاہدہ عطاء کرتا ہے۔ یہ شخص ان لوگوں کی طرح نہیں ہو سکتا، جو اہل غفلت کے ساتھ غافل ہو کر چلتے ہیں۔

مروی ہے کہ جب کسی کو صحیح فراست حاصل ہو جائے' تو فراست والا انسان بلند ہو کر مشاہدے تک پہنچ جاتا ہے۔

فراست کی وجہ سے قبول اسلام:

ابو العباس بن مسروق سے مروی ہے کہ ایک بوڑھا ہمارے پاس آیا، وہ صوفیا کی طرز میں باتیں کرتا تھا اور عمدہ باتیں کرتا تھا۔ اس کی گفتار شیریں اور اچھی طبیعت تھی۔ اس نے گفتگو کے دوران کہا: کچھ بھی تمہارے دل میں آئے' مجھے کہہ دو، میرے دل میں خیال آیا کہ یہ یہودی ہے۔ خیال قوی تر ہوتا گیا اور زائل نہ ہوا، میں نے اس کا ذکر جریری سے کیا' تو انہیں برا محسوس ہوا، کہا کچھ بھی ہو میں تو ضرور اس شخص کو بتلا دوں گا۔

چنانچہ میں نے اس شخص سے کہا: تم کہتے ہو کہ جو خیال میرے دل میں آئے، کہہ دو، میرے خیال میں تو یہ ہے کہ تم یہودی ہو۔ اس نے تھوڑی دیر سر نیچے رکھا، پھر سر اٹھا کر کہا: تم سچ کہتے ہو۔ پھر کلمہ شہادت پڑھا اور کہا: میں نے تمام مذاہب کا تجربہ کیا، مگر دل میں کہا کرتا تھا کہ اگر کسی قوم میں کوئی چیز ہے' تو ان کے پاس ہوگی۔ لہٰذا میں تمہارے اندر گھس گیا' تاکہ تمہیں آزماؤں، تم حق پر ہو اور وہ پھر اچھا مسلمان رہا۔

جنید سے مروی ہے کہ سری رحمۃ اللہ علیہ مجھے لوگوں کو وعظ کرنے کا حکم کرتے تھے۔ نیز فرماتے تھے کہ وعظ کرنے میں مجھ میں جھجک پائی جاتی تھی اور میں اپنے آپ کو اہل نہ سمجھتا تھا، ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ یہ جمعہ کی رات تھی۔

انہوں نے مجھے فرمایا: لوگوں کو وعظ کرو۔ میں اٹھ کر صبح ہونے سے پہلے ہی سری کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی انہوں نے مجھے فرمایا: تو نے میری بات نہیں مانی۔ یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجھ سے فرمایا، دوسرے دن جنید لوگوں کو وعظ کرنے کے لئے، جامع مسجد میں بیٹھے، لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ جنید لوگوں کو وعظ فرمانے لگے ہیں۔

ایک عیسائی لڑکا بھیس بدل کر اٹھا اور کہا: اے شیخ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله کا کیا مطلب ہے؟

جنید نے اس میں پہلے سر جھکایا، پھر سر اٹھایا اور کہا: مسلمان ہو جا۔ کیونکہ تمہارے اسلام لانے کا وقت آ گیا ہے۔ ل پر وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔

باب

خلق

فرمانِ الٰہی ہے کہ

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (القلم: ٤)

''آپ کے اخلاق بڑے ہیں۔''

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ سے عرض کیا گیا کہ کون افضل ایمان والا ہے؟

آپ نے فرمایا: جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو۔(اخرجه ابن ماجه: ٤٢٥٩)

استاد سے مروی ہے کہ اچھے اخلاق انسان کی بہترین خوبیاں ہیں۔ اس سے انسانوں کا جوہر ظاہر ہوتا ہے۔ اپنے افعال کی وجہ سے تو چھپا رہتا ہے، مگر اخلاق کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو خاص خصوصیتوں کے ساتھ مختص کیا، مگر جس قدر تعریف آپ کی صفات میں سے آپ کے اخلاق کی ہے، اس قدر کسی اور صفت کی نہیں کی، فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔(القلم: ٤)

واصفی سے منقول ہے کہ اللہ نے آپ کی صفت' خلق عظیم کے ساتھ اس لئے بیان فرمائی کہ آپ نے دونوں جہانوں کی جملہ اشیاء کو دے کر اللہ کے ساتھ اکتفا کیا۔

واسطی سے منقول ہے کہ خلق عظیم یہ ہے کہ وہ اللہ کی شدید معرفت کی وجہ سے 'نہ تو خود کسی سے جھگڑے اور نہ کوئی ان سے جھگڑ سکے۔

حسین بن منصور سے منقول ہے کہ خلق عظیم کے معنی ہیں کہ مخلوق کی جفا کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، جبکہ آپ حق کا مطالعہ کر چکے ہیں۔

ابو سعید خراز سے مروی ہے کہ تصوف نام ہی اخلاق کا ہے، لہٰذا جو شخص تم سے اخلاق میں بلند ہوگا' وہ تصوف میں بھی

تم سے بلند ہوگا۔

منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم نے مجھے اپنے غلام کو اخزاہ اللہ یعنی خدا اسے رسوا کرنے کے الفاظ کہتے ہوئے سن لو' تو تم گواہ رہنا کہ وہ آزاد ہے۔

فضیل سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص کلیۃً نیکی کرتا ہے اور اس کی ایک مرغی ہے، جس سے وہ برا برتاؤ کرتا ہے' تو وہ نیک کام کرنے والا نہیں کہلا پائے گا۔

مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اگر اپنے کسی غلام کو اچھی طرح نماز پڑھتے دیکھتے' تو اسے آزاد کر دیتے۔ غلاموں کو اس بات کا پتہ چل گیا' تو دکھاوے کے طور پر اچھی طرح نماز پڑھا کرتے، آپ پھر بھی انہیں آزاد کر دیتے۔ آپ سے اس کا ذکر کیا گیا' تو فرمایا: جو شخص اللہ کے بارے میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے' تو ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

دنیا سے مفقود اشیاء:

محاسبی سے منقول ہے کہ تین اشیاء دنیا سے مفقود ہو چکیں:

(۱) خوبصورتی' جس کے ساتھ کمال خلق پایا جاتا ہو۔

(۲) سچائی' جس کے ساتھ امانت پائی جاتی ہو۔

(۳) اچھا بھائی چارہ' جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

عبداللہ محمد رازی سے مروی ہے کہ خلق یہ ہے کہ جو نیک اعمال تجھ سے سرزد ہوں' تو ان کو حقیر سمجھے اور جو عنایات اللہ کی طرف سے تجھ پر ہوں' ان کو تو بڑا سمجھے۔

احنف سے کسی نے سوال کیا کہ تم نے اخلاق کس سے سیکھے؟ فرمایا: قیس بن عاصم منقری سے، کسی نے سوال کیا: ان کے اخلاق کس حد تک پہنچ چکے تھے؟ فرمایا: ایک بار وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ان کی خادمہ سیخ لے کر آئی۔ جس پر بھنا ہوا گوشت تھا۔ سیخ اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور قیس کے بیٹے کو لگی' جس سے وہ بچہ مر گیا۔ لونڈی دہشت زدہ ہو گئی' تو اس نے اسے کہا: تجھے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے' تو اللہ کی ذات کے لئے آزاد ہے۔

شاہ کرمانی سے منقول ہے کہ لوگوں کی ایذاء رسانی سے اپنے آپ کو روکنا اور لوگوں کی تکالیف برداشت کرنا' حسن خلق کی علامت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اپنے مال کے ذریعہ لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے، لہٰذا خندہ پیشانی اور حسن خلق کے ذریعہ سے انہیں خوش

رکھا کرو۔'' (مسند ابو یعلیٰ: ٦٥٥٠)

ذوالنون مصری سے کسی نے پوچھا' لوگوں میں سب سے زیادہ غمزدہ کون شخص ہے؟ فرمایا: جو لوگوں میں سب سے زیادہ بداخلاق ہے۔

واھب سے مروی ہے کہ بندہ جس کسی بات کو چالیس دن تک اپنا خلق بنالے' تو وہ خلق اس کی طبیعت بن جاتا ہے۔

حسن بصری سے منقول ہے کہ فرمان الٰہی ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (المدثر:٤) کی تشریح میں کہ اس کے معنی ہیں، اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ۔

منقول ہے کہ ایک ناسک کی ایک بکری تھی، جسے اس نے تین ٹانگوں پر کھڑا دیکھا' تو کہا: بکری سے یہ فعل کس نے کیا؟ ان کے ایک غلام نے کہا: میں نے کیا ہے۔ اس نے پوچھا: کیوں؟ اس نے جواب دیا: تاکہ تمہیں اس سے غم زدہ کروں! ناسک نے کہا: نہیں! بلکہ میں تمہیں اس بات کا حکم کرنے والے یعنی شیطان کو اس سے غم زدہ کروں گا' جا تو آزاد ہے۔

کسی نے ابراہیم بن ادھم سے سوال کیا کہ کیا تو دنیا میں کبھی خوش ہوا ہے؟ جواب دیا: ہاں! دوبار' ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان نے آکر مجھ پر پیشاب کر دیا اور دوسری بار' اس طرح کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان نے آکر مجھے تھپڑ مارا۔

اخلاق کی عمدگی:

منقول ہے کہ جب بچے اویس قرنی کو دیکھتے' تو پتھر مارتے، یہ ان سے کہتے کہ اگر تم کو پتھر مارنا ہی ہے' تو چھوٹے پتھر مارو' تاکہ تم میری پنڈلی نہ توڑ ڈالو اور اس طرح مجھے نماز سے نہ روک دو۔

ایک شخص نے احنف بن قیس کو گالی دی۔ وہ آپ کے پیچھے آرہا تھا۔ جب احنف قبیلہ کے قریب پہنچنے لگے' تو ٹھہر گئے اور کہا: اے جوان! اگر کوئی اور بات تمہارے دل میں رہ گئی ہے' تو ابھی کہہ ڈالو' تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبیلہ کا کوئی بیوقوف تمہاری گالیوں کو سن کر تمہیں جواب دے۔

حاتم اصم سے کسی نے سوال کیا' کیا انسان ہر کسی کی خطا کو برداشت کرے؟ فرمایا: ہاں سوائے اپنی خطا کے کہ اسے برداشت نہ کرے، بلکہ اسے درست کرے۔

اعلیٰ اخلاق کے حامل:

منقول ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو بلایا، مگر اس نے جواب نہ دیا، آپ نے دوبارہ سہ بارہ بلایا، اس نے پھر بھی جواب نہ دیا۔ آپ خود اٹھ کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے لیٹا ہوا پایا، فرمایا: اے غلام! کیا تو میری آواز نہیں سن رہا ہے؟ جواب دیا: ہاں سن رہا ہوں، پھر پوچھا: جواب کیوں نہیں دیتا؟ اس نے

جواب دیا: مجھے یقین تھا کہ آپ مجھے سزا نہیں دیں گے۔ لہٰذا میں نے سستی کی، یہ جواب سن کر حضرت علی نے فرمایا: جا! تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

منقول ہے کہ معروف کرخی' دجلہ میں وضوء کرنے کے لئے اترے اور اپنا قرآن اور لحاف رکھ دیا۔ ایک عورت آئی اور دونوں کو اٹھا کر لے گئی۔ معروف نے اس عورت کا پیچھا کیا اور کہا: اے بہن! میں معروف ہوں اور میں تجھے کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ کیا تیرا کوئی بیٹا پڑھنا جانتا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا: نہیں! پھر فرمایا: خاوند؟ اس نے جواب دیا: نہیں! آپ نے فرمایا: مصحف (قرآن) مجھے دے دو اور کپڑا لے لو۔

ایک بار چور زبردستی ابوعبدالرحمٰن سلمی کے گھر گھس گئے اور جو کچھ انہیں وہاں ملا، اٹھا کر لے گئے۔

پھر میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہتے سنا کہ اس نے شیخ ابوعبدالرحمٰن کو فرماتے سنا کہ میں بازار میں سے گذرا' تو میں نے اپنا جبہ ایک شخص کو پہنے ہوئے دیکھا اور وہ اس کی بولی دے رہا تھا (نیلام کر رہا تھا)۔ میں نے اس سے منہ موڑ لیا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

جریری سے منقول ہے کہ میں جب مکہ سے آیا' تو اس خیال سے کہ کہیں جنید تکلیف نہ فرمائیں، میں پہلے انہی کے پاس گیا اور انہیں سلام عرض کر کے پھر گھر گیا۔ جب میں نے مسجد میں صبح کی نماز پڑھی' تو دیکھا وہ میرے پیچھے صف میں تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں کل آپ کی خدمت میں صرف اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں، آپ نے فرمایا: تو تمہاری مہربانی تھی، مگر جو میں نے کیا ہے' تمہارا حق ہے۔

ابوحفص سے کسی نے خلق کے متعلق دریافت کیا' تو فرمایا: خلق تو وہی ہے' جسے اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے لئے اختیار فرما کر کہا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ (الاعراف:۹۹)

منقول ہے کہ خلق یہ ہے کہ تو بدن کے اعتبار سے لوگوں کے قریب ہو' مگر ان کے درمیان ایسا ہو' جیسے ایک اجنبی شخص۔

نیز یہ بھی منقول ہے کہ تو لوگوں کی بد خلقی اور اللہ کی قضا کو بغیر ملال اور اظہار بے چینی کے قبول کرے۔

منقول ہے کہ ابوذر' حوض پر اپنے اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے' کچھ لوگوں نے جلد بازی کی اور حوض ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر ابوذر بیٹھ گئے' پھر لیٹ گئے' کسی نے اس کی وجہ پوچھی' تو فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب کسی انسان کو غصہ آجائے' تو اسے بیٹھ جانا چاہئے۔ اگر اس طرح غصہ جاتا رہے' تو بہتر ہے، ورنہ لیٹ جائے۔

(اخرجه ابو داؤد: ٤٧٨٢، احمد: ٢١٣٨٦)

انجیل میں منقول ہے کہ اے میرے بندے! جب تجھے غصہ آ جائے' تو مجھے یاد کرو۔ جب مجھے غصہ آئے گا' تو میں تمہیں یاد کروں گا۔

ایک عورت نے مالک بن دینار سے کہا: اے ریاکار! یہ سن کر مالک نے کہا: تم نے تو میرا وہ نام لیا ہے، جس سے اہل بصرہ ناواقف ہیں۔

تین شخص:

لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: تین شخص' تین صورتوں میں پہچانے جاتے ہیں:

سلیم الطبع انسان غصے کے وقت' بہادر جنگ کے وقت' بھائی جب کہ ضرورت پڑ جائے۔

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: خدایا میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ لوگ میرے متعلق وہ بات نہ کہیں' جو مجھ میں نہیں پائی جاتی۔ اللہ نے وحی کی کہ تو نے یہ خواہش میری خاطر نہیں کی، لہٰذا یہ بات میں تمہاری خاطر کیوں کروں؟

مروی ہے کہ یحییٰ بن زیاد کا ایک غلام تھا، جو بڑا بداخلاق تھا۔ لوگوں نے انہیں کہا کہ آپ نے اسے اپنے پاس کیوں رکھ رکھا ہے؟ تو فرمایا: میں نے اسے اپنے پاس اس لئے رکھا ہے کہ اس کے ذریعے سے میں حلم سیکھوں۔

فرمان الٰہی ہے کہ ﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ (لقمان: ۲۰)

اللہ نے تمہیں اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل طور پر دیں۔

کی مکمل تشریح میں کہا گیا ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد' پاک اخلاق ہیں۔

فضیل سے منقول ہے کہ ایک فاجر' اچھے اخلاق والے کی صحبت کو' میں ایک عابد برے اخلاق والے کی صحبت سے بہتر سمجھتا ہوں۔

نیز منقول ہے کہ اچھی مدارات کے ساتھ لوگوں کی ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنا' اچھا خلق کہلاتا ہے۔

حکایت کی گئی ہے کہ ابراہیم بن ادھم کسی جنگل کو نکل گئے، راستہ میں انہیں ایک فوجی سپاہی ملا، جس نے ان سے پوچھا کہ آبادی کدھر ہے؟ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا، اس نے آپ کے سر پر مار کر ایسا زخمی کیا کہ ہڈی ظاہر ہوگئی۔

جب سپاہی آگے چلا' تو اسے کسی نے بتلایا کہ ابراہیم بن ادھم تو خراسان کا بہت بڑا زاہد ہے۔ وہ ان سے معافی مانگنے کو آیا۔ آپ نے فرمایا: جب تو نے مجھے مارا تھا' تو میں نے اللہ سے دعاء کی تھی کہ وہ تجھے جنت عطاء کرے، سپاہی نے پوچھا: یہ کیوں؟ انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ اس تکلیف پر اللہ مجھے اجر دے گا۔ لہٰذا میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری وجہ سے مجھے نیکی ملے اور میری وجہ سے تمہیں شر۔

ایک اور حکایت ہے کہ کسی نے ابو عثمان حیری کی دعوت کی، جب آپ اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے‘ تو اس شخص نے کہا: اے استاد! ابھی تمہارے داخل ہونے کا وقت نہیں ہے، میں تو دعوت دینے سے نادم ہوں۔ لہٰذا آپ واپس چلے جائیں۔

چنانچہ ابو عثمان واپس چلے آئے‘ مگر جب گھر پہنچے‘ تو وہ شخص پھر آ گیا اور کہا: ابھی چلئے! ابو عثمان اس کے ساتھ اٹھ کر ہو لئے‘ مگر جب پھر گھر کے دروازے پر آئے‘ تو اس نے پھر وہی پہلے کی سی بات کی‘ تیسری اور چوتھی بار بھی ایسا ہی کیا۔

ابو عثمان واپس آئے اور پھر ساتھ ہو گئے۔ جب کئی بار ایسا ہو چکا‘ تو اس شخص نے کہا: اے استاد! میں تو آپ کو آزمانا چاہتا تھا اور معافی مانگنے لگا اور ان کی تعریف کرنے لگا۔ ابو عثمان نے فرمایا: ایسے اخلاق پر میری تعریف نہ کر‘ جو کتوں میں بھی پائے جاتے ہیں، کتے کو جب بلایا جائے‘ تو آ جاتا ہے اور دھتکارا جائے‘ تو پیچھے چلا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ ابو عثمان‘ دوپہر کے وقت کسی کوچے میں سے گذرے‘ تو کسی نے چھت پر سے راکھ کی طشت پھینک دی۔ آپ کے مرید بڑے ناراض ہوئے اور پھینکنے والے کو برا بھلا کہنے لگے۔ ابو عثمان نے فرمایا: اسے کچھ مت کہو‘ جو شخص اس بات کا مستحق ہو کہ اس کے سر پر آگ پھینکی جائے اور بجائے آگ کے راکھ پر ہی اکتفا کیا جائے‘ تو اس کے لئے ناراض ہونا روا نہیں۔

مروی ہے کہ ایک درویش‘ جعفر بن حنظلہ کے پاس مہمان بن کر آیا‘ جعفر اس کی بہت خدمت کرتا اور درویش کہتا کہ تو آدمی تو بہت اچھا ہے، اگر یہودی نہ ہوتا۔ جعفر نے کہا: میرے عقیدہ سے تو اس خدمت گذاری میں‘ جس کی ضرورت ہے‘ کوئی عیب نہیں آتا، مجھے چاہیے کہ تو اپنے لئے شفاء کی دعاء کرے اور میرے لئے ہدایت کی۔

منقول ہے کہ عبداللہ خیاط کا ایک مجوسی گاہک تھا۔ آپ اس کے کپڑے سیتے اور وہ آپ کو کھوٹے درہم دیتا۔ عبداللہ انہیں لے لیا کرتے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کسی کام کے لئے دکان سے اٹھ کر چلے گئے۔ مجوسی کھوٹے درہم لے کر آیا اور آپ کے شاگرد کو دیئے۔ اس نے قبول نہ کئے۔ پھر اس نے کھوٹے درہم اداء کئے۔ جب عبداللہ واپس آئے‘ تو آپ نے پوچھا کہ مجوسی کی قمیص کہاں ہے؟ شاگرد نے سارا قصہ سنا دیا۔

آپ نے کہا: تو نے بہت برا کیا ہے۔ وہ مدت سے میرے ساتھ اس قسم کا معاملہ کیا کرتا تھا اور میں صبر کرتا اور درہموں کو ایک کنوئیں میں ڈال دیتا‘ تاکہ کسی اور کو دھوکا نہ دے سکے۔

مروی ہے کہ برا خلق‘ برے اخلاق والے انسان کے دل کو تنگ کر دیتا ہے، اس لئے کہ اپنے مطلب کے بغیر کوئی اور بات اس میں سما ہی نہیں سکتی، جس طرح تنگ جگہ میں کوئی دوسرا نہیں سما سکتا۔

مروی ہے کہ اچھا خلق‘ یہ ہے کہ تو ان لوگوں سے ناراض نہ ہو، جو صف میں تمہارے پہلو میں کھڑے ہوں۔

مروی ہے کہ دوسرے کے برے اخلاق پر تمہاری نگاہ کا پڑنا بھی برا خلق ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے شوم کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا: بد خلقی ہے۔ (طبرانی: ٤٣٦٠، احمد: ٢٤٥٩١)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مشرکوں کے لئے بد دعاء کیجئے' تو آپ نے فرمایا: میں رحمت بن کر آیا ہوں' عذاب بن کر نہیں آیا۔ (بیہقی: ١٤٠٣)

❁❁❁

باب

جود وسخاء

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر:۹)

''انہیں خواہ اپنی حاجت کیوں نہ ہو' دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سخی اللہ کے بھی قریب ہوتا ہے' لوگوں کے بھی اور جنت کے بھی اور جہنم سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے بھی دور ہوتا ہے، لوگوں سے اور جنت سے بھی، مگر جہنم کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ کو عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

(اخرجه الترمذی: ۱۹۶۱)

استاد سے مروی ہے کہ علمی زبان میں' جود وسخا میں کوئی فرق نہیں، مگر سخا اور سماحت کا لفظ اللہ کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ نے ان دونوں لفظوں سے ہمیں واقف نہیں کیا۔

جود وسخاء کی حقیقت:

درحقیقت' جود یہ ہے کہ انسان کے لئے خرچ کرنا مشکل نہ ہو اور صوفیاء کے ہاں سخاء پہلا مرتبہ ہے، پھر جود کا مرتبہ آتا ہے، پھر ایثار کا، جس نے اپنے مال کا کچھ حصہ دیا اور کچھ باقی رکھ لیا' وہ صاحب الجود ہے، مگر جس نے تکلیف برداشت کی' پھر اپنی روزی کو دوسروں کے لئے قربان کر دیا' وہ صاحب ایثار ہے۔

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ اسماء بن خارجہ کہتے ہیں کہ میں کسی شخص کی حاجت کو رد کرنا نہیں چاہتا، کیونکہ اگر وہ شریف انسان ہے' تو اس کی عزت بچاؤں گا اور اگر کوئی کمینہ ہے' تو اپنی عزت اس سے بچاؤں گا۔

مروی ہے کہ مورق عجلی' اپنے بھائیوں پر لطیف پیرایہ میں مہربانی کیا کرتے تھے' پہلے ان کے پاس ایک ہزار درہم رکھ دیتے اور کہتے: انہیں میرے واپس آنے تک اپنے پاس رکھو، پھر انہیں پیغام بھیجتے کہ تمہیں انہیں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔

مروی ہے کہ اہل منبج میں سے سے ایک شخص اہل مدینہ کے ایک شخص سے ملا، اس سے پوچھا: تم کن لوگوں میں سے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں اہل مدینہ میں سے ہوں۔ پہلے شخص نے کہا: تم میں سے ایک شخص، جس کا نام حکم بن مطلب ہے، ہمارے ہاں آیا تھا اور اس نے ہمیں مالدار بنا دیا تھا۔ اس پر مدنی نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے ہاں صوف کا ایک جبہ پہن کر آیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس نے ہمیں مال و دولت سے مالدار نہیں بنایا، بلکہ اس نے سخاوت کا ہمیں عادی بنایا۔ ہم نے یہ طریقہ آپس میں اختیار کیا یہاں تک کہ ہم مالدار ہو گئے۔

سخاوت کی وجہ سے قربانی کا جذبہ:

ابو علی دقاق سے منقول ہے کہ جب غلام خلیل نے خلیفہ کے پاس صوفیہ کی چغلی کھائی، تو خلیفہ نے ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا۔

جنید نے فقہ کے ذریعے سے اپنے حال کو چھپائے رکھا، کیونکہ وہ ابو ثور کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ لیکن خلیفہ نے شحام، رقام اور امام نوری اور دیگر لوگوں کو گرفتار کر لیا اور ان کی گردنیں اڑانے کے لئے چمڑا بچھا دیا۔ نوری آگے بڑھے، جلاد نے کہا: کیا جانتے ہو کسی چیز کی طرف قدم رکھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں جانتا ہوں۔

جلاد نے پھر پوچھا: پھر اتنی جلدی کیوں کر رہے ہو؟ جواب دیا: میں اپنے ساتھیوں کو ایک ساعت کی زندگی کے لئے اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر جلاد حیران ہو گیا اور اس نے خلیفہ کو اس بات کی خبر دی، خلیفہ نے حکم دیا کہ ان کو پھر قاضی کے پاس لے جاؤ، تاکہ ان کے حال کی چھان بین کرے۔ قاضی نے ابو الحسین نوری سے فقہ کے چند مسئلے پوچھے، نوری نے سب کا جواب دے کر فرمایا: اس سوال و جواب کے بعد واضح رہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں، جب کھڑے ہوں گے، تو اللہ کے حکم کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور بولیں گے، تو اللہ کے حکم سے بولیں گے اور ایسے الفاظ میں گفتگو کی کہ قاضی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ قاضی نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ اگر یہ لوگ زندیق ہیں، تو دنیا بھر میں کوئی شخص مسلمان نہیں۔

مروی ہے کہ علی بن فضیل، اپنے محلہ کے دکانداروں سے اشیاء خریدا کرتے، کسی نے ان سے کہا کہ اگر آپ بازار میں جا کر خریدیں، تو سستا ملے، آپ نے فرمایا: یہ لوگ نفع کی امید میں ہمارے پڑوس میں آ کر اترے ہیں۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک لونڈی بطور تحفہ جبلہ کے پاس بھیجی۔ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت بری بات ہے کہ تمہاری موجودگی میں، میں اسے اپنے لئے لے لوں اور میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کسی خاص ایک شخص کو دوں، جبکہ تم میں سے ہر ایک کا حق اور احترام ہے، مگر لونڈی تو تقسیم نہیں ہوسکتی۔ وہ سب اسی (۸۰) آدمی تھے، لہٰذا انہوں نے ہر ایک کو لونڈی، یا خادم دینے کا حکم دیا۔

مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی بکرۃ کو ایک دن راستے میں پیاس لگی' تو اس نے ایک عورت کے گھر سے پانی مانگا۔ عورت نے ایک کوزہ نکالا اور دروازے کے پیچھے کھڑی ہوگئی اور کہا: دروازے سے ہٹ جاؤ اور تمہارا کوئی بچہ اسے اٹھالے، کیونکہ میں عرب نژاد عورت ہوں اور میرا خادم کئی دن ہوئے مر چکا ہے۔

عبداللہ نے پانی پی کر اپنے غلام سے کہا: اسے دس ہزار درہم دے آؤ۔ عورت نے کہا: سبحان اللہ! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے۔ اس نے کہا: اچھا بیس ہزار درہم دے آؤ۔ عورت نے کہا: میں اللہ سے عافیت چاہتی ہوں۔ عبداللہ نے پھر غلام سے کہا: اسے تیس ہزار درہم دے آؤ۔ اس عورت نے دروازہ بند کر دیا اور کہا: حیرت ہے تم پر؟ غلام اس کے پاس تیس ہزار درہم لے گیا اور اس نے قبول کر لئے۔ رات ہونے سے پہلے ہی کئی لوگوں نے اسے شادی کا پیغام بھیجا۔

جود کیا ہے؟

مروی ہے کہ پہلے خیال کے آتے ہی اس کے مطابق عمل کرنا' جود کہلاتا ہے۔

ابوالحسن بوشنجی کے مرید سے مروی ہے کہ ابوالحسن بوشنجی بیت الخلاء میں تھے (کہ انہیں خیال آیا کہ فلاں فقیر کو قمیص کی ضرورت ہے)۔ لہٰذا انہوں نے اپنے مرید کو بلا کر کہا کہ یہ قمیص اتار لو اور فلاں شخص کو دے آؤ۔ کسی نے کہا: آپ نے قضائے حاجت سے فارغ ہونے تک صبر کر لیا ہوتا؟ فرمایا: مجھے ڈر تھا کہ میں اس وقت اسے قمیص نہ دیتا' تو ہو سکتا تھا کہ میری نیت بدل جاتی۔

کسی نے قیس بن سعد بن عبادہ سے کہا: کیا تو نے کسی کو اپنے سے زیادہ سخی دیکھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! ہم جنگل میں ایک عورت کے پاس اترے۔ تھوڑی دیر بعد اس کا خاوند بھی آ گیا۔ عورت نے کہا کہ تمہارے ہاں مہمان آئے ہیں۔ خاوند نے اونٹنی ذبح کر ڈالی اور کہا: کھاؤ، جب دوسرا دن ہوا تو ایک اور اونٹنی لے آیا اور اسے بھی ذبح کر ڈالا۔ اور کہا: کھاؤ ہم نے کہا: آپ نے کل جو اونٹنی ذبح کی تھی، اس میں سے ہم نے تھوڑا سا حصہ ہی کھایا تھا۔ اس نے جواب دیا: میں اپنے مہمانوں کو باسی چیز کھانے کو نہیں دیا کرتا۔ ہم دو یا تین دن اسی کے ہاں رہے۔ بارش لگاتار ہو رہی تھی اور وہ اسی طرح کئے جاتا تھا۔

جب ہم نے کوچ کا ارادہ کیا، ہم نے اس کے لئے اس کے گھر میں ایک سو دینار رکھ دیئے اور اس کی بیوی سے کہا: ہماری طرف سے اس کے پاس عذر کر دینا اور ہم چل دیئے۔ جب دن اونچا ہوا' تو کیا دیکھتے ہیں۔ ایک شخص پیچھے سے آواز دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے: ارے کمینو! ٹھہر جاؤ! کیا تم میری ضیافت کی قیمت دینا چاہتے ہو؟ اور وہ ہمارے پاس پہنچ گیا اور کہا: تمہیں یہ رقم واپس لینی پڑے گی، ورنہ اس نیزے سے تمہیں چھید ڈالوں گا۔ ہم نے وہ رقم لے لی اور وہ یہ شعر پڑھتا ہوا

واپس چلا گیا:

واذا اخذت ثواب ما اعطیته فکفی بذاك لنائل تکدیرا

جو کچھ میں نے دیا ہے، اگر میں اس کا ثواب لے لوں' تو یہ بات احسان کو مکدر کر دینے کے لئے کافی ہے۔

شیخ ابوعبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ابوعبداللہ اودباری' اپنے ایک مرید کے گھر گئے اور اسے وہاں نہ پایا۔ اس کے گھر کا دروازہ مقفل' یعنی بند تھا۔ ابوعبداللہ نے فرمایا: صوفی اور دروازے پر تالا....! تالا توڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے تالا توڑ دیا اور حکم دیا کہ جو کچھ بھی گھر میں ہے، بازار لے کر جا کر بیچ دیا جائے اور اس کی قیمت کام میں لائی جائے اور وہ گھر میں بیٹھ گئے۔

مالک مکان آیا، مگر دیکھ کر انہیں کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے بعد مالک مکان کی بیوی آئی، اس نے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ مگر میں نے داخل ہو کر اس کا کمبل بھی پھینک دیا اور کہا: اس کا شمار بھی تو سامان میں ہوتا ہے، اسے بھی بیچ دو، خاوند نے اسے کہا: تو نے اپنے اختیار سے اتنی تکلیف کیوں کی؟ بیوی نے کہا: خاموش رہو۔ اس کا شیخ ہم سے بے تکلفی کرتا ہے اور حکم کرتا ہے اور ہم اس سے بچا کر کوئی چیز اپنے پاس رکھ لیں؟

بشر بن الحارث سے مروی ہے کہ بخیل آدمی کو دیکھنا' دل کو سخت کر دیتا ہے۔

مروی ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ' بیمار پڑ گئے، ان کی برادری کے لوگ ملنے نہ آئے۔ انہوں نے دریافت کیا' تو معلوم ہوا کہ وہ اس قرض کی وجہ سے جو اس کا ان کے ذمہ ہے' شرماتے ہیں۔ آپ نے کہا: خدا اس مال کو رسوا کرے' جو بھائیوں کو ملنے سے روکتا ہے۔ پھر ایک شخص سے کہا کہ اعلان کر دو کہ جس شخص کے ذمے قیس کا قرض ہے، وہ اسے معاف ہے۔ (اس اعلان کے ہوتے ہی) عیادت کرنے والوں کی اس قدر بھیڑ ہوئی کہ اس کے دروازے کی چوکھٹ ٹوٹ گئی۔

کسی نے عبداللہ بن جعفر سے کہا کہ جب تجھ سے کوئی کچھ مانگتا ہے' تو تو سارے دیتا ہے' مگر جب تجھ سے کوئی جھگڑا کرتا ہے' تو تو تھوڑی سی چیز دینے میں بھی بخل کرتا ہے، کہا کہ میں مال خرچ کرتا ہوں اور عقل کے ساتھ بخل کرتا ہوں۔

مروی ہے کہ عبداللہ بن جعفر اپنی جاگیر کی طرف گئے' تو (راستہ میں) کسی کے نخلستان میں قیام کیا۔ وہاں ایک حبشی غلام تھا۔ غلام کا کھانا آیا' تو ایک کتا باغ میں گھس کر غلام کے قریب آ گیا۔ غلام نے پہلے ایک روٹی اسے ڈالی، جسے کتے نے کھا لیا، پھر دوسری اور پھر تیسری بھی ڈال دی۔ کتے نے انہیں بھی کھا لیا۔

عبداللہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ عبداللہ نے غلام سے پوچھا کہ تیری یومیہ خوراک کتنی ہے؟ غلام نے کہا: جتنی آپ نے دیکھی ہے۔ عبداللہ نے کہا: آپ نے کتے کو کیوں دے دی؟ غلام نے کہا کہ یہ کتوں کا علاقہ نہیں ہے۔ یہ کتا دور

سے مسافت طے کر کے آیا تھا اور بھوکا تھا۔ اس لئے میں نے اسے مایوس کرنا پسند نہ کیا۔

عبداللہ نے پوچھا: آج تو کیا کرے گا؟ جواب دیا کہ آج بھوکا رہوں گا۔ یہ جواب سن کر عبداللہ بن جعفر نے کہا: کیا مجھے سخاوت کرنے پر ملامت کی جاتی ہے؟ یہ تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے۔ پھر اس باغ اور غلام کو بمعہ تمام آلات کے خرید لیا اور غلام کو آزاد کر کے سب کچھ اسے دے دیا۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنے دوست کے گھر آ کر دستک دی۔ جب دوست باہر نکلا' تو اس نے پوچھا: کس لئے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا: مجھ پر چار سو درہموں کا قرض ہے، دوست گھر میں داخل ہوا، اور چار سو درہم لے آیا۔ اور روتا ہوا گھر کے اندر چلا گیا۔ اس کی بیوی نے اسے روتا دیکھ کر کہا: اگر تجھے اتنا روپیہ دینا اس قدر ناگوار تھا' تو کوئی بہانہ کر دیا ہوتا۔ خاوند نے جواب دیا کہ میں روپوں کے لئے نہیں رو رہا ہوں، بلکہ اس لئے رو رہا ہوں کہ میں نے پہلے ہی اس کی خبر گیری کیوں نہیں کی، تا کہ اسے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

مطرف بن شخیر سے مروی ہے کہ جب بھی تم میں سے کسی شخص کو میرے پاس کوئی حاجت ہو' تو اسے تحریراً پیش کرنی چاہئے، کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ حاجت مند کے چہرے پر حاجت کی وجہ سے خفت کے آثار دیکھوں۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس کی مخالفت کرنا چاہی، لہٰذا وہ عمائدین شہر کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ تمہیں عبداللہ بن عباس کہتا ہے کہ آج میرے ہاں صبح کا کھانا کھائیں۔ وہ آ گئے اور ان سے گھر بھر گیا۔ آپ نے سبب پوچھا' تو بتلایا کہ بات یہ ہے! آپ نے فوراً حکم دیا کہ پھل خرید کر لائے جائیں اور روٹی وغیرہ پکانے کا حکم دیا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ جب وہ کھا چکے' تو عبداللہ نے اپنے ایجنٹوں سے کہا: کیا یہ چیزیں روزانہ مہیا ہو سکتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ عبداللہ نے کہا: ان لوگوں کو روزانہ ہمارے ہاں صبح کا کھانا کھانا چاہئے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ ایک دن استاد ابوسہل صعلوکی' اپنے گھر کے صحن میں وضوء فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے کوئی چیز مانگی، مگر اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے فارغ ہونے تک صبر کرو۔ جب آپ وضوء کر چکے' تو فرمایا: یہ قمقمہ ہی لے لو اور چلے جاؤ۔ وہ شخص لے کر چل دیا۔ آپ نے اتنی دیر صبر کیا، جتنی دیر میں وہ دور نکل گیا۔ آپ نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ایک شخص آیا اور قمقمہ لے گیا، لوگ اس کے پیچھے بھاگے، مگر اسے نہ پکڑ سکے۔ صعلوکی نے ایسا صرف اس لئے کیا کہ گھر والے اسے زیادہ سخاوت کرنے پر ملامت کیا کرتے تھے۔

انہی سے مروی ہے کہ استاد ابوسہل نے اپنا جبہ' جاڑے میں ایک انسان کو دے دیا۔ لہٰذا جب آپ درس کے لئے نکلے' تو عورتوں کا جبہ پہن کر نکلے، کیونکہ ان کے پاس کوئی اور جبہ نہ تھا۔ ایک بار فارس سے ایک مشہور وفد آیا، جس میں ہر قسم

کے امام تھے، فقیہ بھی تھے، متکلم بھی تھے، اور نجومی بھی۔

فوج کے کمانڈر ابوالحسن نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ ان کے استقبال کے لئے سوار ہو کر آئیں۔ انہوں نے عورتوں کے جبہ کے اوپر ایک اور جبہ پہن لیا اور سوار ہو کر گئے۔ فوج کے کمانڈر نے کہا: اس نے میری بے عزتی کی ہے، یہ شہر کا امام ہوتے ہوئے عورتوں کا جبہ پہن کر آیا ہے اور اس کے بعد اس نے ان سے مناظرہ کیا' تو ہر فن میں انہیں ان پر غلبہ حاصل ہوا۔

اعلیٰ درجہ سخاوت مع عاجزی:

انہی سے مروی ہے کہ ابوسہل کسی کو اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہ دیتے تھے۔ آپ زمین پر پھینک دیتے اور لینے والا اسے زمین پر سے اٹھالیتا اور فرمایا کرتے کہ دنیا کی منزلت اس سے بھی کم ہے، اس وجہ سے کہ میں اپنا ہاتھ کسی ہاتھ سے اونچا دیکھوں، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((الید العلیا خیر من الید السفلی))

اوپر کا ہاتھ' نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (اخرجه البخاری:١٤٢٧، مسلم:١٠٣٤)

مروی ہے کہ ابومرثد علی' شرفاء میں سے تھے۔ ایک شاعر نے ان کی مدح کی۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ بھی نہیں، لیکن مجھے قاضی کے سامنے لے جا کر پیش کر دو اور کہو کہ اس کے ذمے دس ہزار درہم ہیں اور میں اقرار کر لوں گا، پھر مجھے اپنے پاس قید کر لو، کیوں کہ میرے گھر والے مجھے قید میں نہیں رہنے دیں گے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور رات ہونے سے پہلے اس کو دس ہزار درہم دیئے گئے اور یہ قید خانہ سے نکل آئے۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے حسن بن علی بن ابی طالب سے کچھ مانگا' تو آپ نے اسے پچاس ہزار درہم اور پانچ سو دینار دیئے اور فرمایا: کسی مزدور کو لے آؤ' تا کہ وہ یہ اٹھا کر لے جائے۔ وہ شخص مزدور لے آیا۔ آپ نے اپنی چادر اسے دے دی اور فرمایا: مزدور کی اجرت میری طرف سے ہوگی۔

ایک عورت نے لیث بن سعد سے شہد کا پیالہ مانگا۔ آپ نے اسے شہد کی مشک دینے کو کہا، کسی نے ان سے اس کے متعلق کہا' تو فرمایا: اس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا ہے اور میں اسے اس انعام کے مطابق دوں گا، جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے۔

ایک شخص سے مروی ہے کہ میں نے صبح کی نماز کوفہ میں اشعث کی مسجد میں پڑھی۔ مجھے ایک شخص کی تلاش تھی، جس کے ذمے میرا قرض تھا۔ جب میں نے سلام پھیرا' تو جس طرح دوسروں کے سامنے ایک جوڑا کپڑوں کا اور ایک جوتا رکھا گیا، اسی طرح میرے سامنے بھی رکھا گیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسا ہے؟ تو جواب میں کہا کہ یہ اشعث مکہ سے آیا ہے۔ اس

لئے اس نے ان سب لوگوں کو جنہوں نے اس کی مسجد میں نماز پڑھی ہے، یہ دینے کا حکم دیا ہے۔ میں نے کہا: میں تو اپنے مقروض کی تلاش میں آیا تھا اور میں اس کی جماعت میں سے نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: یہ ہر اس شخص کے لئے ہے، جو مسجد میں حاضر تھا۔

فراست اور سخاوت:

مروی ہے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت آیا' تو فرمایا: فلاں کو کہنا کہ مجھے غسل دے۔ اس وقت وہ شخص موجود نہ تھا، جب آیا' تو لوگوں نے اسے بتلایا۔ اس نے امام شافعی کی یادداشت کی کاپی منگوائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے ذمہ ستر ہزار درہم قرض تھا۔ اس شخص نے وہ سارا قرض اداء کر دیا اور کہا: یہی میرا غسل ہے، جو مجھے اسے دینا تھا۔

مروی ہے' امام شافعی صنعاء سے مکہ آئے' تو ان کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ ان سے جائیداد خرید لیں۔ آپ نے مکہ کے باہر خیمہ لگا دیا اور دیناروں کو انڈھیل دیا، جو بھی آپ کے پاس آتا، آپ اسے ایک ایک مٹھی دینار دیتے جاتے۔ جب ظہر کا وقت آیا' تو آپ اٹھے اور کپڑا جھاڑا' تو اس میں کچھ باقی نہ تھا۔

مروی ہے کہ سری' عید کے دن نکلے، سامنے سے انہیں ایک بڑی شان والا آدمی ملا۔ سری نے اسے ناقص سلام کیا۔ کسی نے کہا: یہ بڑی شان والا ہے، آپ نے فرمایا: میں اسے پہچانتا ہوں۔

لیکن مرفوع حدیث میں ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں' تو ان دونوں کے درمیان ایک سو رحمتیں تقسیم کی جاتی ہیں، جن میں نوے اس شخص کے لئے ہوتی ہیں، جو زیادہ خندہ پیشانی سے ملے۔ (حلیة الاولیاء: ۱۰/ ۱۲۴)

لہٰذا میں نے چاہا کہ رحمت کا بیشتر حصہ اسے ملے۔

سخاوت کرنے کی چاہت رکھنے والے:

مروی ہے کہ ایک دن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روئے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب پوچھا گیا' تو فرمایا: سات دن سے میرے ہاں کوئی مہمان نہیں آیا اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ نے مجھے ذلیل تو نہیں کر دیا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ گھر کی زکوٰۃ یہی ہے کہ اس میں ایک کمرہ ضیافت کے لئے رکھا جائے۔ (کنز العمال: ۴۱۵۰۴)

اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ (الذاریات: ۲۴)

کیا تمہیں ابراہیم علیہ السلام کے ذی عزت مہمانوں کا قصہ معلوم ہے؟

کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ انہیں مکرمین اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنفس نفیس ان کی خدمت گزاری میں کھڑے رہتے۔

بعض کہتے ہیں کہ انہیں مکرمین اس لئے کہا گیا ہے کہ کریم کا مہمان بھی کریم ہی ہوتا ہے۔

چار باتیں:

ابراہیم بن جنید سے مروی ہے کہ شریف آدمی کے لئے چار باتیں نامناسب ہیں، خواہ وہ خود حاکم ہی کیوں نہ ہو۔

① باپ کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہونا۔

② مہمان کی خدمت کرنا۔

③ اس عالم کی خدمت کرنا' جس سے وہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔

④ اس چیز کی نسبت سوال کرنا، جس کا اسے علم نہیں۔

ابن عباس اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾ (النور:٦١)

خواہ تم اکٹھے کھاؤ' خواہ علیحدہ، تمہیں کوئی ہرج نہیں

کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ صحابہ اکیلے کھانا کھانے کو گناہ سمجھا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔

منقول ہے کہ عبداللہ بن عامر بن کریز نے ایک شخص کی ضیافت کی اور اس کی خوب آؤ بھگت کی' جب وہ شخص چلنے لگا تو اس کے غلاموں نے (اس کا سامان باندھنے میں) کوئی مدد نہ کی۔ اس کے متعلق کسی نے ان سے ذکر کیا' تو کہا کہ یہ لوگ کوچ کرنے والے کی مدد نہیں کیا کرتے۔

عبداللہ بن باکویہ صوفی کہتے ہیں کہ اس قسم کا ایک شعر متنبی نے مجھے سنایا:

اذا ترحلت عن قوم و قد قدروا   ان لاتفارقهم فالراحلون هم

جب تم کسی قوم سے کوچ کر کے چلے جاتے ہو' حالانکہ اگر وہ چاہتے' تو تم ان سے جدا ہو کر نہ جاتے' تو درحقیقت (تم کوچ کر کے نہیں جا رہے ہو، بلکہ) وہ جا رہے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے: نفس کا ان چیزوں کی سخاوت کرنا' جو لوگوں کے پاس ہیں، بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ نفس مال خرچ کر کے سخاوت کرے۔

ایک صوفی سے مروی ہے کہ میں سخت سردی کے دن بشر بن الحارث کے پاس گیا' تو انہوں نے کپڑے اتار رکھے تھے اور کانپ رہے تھے۔ میں نے کہا: اے ابو نصر! لوگ تو اس قسم کے دنوں میں اور کپڑے پہن لیتے ہیں اور آپ نے (بجائے زیادہ کرنے کے) کم کر دیئے۔ آپ نے فرمایا: میں نے فقراء اور ان کی تکلیف کو یاد کیا، میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ان کی غم خواری کرتا، لہٰذا میں نے چاہا کہ سردی برداشت کر کے میں ان کی موافقت کروں۔

دقاق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سخاوت نہیں ہے کہ مالدار محتاج کو دے، سخاوت تو یہ ہے کہ محتاج مالدار کو دے۔

❀❀❀

باب

غیرت

اللہ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ (الاعراف:۳۳)

''اللہ نے فاحشات کو' خواہ ظاہری ہوں' خواہ باطنی، حرام قرار دیا ہے۔''

عبداللہ' رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں ہے، اس غیرت کی وجہ سے اللہ نے تمام خواہش کو' خواہ ظاہری ہوں' یا باطنی' حرام قرار دیا ہے۔(مسند ابو یعلی:۵۱۲۳)

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اللہ کو غیرت آتی ہے اور مومن کو بھی غیرت آتی ہے۔اللہ کو غیرت اس وقت آتی ہے، جب مومن ایسے کام کرتا ہے، جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔(اخرجہ البخاری: ۵۲۲۰،مسلم:۲۷۶۱)

غیرت کی تعریف:

استاد سے مروی ہے کہ غیر کی مشارکت کو برا مانا نا غیرت ہے اور جب اللہ کو غیرت سے موصوف کیا جائے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان امور میں، جو محض اللہ کے حقوق ہیں...مثلاً اطاعت و عبادت میں کسی اور کی مشارکت کو پسند نہیں فرماتا۔

حکایت کی گئی ہے کہ سری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی:

﴿ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴾ (الاسراء:۴۵)

جب آپ قرآن پڑھتے ہیں' تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان' جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایسا حجاب رکھ دیتے ہیں، جو ان کی نگاہوں سے چھپا ہوتا ہے۔

تو سری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ حجاب کیسا حجاب ہے؟ یہ غیرت کا حجاب ہے اور اللہ

سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں۔

سری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا کہ یہ غیرت کا حجاب ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دین کی حقانیت معلوم کرنے کا اہل نہیں بنایا۔

استاد ابو علی دقاق سے منقول ہے کہ وہ لوگ' جو اللہ کی عبادت میں سستی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کو بھاری رسوائی سے باندھ دیتا ہے اور اللہ نے ان کے لئے اپنے سے دور رکھنا اختیار کیا ہے اور اپنی قربت کے مقام سے انہیں پیچھے ہٹا رکھا ہے، اسی لئے تو وہ پیچھے رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں شعر پڑھا جاتا ہے:

انا صبٌّ لمن هويت ولكن   ما احتيالي بسوء راي الموالي

میں تو اپنے محبوب کا عاشق ہوں، مگر موالی کی بدطینیت کا کیا کروں؟

اس معنی میں یہ قول ہے: عبادت سے سستی کرنے والا شخص' ایسا بیمار ہے کہ جس کی عیادت نہیں کی جاتی اور وہ ایسا شخص ہے کہ بلند منازل کی خواہش کرتا ہے، مگر اللہ اسے بلند منازل کے لئے نہیں چاہتا۔

کلمات حکمت عطاء کئے گئے:

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ انہوں نے عباس زوزنی کو فرماتے سنا کہ میری معرفت میں اچھی ابتداء ہوئی اور میں جانتا تھا کہ اب میرے اور میرے مقصود یعنی کہ اپنی مراد کو پانے میں کس قدر مدت رہ گئی ہے۔

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بلند پہاڑ سے لڑھک رہا ہوں۔ پھر میں نے اس کی چوٹی تک پہنچنا چاہا۔ جب میں بیدار ہوا' تو مجھے اس کا بہت غم ہوا، مجھے پھر نیند آ گئی' تو میں نے کہنے والے کو سنا کہ کہہ رہا ہے: اے عباس! اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تو اس درجہ تک پہنچ جائے، جہاں تک تو پہنچنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے تمہاری زبان پر حکمت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

عباس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب صبح ہوئی' تو مجھے بذریعہ الہام کلمات حکمت عطاء کئے گئے۔

استاد علی دقاق سے مروی ہے کہ ایک شیخ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک کیفیت اور حالت حاصل تھی۔ ایک مدت تک وہ لوگوں سے مخفی رہے اور فقراء میں کہیں دکھائی نہیں دیئے۔ پھر ظاہر ہوئے' تو پہلی سی بات نہ تھی۔ آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا' تو آہ بھر کر فرمایا: حجاب واقع ہو گیا ہے!

جب کبھی استاد ابو علی دقاق کی مجلس میں کوئی ایسی بات واقع ہو جاتی، جس سے حاضرین کے دل پراگندہ ہو جاتے' تو فرماتے: اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کی غیرت کی وجہ سے ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وقت کی صفائی بدستور جاری نہ رہے

اور مکدر ہو جائے۔ اس معنی میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

همت باتياننا حتى اذ نظرت الى المرآة نهاها وجهها الحسن

اس محبوبہ نے ہمارے پاس آنے کا ارادہ کیا' جب سے اس نے آئینہ دیکھ لیا' تو اس کے خوبصورت چہرے نے اسے ہمارے پاس آنے سے روک دیا۔

صوفیاء میں سے کسی سے مروی ہے: کیا تو اسے دیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، پھر پوچھا: کیوں؟ جواب دیا: میں اس کے جمال کو اپنے جیسے کی نگاہ سے پاک رکھنا چاہتا ہوں!

انی لاحسد ناظری علیکا حتی اغض اذا نظرت الیکا

واراك تحظر فی شمائلك التی . هی فتنتنی فاغار منك علیكا

میں تمہاری وجہ سے اپنی دونوں آنکھوں سے حسد کرتا ہوں، چنانچہ جب تمہاری طرف نظر کرتا ہوں' تو آنکھیں بند کر لیتا ہوں، تجھے دیکھتا ہوں کہ تو اپنی خوبیوں میں مٹک کر چل رہا ہے' جو کہ مجھے فریفتہ کئے دیتی ہے۔ لہٰذا مجھے تمہاری ہی وجہ سے تم پر غیرت آتی ہے۔

شبلی سے پوچھا گیا: تو کب تک آرام پائے گا؟ جواب دیا: جب مجھے اس کی یاد تازہ کرنے والا دکھائی نہ دے اور یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اللہ کی نعمتیں اور قدرتیں' ہر وقت ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں، جو اس کی یاد تازہ کرتی رہتی ہیں۔ لہٰذا آرام کا کوئی موقع نہیں مل سکتا۔

اللہ کے نبی ﷺ کی غیرت:

ایک بار نبی کریم ﷺ نے ایک بدوی کے پاس ایک گھوڑا بیچا اور اس نے بیع کو فسخ کرنا چاہا۔ آپ ﷺ نے اسے فسخ کرنا چاہا۔ اس پر بدوی نے کہا: خدا تمہاری عمر دراز کرے، تو کن لوگوں میں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قریش میں سے۔

آپ ﷺ کے ان اصحاب میں سے' جو وہاں موجود تھے، کسی ایک نے بدوی سے کہا: تمہارے لیے یہی بد خلقی کافی ہے کہ تو اپنے نبی ﷺ کو نہیں پہچانتا۔ (بیھقی: ۵/ ۲۷۰)

اس واقعہ کے متعلق ابو علی استاد سے سوال کیا گیا' تو فرمایا: آنحضور ﷺ نے محض غیرت کی وجہ سے یہ کہا تھا کہ میں قریش کا ایک آدمی ہوں، ورنہ آپ کے لئے ضروری تھا کہ آپ ہر شخص کو بتلائیں کہ آپ کون ہیں؟ پھر اللہ نے اس صحابی کی زبانی بدوی کو بتلا دیا کہ آپ نبی ہیں، کیونکہ اس نے یہ لفظ کہے تھے کہ تمہارے لئے یہی بد خلقی کافی ہے کہ تو اپنے نبی کو نہیں جانتا۔

بعض حضرات سے منقول ہے کہ غیرت' مبتدیوں کی صفت ہے۔ موحد میں' نہ تو غیرت ہوتی ہے اور نہ کوئی اختیار اور نہ ہی ان امور میں جو سلطنت میں جاری ہوتے ہیں، کوئی حکم چل سکتا ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کو زیادہ حق ہے کہ جو چاہے، جیسا چاہے' حکم دے۔

ابوعثمان مغربی سے مروی ہے کہ غیرت مریدین کا کام ہے، اہل حقائق کا نہیں۔

شبلی سے مروی ہے کہ غیرت دو قسم کی ہے:

غیرت بشریہ' جو لوگوں کے نفسوں پر ہوتی ہے اور غیرت الٰہیہ' جو دلوں پر ہوتی ہے۔

نیز انہی سے مروی ہے کہ انفاس پر غیرت الٰہیہ یہ ہے کہ انفاس کو ما سویٰ اللہ میں ضائع کیا جائے۔ اس طرح کہ انسان کا میلان غیر اللہ کی طرف ہو ہی نہیں۔

غیرت کی اقسام:

قشیری سے منقول ہے کہ یوں کہنا مناسب ہے کہ غیرت کی دو قسمیں ہیں:

(اول) ایک حق سبحانہ کا بندے پر غیرت کھانا، اس طرح کہ اللہ مخلوق کی طرف جانے نہ دے اور اس کے معاملے میں مخلوق بخل کرے۔

(دوم) اور دوسری بندے کی غیرت حق تعالیٰ کے لئے، اس طرح کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی طرف اپنے انفاس و خیالات کو جانے نہ دے۔

لہٰذا یوں کہنا روا نہیں کہ مجھے حق تعالیٰ پر غیرت آتی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مجھے حق تعالیٰ کے لئے غیرت آتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر غیرت آنی جہل ہے اور بعض اوقات یہ بات شرک کی طرف لے جاتی ہے۔ مگر غیرت، مثلاً حقوق اللہ کی تعظیم اور اللہ کے لئے اعمال کے تصفیہ کی موجب بنتی ہے۔

نکتہ یاد رکھیں کہ اللہ کا اپنے اولیاء کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہے کہ جب غیر اللہ کے ساتھ انہیں سکون ملے' یا غیر اللہ کا لحاظ کرتے ہوں' یا دل سے غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہوں' تو ان کی اس حالت کو پریشان کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو غیرت کے مارے خاص اپنے لئے بنا لیتا ہے اور ان امور سے ان کے دلوں کو بالکل خالی کر دیتا ہے، جن کے ساتھ انہیں سکون اور آرام ملتا ہے۔

مثلاً آدم علیہ السلام نے جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر لیا' تو اللہ نے انہیں جنت سے نکال دیا اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام پسند آئے' تو انہیں اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور ابراہیم علیہ السلام کے دل سے اسماعیل علیہ السلام کو

نکال دیا۔ مگر جب دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دیا اور حضرت ابراہیم نے اسماعیل کو پیشانی کے بل گرا دیا اور ان کا باطن ان سے پاک ہو گیا' تو اسماعیل کی بجائے جانور کی قربانی کا حکم دیا۔

محمد بن حسان سے منقول ہے کہ میں جبل لبان میں چکر لگا رہا تھا کہ ایک نوجوان نکلا، جسے باد سموم اور ہواؤں نے جلا دیا تھا، مجھے دیکھتے ہی بھاگ گیا' میں اس کے پیچھے گیا اور کہا: مجھے کچھ نصیحت کرو' تو اس نے کہا: ڈرو، کیونکہ اللہ غیور ہے۔ وہ اپنے بندے کے دل میں اپنے سوا کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

حق تعالیٰ غیور ہیں:

نصر آبادی سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ غیور ہیں اور غیرت ہی کی وجہ سے اس نے اپنی طرف جانے کا کوئی دوسرا طریقہ مقرر نہیں کیا۔

منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی کی کہ فلاں شخص میرے پاس حاجت لایا ہے اور میری بھی ایک حاجت اس کے پاس ہے۔ اگر وہ میری حاجت پوری کر دے' تو میں بھی اس کی حاجت پوری کر دوں گا۔ اس نبی نے اپنی مناجات میں کہا: خدایا! تجھے اس کے پاس کیونکر کوئی حاجت ہو سکتی ہے؟ اللہ نے فرمایا: اس کے دل میں کوئی بس رہا ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ اس سے اپنے دل کو خالی کر دے' تو میں اس کی حاجت پوری کر دوں گا۔

منقول ہے کہ ابو یزید بسطامی نے خواب میں حوروں کی ایک جماعت دیکھی اور انہوں نے انہیں نظر بھر کر دیکھ لیا۔ لہٰذا ان کی کیفیت کئی دنوں تک سلب رہی، اس کے بعد انہوں نے ایک اور حوروں کی جماعت دیکھی' تو انہوں نے ان کی طرف توجہ نہ دی اور فرمایا: تم تو دلوں کو اللہ سے ہٹا دینے والیاں ہو۔

منقول ہے کہ رابعہ عدویہ بیمار پڑ گئیں، کسی نے ان سے بیماری کی وجہ پوچھی' تو فرمایا: میں نے دل کی آنکھ سے جنت کی طرف نگاہ کی تھی، لہٰذا اللہ نے مجھے سزا دی ہے۔ اب راضی ہونا اس کی طرف سے ہے، میں پھر ایسا نہ کروں گی۔

غیرت ہی مقصود ہے:

سری سے حکایت مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک مدت تک اپنے ایک دوست کی تلاش میں تھا۔ میں ایک پہاڑ سے گزرا' تو دیکھا کہ ایک گروہ ہے، جس میں کچھ اپاہج' کچھ اندھے اور کچھ مریض ہیں۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا' تو مجھے بتلایا گیا کہ یہاں ایک شخص ہے، جو سال بھر میں ایک بار نکلتا ہے۔ وہ ان لوگوں کے لئے دعاء کرتا ہے اور یہ شفاء پاتے ہیں۔

میں نے اس کے نکلنے کا انتظار کیا' وہ آیا اور اس نے ان کے لئے دعاء کی اور وہ شفایاب ہو گئے۔ میں اس کے پیچھے

ہولیا اور اس سے چمٹ گیا اور عرض کیا کہ میں ایک باطنی بیماری میں مبتلا ہوں، اس کا کیا علاج ہے؟

اس نے جواب دیا: اے سری! مجھے چھوڑ دے، کیونکہ وہ اللہ غیور ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے کسی اور کے ساتھ سکون پکڑتے دیکھ لے، اگر ایسا کیا' تو تو اس کی نظروں سے گر جائے گا۔

استاد سے مروی ہے کہ بعض صوفیاء ایسے ہیں کہ انہیں اس وقت غیرت آتی ہے، جب وہ لوگوں کو غفلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ جب بدوی نے مسجد رسول اللہ ﷺ میں جا کر پیشاب کر دیا اور صحابہ اسے مسجد سے نکالنے کے لئے گئے' تو فرمایا (اللہ اس پر رحم کرے) یہ اس بدوی کی گستاخی تھی۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم شرمندہ ہوئے اور انہیں یہ دیکھ کر تکلیف ہوئی کہ ایک شخص نادم ہوا۔

یہی حال بندے کا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کو معلوم کر لیتا ہے' تو اسے اس شخص کے ذکر کو سننا' جو اللہ تعالیٰ کا ذکر غفلت سے کرتا ہے، شاق گزرتا ہے اور ان لوگوں کی عبادت بھی اس پر شاق گزرتی ہے، جو پورے احترام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔

حکایت ہے کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیٹا' جس کا نام ابو الحسن تھا، فوت ہو گیا، اس کی والدہ کو اس کا بہت قلق ہوا اور اس نے اپنے سر کے بال کاٹ ڈالے، یہ دیکھ کر شبلی نے حمام میں جا کر داڑھی چونے سے مونڈ ڈالی، ہر وہ شخص جو تعزیت کے لئے آتا' ان سے پوچھتا: اے ابو بکر! یہ کیا بات ہے؟ آپ فرماتے: میں نے یہ کام اپنی بیوی کی موافقت میں کیا ہے۔ ایک نے آپ سے کہا: اے ابو بکر! آپ صحیح صحیح بتائیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ لوگ غفلت کے ساتھ تعزیت کریں گے اور کہیں گے کہ خدا تجھے اس کا اجر دے۔ لہٰذا ان کا غفلت کے ساتھ ذکر کرنے کا فدیہ میں نے اپنی داڑھی سے اداء کر دیا۔

نوری نے ایک شخص کو اذان دیتے سنا' تو فرمایا: خدا تجھے نیزہ مارے اور موت کا زہر بھی دے اور ایک کتے کو بھونکتے سنا' تو لبیک کہا آپ سے کسی نے اعتراض کیا کہ یہ تو دین کو ترک کرنا ہے۔ کیونکہ یہ مومن کو شہادتیں اداء کرنے پر ایسا کہتا ہے؟ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی' تو فرمایا: مومن نے اللہ کا ذکر غفلت سے کیا تھا مگر کتے کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ﴾ (الاسراء: ٤٤)

''ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔''

ایک بار شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اذان دی اور جب شہادتین پر پہنچے' تو کہا: اے اللہ! اگر تیرا حکم نہ ہوتا' تو میں تمہارے نام کے ساتھ کسی اور کا ذکر نہ کرتا۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو جل اللہ کہتے سنا' تو فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تو اللہ کو اس سے زیادہ بزرگ سمجھے۔

ابوالحسن خرقانی سے مروی ہے کہ جو شخص **لا الہ الا اللہ** کہتا ہے' وہ تو دل سے کہتا ہے اور جو **محمد رسول اللہ** کہتا ہے، وہ کان کی بالی سے یعنی غفلت سے کہتا ہے۔

جو شخص ان الفاظ کی ظاہری عبارت کو دیکھے گا' وہ یہی سمجھے گا کہ خرقانی نے شریعت کی تحقیر کی ہے۔ مگر در حقیقت بات ایسی نہیں ہے، کیونکہ غیر اللہ کی قدر و منزلت' اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت کے مقابلہ میں یقیناً حقیر اور معمولی ہے۔

باب

ولایت

فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (یونس:٦٢)

''یاد رکھو! اللہ کے ولیوں کے لئے' نہ خوف ہے' نہ غم۔''

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے میرے ولی کو اذیت پہنچائی، اس نے مجھ سے جنگ کرنا جائز سمجھا۔ کوئی بندہ اس قدر میرے قریب نہیں آ سکتا، جس قدر کہ وہ فرائض کے ادا کرنے کے ذریعہ سے میرے قریب آ سکتا ہے اور بندہ نوافل کے ذریعے سے مجھ سے قریب سے قریب تر آتا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جو چیز بھی کرنا چاہتا ہوں، اس میں کبھی اتنا پس و پیش نہیں کرتا، جتنا کہ اپنے مومن بندے کی روح کو قبض کرنے میں کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے دکھ دینا نہیں چاہتا، حالانکہ موت سے چھٹکارا نہیں ہے۔ (مسند احمد: ٢٦٢٣٦)

لفظ ولی کا اشتقاق:

ابوالقاسم سے مروی ہے کہ لفظ ولی کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ لفظ ولی فعیل کے وزن پر ہے، جس کے معنی مفعول کے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ولی وہ شخص ہے' جس کے کاموں کا اللہ تعالیٰ والی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾ (الاعراف:١٩٦)

اللہ تعالیٰ صالحین کا والی ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بندے کو ایک لحظہ کے لئے اس کی ذات پر نہیں چھوڑ دیتے' بلکہ حق سبحانہ خود اس کی نگہبانی کرتا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ لفظ فعیل کا صیغہ بمعنی فاعل کے ہے، یعنی وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت لگاتار چلی جاتی ہے اور درمیان میں کوئی نافرمانی حائل نہیں ہوتی۔

ولی میں ان دونوں وصفوں کا پایا جانا ضروری ہے، تاکہ ولی ایسا ولی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کلی طور پر ادا کرنا پسند کرے اور ساتھ ہی اللہ اس کی خوشی اور غمی' ہر دو حالت میں ہمیشہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

ولی کی شرط:

ولی کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے محفوظ رکھے، جس طرح نبی کی شرط ہے کہ وہ معصوم ہو۔ لہٰذا جس شخص میں شریعت کی رو سے اعتراض پایا جاتا ہو' سمجھ لو کہ اسے شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ابویزید بسطامی' ایک ایسے شخص سے ملنے کے ارادہ سے گئے، جو لوگوں میں مشہور ولی تھا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی مسجد میں پہنچے' تو اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اس شخص نے نکلتے ہی مسجد کے اندر گلا صاف کیا اور بلغم پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ابویزید اسے سلام کئے بغیر واپس چلے آئے اور فرمایا: یہ شخص تو شریعت کے آداب میں سے ایک ادب کا بھی امین نہیں' تو پھر اسرار خداوندی کا یہ شخص امین کیسے ہوسکتا ہے؟

ولی کے لئے اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے' یا نہیں:

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے' یا نہیں؟

بعض سے مروی ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا چاہئے، کیونکہ ولی تو اپنے آپ کو بنظر استحقار دیکھتا ہے اور اگر اس کے ہاتھوں کوئی کرامت ظاہر ہو' تو اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں یہ چال نہ ہو۔ اس لئے اسے ہمیشہ ڈر رہتا ہے۔

اسے ڈر تو صرف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں وہ اپنے مرتبہ سے گر نہ جائے اور کہیں اس کا انجام اس کی حالت کے خلاف نہ ہو جائے۔ یہ لوگ ولی کی شرائط میں اس بات کو گنتے ہیں کہ اس کا انجام ٹھیک ٹھاک ہو۔ (مگر انجام کا علم صرف اللہ کو ہے)۔

اس سلسلہ میں صوفیاء سے بہت سی حکایت کی جاتی ہیں۔ صوفیاء کی ایک جماعت کا عقیدہ یہی ہے اور اگر ہم ان کے اقوال نقل کرنے لگ جائیں' تو قصہ طول پکڑ لے گا۔ جن شیوخ سے ہماری ملاقات رہی ہے، ان میں سے امام ابوبکر ابن فورک کا یہی عقیدہ تھا۔

بعض سے مروی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو، انجام کا درست ہونا ولایت کی تحقیق میں شرط نہیں۔

پھر اگر یہ بات شرط بھی ہو' تو ہوسکتا ہے کہ اس ولی کو اس کرامت کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے

اسے بتلا دیا ہو کہ اس کا انجام محفوظ ہے، کیونکہ اولیاء اللہ کی کرامت کا جائز ہونا ایک ضروری امر ہے۔ ولی کو اگر چہ اپنے انجام کا خوف لاحق رہتا ہے، پھر بھی موجودہ حالت میں' جو ہیبت' تعظیم اور اجلال (خدا کو بزرگ جاننا) اس کے دل میں ہے' وہ اس خوف سے زیادہ کامل اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تعظیم و ہیبت' خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی بہت سے خوف کے مقابلہ میں دل کے لئے زیادہ سکون کا باعث ہوتی ہے۔

نیز اس لئے بھی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے صحابہ میں سے دس آدمی جنت میں ہوں گے۔

(اخرجہ الترمذی:۳۷۴۸، احمد:۱۶۳۲)

لہٰذا یہ تو یقینی ہے کہ دس صحابیوں نے آنحضرت ﷺ کی تصدیق کی اور انہوں نے اپنے نیک انجام کو معلوم کر لیا۔ مگر پھر بھی ان کی حالت کی تبدیلی سے ان کی حالت میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔

نیز اس سے بھی کہ نبوت کی صحیح معرفت کی شرط یہ ہے کہ انسان معجزہ کی تعریف جانتا ہو (کہ معجزہ کیا چیز ہے؟)، اور اس میں کرامات کی حقیقت کو جاننا بھی شامل ہے۔ لہٰذا ولی جب دیکھے کہ اس سے کرامات ظاہر ہو رہی ہیں' تو اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ کرامات اور غیر کرامات میں امتیاز نہ کر سکے۔ چنانچہ اسے کچھ کرامات دکھائی دیں گی' تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس وقت حق پر ہے۔

پھر یہ بھی جائز ہے کہ اسے اس بات کا علم ہو کہ اس کا انجام بھی اسی حالت پر رہے گا۔ حق تعالیٰ کا اسے یہ بتلا دینا کہ وہ انجام کار میں بھی حق پر رہے گا' اس کے لئے کرامت ہے۔

اولیاء کی کرامات برحق ہیں:

اولیاء کی کرامات کا قائل ہونا صحیح عقیدہ ہے اور اولیاء اللہ کی بہت سی حکایتوں سے کرامات کے برحق ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ابو علی دقاق کا یہی عقیدہ تھا کہ یہ بات جائز ہے کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم بھی ہو۔

ولی کیسے بنتا ہے؟

مروی ہے کہ ابراہیم بن ادھم نے ایک شخص سے کہا: کیا تو اللہ کا ولی بننا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں' تو آپ نے فرمایا: پھر تجھے دنیا و آخرت کی کسی چیز کی طرف رغبت نہیں ہونی چاہئے اور اپنے آپ کو صرف اللہ کے لئے فارغ کر دے اور ہمہ تن اس کی طرف توجہ دے' تاکہ وہ بھی تمہاری طرف توجہ دے اور تجھے اپنا دوست بنائے۔

یحییٰ بن معاذ' اولیاء اللہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں' جنہوں نے مقام ولایت کو پہنچنے کی وجہ سے تکلیف برداشت کرنے کے بعد اللہ کے ساتھ انس حاصل کر لینے کا لباس پہن لیا ہے اور مجاہدہ کے بعد انہوں نے

راحت پالی ہے۔

عمی البسطامی کے والد نے ابو یزید سے روایت کی کہ اولیاءُ اللہ کی دلہنیں ہیں اور محرموں کے سوا کوئی ان دلہنوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا یہ لوگ حجاب انس میں پوشیدہ رہتے ہیں' نہ دنیا میں انہیں کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ آخرت میں (سوائے ان محرموں کے)۔

اللہ کا چھپانا:

ابو بکر صیدلانی سے مروی ہے کہ میں ابو بکر طمستانی کی قبر کی لوح کو درست کر رہا تھا اور حیرہ کے قبرستان میں اس کا نام اس میں کھود رہا تھا۔ جب کبھی اس لوح کو قبر پر نصب کیا جاتا تھا' تو یہ چرالی جاتی، وہاں کسی اور قبر کی لوحوں سے ایسا معاملہ نہ ہوتا تھا اور مجھے اس سے حیرت ہوئی۔

ایک دن میں نے استاد ابو علی دقاق سے اس کے متعلق دریافت کیا' تو فرمایا کہ ابو بکر طمستانی نے دنیا میں اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا تھا اور تو اس لوح کے ذریعے سے ان کی قبر کو مشہور کرانا چاہتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا تھا، اسی طرح ان کی قبر کو چھپائے رکھے۔

ابو عثمان مغربی سے مروی ہے: کبھی ولی مشہور ہوتا ہے، (مگر اس کی شہرت اس کے لئے) فتنہ کا باعث نہیں بنتی۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی نے نصر آبادی سے روایت کی کہ ولی اپنی زبان سے سوال نہیں کرتا۔ (ان کا سوال) عاجزی اور انکساری ہوتا ہے۔

نیز مروی ہے کہ جہاں اولیاء اللہ کی انتہاء ہوتی ہے، وہاں سے نبوت کی ابتداء ہوتی ہے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے: ولی وہ ہے' جس کے افعال لگاتار سنت و شریعت کی موافقت میں ہوں۔

اللہ کے انوارات:

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ ولی نہ تو ریاکار ہوتا ہے اور نہ منافق' لہٰذا جس کا یہ خلق ہو، اس کے دوست کس قدر کم ہوں گے؟

ابو علی جوز جانی سے مروی ہے کہ ولی وہ ہے' جو اپنے حال میں فنا ہو چکا ہو اور مشاہدہ حق میں باقی ہو۔ اس کے انتظام کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے اور ذمہ داری کے انوار اس پر لگاتار ظاہر ہوتے رہتے ہیں' نہ تو وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہتا ہے اور نہ اسے غیر اللہ کے ساتھ قرار حاصل ہوتا ہے۔

ابو یزید سے مروی ہے کہ اگرچہ اولیاء اللہ میں باہم فرق ہوتا ہے، مگر انہیں حصہ اللہ تعالیٰ کے صرف چار ناموں سے ملا

ہوتا ہے اور ہر گروہ ان چار ناموں میں سے ایک نہ ایک نام پر دارو مدار رکھتا ہے اور اولیاء اللہ کو اللہ جل شانہ کے انہی چار ناموں سے حصہ ملتا ہے۔ یہ چار نام الاول' الآخر' الظاھر' الباطن ہیں۔

لہٰذا ان اسماء کی کثرت' مداومت کے بعد جو ان میں فنا ہو جائے، وہ کامل اور تام ہو گیا۔ چنانچہ جسے اللہ کے نام الظاھر سے حصہ ملے' وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے عجیب و غریب نمونے دیکھے گا اور جس کا حصہ اللہ تعالیٰ کے نام باطن سے ہو' وہ ان انوار کو دیکھے گا، جو ان کے دل میں جاری ہوتے ہیں اور جس کا حصہ اللہ کے نام الاول سے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات میں مشغول ہوگا' جو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئے جا چکے ہیں اور جسے اللہ کے نام الآخر سے حصہ ملے گا، اس کا تعلق آئندہ قیامت میں ہونے والے امور کے ساتھ ہوگا۔

ہر ولی کے لئے اسی قدر مکاشفہ ہوتا ہے، جس قدر اس کی طاقت ہوتی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے خود ان کا ولی بنتا ہے اور خود اس کی کفالت کرتا ہے۔

ابو یزید کے اس قول سے اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ان چار قسموں سے بھی بلند ہو جاتے ہیں اور انہیں' نہ تو انجام کا خیال ہوتا ہے اور نہ گزشتہ کی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی وہ حوادث کی قید میں ہوتے ہیں۔

یہی حال اصحاب حقائق کا ہوتا ہے کہ وہ مخلوق کی صفات سے مٹ چکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ﴾ (الکھف:۱۸)

تو انہیں بیدار سمجھتا ہے، حالانکہ وہ سوئے ہوتے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ ولی' دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ریحان کا پودا ہے، جسے صدیق لوگ سونگھتے ہیں اور اس کی خوشبو ان تک پہنچ جاتی ہے' جس کی وجہ سے انہیں اپنے مولا کا اشتیاق ہوتا ہے اور وہ اپنے اخلاق کے مطابق زیادہ عبادت کرنے لگتے ہیں۔

واسطی سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ولی کی کس طرح تربیت کرتا ہے؟ فرمایا: ابتداء میں عبادت کے ساتھ اور آخر عمر میں مہربانیوں سے ڈھانپ دینے سے، اس کے بعد اسے اپنی صفات ازلیہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے، پھر اسے اس کے اوقات میں اپنے ساتھ مناجات کی لذت کا مزہ چکھاتا ہے۔

ولی کی علامات:

مروی ہے کہ ولی کی تین علامتیں ہیں:

(۱) وہ اللہ کے ساتھ عبادت اور اوراد کے ساتھ مشغول رہے۔

(۲) اپنی خواہشات اور کاموں سے بھاگ کر اللہ کی طرف جائے۔

(۲) اسے اللہ ہی کا خیال دامن گیر رہے۔

خراز سے مروی ہے کہ جب اللہ اپنے کسی بندے کو دوست بنانا چاہتا ہے' تو اس کے لئے اپنے ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے، جب وہ اللہ کے ذکر سے لذت پانے لگتا ہے' تو پھر اس کے لئے اپنی قربت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اس کے بعد اسے مجلس انس تک پہنچا دیتا ہے' پھر جب انس بھی پورے طور پر حاصل ہو جاتا ہے' تو اسے توحید کی کرسی پر بٹھا دیتا ہے۔ اس کے بعد اس سے تمام پردے ہٹا کر فردانیت کے گھر میں داخل کر دیا جاتا ہے اور اللہ کا جلال وعظمت اس کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ جب کسی کی نگاہ جلال وعظمت خداوندی پر پڑتی ہے' تو وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ اس وقت بندہ بالکل اپاہج اور فانی ہو جاتا ہے اور اللہ کی حفاظت کے اندر آ جاتا ہے اور اپنے نفسانی وعدوں سے بیزار ہوتا ہے۔

ابوتراب نخشبی سے مروی ہے کہ جب کسی کا دل اللہ سے اعراض کرنے کا عادی ہو جائے' تو وہ اولیاء اللہ پر نکتہ چینی کرنا شروع کر دیتا ہے۔

نیز یہ بھی مروی ہے کہ ولی کی تعریف یہ ہے کہ اسے کوئی خوف نہ ہو۔ اس لئے کہ خوف یہ ہے کہ آئندہ آنے والی ناپسند چیز کا انتظار ہو' یا کسی محبوب چیز کا انتظار ہو، جو آئندہ ہاتھ سے جاتی رہے گی اور ولی تو اپنے وقت کا بندا ہوتا ہے۔ اس کے لئے مستقبل کوئی چیز نہیں کہ وہ کسی چیز سے ڈرے اور جس سے اسے کوئی خوف نہیں ہوتا، اسے کسی قسم کی امید بھی نہیں ہوتی۔

اس لئے کہ رجاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو کسی محبوب چیز کے حاصل ہونے کا انتظار ہو' یا مکروہ چیز کے دور ہو جانے کا انتظار ہو اور یہ دونوں مستقبل کی باتیں ہیں۔ علی ھذا القیاس ... ولی کو کوئی غم' دل کی درشتی کی وجہ سے ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کی رضامندی کی روشنی اور اللہ کے ساتھ موافقت کی ٹھنڈک میں ہو' اسے غم کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ (یونس: ٦٣)

باب

دعاء

فرمان الٰہی ہے:

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ﴾ (الاعراف:۵۵)

اپنے رب کو عاجزی سے اور چھپ کر پکارو۔

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر:۶۰)

تم مجھے پکارو میں تمہاری دعاء قبول کروں گا۔

دعاء کیا چیز ہے؟

حضرت انس بن مالک، رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل فرماتے ہیں کہ

((الدعاء مخ العبادة)) (اخرجه الترمذی:۳۳۷۱)

عبادت کا مغز دعاء ہے۔

استاد سے منقول ہے کہ دعاء قضاء حاجات کی چابی ہے اور فاقہ مستوں کے لئے راحت کا سبب ہے۔ مجبوروں لئے جائے پناہ ہے اور حاجت مندوں کے لئے آرام کرنے کا سبب ہے۔

اللہ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے، جو دعاء نہیں کرتے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾

وہ اپنے ہاتھوں کو سکیڑ لیتے ہیں۔

مروی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔

سہل بن عبداللہ سے منقول ہے کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کر کے فرمایا: مجھ سے باتیں کرو، اگر یہ نہ کر سکو تو میری طرف دیکھو، اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میری بات کو سنو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میرے دروازے پر رہو، اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میرے پاس اپنی ضرورتوں کو لاؤ۔

انہی سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ مقبولیت کے قریب وہ دعاء ہے، جو صاحب حال بندے کی ہو اور دعائے حال وہ دعاء ہے کہ بندہ اس قدر مجبور ہو کہ جو کچھ مانگ رہا ہے، اس کے سوا اسے چارہ نہ ہو۔

ابوعبداللہ الکانسی سے منقول ہے کہ میں ایک بار جنید کے پاس تھا کہ عورت نے آ کر عرض کی کہ میرا بیٹا گم ہو گیا ہے، آپ دعاء فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ صبر کرو۔ وہ چلی گئی اور پھر آئی اور اپنے مطلب کو دوبارہ بیان کیا، جنید نے پھر وہی جواب دیا کہ جاؤ، صبر کرو، عورت چلی گئی۔ مگر پھر واپس آ گئی۔

اس طرح اس نے کئی بار ایسا کیا اور جنید اس سے یہی کہتے جاتے، صبر کرو۔ پھر اس نے کہا: اب میرے صبر کا پیمانہ چھلک چکا ہے اور مزید صبر کی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا میرے لئے دعاء فرمائیں۔ جنید نے فرمایا: اگر ایسا معاملہ ہے تو جاؤ تمہارا بیٹا واپس آ چکا ہے۔ وہ چلی گئی اور شکریہ اداء کرنے کے لئے لوٹ آئی۔ جنید سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کیسے معلوم کر لیا؟ فرمایا: فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ ﴾ (النمل:٦٢)

بے چین آدمی کی کون سنتا اور اس کی تکلیف کون دور کرتا ہے؟

دعاء افضل ہے، یا سکوت و رضاء؟

صوفیاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا دعاء افضل ہے، یا سکوت و رضاء؟

بعض سے مروی ہے کہ دعاء تو دراصل عبادت ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دعاء عبادت کا مغز ہے۔

لہٰذا جو بات عبادت ہو، اس کا ذکر کرنا اس کے ترک کر دینے سے افضل ہے۔ مزید برآں تعالیٰ کا حق برحق ہے۔ لہٰذا اگر اللہ اپنے بندے کی دعاء کو قبول نہ کرے اور بندے کی آواز پوری نہ ہو، تو بھی بندے نے اپنے رب کا حق اداء کر دیا۔ کیونکہ دعاء عبودیت کے احتیاج کا اظہار ہے۔

ابوحازم سے منقول ہے کہ اگر میں دعاء سے محروم کر دیا جاؤں، تو یہ میرے لیے زیادہ ناگوار ہوگا، بہ نسبت اس کے کہ میں مقبولیت سے محروم کر دیا جاؤں۔

دوسرے بعض سے مروی ہے کہ خاموش رہنا اور اللہ کے حکم کے تحت عاجزی کرنا اصل ہے اور اللہ نے بندے کیلئے

جو کچھ پہلے اسے اختیار کر رکھا ہے، اس پر راضی رہنا بہتر ہے۔

اسی لئے واسطی سے مروی ہے کہ احکام ازل سے تجھ پر جاری ہو چکے ہیں، ان پر راضی رہنا وقت کا مقابلہ کرنے سے بہتر ہے۔

چنانچہ آنحضور ﷺ سے منقول ہے کہ اللہ فرماتے ہیں:

جو شخص میرے ذکر میں مشغولیت کے سبب مجھ سے کچھ نہیں مانگتا، میں اسے سوال کرنے والے سے بہتر چیز دوں گا۔

(اخرجه الترمذی: ۲۹۲٦، دارمی: ۳۳۵٦)

تیسرے، بعض حضرات سے مروی ہے کہ بندے کو زبان سے دعاء کرنی چاہئے اور دل میں رضاء ہونی چاہئے، تا کہ اس کا عمل دونوں پر ہو۔ مگر بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ وقت وقت کی بات ہے۔ چنانچہ بعض حالات میں دعاء سکوت سے افضل ہے اور یہی صحیح ادب ہے اور مگر یہ بات تو اسی خاص حالت میں معلوم کی جا سکتی ہے، کیونکہ کسی خاص وقت کا علم اسی وقت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

لہٰذا جب دل میں دعاء کی طرف اشارہ پایا جائے' تو دعاء بہتر ہے اور جب سکوت کی طرف اشارہ ہو' تو سکوت افضل ہے۔ یوں بھی کہنا درست ہے کہ دعاء کے وقت بندے کو اپنے رب کے مشاہدہ سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ پھر اسے اپنی حالت کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اگر دعاء سے اُس کی حالت میں زیادہ بسط پیدا ہو، جس طرح پیدا ہو' تو دعاء بہتر ہو گی اور اگر دعاء کے وقت اس کا دل اسے زجر کرے اور اس میں قبض پیدا ہو' تو اس وقت اس کے لئے دعاء نہ کرنا بہتر ہے اور اگر اپنے دل میں نہ زیادہ' نہ ہی زجر محسوس ہو' تو پھر دعاء کرنا اور نہ کرنا یکساں ہو گا، مگر ایسی حالت میں علم غالب ہو' تو دعاء بہتر ہے۔ کیونکہ یہ عبادت ہے اور اگر اس حالت میں معرفت حال اور سکوت غالب ہو تو سکوت بہتر ہے۔

یوں کہنا بھی درست ہے کہ اگر کسی بات میں، عام مسلمانوں کا حق پایا جائے' یا اس میں اللہ کا حق پایا جاتا ہے' تو دعاء بہتر ہے اور اگر تمہارا ذاتی فائدہ پایا جائے' تو سکوت بہتر ہے۔

ایک حدیث سے منقول ہے کہ بندہ اللہ سے دعاء کرتا ہے اور اللہ اس کی دعاء کو پسند فرماتا ہے اور جبریل کو حکم دیتا ہے کہ اس کی دعاء کی مقبولیت میں دیر کرو۔ کیونکہ میں اس کی آواز سننا پسند کرتا ہوں اور ایک بندہ دعاء کرتا ہے اور اللہ اسے ناپسند کرتا ہے' تو جبرئیل کو حکم دیتا ہے کہ اس کی حاجت پوری کرو، کیونکہ میں اس کی آواز کو سننا پسند نہیں کرتا۔ (طبرانی: ۸۴۴۲)

حکایت ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان نے خواب میں اللہ کو دیکھا، عرض کیا: یا الٰہی! میں کب تک تجھے پکارتا رہوں گا اور تو میری پکار سنے گا؟ جواب ملا: اے یحییٰ! یہ اس لئے ہے کہ مجھے تمہاری آواز پسند ہے۔

نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! کہ بندہ اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ اس پر ناراض ہونے کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ پھر پکارتا ہے، اللہ پھر منہ موڑ لیتا ہے۔ وہ پھر پکارتا ہے' تو اللہ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے: میرے بندے نے میرے سوا کسی اور کو پکارنے سے انکار کر دیا ہے۔ لہٰذا میں نے اس کی دعاء منظور کر لی۔ (طبرانی: ۸٤٤٢)

مالک بن دینار' حسن کے واسطے سے حضرت انس بن مالک سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں شام سے مدینہ تجارت کے لئے ایک شخص آیا کرتا تھا اور پھر مدینہ سے شام جاتا، مگر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے، وہ قافلوں کے ساتھ نہ جاتا۔

ایک بار جب وہ شام سے مدینہ آ رہا تھا' تو ایک ڈاکو ملا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے سوداگر کو پکار کر کہا: ٹھہر جاؤ۔ سوداگر ٹھہر گیا اور کہا: یہ مال لے لے اور مجھے چھوڑ دے' ڈاکو نے کہا: مال تو اب میرا ہے ہی، میں تو تیری جان لینا چاہتا ہوں۔ سوداگر نے کہا: میری جان سے تجھے کیا غرض؟ مال لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ ڈاکو نے پھر وہی جواب دیا۔ اس پر سوداگر نے کہا: مجھے اتنی مہلت دو کہ میں وضوء کر کے نماز پڑھ لوں اور اپنے رب کو پکار لوں، ڈاکو نے کہا: جو تمہارا جی چاہے کرو۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ سوداگر نے اٹھ کر وضو کیا اور چار رکعت نماز ادا کر کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یوں دعاء کی:

((یا ودود یا ودود یا ذا العرش المجید یا مبدیٔ یا معید یا فعال لما یرید اسألك بنور وجهك الذی ملأ ارکان عرشك واسألك بقدرتك التی قدرت بها علی خلقك وبرحمتك التی وسعت کل شیء لا اله الا انت یا مغیث اغثنی))

اور یہ دعاء اس نے تین بار پڑھی۔ جب دعاء سے فارغ ہوا' تو یکا یک ایک شخص سفید گھوڑے پر سوار' سبز رنگ کے کپڑے پہنے نور کا حربہ ہاتھ میں لئے ہوئے آ موجود ہوا۔ جب ڈاکو نے سوار کو دیکھا' تو سوداگر کو چھوڑ کر سوار کی طرف لپکا' جب اس کے قریب پہنچا' تو سوار نے ڈاکو پر حملہ کر دیا اور ایسا نیزہ مارا کہ اسے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔

پھر سوداگر کے پاس آ کر کہا: اٹھو اور اسے قتل کر دو۔ سوداگر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا اور میرا دل تو نہیں چاہتا کہ اسے قتل کر ڈالوں۔ پھر سوداگر کے پاس آ کر کہا کہ میں آسمان کا فرشتہ ہوں، جب تو نے پہلی بار دعا کی' تو ہم نے تیسرے آسمان کے کڑکڑانے کی آواز سنی' تو کہا کہ کوئی حادثہ واقع ہوا ہے۔ پھر تو نے دوسری بار

دعاء کی' تو آسمان کے دروازے کھل گئے اور وہ آگ کے شعلوں کی طرح تھا۔

پھر تو تیسری بار دعاء کی' تو آسمان سے جبرئیل اتر کر ہمارے پاس آئے اور وہ مصیبت زدہ کے لئے پکار رہے تھے۔ میں نے اللہ سے درخواست کی کہ یہ کام میرے سپرد کر دیں۔ اے اللہ کے بندے! یاد رکھو! جو شخص کسی مصیبت یا سختی کے وقت میں یہ دعاء مانگے' تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل کر دے گا اور اس کی مدد کرے گا۔

انس فرماتے ہیں کہ سوداگر صحیح سلامت چلا آیا۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا قصہ سنایا اور اپنی دعاء کا بھی ذکر کیا' تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تجھے اپنے وہ اسماء حسنیٰ تلقین کئے ہیں کہ جب ان کے ذریعہ سے دعاء کی جائے' تو اللہ قبول کرتا ہے اور ان کے ذریعہ سے کوئی چیز مانگی جائے' تو اللہ اسے دے دیتا ہے۔

(فیض القدیر: ۲/ ۰۶۱)

آداب دعاء:

دعاء کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان حضور قلب کے ساتھ دعاء کرے اور یہ کہ وہ غافل ہو کر دعاء نہ کرے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی دعاء قبول نہیں فرماتا' جو غافل دل سے دعاء کر رہا ہو۔ (اخرجه الترمذی: ۳۴۷۹)

شرائط دعاء:

دعاء کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال کی کمائی سے ہو۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو فرمایا:

اپنی کمائی پاک رکھو، تمہاری دعاء مقبول ہو گی۔ (طبرانی: ٦٤٩٥)

مروی ہے کہ دعاء جنت کی کنجی ہے، جس کے دندانے حلال کے لقمے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ سے منقول ہے: اے اللہ! میں تجھے کیسے پکاروں، جبکہ میں نافرمان ہوں اور تمہیں کیونکر نہ پکاروں؟ جبکہ تو کریم ہے۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گذرے' جو دعاء کرتا تھا اور گڑگڑاتا تھا۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یا الٰہی! اگر میرے پاس اس کی حاجت ہوتی' تو میں پوری کر دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اے موسیٰ! میں تم سے زیادہ اس پر رحم کرنے والا ہوں۔ مگر وہ مجھے پکارتا ہے اور اس کا دل اپنی بکریوں کے پاس ہے اور میں کسی ایسے بندے کی دعاء قبول نہیں کرتا' جس کا دل میرے سوا کسی اور کے پاس ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس شخص سے کہہ دی۔ پھر اس نے خالص اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دل سے دعاء کی اور اس کی دعاء

مقبول ہوئی۔

کسی نے جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ کیا بات ہے کہ ہم دعاء مانگتے ہیں، مگر ہماری دعاء قبول نہیں ہوتی ؟ فرمایا: اس لئے کہ تم ایسے خدا کو پکارتے ہو، جسے تم پہچانتے ہی نہیں ہو۔

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ یعقوب بن لیث کو ایک ایسی بیماری لگ گئی، جس کا علاج کرنے سے تمام طبیب عاجز آ گئے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تمہاری سلطنت کے اندر ایک نیک آدمی ہے، جس کا نام سہل بن عبداللہ ہے۔ اگر وہ تمہارے لئے دعاء کرے، تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعاء قبول فرمائے۔

اس نے سہل کو پیغام بھیجا اور کہا کہ میرے لئے اللہ سے دعاء کریں۔ سہل نے کہا: اے اللہ! جس طرح تو نے معصیت کاری کی ذلت دکھادی، اسی طرح اسے اطاعت گذاری کی عزت بھی دکھادے اور اس کی تکلیف دور کردے۔

اللہ نے اسے شفاء دے دی۔ اس نے سہل کو مال دینا چاہا، مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے کہا: اگر آپ قبول کر لیتے اور فقراء کو دے دیتے (تو بہتر ہوتا)، آپ نے جنگل کی کنکریوں کی طرف نگاہ کی، تو وہ سب جواہر بن گئیں اور اپنے اصحاب سے کہا: وہ خدا جو اس قدر دیتا ہے؟ کیا اسے یعقوب بن لیث کے مال کی حاجت ہے؟

مروی ہے کہ صالح المری اکثر کہا کرتے، جو شخص متواتر ایک در پر دستک دیتا رہتا ہے، عنقریب وہ دروازہ اس کے لئے کھول دیا جائے گا، یہ سن کر رابعہ نے اس سے کہا: تو کب تک یہ بات کہے جائے گا؟ وہ دروازہ بند ہی کب ہوا ہے؟ کہ کھلوانے کی ضرورت ہو؟ یہ جواب سن کر صالح نے کہا: ایک بوڑھا (یعنی خود صالح) بے خبر ہے اور ایک عورت باخبر ہے۔

ابو بکر الحربی نے السری سے روایت کی کہ میں معروف کرخی کی مجلس میں گیا۔ ایک شخص نے اٹھ کر درخواست کی: اے ابو محفوظ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری تھیلی مجھے لوٹا دے۔ یہ تھیلی کسی نے چرا لی ہے اور اس میں ایک ہزار دینار تھے۔ مگر آپ خاموش رہے۔ اس نے پھر کہا، تو معروف نے کہا: میں کیا کہوں؟ کیا یہ کہوں کہ جو چیز تو نے اپنے انبیاء اور اصفیاء کو نہیں دی، وہ اسے لوٹا دے۔ اس نے یہ سن کر کہا: پھر میرے لیے دعاء کیجئے، تو آپ نے کہا: اے اللہ! جو چیز اس شخص کے لئے بہتر ہو، اسے اس شخص کے لئے منتخب کرلو۔

لیث سے حکایت ہے کہ کہا: میں نے ابن نافع کو نابینا دیکھا۔ پھر اس کے بعد دیکھا، تو وہ بینا تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیونکر تمہاری بینائی تمہیں لوٹا دی؟ انہوں نے فرمایا: خواب میں کوئی میرے پاس آیا، تو اس نے مجھے کہا کہ یوں دعاء کر۔

یا قریب یا مجیب یا سمیع الدعاء یا لطیفاً لما یشاء

چنانچہ میں نے یہ دعا پڑھی اور اللہ تعالیٰ نے میری بینائی لوٹا دی۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ جب میں ابتداء میں مرو سے نیشا پور لوٹ کر آیا' تو مجھے آنکھ کے درد کی تکلیف تھی۔ چنانچہ اس تکلیف کی وجہ سے میں کئی دن تک سو نہ سکا۔ ایک صبح میری آنکھ لگ گئی' تو میں نے ایک شخص کو کہتے سنا: کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ جب بیدار ہوا' تو تکلیف غائب تھی اور سارا درد اسی وقت جاتا رہا۔ اس کے بعد مجھے کبھی آنکھ میں درد نہیں ہوا۔

محمد بن خزیمہ سے حکایت ہے کہ جب احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی' میں اسکندریہ میں تھا۔ مجھے ان کی وفات کا غم ہوا' تو خواب میں احمد بن حنبل دکھائی دیئے، وہ مٹک مٹک کر چل رہے تھے۔ میں نے کہا: اے ابوعبداللہ! یہ کیسی چال ہے؟ فرمایا جنت میں خادموں کی چال ہے۔ میں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ فرمایا: مجھے معاف کر دیا۔ مجھے تاج پہنایا اور سونے کے جوتے کا جوڑا پہنایا اور کہا: اے احمد! یہ اس بات کی جزاء ہے کہ تم نے کہا تھا، قرآن اللہ کا کلام ہے۔

پھر فرمایا: اے احمد! مجھے ان دعاؤں کے ذریعے سے پکارو' جو میں نے سفیان ثوری کے ذریعے سے تم تک پہنچائی تھیں اور تم دنیا میں ان دعاؤں کو پڑھا کرتے تھے۔ میں نے عرض کی: اے ہر چیز کے خالق! ہر چیز پر تمہاری قدرت کی قسم! مجھے میرے تمام گناہ معاف کر دے اور مجھے کسی بات کے متعلق نہ پوچھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے احمد! یہ جنت ہے، اس میں داخل ہو جاؤ اور میں داخل ہو گیا۔

مروی ہے کہ ایک نوجوان نے کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر کہا: خدایا! تمہارا کوئی شریک نہیں کہ ہم اسے لاسکیں اور نہ کوئی وزیر ہے، جسے ہم رشوت دے سکیں۔ اگر میں تمہاری عبادت کروں' تو یہ تمہاری عنایت ہوگی۔ جس کے لئے میں شکر گذار ہوں اور اگر نافرمانی کروں' تو ایسا میری جہالت کی وجہ سے ہوگا اور تمہاری محبت مجھ پر قائم ہوگی۔ اس صحبت کی قسم! جو تمہارے ہاں میری طرف سے منقطع ہو چکی ہے' تو مجھے بخش دے۔

اس پر اس نے ہاتف کو کہتے سنا: یہ نوجوان دوزخ سے آزاد ہے۔

مروی ہے کہ دعاء کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار کیا جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔

عوام' زاہد اور عارف کی دعاء میں فرق:

مروی ہے کہ عوام کی دعاء اقوال و الفاظ میں ہوتی ہے اور زاہدوں کی دعاء افعال سے اور عارفین کی احوال سے۔

مروی ہے کہ بہترین دعاء وہ ہے' جسے غموں کے ہجوم سے مجبور ہو کر کیا جائے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ جب تو اللہ سے کوئی حاجت مانگے اور اللہ اسے آسان کر دے' تو اللہ سے جنت مانگ ہو

سکتا ہے' یہ تمہاری اجابت کا دن ہو۔

مروی ہے کہ مبتدیوں کی زبانیں دعاء کے ساتھ چلتی ہیں، مگر محققین کی زبانیں دعاء کرنے سے گونگی ہو جاتی ہیں۔

واسطی سے کسی نے دعاء کرنے کی درخواست کی' تو فرمایا: مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر میں دعاء کروں' تو مجھے یوں جواب ملے کہ اگر تم نے ہم سے وہ چیز مانگی' جو تمہاری ہمارے پاس ہے' تو تم نے ہم پر تہمت لگا دی۔ (اس خیال سے کہ شاید ہم تمہیں نہ دیں گے)۔ اور اگر ایسی چیز مانگتا ہے، جو تمہارے لیے ہمارے پاس نہیں ہے' تو تم نے ہماری بڑی تعریف کی اور اگر تم راضی برضا رہو' تو ہم تیرے لئے وہ باتیں جاری کر دینگے کہ ایک عرصہ تک تمہاری حاجتیں پوری ہوتی رہیں گی۔

عبداللہ بن منازل سے مروی ہے کہ میں نے پچاس سال سے دعاء نہیں کی اور نہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی میرے لئے دعاء کرے۔

مروی ہے کہ دعاء ایک قسم کی باہمی پیغام رسانی ہے اور جب تک مراسلت قائم رہے، معاملہ ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔

مروی ہے کہ گنہگاروں کی دعاء ان کی زبان ہوتی ہے۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ جب گنہگار روتا ہے' تو یوں سمجھو کہ اس نے اللہ کو اپنا پیغام پہنچا دیا۔

اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

دموع الفتى عما يجن تترجم   وانفاسه يبدين ما القلب يكتم

انسان کے آنسو' اس کے دل کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کے سانس دل کے راز ظاہر کر دیتے ہیں۔

کسی کا قول ہے کہ دعاء گناہوں کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

مروی ہے کہ دعاء محبوب کی طرف اشتیاق کی ترجمانی ہے۔

مروی ہے کہ دعاء کرنے کی اجازت دینا مقصود کو عطاء کرنے سے بہتر ہے۔

کتانی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ عذر خواہی کے لئے جب مومن کی زبان کھول دیتا ہے' تو صرف اس لئے کہ اس کے لئے مغفرت کا دروازہ کھول دیا جائے۔

مروی ہے کہ دعاء بندہ کے لئے' اللہ تعالیٰ کے در پر حاضر ہونے کا سبب بنتی ہے اور عطاء اس در کے واپس جانے کا اور اللہ کے دروازے پر کھڑا رہنا جزاء حاصل کر کے واپس چلے جانے سے افضل ہے۔

مروی ہے کہ حیاء کی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے آنے کا نام دعاء ہے۔

مروی ہے کہ دعاء کی شرط یہ ہے کہ انسان (دعاء کے بعد) اس فیصلہ پر' جو اللہ تعالیٰ کرے راضی رہے۔

دعاء کے لئے وسیلہ پیدا کرو:

مروی ہے کہ تو اپنی دعاء کی مقبولیت کا انتظار کیسے کر رہا ہے؟ حالانکہ گناہوں سے تو نے اس کا راستہ بند کر رکھا ہے۔

کسی نے درویش کو کہا کہ میرے لئے دعاء کرو' تو کہا: جو بیگانگی تیرے اور اللہ کے درمیان ہے، اس کے لئے صرف وسیلہ پیدا کر لینا ہی کافی ہے اور وہ وسیلہ عجز وانکساری ہے۔

ماں کی دعاء کے ثمرات:

عبدالرحمٰن بن احمد' اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت تقی بن مخلد کے پاس آئی اور کہا کہ میرے بیٹے کو رومیوں نے قید کر لیا ہے اور میرے پاس صرف ایک چھوٹا سا گھر ہے، جسے بیچ نہیں سکتی (کہ اس کا فدیہ اداء کرسکوں) اگر آپ چاہیں' تو کسی کو حکم دیں کہ اس کا فدیہ اداء کر دے۔ کیونکہ میرے لئے نہ دن ہے' نہ رات اور نہ نیند ہے' نہ قرار۔

آپ نے فرمایا کہ اس وقت چلی جاؤ، میں اس کے معاملہ میں غور کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فرماتے ہیں کہ شیخ تقی بن مخلد نے سر نیچا کر کے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی اور ہم دیر تک منتظر رہے۔ پھر وہی عورت اپنے بیٹے کو لے آئی اور انہیں دعائیں دینے لگی اور کہا: یہ صحیح وسلامت آ گیا ہے اور اپنا قصہ خود سنائے گا۔ اس پر نوجوان نے بتلایا کہ میں قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رومی بادشاہ کے قبضہ میں تھا اور ایک آدمی ہماری خدمت پر مامور تھا' جو ہر روز ہمیں خدمت کے لئے جنگل میں لے جاتا اور پھر ہمیں واپس لے آتا۔ بیڑیاں اسی طرح ہمارے پاؤں میں پڑی ہوتی تھیں۔

ایک دن مغرب کے بعد ہم کام کر کے' اس خادم کے ساتھ جو ہماری حفاظت کیا کرتا تھا، واپس آ رہے تھے کہ بیڑی میری ٹانگوں سے کھل کر زمین پر گر پڑی اور اس نے وہ دن اور وقت جس میں یہ واقعہ پیش آیا تھا' ذکر کیا۔ یہ وہی وقت تھا، جب وہ عورت' شیخ تقی بن مخلد کے پاس آئی تھی اور شیخ نے دعاء کی تھی۔ محافظ اٹھ کر میری طرف آیا اور کہا: تو نے بیڑی توڑ ڈالی ہے؟ میں نے کہا: میں نے تو نہیں توڑی، بلکہ خود بخود گر گئی ہے۔

نوجوان کہتا ہے کہ محافظ کو حیرت ہوئی اور اس نے اپنے مالک سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے لوہار کو بلا کر پھر مجھے بیڑیوں میں جکڑ دیا۔ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ بیڑیاں پھر پاؤں سے گر گئیں۔ انہیں اس سے بہت حیرت ہوئی اور اپنے راہبوں کو بلایا۔ راہبوں نے مجھے کہا: کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: اس کی دعاء قبول ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تجھے رہا کیا ہے۔

لہٰذا اب ہمارے لئے تمہیں قید میں رکھنا ممکن نہیں۔ پھر انہوں نے مجھے زاد راہ دیا اور ایک آدمی ساتھ کر دیا، جو مجھے مسلمانوں کے علاقہ تک پہنچا گیا۔

باب

فقر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ﴾ (البقرہ:۲۷۳)

(تمہارے صدقات) ان فقراء کے لئے ہیں' جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں اور وہ زمین میں تجارت وغیرہ کے لئے آمدورفت نہیں کر سکتے۔

ابو ہریرہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ

فقراء' مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ (اور پانچ سو سال) آخرت کا آدھا دن ہوگا۔

(اخرجه الترمذی:۲۳۵۳، ابن ماجه:۴۱۲۲)

فقیر و مسکین کون ہے:

عبداللہ نے رسول ﷺ سے روایت کی کہ

مسکین وہ شخص نہیں' جو چکر لگاتا رہتا ہے اور اسے ایک' دو لقمے یا ایک' دو کھجوریں مل جاتی ہیں۔ صحابہ عرض پرداز ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! پھر مسکین کون ہے؟ فرمایا:

مسکین وہ شخص ہے' جس کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو کہ مالدار کہلائے۔ مگر لوگوں سے سوال کرنے سے (اللہ کے حضور) شرماتا ہے اور نہ ہی لوگوں کو اس کا پتہ ہوتا ہے کہ اسے بطور صدقہ دیں۔ (مسند احمد:۴۲۶۰)

استاد سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ وہ لوگوں سے مانگنے سے شرماتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سے حیاء کرتے ہوئے، لوگوں سے سوال نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگوں سے شرماتا ہے۔

فقر' اللہ کے ولیوں کا شعار اور خواص کا زیور ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں، مثلاً اتقیاء اور انبیاء کے

لئے پسندیدہ قرار دیا ہے اور فقراء وہ لوگ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر رکھا ہے اور یہ لوگ مخلوق میں اللہ کے راز کے متحمل ہوتے ہیں، انہیں کی بدولت اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت کرتا ہے اور انہی کی برکت سے اللہ انہیں رزق میں وسعت دیتا ہے اور صابر فقیر، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے۔

جنت کی کنجی مسکینوں کی محبت:

آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے، عمر بن الخطاب نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی کہ

ہر چیز کی کنجی ہوتی ہے اور جنت کی کنجی مسکینوں کی محبت ہے۔ (کنز العمال: ۱۶۵۸۷)

اور صابر فقیر قیامت کے دن اللہ کے ہم نشین ہوں گے۔

مروی ہے کہ ایک شخص، ابراہیم بن ادھم کے پاس دس ہزار درہم لایا۔ مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا: تو دس ہزار درہم دے کر میرا نام فقراء کے دیوان سے مٹانا چاہتا ہے! میں ایسا نہ کروں گا۔

معاذ نسفی سے مروی ہے کہ لوگ خواہ کسی قسم کے اعمال بھی کرتے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک نہیں کرتا، حتیٰ کہ جب وہ فقراء کی تذلیل واہانت کرتے ہیں (تب اللہ انہیں ہلاک کرتا ہے)۔

مروی ہے کہ فقیر کے لئے صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے وسعت چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے نرخ کم ہوں، کیونکہ فقیر کو خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے اور امیر کو بیچنے کی، یہ تو عام فقیروں کا حال ہے۔ خاص فقیروں کی اور ہی بات ہے۔

ابو بکر بن مسعود نے یحییٰ بن معاذ سے روایت کی کہ کسی نے یحییٰ بن معاذ سے فقر کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ استغناء نہ کرے اور فقر کی تعریف یہ ہے کہ دنیا کے کسی قسم کے اسباب و ذرائع پر اعتماد نہ کیا جائے۔

منصور بن عبداللہ نے ابراہیم القصار سے روایت کی کہ جب بندہ درحقیقت فقر میں داخل ہوتا ہے، تو یہ اس کے لئے ایسا لباس بن جاتا ہے، جس سے رضاء پیدا ہوتی ہے۔

استاد ابوعلی دقاق کے پاس ۳۹۴ھ یا ۳۹۵ھ میں ایک فقیر زوزن سے آیا۔ جس نے ٹاٹ کا کرتہ اور ٹاٹ کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے تفریح کے طور پر کہا کہ یہ ٹاٹ کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ ٹاٹ دنیا دے کر خریدا ہے اور بیچنے والے نے مجھ سے کہا کہ اسے میرے پاس بیچ دو اور آخرت لے لو، مگر میں نے نہیں بیچا۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ ایک فقیر نے ایک مجلس میں کھڑے ہو کر کچھ مانگا اور کہا کہ میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ اس وقت وہاں ایک شیخ موجود تھا، انہوں نے بلند آواز سے کہا: تو جھوٹ کہتا ہے، کیونکہ فقر تو اللہ کا راز ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا راز اس شخص کے پاس نہیں رکھتا، جو اس راز کو جہاں چاہے لئے پھرے۔

شیطان ان تین چیزوں پر خوش ہوتا ہے:

زکریا نخشبی نے حمدون قصار سے روایت کی کہ جب شیطان اور اس کی فوج اکھٹی ہوتی ہے' تو انہیں کسی بات پر اتنی خوشی نہیں ہوتی، جتنی کہ تین چیزوں پر ہوتی ہ:

(۱) اس مومن پر جو مومن کو قتل کرے۔

(۲) اس شخص پر جو کفر کی حالت میں مرے۔

(۳) اور اس دل پر جسے فقر کا ڈر ہو۔

ابو جعفر الفرغانی نے جنید سے روایت کی کہ اے فقراء کی قوم! تمہیں لوگ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے جانتے ہیں اور اللہ ہی کی خاطر تمہاری عزت کی جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم اللہ کے ساتھ خلوت میں ہو' تو تمہیں سوچ لینا چاہئے کہ تمہیں کیسا ہونا چاہئے؟

محمد بن عبداللہ الفرغانی سے مروی ہے کہ کسی نے جنید سے سوال کیا کہ آیا افتقار الی اللہ (اللہ کی طرف حاجت لے جانا) بہتر ہے' یا استغناء باللہ؟ تو جنید نے فرمایا: جب صحیح معنوں میں افتقار الی اللہ ہو' تو استغناء باللہ بھی صحیح معنوں میں پایا جاتا ہے اور جب استغنا باللہ صحیح معنوں میں پایا گیا' تو غنی باللہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کون سا افضل ہے، افتقار یا غناء؟ کیونکہ یہ دونوں ایسی حالتیں ہیں' جو ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتیں۔

منصور بن عبداللہ نے جعفر سے روایت کی کہ رویم سے کسی نے یہ سوال کیا کہ فقیر کی کیا تعریف ہے' تو فرمایا: نفس کو احکام الٰہیہ میں چھوڑ دینا۔

فقراء کی صفات:

مروی ہے کہ فقیر کی تین صفتیں ہیں:

(۱) راز خداوندی کو محفوظ رکھنا۔

(۲) اللہ کے فرضوں کو ادا کرنا۔

(۳) اور اپنے فقر کی حفاظت کرنا۔

کسی نے ابو سعید خراز سے پوچھا: امیروں کی مدد فقراء کو کیوں نہیں پہنچتی؟ فرمایا: تین وجہ سے:

(۱) امیروں کا مال حلال طیب نہیں ہوتا۔

(۲) توفیق ایزدی امیروں کے شامل نہیں ہوتی۔

(۳) فقراء کو اللہ تعالیٰ آزمائش میں ڈالے رکھنا چاہتا ہے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب تم فقراء کو دیکھو تو ان سے اسی طرح کی باتیں کرو، جس طرح مالداروں سے کرتے ہو، اگر ایسا نہیں کرتے تو جو علم بھی میں نے تمہیں دیا ہے، اسے مٹی کے نیچے ڈال دو۔

ابو الدرداء سے مروی ہے کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ محل سے گر کر چور چور ہو جاؤں، بجائے اس کے کہ میں مالداروں کی مجلس میں بیٹھوں، اس لئے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

مردوں کی ہم نشینی سے بچا کرو۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مردے کون ہیں؟ فرمایا: مالدار لوگ۔

(حلیة الاولیاء:۲/۱ ۳۵)

کسی نے ربیع بن خثیم سے کہا کہ بھاؤ چڑھ گئے ہیں! فرمایا: ہم اللہ کے ہاں اس سے زیادہ حقیر ہیں کہ ہمیں بھوکا رکھے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے دوستوں کو بھوکا رکھتا ہے۔

ابراہیم بن ادھم سے مروی ہے کہ ہم نے فقر مانگا' تو مالداری نے ہمارا استقبال کیا، لوگوں نے مالداری مانگی' تو فقر نے ان کا استقبال کیا۔

فقیر کیا ہے؟

کسی نے یحییٰ بن معاذ سے کہا کہ فقر کیا ہے؟ فرمایا فقر کا ڈر۔ پھر پوچھا کہ مالداری کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کے پاس امن حاصل کرنا۔

الجریری نے ابن الکرینی سے روایت کی کہ سچا فقیر مالداری سے پرہیز کرتا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں مالداری داخل ہو کر اس کے فقر کو خراب نہ کر دے۔

کسی نے ابو حفص سے پوچھا: فقیر اپنے رب کے پاس کیا لے کر جائے؟ فرمایا کہ فقیر کو اپنے رب کے پاس فقیر کے سوا اور کون سی چیز لے کر جانا چاہئے؟

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن تمہاری نیکیاں تمام لوگوں کی نیکیوں جتنی ہوں؟ عرض کیا: ہاں! چاہتا ہوں۔ حکم ہوا:

مریض کی عیادت کیا کرو، فقراء کے کپڑوں سے جوئیں نکالا کرو۔

اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ہر ماہ میں سات دن مقرر کر دیئے۔ جن میں وہ فقراء کے ہاں چکر لگاتے، ان کے کپڑوں سے جوئیں نکالتے اور مریضوں کی عیادت کرتے۔

جوہر کی باتیں:

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ پانچ باتیں نفس کے جوہر ہیں:

(۱) محتاج جو اظہار مالداری کرتا ہو۔

(۲) بھوکا جو ظاہر کرتا ہو کہ وہ سیر شکم ہے۔

(۳) غمزدہ جو خوشی کا اظہار کرتا ہو۔

(۴) وہ شخص جس کی کسی سے عداوت ہے، مگر اس سے محبت کا اظہار کرتا ہو۔

(۵) وہ شخص جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور نماز میں کھڑے کھڑے رات گذار دیتا ہے، مگر کمزوری ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

بشر بن حارث سے مروی ہے کہ سب سے افضل مقام یہ ہے کہ انسان قبر تک فقر پر صبر کرنے کا عزم بالجزم کرے۔

ذوالنون سے مروی ہے کہ بندے پر اللہ کی ناراضگی کی علامت یہ ہے کہ بندہ فقر سے ڈرتا ہو۔

شبلی سے مروی ہے کہ فقر الی اللہ کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ساری دنیا ہو اور پھر وہ اسے ایک دن میں خرچ کر ڈالے، اس کے بعد اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر وہ ایک دن کی خوراک رکھ لیتا (تو بہتر ہوتا) تو یہ فقر نہیں۔

فقر و غنیٰ میں افضل کون ہے؟

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ لوگوں نے اس پر بحث کی کہ فقر و غنیٰ میں کون سا افضل ہے؟ مگر میرے نزدیک افضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس قدر عطاء کرے، جس سے اس کی گذر ہو سکے، پھر اللہ تعالیٰ اسے اس روزی پر قائم رکھے۔

ابو محمد یٰسین سے مروی ہے کہ میں نے ابن جلاء سے فقر کے متعلق سوال کیا' تو پہلے تو آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ لوگ چلے گئے۔ پھر آپ اپنی جگہ پر جا کر تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور فرمایا کہ میرے پاس چار دانگ (دانگ ۶/۱ درہم) تھے۔ اس لئے مجھے اللہ سے شرم آئی کہ میں فقر کی بات کروں، آپ نے جا کر کسی کو وہ درہم دیدیئے، اس کے بعد بیٹھ گئے اور فقر پر گفتگو فرمائی۔

فقیر' فقیر کہلوانے کا کب حق دار ہے؟

ابراہیم بن المولد سے مروی ہے کہ میں نے ابن الجلاء سے پوچھا کہ فقیر' کب فقیر کہلانے کا حق دار ہوتا ہے؟

فرمایا: جب فقر میں سے کچھ بھی اس پر باقی نہ رہے۔ (یعنی فقر کا وہم و گمان بھی اسے نہ آئے) میں نے عرض کیا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا: جب وہ یہ خیال کرے کہ اسے مقام فقر حاصل ہے' تو درحقیقت اسے یہ حاصل نہیں ہے اور جب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ فقر اسے حاصل نہیں' تو درحقیقت اسے یہ حاصل ہے۔

مروی ہے کہ صحیح فقر یہی ہے کہ فقیر اپنے فقر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے ساتھ مستغنی نہ ہو۔

عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ فقر کے ہوتے ہوئے مالداری کا اظہار کرنا فقر سے بہتر ہے۔

بنان مصری سے مروی ہے کہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک نوجوان میرے سامنے تھا کہ ایک شخص نے درہموں کی ایک تھیلی لاکر اس کے سامنے رکھ دی، نوجوان نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں! اس شخص نے کہا: اسے مسکینوں میں بانٹ دو، جب رات ہوئی تو میں نے اسے وادی میں اپنے لئے کچھ ڈھونڈتے دیکھا، میں نے کہا: جو کچھ تمہارے پاس تھا، اگر تو اس میں سے اپنے لئے کچھ رکھ لیتا' تو اچھا تھا، کہنے لگا: مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا۔

ابوحفص سے مروی ہے کہ بہترین چیز' جس سے انسان اپنے ولی تک پہنچ سکتا ہے، یہ ہے کہ ہر حالت میں اور ہر وقت بندہ اپنی حاجات اللہ کے پاس لے جائے، ہر حالت میں سنت پر کاربند رہے اور حلال ذریعہ سے روزی حاصل کرے۔

مرتعش سے منقول ہے کہ فقیر کے لئے مناسب نہیں کہ اس کی ہمت اس کی موجودہ حالت سے آگے نکل جائے۔

ابوعلی الروذباری کی بہن فاطمہ ان سے روایت کرتی ہیں کہ چار آدمی اپنے اپنے زمانہ میں ہوئے ہیں۔

ان میں ایک نہ تو اپنے بھائی بندوں سے کوئی چیز لیتا اور نہ بادشاہ سے، اور وہ یوسف بن اسباط ہیں، انہیں اپنے والد کی وراثت سے سترہ ہزار درہم ملے تھے، مگر انہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا، اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی چٹائی بنا کر روزی کھاتے تھے۔

دوسرا شخص' اپنے بھائیوں اور سلطان دونوں سے لے لیا کرتا تھا اور وہ ابواسحٰق فزاری ہیں، جو کچھ وہ اپنے بھائیوں سے لیتے، اسے وہ ان لوگوں پر خرچ کیا کرتے' جن کا لوگوں کو علم نہ ہوتا اور وہ عبادت میں لگے رہنے کی وجہ سے حرکت نہ کر سکتے تھے اور جو کچھ بادشاہ سے لیتے اسے اہل طرسوس کی طرف بھیج دیتے۔

اور تیسرا شخص' اپنے بھائیوں سے تو لیتا، مگر بادشاہ سے نہ لیتا تھا اور وہ عبداللہ بن مبارک ہے، اپنے بھائیوں سے کچھ لے کر اس کے بدلے میں انہیں بھی کچھ دیتے۔

اور چوتھا شخص' بادشاہ سے لے لیتا اور بھائیوں سے نہ لیتا تھا اور وہ مخلد بن حسین تھے، وہ فرمایا کرتے: بادشاہ احسان تو نہیں جتاتا اور بھائی احسان جتاتے ہیں۔

استاد ابو علی دقاق سے حدیث

((من تواضع لغني لاجل غناه ذهب ثلثا دينه)) (كشف الخفاء: ٢٤٤٤)

کے متعلق مروی ہے کہ (یعنی جس شخص نے کسی مالدار کے سامنے اس کے مال کی وجہ سے تواضع کی اس کا دو تہائی دین جاتا رہا) یہ اس لئے ہے کہ انسان نام ہے دل' زبان اور نفس کا، اگر اس نے نفس اور زبان سے تواضع کی تو دو تہائی دین سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے دل سے اس کی افضلیت کا اعتقاد کر لیا تو پھر اس کا سارا دین چلا جاتا ہے۔

چار ضروری باتیں:

مروی ہے کہ فقیر کے لئے فقر میں کم از کم چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) علم جو اس کی تدبیر کرے۔

(۲) پرہیز گاری جو اسے برے کاموں سے روکے۔

(۳) یقین جو اسے عمل کرنے پر اکسائے۔

(۴) ذکر جس سے اسے انس محسوس ہو۔

مروی ہے کہ جس نے فقر کا ارادہ فقر کے شرف کی وجہ سے کیا' وہ فقیر مرا (اور اسے کچھ حاصل نہ ہوا، کیونکہ وہ لوگوں میں فقیر مشہور ہونا چاہتا تھا) اور جس نے فقر کو اس لئے اختیار کیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ مشغول نہ ہو' وہ غنی مرا۔

مزین سے مروی ہے کہ اللہ کی طرف جانے کے طریقے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ تھے، مگر طریق فقر کے سوا کوئی اور طریقہ باقی نہ رہا اور یہی صحیح ترین طریقہ ہے۔

حسن بن علی' نوری سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ محتاجی کے وقت اسے سکون ہو اور جب اس کے پاس کچھ ہو' تو وہ دوسروں کو دے دے۔

منصور بن عبداللہ سے مروی ہے کہ شبلی سے فقر کی حقیقت کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: اس کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر اللہ کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ استغناء محسوس نہ کرے۔

فقر محتاجی کا نام ہے:

منصور بن خلف مغربی سے مروی ہے کہ ابو سہل خشاب کبیر نے مجھ سے کہا کہ فقر محتاجی اور ذلت کا نام ہے۔ میں نے کہا: نہیں، بلکہ محتاجی اور عزت ہے، پھر کہا کہ فقر محتاجی اور تواضع ہے، میں نے پھر کہا: نہیں، بلکہ محتاجی اور بلندی ہے۔

ابو علی دقاق سے کسی نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد

((کاد الفقران یکون کفرا)) (بیھقی:۲۶۱۲)

محتاجی قریب ہے کہ کفر بن جائے۔

کے متعلق سوال کیا' تو انہوں نے فرمایا: کسی چیز کی آفت اور اس کی ضد اس چیز کی فضیلت اور قدر کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ جو چیز فی نفسہ افضل و بہتر ہے، اس کی ضد اور آفت اس قدر ناقص درجہ کی ہوتی ہے... مثلاً ایمان' اشرف ترین خصلت ہے۔ اس لئے اس کی ضد کفر ہے۔ لہٰذا جب فقر پر کفر کا خطرہ قرار پایا' تو معلوم ہوا کہ فقر اشرف ترین خصلت ہے۔

جنید سے مروی ہے کہ جب تو کسی فقیر سے ملے' تو اس سے عاجزی کے ساتھ مل، کیونکہ وہ اس سے انس محسوس کرے گا، اسے علم کے ساتھ نہ مل' یعنی اپنی علمیت جتاتے ہوئے اس سے سوالات نہ کر، کیونکہ اس سے وحشت ہوگی۔

میں نے عرض کیا: اے ابوالقاسم! کیا کسی فقیر کو علم سے وحشت ہوتی ہے؟ فرمایا: ہاں! جب فقیر صحیح معنوں میں فقیر ہو اور تو اپنا علم اس پر پھینکنا چاہے' تو وہ اس طرح پگھل جاتا ہے، جس طرح سکہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔

مظفر القرمسینی سے مروی ہے کہ فقیر وہ ہے' جس کی اللہ کے پاس کوئی حاجت نہ ہو۔

استاد ابوالقاسم سے مروی ہے کہ اس عبارت میں ان لوگوں کے لئے جو بظاہر ان الفاظ کو سنیں اور صوفیاء کے معانی سے خبر نہ رکھتے ہوں' تھوڑا سا اشکال ہوسکتا ہے۔ البتہ اس عبارت میں قائل کا اشارہ اس بات کی طرف موجود ہے کہ فقیر اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ ہر قسم کا مطالبہ اور سوال ساقط ہو جاتا ہے اور فقیر کے اپنے اختیار کی کلیۃً نفی ہو کر وہ ان امور پر راضی ہوتا ہے، جن کو حق تعالیٰ اس پر جاری کرتا ہے۔

ابن خفیف سے مروی ہے کہ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہ قرار دینا اور کسی صفت کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا' فقر ہے۔

فقر کے ثمرات:

ابوحفص سے مروی ہے کہ کسی شخص کا فقر اس وقت تک حقیقی فقر نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے نزدیک دنیا لینے سے زیادہ محبوب نہ ہو اور سخاوت یہ نہیں ہے کہ مالدار مفلس کو دے، بلکہ سخاوت یہ ہے کہ مفلس مالدار کو دے۔

ابن الجلاء سے مروی ہے کہ اگر تواضع' شرف والی چیز نہ ہوتی' تو فقیر کو یہ حکم دیا جاتا کہ چلتے ہوئے اکڑ کر چلو۔

یوسف بن اسباط سے مروی ہے کہ چالیس سال ہوگئے ہیں اور آج تک میرے پاس ایک سے زائد قمیص نہیں رہی۔

صوفیاء میں سے ایک سے منقول ہے کہ میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔

کسی نے کہا کہ مالک بن دینار اور محمد بن واسع کو جنت میں داخل کرو، اب میں دیکھنے لگا کہ ان میں کون سا شخص پہلے داخل ہوتا ہے، دیکھا کہ محمد بن واسع پہلے داخل ہوئے، میں نے اس کا سبب پوچھا' تو جواب ملا کہ اس کے پاس صرف

ایک قمیص تھی اور مالک بن دینار کے پاس دو قمیصیں تھیں۔

محمد مسوحی سے مروی ہے کہ فقیر وہ ہے' جسے اپنی ذات کے لئے کسی سبب کی ضرورت ہو۔

سہل بن عبداللہ سے پوچھا کہ فقیر کب راحت پاتا ہے؟ فرمایا: جب وہ اپنے موجودہ حال کے سوا کسی اور چیز کو نہ دیکھے۔

یحیٰی بن معاذ کی موجودگی میں فقر اور غنی کا ذکر چھڑا' تو فرمایا: قیامت کے دن' نہ فقر کا وزن ہوگا' نہ غنی کا، صرف صبر و شکر کا وزن ہوگا اور کہا جائے گا کہ اس شخص نے شکر اور صبر کیا۔

مروی ہے کہ اللہ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ میں تم سے کہاں تک راضی ہوں' تو تمہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ تم سے فقراء کہاں تک راضی ہیں۔

زقاق سے مروی ہے کہ جو فقر میں صاحب تقویٰ نہیں' وہ حرام خور ہوگا۔

مروی ہے کہ سفیان ثوری کی مجلس میں فقراء استغناء باللہ کے سبب یوں معلوم ہوتے تھے' جیسے امراء ہوں۔

ابوبکر طاہر سے مروی ہے کہ فقیر کے لئے یہ حکم ہے کہ اسے کسی چیز کی رغبت نہ ہو اور اگر ضروری ہی رغبت کرنی پڑ جائے' تو کفایت سے زیادہ اسے کسی چیز کی رغبت نہیں ہونی چاہئے۔

احمد بن عطاء نے کسی صوفی کے یہ اشعار پڑھے:

قالوا غدا العید ماذا انت لابسه ۔۔۔ فقلت خلعة ساق حبه جرعا

فقر و صبر هما ثوبای تحتهما ۔۔۔ قلب یری الفه الاعیاد والجمعا

احری الملابس ان تلقی الحبیب به ۔۔۔ یوم التزاور فی الثوب الذی خلعا

الدهر لی مأتم ان غبت یا املی ۔۔۔ والعید ما کنت لی مرای ومستمعا

لوگ کہتے ہیں کہ کل عید ہے' تو کیا پہنے گا؟ میں نے کہا: اس محبوب کی خلعت پہنوں گا' جو اپنی محبت کے گھونٹ پلاتا ہے۔ فقر اور صبر میرے وہ کپڑے ہیں، جن کے نیچے ایک ایسا دل ہے، جو اپنے محبوب کو اپنے لئے عیدین اور جمعہ سمجھتا ہے، زیارت کے دن مناسب ترین لباس' جسے تو پہن کر محبوب سے ملے' وہ لباس ہے، جو محبوب نے تمہیں عطاء کیا ہے۔ اے میری آرزو! اگر تو غائب ہو جائے' تو زمانہ میرے لئے ماتم کدہ ہے اور جب تک تو مجھے دکھائی دیتی ہے' تو میرے لئے عید ہے۔

منقول ہے کہ یہ اشعار ابوعلی روزباری کے ہیں۔

فقر کے بارے میں صوفیاء کے اقوال:

ابوبکر مصری سے سچے فقیر کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا: فقیر وہ ہے' جو نہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ مالک ہونے کی۔

خواہش کرتا ہو۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ تخلیط' یعنی کچھ نیک اعمال اور کچھ برے کے ہوتے ہوئے ہمیشہ اللہ کی طرف حاجت لے جانا' مجھے زیادہ پسند ہے، بجائے اس کے کہ میں ہمیشہ پاکباز رہوں اور متکبر بنوں۔

ابوعبداللہ الحصری سے مروی ہے کہ ابوجعفر حداد نے بیس ۲۰ سال اسی طرح گذار دیئے کہ ہر روز ایک دینار کماتے اور فقراء پر خرچ کر دیتے اور روزے رکھتے اور شام اور عشاء کی نماز کے درمیان نکلتے اور لوگ اپنے دروازوں سے ان کو کچھ خیرات دیتے۔

نوری سے منقول ہے کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو' تو اسے سکون ہو اور جب ہو' تو وہ خرچ کر ڈالے اور اوروں کو اپنے اوپر ترجیح دے۔

محمد بن علی الکتانی سے منقول ہے کہ مکہ میں ہمارے پاس ایک شخص تھا، جس نے چیتھڑے پہن رکھے تھے اور وہ ہم سے میل جول بھی نہ رکھتا تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی، مجھے اللہ نے حلال طریقے سے دو سو درہم دیئے، جنہیں میں لے کر اس کے پاس گیا اور اس کی جائے نماز کے کنارے پر رکھ دیئے اور کہا کہ یہ حلال ذریعہ سے مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ آپ انہیں اپنے کام میں لائیں۔

اس نے ترچھی نگاہوں سے میری طرف دیکھا، پھر جو بات وہ مجھ سے چھپا رہا تھا، اس کو ظاہر کیا اور کہا: میں نے اللہ کے ساتھ مجلس کو فراغت کے ساتھ ستر ہزار دینار سے خریدا ہے، علاوہ جاگیر اور غلے کے' تو ان چند درہموں کے ساتھ مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے اور اس نے اٹھ کر ان کو بکھیر دیا اور میں اٹھ کر چننے لگا اور جب وہ جا رہا تھا' تو میں نے ایسی عزت نہیں دیکھی اور نہ اپنے جیسی ذلت دیکھی' جب میں انہیں چن رہا تھا۔

ابوعبداللہ بن خفیف سے مروی ہے کہ چالیس سال تک مجھ پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوا' حالانکہ خاص و عام میں میری بہت مقبولیت تھی۔

ابواحمد الصغیر نے ابوعبداللہ بن خفیف سے سوال کیا کہ ایک فقیر تین دن کا بھوکا ہے' وہ نکل کر جاتا ہے اور لوگوں سے اس قدر خوراک مانگ لیتا ہے' جو اسے کفایت کر لے۔ اس فقیر کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ فرمایا: یہی کہا جائے گا کہ وہ گداگر ہے' کھاؤ اور چپ رہو۔ اگر اس دروازہ سے کوئی فقیر آ جائے تو تم سب کو رسوا کر ڈالے۔

عبداللہ بن علی الصوفی سے مروی ہے کہ کسی نے دقی سے سوال کیا اور میں سن رہا تھا کہ فقراء جب اپنے احوال میں ہوتے ہیں' تو بارگاہ رب العزت میں گستاخی کر جاتے ہیں' یہ کیسا ہے؟ تو فرمایا: ایسا کرنا ان کے لئے حقیقت سے علم کی طرف

تنزیل ہے۔

خیر النساج سے مروی ہے کہ میں ایک مسجد میں گیا، وہاں ایک فقیر تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا' تو مجھ سے چمٹ گیا اور کہا: اے شیخ! میں سخت مصیبت میں ہوں، کیا تو مجھ پر مہربانی کرے گا؟ میں نے پوچھا کہ وہ مصیبت کیا ہے؟ کہا کہ میری فقر کے ساتھ آزمائش نہیں ہوتی اور میں عافیت دنیا کے ساتھ قوت پکڑ چکا ہوں، میں نے جو دیکھا' تو اسے دنیا میں سے کچھ حصہ ملا تھا۔

ابوبکر وراق سے مروی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں فقیر کے لئے خوشخبری ہے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی' فرمایا: اس لئے کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج نہیں لیتا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہیں مانگے گا۔

باب

تصوف

استاد سے مروی ہے کہ ہر زبان میں صفائی قابل تعریف ہے اور گدلا پن' جو اس کی ضد ہے قابل مذمت ہے۔

ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نکل کر آئے' تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا' فرمایا:

ذهب صفو الدنیا وبقی الکدر

دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہ گئی۔ لہٰذا اب ہر مسلمان کے لئے موت ایک تحفہ ہے۔

(طبرانی: ۸۷۷۵)

استاد سے منقول ہے کہ یہ نام صوفیاء کے گروہ پر غالب آ گیا۔ چنانچہ ایک آدمی کے لئے کہا جاتا ہے۔ **رجل صوفی** اور جماعت کے لئے **صوفیة** اور اس شخص کو جو اپنے آپ کو اس جماعت کے ساتھ ملانا چاہتا ہے، اسے **متصوف** کہا جاتا ہے، صوفی نہیں کہا جاتا اور جماعت کے لئے **متصوفه** کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

لفظ تصوف کا ماخذ:

عربی زبان کی رو سے اس نام کی اصل کی شہادت' نہ قیاس سے ملتی ہے' نہ اشتقاق سے، واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ صوف سے اور تصوف سے نکلا ہے، کیونکہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کے لئے **تصوف** کا لفظ بولتے ہیں۔ جس طرح قمیص پہننے کے لئے **تقمص** کا لفظ بولا جاتا ہے' تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہو سکتی ہے، مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا، البتہ اکثر یہی پہنا کرتے تھے۔

دوسرا قول:

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صوفی کا لفظ مسجد رسول اللہ ﷺ کے صفہ کی طرف منسوب ہے، تو یہ درست نہیں' کیونکہ صفہ کا اسم نسبت صفی آتا ہے، صوفی نہیں آتا۔

تیسرا قول:

ان لوگوں کا قول' جو اسے صفاء سے مشتق بتاتے ہیں، یہ لغت کے لحاظ سے بعید از قیاس ہے۔

چوتھا قول:

جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ صف سے مشتق ہے، بایں معنی کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا باعث، یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صف اول میں ہیں' تو یہ معنی تو درست ہیں، مگر لغوی طور پر صف کا اسم نسبت صفی آتا ہے، صوفی نہیں آتا، مزید برآں یہ لوگ اس نام سے اس قدر مشہور ہو چکے ہیں کہ ان کے تعیین کرنے میں' نہ قیاس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ اشتقاق کی۔

تصوف کے معنی:

لوگوں نے تصوف کے معنی سے بحث کی ہے کہ اس کا کیا مفہوم ہے اور اس پر بھی کہ صوفی کون ہے؟

ہر ایک نے اس کی تشریح اپنے خیال اور ذوق کے مطابق کی ہے اور چونکہ ہمارا مقصد اختصار سے کام لینا ہے، اس لئے اگر ان تمام اقوال کا ذکر کریں، جو اس سلسلہ میں کہے گئے ہیں' تو ہم اصل مقصد سے دور ہو جائیں گے، البتہ ہم چند اقوال کا ذکر اشارہ کے طور پر انشاء اللہ کریں گے۔

ابو محمد جریری کا قول:

عبداللہ بن علی التمیمی سے مروی ہے کہ کسی نے ابو محمد جریری سے تصوف کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: یہ اعلیٰ خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے۔

جنید کا قول:

ابو محمد المرعشی سے مروی ہے کہ میرے شیخ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا' تو فرمایا کہ کسی نے جنید سے تصوف کے متعلق سوال کیا' تو میں نے انہیں یوں فرماتے سنا کہ تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔

حسین بن منصور کا قول:

ابو الفاتک سے مروی ہے کہ حسین بن منصور سے کسی صوفی کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا: صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے' نہ کوئی اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔

ابو حمزہ بغدادی کا قول:

ابو حمزہ بغدادی سے مروی ہے کہ سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے وہ فقیر بن جائے اور باوجود

ذی عزت ہونے کے حقیر بنے اور باوجود شہرت کے اپنے آپ کو چھپائے اور جھوٹے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ محتاجی کے بعد مالدار بنے، حقیر کے بعد عزت والا بنے اور گمنام ہونے کے بعد شہرت والا ہو۔

عمر بن عثمان مکی کا قول:

عمر بن عثمان مکی سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا: تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حالت میں رہے' جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔

محمد بن علی قصاب کا قول:

محمد بن علی قصاب فرماتے ہیں: تصوف وہ کریمانہ اخلاق ہیں، جو کریم زمانہ میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

سمنون کا قول:

سمنون سے کسی نے تصوف کے متعلق دریافت کیا' فرمایا: تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے۔

رویم کا قول:

رویم سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا: نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ جیسا چاہے کرے۔

جنید کا ایک اور قول:

جنید سے پوچھا گیا تصوف کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے تجھے کسی چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔

رویم بن احمد بغدادی کا قول:

رویم بن احمد بغدادی سے مروی ہے کہ تصوف کی بناء تین چیزوں پر ہے' جو یہ ہیں:

فقر وافتقار کو مضبوط پکڑنا۔

بذل وایثار کے ساتھ متصف ہونا

اور کسی چیز سے تعرض کرنے یا کسی چیز کے اختیار کرنے کو ترک کر دینا۔

معروف کرخی کا قول:

معروف کرخی سے مروی ہے کہ تصوف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے۔

حمدون قصار کا قول:

حمدون قصار سے مروی ہے کہ صوفیاء کی صحبت میں رہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک بری باتوں کا عذر پیش کرنے کے لئے کئی طریقے ہیں اور ان کے ہاں نیکی کی کوئی بڑی قدر و منزلت نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ تمہاری تعظیم کریں۔

حراز سے اہل تصوف کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام سے سرفراز کیا اور وسیع پیمانہ پر انعامات دیئے اور جب انہیں غیر اللہ سے روکا گیا' تو خود سے بھی گم ہو گئے۔ پھر تو انہیں ان کے باطن نے پکار کر کہا کہ لوگوں سے کہو کہ اب تم ہم پر رو لو۔

جنید فرماتے ہیں کہ تصوف جبر و قہر ہے، اس میں کوئی صلح نہیں ہوتی۔

مروی ہے کہ اہل تصوف ایسے گھرانے کے لوگ ہوتے ہیں، جن میں غیر داخل نہیں ہوسکتا۔

مروی ہے کہ تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور سن کر وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے۔

مروی ہے کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے کہ ہر بری چیز اس پر پھینکی جاتی ہے، مگر اس میں سے ہر قسم کی خوبصورت چیز نکلتی ہے۔

مروی ہے کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے' جسے نیک اور بدکار دونوں روندتے ہیں.... بادل کی سی ہے' جو ہر چیز کو سیراب کرتا ہے۔

مروی ہے کہ جب تم کسی صوفی کو دیکھو کہ وہ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں بڑا اہتمام کرتا ہے' تو سمجھ لو کہ اس کا باطن خراب ہے۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ صوفی وہ ہے' جو اپنے خون کو رائیگاں سمجھے اور اپنی ملکیت کی چیزوں کو لوگوں کے لئے مباح سمجھے۔

نوری کا قول:

نوری فرماتے ہیں کہ صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ہو اور اگر کچھ پاس ہو' تو ایثار کر دے۔

کتانی کا قول:

کتانی فرماتے ہیں کہ تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے، جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے' وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہوگا۔

ابوعلی روذباری کا قول:

ابوعلی روذباری سے مروی ہے کہ محبوب کے در پر ڈیرہ ڈال دینے کا نام تصوف ہے، خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دے۔

نیز فرمایا کہ بُعد کی کدورت کے بعد' قرب (خداوندی) کی صفائی کا نام تصوف ہے۔

مروی ہے کہ بدترین شخص بخیل صوفی ہے۔

مروی ہے کہ خالی ہاتھ' دل کی خوشی کا نام تصوف ہے۔

شبلی سے مروی ہے کہ اللہ کے ساتھ غم کے بغیر بیٹھنا تصوف کہلاتا ہے۔

ابومنصور سے مروی ہے کہ صوفی اللہ کی طرف سے اشارہ کرنے والا ہوتا ہے اور مخلوق تو ساری اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

شبلی سے مروی ہے کہ صوفی مخلوق سے کٹ کر حق تعالیٰ کے ساتھ متصل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾

میں نے تمہیں خاص اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔

(یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو) ہر غیر سے منقطع کر دیا۔ مگر پھر (جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی تو) فرمایا: لَنْ تَرَانِي تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا (تاکہ اس کا اشتیاق بڑھے)۔

مروی ہے کہ صوفیاء حق تعالیٰ کی گود میں بچوں کی طرح ہیں۔ (کیونکہ حق تعالیٰ ان کی تربیت بچوں کی طرح کرتا ہے)۔

نیز مروی ہے کہ تصوف جلا دینے والی بجلی ہے۔

مروی ہے کہ کائنات کو دیکھنے سے محفوظ رہنے کا نام' تصوف ہے۔

رویم سے مروی ہے کہ جب تک صوفیاء (ایک دوسرے کو اس کے عیوب پر تنبیہ کر کے)، آپس میں نفرت پیدا کرتے رہیں گے' تو ٹھیک رہیں گے، مگر جونہی انہوں نے آپس میں صلح کر لی (اور تنبیہ چھوڑ دی)' تو ان میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی۔

جریری سے مروی ہے کہ اپنے احوال کی نگہداشت اور پاس ادب رکھنے کا نام تصوف ہے۔

مزین سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا نام تصوف ہے۔

ابوتراب نخشبی سے مروی ہے کہ صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی' مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔

مروی ہے کہ صوفی کو طلب (حق) نہیں تھکاتی اور نہ ہی سبب اسے بے چین کر سکتا ہے۔

ابو حاتم السجستانی سے مروی ہے کہ کسی نے ابونصر السراج سے تصوف کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: وہ لوگ ہیں'

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے۔

واسطی سے مروی ہے کہ صوفیاء کے اشارے ہوا کرتے تھے، پھر حرکات بنے' مگر اب تو یہ حسرت بن کر رہ گئے ہیں۔

صوفی کون ہے؟

نوری سے کسی نے صوفی کے متعلق پوچھا' تو فرمایا: صوفی وہ ہے، جس نے سماع سنا اور ان ذرائع کو پسند کیا۔ (جو اللہ تک لے جائیں)۔

ابونصر السراج سے مروی ہے کہ کسی نے حصری سے کہا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ فرمایا: جسے نہ زمین اٹھائے ہو اور نہ اس پر آسمان سایہ کیئے ہو (یعنی اس قدر محویت کا عالم ہو)۔

استاد ابوالقاسم سے مروی ہے کہ حصری کا اشارہ محویت کی حالت کی طرف ہے۔

مروی ہے کہ جب صوفی کے سامنے دو حالتیں' یا دو خلق آئیں اور دونوں اچھے ہوں' تو وہ بہتر کو اختیار کرتا ہے۔

صوفیاء کا نام صوفیاء کیوں پڑا؟

شبلی سے پوچھا گیا کہ صوفیاء کا نام صوفیاء کیوں پڑا؟ فرمایا: اس لئے کہ ان میں ان کے نفسوں کا حصہ باقی رہ گیا تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا' تو یہ نام ان کے ساتھ نہ چمٹتا۔

صوفی کا کیا مطلب ہے؟

ابونصر السراج سے مروی ہے کہ ابن جلاء سے پوچھا گیا کہ صوفی کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: کسی علم میں اس کے معنی نہیں پائے جاتے، مگر اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے: صوفی ایسا فقیر ہوتا ہے' جو کسی قسم کے اسباب پر اعتماد نہ کرتا ہو۔ مکانیت کی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے، حق سبحانہ وتعالیٰ اسے ہر مکان و حالت کے علم سے غافل نہیں رہنے دیتا۔

اس لئے اسے صوفی کہا جاتا ہے۔

کسی کا قول ہے کہ تصوف جاہ جلال کے ساقط کرنے اور دنیا و آخرت میں رسوائی پانے کا نام ہے۔ (یعنی انہیں اللہ کے سوا کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی کسی چیز میں کامیابی نہیں چاہتے)۔

ابو یعقوب مزایلی سے مروی ہے: تصوف ایسی حالت کا نام ہے' جس میں انسانی علامتیں فنا ہو جاتی ہیں۔

ابوالحسن سیروانی سے مروی ہے کہ صوفی واردات کے ساتھ ہوتا ہے' اوراد کے ساتھ نہیں۔

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ اس سلسلہ میں بہترین قول یہ ہے کہ یہ ایک ایسا طریقہ ہے' جو صرف ان لوگوں کے لئے موزوں ہے' جن کی ارواح کے ذریعہ سے اللہ نے گندگیوں کو صاف کر دیا۔

ایک روز انہوں نے فرمایا کہ اگر فقیر کے پاس سوائے روح کے کچھ بھی نہ ہو اور وہ اپنی روح کو اس سلسلہ کے کتوں' یعنی مخالفین کے سامنے پیش کرے' تو بھی کوئی کتا (اسے قبول کرنا' تو درکنار) دیکھے گا بھی نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حال مخالفین سے چھپائے رکھتا ہے اور مخالفین کے نزدیک ان کی روح نہایت حقیر ہوتی ہے)۔

استاد ابوسہل صعلوکی سے مروی ہے کہ تصوف (اللہ کی قضاء پر) اعتراض نہ کرنے کا نام ہے۔

حصری سے مروی ہے کہ صوفی معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا اور وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔

استاد ابوالقاسم قشیری سے مروی ہے کہ حصری کے مذکورہ بالا قول میں اشکال پایا جاتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا، اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اس کی آفات فنا ہو جاتی ہیں' تو پھر واپس نہیں لوٹتیں اور ان کا یہ کہنا کہ وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا، اس کا یہ مطلب ہے کہ جب وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے' تو مخلوق کے ساقط ہونے سے ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا حادثات اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

مروی ہے کہ صوفی وہ ہے' جو ان احوال کی وجہ سے، جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر ظاہر ہوں، اپنی ذات سے مستغنی اور بے خبر ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تصرف کے سامنے مقہور ہوتا ہے اور عبودیت کے تصرفات کی وجہ سے مستور ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ صوفی میں تغیر نہیں آتا اور اگر آ بھی جائے' تو اس میں میل نہیں ہوتا (پھر دل بھی صاف رہتا ہے)۔

ابوبکر المصری نے خراز سے روایت کی کہ میں جمعہ کے دن قیروان کی جامع مسجد میں تھا۔ ایک شخص کو دیکھا کہ صفوں میں چکر لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ خیرات کے طور پر دو، میں ایک صوفی تھا، اب کمزور ہو چکا ہوں (یعنی اپنی اصل حالت کو کھو چکا ہوں)۔

میں نے اسے کچھ دینا چاہا' تو اس نے کہا: جاؤ! میں اس قسم کی خیرات نہیں مانگتا (بلکہ اللہ کی راہ میں ایسی خیرات مانگتا ہوں' جو مجھے پھر اپنی حالت پر لے جائے) اور اس نے وہ خیرات قبول نہیں کی۔

❀❀❀

باب

ادب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴾ (النجم:١٧)

آپ کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ کسی اور طرف کو ہٹی۔

مروی ہے کہ اس سے مراد بارگاہ رب العزت کے آداب کا لحاظ رکھنا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَاراً ﴾ (التحریم:٦)

اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔

ادب کا سیکھانا حق ہے:

ابن عباس نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ انہیں عقل مند اور سمجھ دار بناؤ اور انہیں ادب سکھاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ

بچے کا اپنے باپ پر حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے، اچھی دایہ مقرر کرے اور اس کا ادب بہتر بنائے۔

(بیہقی:٨٦٦٧)

سعید بن المسیب کی حکایت ہے کہ جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں اور اللہ کے اوامر و نواہی پر کاربند نہ رہا، تو وہ شخص ادب سے بے بہرہ ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا ہے۔(کشف الخفاء:١٦٤)

ادب کیا ہے؟

ادب، درحقیقت نیک خصلتوں کے اجتماع کا نام ہے اور ادیب وہ شخص ہے، جس میں نیک خصلتیں جمع ہوں۔ اسی سے لفظ ''مادبہ'' نکلا ہے، جس کے معنی کھانے کے لئے جمع ہونے کے ہیں۔

یعنی دعوت۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت کرنے سے جنت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کی اطاعت میں ادب بجالانے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔

انہی سے مروی ہے کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا، جس نے نماز میں اپنا ہاتھ ناک تک لے جانا چاہا، مگر اس شخص نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا (اور اسے ناک تک نہ جانے دیا)۔

استاد سے مروی ہے کہ ابوعلی دقاق کا اشارہ اپنی طرف ہے، اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ انسان اور کے متعلق یہ معلوم کرے کہ اس نے نماز میں اپنا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔

استاد ابوعلی کسی چیز کے ساتھ سہارا نہ لگایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ مجمع کے اندر تھے۔ آپ کے سہارے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ آپ کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ رکھا گیا۔ مگر آپ تکیہ سے تھوڑا ہٹ گئے۔ خیال ہوا کہ شاید آپ اس لئے ہٹ گئے کہ تکیہ کے اوپر کوئی کپڑا دیا جائے، تو آپ نے خود فرمایا: میں تکیہ لگانا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد غور ہوا تو دیکھا کہ آپ کسی چیز کا سہارا نہیں لیتے۔

احمد بن محمد البصری نے جلاجلی البصری سے روایت کی کہ توحید ایسا موجب ہے، جس سے ایمان (بالرسالۃ) واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جس کا ایمان نہیں، اس کی توحید بھی نہیں اور ایمان ایسا موجب ہے، جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے۔ لہٰذا جس کی شریعت نہیں، اس کا نہ ایمان ہے، نہ توحید اور شریعت ایسا موجب ہے، جس سے ادب واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کے پاس ادب نہیں، اس کی نہ شریعت ہے، نہ ایمان اور نہ توحید۔

ابن عطاء سے مروی ہے کہ ادب یہ ہے کہ تو اچھے کاموں پر لگا رہے۔ کسی نے پوچھا: اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اللہ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ادب سے پیش آئے، جب تو ایسا ہوگا، تو خواہ تو عجمی کیوں نہ ہو، ادیب کہلائے گا۔

پھر یہ شعر پڑھا:

اذا نطقت جاء ت بکل ملاحة وان سکتت جاء ت بکل ملیح

جب بولتی ہے، تو ہر طرح کی نمکین باتیں کرتی ہے اور جب چپ رہتی ہے، تو بھی ہر طرح کی ملاحت ظاہر ہوتی ہے۔

عبداللہ الرازی نے عبداللہ الجریری سے روایت کی کہ خلوت میں بیٹھتے وقت میں نے بیس سال اپنے پاؤں نہیں پھیلائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اچھے آداب کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ جو شخص ادب کا لحاظ رکھے بغیر بادشاہ کی صحبت میں بیٹھے گا' تو اس کی جہالت اسے قتل کروا دے گی۔

کسی نے ابن سیرین سے پوچھا کہ کون سے آداب بندے کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب کر دیتے ہیں؟ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جاننا، اس کی اطاعت گذاری کرنا، خوشی پر اس کا شکریہ اداء کرنا اور مصیبت پر صبر کرنا۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ جب عارف باللہ' اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا لحاظ نہ رکھے' تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ ادب کے ترک کر دینے سے انسان دھتکارا جاتا ہے۔ لہٰذا جس نے بساط ادب پر سوء ادبی کی، اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جس نے دروازے پر بے ادبی کی اسے دھکیل کر جانوروں کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔

کسی نے حسن بصری سے کہا کہ لوگ علم و ادب حاصل کرنے کی طرف کثرت سے راغب ہو رہے ہیں، ان میں سے دنیا میں کون سا عمل اللہ تک زیادہ پہنچا دینے والا ہے؟ فرمایا: تفقه في الدين، دنیا سے کنارہ کشی اور یہ جاننا کہ اللہ کا تم پر کیا حق ہے۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ جس نے آداب خداوندی کا لحاظ رکھا، وہ ان لوگوں میں سے ہو گیا کہ جن سے اللہ کو محبت ہے۔

سہل سے مروی ہے کہ صوفیاء نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند رہنے کے لئے' اللہ ہی سے مدد طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے آداب خداوندی پر ثابت قدم رہے ہیں۔

ابن مبارک سے مروی ہے کہ ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

ولید بن عقبہ نے ابن مبارک سے روایت کی کہ ہم نے ادب کی تلاش اس وقت کی جب سکھانے والے گذر چکے تھے۔

تین خصلتیں:

مروی ہے کہ تین خصلتوں کے ہوتے ہوئے انسان اجنبی نہیں معلوم ہوتا:

(۱) مشکوک لوگوں سے کنارہ کشی

(۲) حسن ادب

(۳) کسی کو ایذا نہ پہنچانا۔

اسی سلسلہ میں شیخ ابو عبداللہ مغربی نے ہمیں یہ اشعار سنائے:

یزین الغریب اذا ما اغترب ثلاث فمنهن حسن الادب

وثانیه حسن اخلاقه وثالثه اجتناب الریب

تین چیزیں زینت:

جب کوئی مسافر سفر میں جائے' تو تین چیزیں اس کی زینت ہوتی ہیں:

(۱) حسن ادب

(۲) حسن اخلاق

(۳) شکوک اور تہمت کی باتوں سے بچنا۔

جب ابو حفص بغداد میں آئے' تو جنید نے ان سے کہا: آپ نے اپنے مریدوں کو شاہی آداب سکھا رکھے ہیں۔ اس پر ابو حفص نے جواب دیا: ظاہری حسن ادب' باطنی حسن ادب کا آئینہ دار ہے۔

عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ عارف باللہ کے لئے ادب اسی طرح ضروری ہے، جس طرح مبتدی کے لئے توبہ۔

منصور بن خلف مغربی سے مروی ہے کہ کسی صوفی کو کسی نے بے ادب کہا۔ اس پر اس نے جواب دیا: میں بے ادب نہیں ہوں۔ اس پر سوال ہوا کہ تجھے کس نے ادب سکھایا؟ جواب دیا: صوفیاء نے۔

اہل ادب تین قسم کے ہیں:

ابو حاتم السجستانی نے ابو نصر الطوسی السراج سے روایت کی کہ ادب کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے ہیں۔

(۱) اہل دنیا' ان کے بیشتر آداب، فصاحت و بلاغت، علوم اور بادشاہوں کے ناموں اور عربوں کے اشعار کا یاد رکھنا ہیں۔

(۲) اہل دین' ان کے بیشتر آداب، ریاضت نفس، تادیب جوارح، حدود اللہ کی محافظت اور ترک الشہوات ہیں۔

(۳) اہل خصوصیت' ان کے بیشتر آداب، دلوں کو پاک رکھنا، رازھائے الٰہیہ کا لحاظ، عہد کی وفا، حفظ وقت' خواطر کی طرف عدم توجہ، طلب اور التجاء کے مواقع اوقاتِ حضور (بدرگاہ رب العزت) اور قربت کے مقامات پر حسن ادب۔

سہل بن عبداللہ سے حکایت ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو ادب کے ساتھ مغلوب کر لیا' وہ شخص اخلاص کے ساتھ اللہ کا عبادت گذار ہو گیا۔

مروی ہے کہ انبیاء اور صدیقین کے سوا کسی کو کمال ادب حاصل نہیں۔

عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ لوگ ادب کے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں' مگر ہم کہتے ہیں کہ ادب نفس کی معرفت کا نام ہے۔

شبلی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بات کرتے ہوئے شرم وحیاء کو ترک کر دینا بے ادبی ہے۔

ذوالنون سے مروی ہے کہ عارف باللہ کا ادب ہر قسم کے ادب سے بلند ہے، کیونکہ جس سے اس کی جان پہچان ہے، یعنی حق تعالیٰ، وہی اس کے دل کو ادب سکھانے والا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ حق سبحانہ فرماتا ہے: جس شخص کو میں نے اپنے اسماء وصفات میں غور وفکر کرنے پر لگائے رکھا، اسے میں نے ادب کا لحاظ رکھنے کا بھی حکم دیا۔ مگر جس کے لئے میں نے اپنی ذات کی حقیقت کھول دی، میں نے اس کے لئے ہلاکت لازم قرار دے دی۔ اب تم ان سے جو چاہو اختیار کرو، خواہ' ادب' یا عطب (ہلاکت)۔

مروی ہے کہ ایک دن ابن عطاء نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں پاؤں پھیلا دیئے اور فرمایا کہ اہل ادب کے درمیان ہوتے ہوئے ادب ترک کر دینا بھی ادب ہے۔

اس حکایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں روایت کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بیٹھے تھے کہ عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے' تو آپ نے اپنی ران ڈھانپ لی اور فرمایا کہ جس شخص سے فرشتے حیاء کرتے ہیں، کیا میں اس سے حیاء نہ کروں؟ (اخرجه مسلم: ۲۴۰۱، احمد: ۲۶۵۰۹)

اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے اس بات کی تنبیہ کر دی کہ اگرچہ عثمان رضی اللہ عنہ کا احترام بڑا تھا۔ مگر آپ کی جو کیفیت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھی، اس سے زیادہ دوستی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔

یہ اشعار تقریباً اسی مفہوم کے ہیں:

فی انقباض وحشمة فاذا صادفت اهل الوفاء والکرم

ارسلت نفسی علی سجیتها وقلت ما قلت غیر محتشم

مجھ میں انقباض واحترام پایا جاتا ہے، مگر جب اہل وفاء وکرم سے صحبت ہوتی ہے' تو اپنے نفس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا ہوں اور پھر جو بھی کہنا ہوتا ہے، بے دھڑک کہہ دیتا ہوں۔

جنید سے مروی ہے کہ جب آپس میں صحیح محبت ہو جاتی ہے تو ادب کے شروط ساقط ہو جاتے ہیں۔

ابوعثمان سے مروی ہے کہ جب آپس میں صحیح محبت پیدا ہو جاتی ہے تو مصاحب پر پاس ادب رکھنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

نوری سے مروی ہے کہ جس نے غلبہ احوال کے وقت ادب کا لحاظ نہ رکھا، اس کی حالت (وقت نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی مقت، یعنی ناراضگی کا سبب ہے۔

ذوالنون سے مروی ہے کہ جب کوئی مرید (جو مبتدی ہے) ادب کا خیال نہیں رکھتا تو وہ لوٹ کر وہیں پہنچ جاتا ہے، جہاں سے چلا تھا۔

استاد ابوعلی دقاق نے اللہ تعالیٰ کے فرمان

﴿وَاَيُّوْبَ اِذْنَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۸۳)

کی تشریح یوں کی کہ ایوب علیہ السلام نے ارحمنی اس لئے نہیں کہا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے پاس ادب رکھا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے کیا، جب گذارش کی

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ (المائدہ:۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں۔ نیز عرض کیا:

﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ﴾ (المائدہ:۱۱۶)

''اگر میں نے کہا ہوگا تو اے اللہ! تجھے اس کا علم ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پاس ادب رکھتے ہوئے لم اقل (میں نے نہیں کہا) نہیں کہا۔

ابوالطیب بن فرحان نے جنید سے روایت کی کہ صالحین میں سے ایک شخص جمعہ کے دن میرے پاس آیا اور کہا کہ میرے ساتھ ایسے فقیر کو بھیجئے جو مجھے خوش کرے اور میرے ساتھ کچھ کھائے۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ایک فقیر کو میں نے فاقہ کی حالت میں دیکھا اور اسے بلا کر کہا: اس شیخ کے ساتھ جاؤ اور اسے خوش کرو۔ وہ چلا گیا۔

ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ وہ شخص آ گیا اور کہا: اے ابوالقاسم! اس فقیر نے تو صرف ایک لقمہ کھایا اور نکل گیا۔ میں نے کہا: تم نے کوئی گستاخی کا کلمہ کہا ہوگا۔ اس نے جواب دیا: میں نے تو اسے کچھ نہیں کہا۔ میں نے جو نظر دوڑائی تو فقیر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے کہا: تم نے اس کی خوشی پوری کیوں نہیں کی؟ فقیر نے کہا: اے میرے آقا! میں کوفہ سے نکل کر بغداد پہنچا اور اس عرصہ میں میں نے کچھ نہیں کھایا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ فاقہ کی وجہ سے آپ کی موجودگی میں کوئی بے

ادبی ہو جائے۔ جب آپ نے خود ہی مجھے بلایا' تو مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے ہی پہل کی۔ لہٰذا میں چلا گیا۔ حالانکہ میں اپنی فاقہ کی حالت کے بدلے جنت پر بھی راضی نہ تھا۔

جب میں اس کے دستر خواں پر بیٹھا' تو اس نے ایک لقمہ میرے لئے بنایا اور کہا: کھاؤ' یہ ایک لقمہ میرے نزدیک دس ہزار درہم سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ جب میں نے اس کے یہ الفاظ سنے' تو میں سمجھ گیا کہ وہ بدون ہمت انسان ہے۔ اس لئے میں نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کیا۔ یہ سن کر جنید نے کہا: میں نے تو تجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم نے اس کے ساتھ بے ادبی کی ہوگی۔ اس شخص نے اس پر کہا کہ اے ابو القاسم! میں توبہ کرتا ہوں۔ اس پر ابو القاسم نے اسی فقیر کو پھر اس کے ساتھ جانے اور اسے خوش کرنے کو کہا۔

باب

صوفیاء کے سفر کے احکام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ (یونس:۲۲)

خدا ہی ہے، جو تمہیں خشکی اور تری میں سیر کراتا ہے۔

سفر کی دعاء:

علی الازدی نے ابن عمر سے روایت کی کہ نبی ﷺ سفر کے لئے نکلتے وقت اونٹ پر بیٹھ جاتے' تو تین بار تکبیر کہتے، پھر یہ پڑھتے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ (الزخرف:۱۳)

پاک ہے، وہ خدا جس نے ان جانوروں کو ہمارے لئے مسخر کر دیا، حالانکہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی اور ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں، پھر فرمایا:

﴿ اللهم انا نسالك فى سفرنا هذا البر والتقوى، ومن العمل ما ترضى، وهون علينا سفرنا، اللهم انت الصاحب فى السفر والخليفة فى الاهل والمال ،اللهم انى اعوذ بك من وعثاء السفر، وكآبة المنقلب، وسوء المنظر فى المال والاهل ﴾

''اے اللہ ہم اس سفر میں تم سے نیکی اور پرہیز گاری مانگتے ہیں اور ایسے عمل کی درخواست کرتے ہیں، جسے تو پسند کرے۔ اے اللہ! ہمارے سفر کو آسان کر دے۔ اے اللہ! سفر میں تو ہی ہمارا ساتھی ہے اور گھر میں تو ہی ہمارا جانشین ہے۔ اے اللہ! میں تم سے سفر کی تکالیف اور واپسی کے اندوہ اور مال اور اہل میں برے منظر سے تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

اور جب سفر سے واپس آتے' تو بھی یہی الفاظ کہتے اور ان پر ان الفاظ کا اضافہ کرتے:

آیبون تائبون لربنا حامدون.

ہم واپس آنے اور تائب ہونے پر اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔

(مسلم:۱۳۴۲،ابو داؤد:۲۵۹۹)

استاد سے مروی ہے: چونکہ صوفیاء کے گروہ میں سے بہتوں کی یہی رائے ہے کہ سفر اختیار کرنا چاہئے۔ اس لئے ہم نے اس کے لئے الگ باب باندھا ہے، صرف اس لئے کہ سفر کی ان کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔

صوفیاء سفر کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ بعض لوگ ایک جگہ پر مقیم رہنے کو سفر پر ترجیح دیتے ہیں اور ان لوگوں نے سوائے فرض، مثلاً حج کے کسی اور کام کے لئے سفر اختیار نہیں کیا۔ یہ لوگ بالعموم مقیم ہی رہے، مثلاً جنید، سہل بن عبداللہ، ابو یزید بسطامی اور ابوحفص وغیرہ۔

بعض نے سفر کو ترجیح دی اور مرتے دم تک سفر میں رہے، مثلاً ابوعبداللہ مغربی، ابراہیم بن ادھم وغیرہ۔

بہت سے ایسے بھی ہیں، جنہوں نے ابتدا میں اور حالت شباب میں بہت سفر کیا، مگر بعد میں سفر ترک کر دیا، مثلاً ابو عثمان حیری اور شبلی وغیرہ۔

ان سب کے الگ الگ اصول تھے، جن پر انہوں نے اپنے طریقہ کی بنا رکھی۔

سفر کی قسمیں:

سفر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدن کا سفر، یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا

(۲) دل کا سفر، یعنی ایک صفت سے دوسری صفت کو منتقل ہونا۔

بدن کا سفر کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں، دل کا سفر کرنے والے بہت کم ہیں۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ نیشاپور کے باہر ایک بستی ہے، جس کا نام فرخک ہے۔ وہاں صوفیاء کے ایک شیخ رہا کرتے تھے۔ اس علم میں ان کی تصانیف بھی ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا: شیخ صاحب! کیا آپ نے بھی سفر کیا ہے؟ فرمایا: کیا تم زمین کے سفر کے متعلق پوچھتے ہو، یا آسمان کے سفر کے متعلق؟ زمین کا سفر تو میں نے نہیں کیا، البتہ آسمان کا کیا ہے۔

انہی سے مروی ہے کہ ایک روز ایک فقیر میرے پاس آیا۔ اس وقت میں مرو میں تھا اور کہا: میں دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کے پاس آیا ہوں اور میرا مقصد صرف آپ کی ملاقات ہے۔ میں نے کہا: تمہارے لئے تو صرف ایک قدم کافی تھا۔ اگر اپنے نفس سے سفر کر لیتا۔

جس طرح ان کے حالات مختلف ہیں، اسی طرح سفر کے متعلق ان کی حکایتیں بھی مختلف ہیں۔

وسیع سلطنت:

احنف الہمدانی سے مروی ہے کہ میں جنگل میں اکیلا تھا اور میں تھک گیا تھا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا: اے رب! میں کمزور اور اپاہج ہوں اور تمہارے پاس ضیافت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ فوراً میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ جواب نہ ملے کہ تجھے کس نے بلایا تھا؟ اس پر میں نے کہا: اے رب! تمہاری سلطنت ایسی ہے، جہاں طفیلی کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ فوراً کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ جب ادھر مڑا' تو ایک بدوی سواری پر سوار تھا۔ اس نے مجھے کہا: اے عجمی! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: مکہ کا! اس نے پھر کہا: کیا اس نے تمہیں بلایا ہے؟ میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ اس نے پھر کہا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا؟

﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران:۹۷) (جو سفر کی طاقت رکھے)

میں نے کہا: اس کی سلطنت وسیع ہے، طفیلی کی اس میں گنجائش ہے۔ اس نے کہا: کیا تو طفیلی ہے؟ کیا تو اونٹ کی خدمت کر سکتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس پر وہ اپنے جانور سے نیچے اتر آیا اور مجھے دے کر کہنے لگا۔ اس پر سفر کرو۔

محمد بن عبداللہ الصوفی نے محمد بن احمد النجار سے روایت کی کہ کسی فقیر نے کتانی سے درخواست کی کہ اسے وصیت کریں' تو فرمایا: کوشش کرو کہ ہر رات کسی مسجد کے مہمان بنو۔ نیز اگر مرو تو دو منزلوں کے درمیان ہی مرو۔

حکایت ہے کہ حصری سے مروی ہے: ایک بار بیٹھنا ایک ہزار حج سے بہتر ہے۔

آپ کی مراد صرف یہ تھی کہ اللہ کو حاضر سمجھتے ہوئے، ایک بار اس طرح بیٹھنا کہ ہمت جمع ہو جائے۔ قسم ہے کہ یہ ایسے ایک ہزار کامل حج سے بہتر ہے، جس میں انسان اللہ سے غائب رہے۔

کثرت عبادت:

محمد بن اسماعیل فرغانی سے مروی ہے کہ میں اور ابوبکر زقاق اور کتانی تقریباً بیس سال سفر کرتے رہے' نہ تو ہم کسی سے گھلا ملا کرتے اور نہ کسی سے میل جول رکھتے۔ جب کسی شہر میں پہنچتے اور وہاں کوئی بزرگ ہوتا" تو اس کے سلام کو چلے جاتے، رات تک اس کے پاس بیٹھتے اور پھر مسجد میں چلے جاتے۔

کتانی ابتداء رات سے لے کر آخر تک نماز پڑھتے رہتے اور قرآن ختم کرتے اور زقاق قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاتے اور میں لیٹ کر سوچتا رہتا۔ پھر جب صبح ہوتی' تو نماز عشاء کے وضو سے ہی صبح کی نماز ادا کرتے اور جب ہمارے درمیان کوئی اور انسان آ جاتا اور سویا رہتا' تو ہم اس کو اپنے سے افضل سمجھتے۔

آداب سفر:

عیسٰی القصار سے مروی ہے کہ کسی نے رویم سے سفر کے آداب کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: سفر کا ادب یہ ہے کہ اس کا قدم اس کی ہمت سے آگے نہ پڑے اور جہاں اس کا دل ٹھہر جائے، وہی اس کی منزل ہو جائے۔

دین سے عبرت:

مالک بن دینار سے حکایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ لوہے کے جوتے اور لوہے کی لاٹھی بناؤ۔ پھر دنیا کی سیاحت کرو اور آثار اور عبرت کی باتیں تلاش کرو، یہاں تک کہ جوتا پھٹ جائے اور لاٹھی ٹوٹ جائے۔

دین سے بے رغبتی:

مروی ہے کہ ابو عبداللہ مغربی' ہمیشہ سفر میں رہا کرتے اور آپ کے مرید آپ کے ساتھ ہوتے اور احرام میں ہوتے، جب احرام ٹوٹ جاتا' تو دوبارہ احرام باندھ لیتے۔ ان کے لئے نہ کپڑا بنا جاتا اور نہ ان کے ناخن اور بال لمبے ہوتے اور رات کے وقت ان کے مرید ان کے پیچھے چلا کرتے اور جب ان میں سے کوئی راستہ سے ایک طرف ہٹ جاتا' تو آپ فرماتے: اے فلانے! دائیں طرف ہو جا۔ اے فلانے! بائیں طرف ہو جا۔ آپ اپنا ہاتھ کسی ایسے کھانے کی طرف نہ بڑھاتے تھے' جس کی طرف کسی انسان کا ہاتھ بڑھا ہو۔ آپ کی خوراک کسی بوٹی کی جڑ ہوتی، جسے ان کے لئے مہیا کیا جاتا۔

مروی ہے کہ ہر وہ دوست جسے تو کہے: اٹھو چلیں اور وہ پوچھے: کہاں؟ وہ دوست نہیں۔

اس کے ہم معنی یہ شعر پڑھا جاتا ہے:

اذا استنجدوا لم یسألوا من دعاهم لایة حرب ام لای مکان

جب کوئی شخص ان سے مدد مانگتا ہے' تو وہ پکارنے والے سے یہ سوال نہیں کرتے کہ کس جنگ کے لئے اور کس جگہ جانے کو تو ہمیں بلا رہا ہے؟

فرمانبرداری:

ابو علی رباطی سے حکایت ہے کہ میں عبداللہ مروزی کی صحبت میں رہا۔ ان کی صحبت میں میرے آنے سے پہلے ان کا دستور تھا کہ وہ زادراہ اور سواری کے بغیر جنگل کو نکل جاتے۔ جب میں ان کی صحبت میں آ گیا' تو مجھے فرمایا: تو حاکم بننا پسند کرے گا' یا میں حاکم رہوں۔ میں نے عرض کیا: آپ ہی حاکم رہیں۔ فرمایا: پھر تمہیں اطاعت کرنی ہوگی۔ میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے ایک تھیلا لیا' اس میں زادراہ رکھا اور اسے اپنی پشت پر اٹھایا۔ جب میں یہ کہتا کہ یہ تھیلا مجھے دیجئے' تا کہ میں اسے اٹھاؤں۔ فرماتے: میں حاکم ہوں اور تمہیں میری اطاعت کرنی چاہئے۔

ایثار:

رباطی سے مروی ہے کہ ایک رات بارش ہوئی اور آپ چادر لئے صبح تک میرے اوپر سایہ کرتے رہے' تا کہ میں بارش سے بچا رہوں۔ میں دل میں کہتا: کاش میں مرجاتا اور یہ نہ کہتا کہ آپ حاکم ہیں۔

کامل صحبت:

پھر مروزی نے فرمایا: جب تو کسی انسان کی صحبت اختیار کرے' تو اس کی صحبت میں اسی طرح رہ، جس طرح میں تمہاری صحبت میں رہتا ہوں۔

نصیحت:

ایک نوجوان ابوعلی روذباری کے پاس آیا۔ جب وہ جانے لگا' تو کہا: کیا شیخ کچھ فرمانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اے نوجوان! صوفیا نہ تو وعدہ سے اکٹھے ہوتے ہیں اور نہ مشورہ کر کے جدا ہوتے ہیں۔

انسان محتاج نہیں:

مزین سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ابراہیم خواص کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا کہ ایک بچھو کو ان کی ران پر دوڑتا دیکھا۔ میں نے اٹھ کر اسے مارنا چاہا، مگر آپ نے مجھے منع کر دیا اور فرمایا: اسے رہنے دو، کیونکہ ہر چیز ہماری محتاج ہے اور ہم کسی چیز کے محتاج نہیں۔

قول:

ابوعبداللہ نصیبینی سے مروی ہے: میں نے تیس سال سفر کیا اور میں نے نہ کبھی اپنی گڈری پر پیوند لگایا اور نہ میں کسی ایسی جگہ گیا' جہاں مجھے معلوم ہو کہ میرا کوئی رفیق ہے اور نہ کسی کو اس بات کی اجازت دی کہ میرے ساتھ چلتے ہوئے کوئی چیز ساتھ لے۔

نفس کشی:

صوفیاء اللہ اور اس کی مخلوق کے ساتھ حاضری کے تمام آداب مجاہدہ سے حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں، پھر بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کچھ اور زیادہ حاصل کریں، لہٰذا انہوں نے اپنے نفسوں کو سدھارنے کے لئے احکام سفر کو شامل کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفسوں کو ان چیزوں سے نکال کر لے گئے، جن کے وہ روزمرہ کے عادی تھے اور انہیں معروف چیزوں کے چھوڑنے پر مجبور کیا' تا کہ وہ اللہ کے ساتھ ایسی حالت میں زندگی گذاریں کہ ان کا دنیا کی کسی چیز کے ساتھ نہ کوئی تعلق ہو اور نہ کوئی واسطہ ہو۔

بایں ہمہ انہوں نے سفر میں ہوتے ہوئے بھی اپنے کسی ورد کو ترک نہیں کیا، کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ رخصت (مثلاً سفر میں قصر کرنا) صرف ان لوگوں کے لئے ہے، جن کا سفر کسی حاجت یا ضرورت کی وجہ سے ہو اور ہمیں اپنے سفر میں نہ تو کوئی کام ہے اور نہ کوئی مجبوری (لہٰذا رخصت کیسی)۔

نصر آبادی سے مروی ہے کہ ایک بار میں جنگل میں گذرتے ہوئے کمزور ہو گیا اور اپنی جان سے مایوس ہو گیا کہ یکا یک میری نگاہ چاند پر پڑی، حالانکہ اس وقت دن تھا، پھر بھی میں نے چاند پر یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے:

﴿ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ﴾ (البقرہ:۱۳۷)

لہٰذا میں نے اس تکلیف کو معمولی سمجھا اور اسی وقت سے یہ بات (یعنی خرق عادات وکرامات) میرے لئے واضح ہو گئیں۔

مسافر کے لئے چار چیزیں:

ابو یعقوب سوسی سے مروی ہے' مسافر کو سفر میں چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

(۱) علم' جو اس کی رہنمائی کرے۔

(۲) پرہیز گاری' جو اسے ہر بری بات سے روکے۔

(۳) شوق' جو اسے مطلوب تک پہنچنے پر اکساتا رہے۔

(۴) خلق' جو اسے (ادنی درجہ کے اخلاق سے) بچاتا رہے۔

سفر کو سفر کہنا:

مروی ہے کہ سفر کو اس لئے سفر کہا گیا ہے کہ اس سے آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔

کتانی کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی فقیر یمن کو سفر کے لئے جاتا، پھر دوبارہ وہاں لوٹ کر آتا' تو وہ اپنے مریدوں کو حکم دیتے کہ اس سے الگ رہیں۔

آپ یہ اس لئے کیا کرتے کہ لوگ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کی خاطر یمن کا سفر اختیار کیا کرتے تھے۔

کمال احتیاط:

مروی ہے کہ ابراہیم خواص سفر میں اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لے جاتے تھے، مگر پھر بھی ان کے ساتھ سوئی اور مشکیزہ ہمیشہ رہتا، سوئی کپڑوں کو سینے اور پیوند لگانے کے لئے کہ اگر کپڑا پھٹ جائے' تو کہیں ستر نہ کھل جائے اور مشکیزہ طہارت کے لئے۔ آپ ان چیزوں کو دنیاوی تعلق کی چیزیں خیال نہ کرتے تھے۔

کمال اطاعت:

ابوعبداللہ رازی سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں طرسوس سے ننگے پاؤں نکلا۔ میرے ساتھ ایک رفیق تھا۔ ہم چلتے چلتے ملک شام کی بستی میں پہنچے' تو ایک شخص میرے پاس جوتے لے کر آیا۔ مگر میں نے اسے قبول نہ کیا۔ میرے ساتھی نے مجھے کہا: جوتا پہن لیں، کیونکہ آپ تھک چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ جوتا آپ کو میری وجہ سے عطا کیا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنا جوتا آپ کی موافقت اور آپ کے حق صحبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اتارا تھا۔

ایثار:

منقول ہے کہ ابراہیم خواص سفر میں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ تین اور آدمی بھی تھے۔ آپ جنگل میں کسی مسجد میں پہنچے اور وہاں رات گذاری۔ مسجد کا کوئی دروازہ نہ تھا اور سردی شدت کی پڑ رہی تھی۔ سب سو گئے۔ جب صبح ہوئی' تو خواص کو دروازے پر کھڑا دیکھا۔ انہوں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی' تو فرمایا: مجھے ڈر تھا کہ کہیں تمہیں سردی نہ لگے۔ اس لئے وہ رات بھر وہاں کھڑے رہے تھے۔

حالت بدل جانا:

منقول ہے کہ کتانی نے ایک بار اپنی والدہ سے حج کے لئے جانے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دے دی اور روانہ ہو گئے۔ جنگل میں آپ کے کپڑے میں پیشاب لگ گیا' فرمایا: اس کا سبب یقیناً یہ ہے کہ میری حالت میں خلل پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ واپس روانہ ہو گئے۔ جب انہوں نے گھر پہنچ کر دستک دی' تو ان کی والدہ نے جواب دیا اور دروازہ کھولا، دیکھا' تو وہ دروازہ پر بیٹھی تھی۔ آپ نے والدہ سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب سے تو گیا ہے' میں نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک تمہیں نہ دیکھ لوں گی' میں یہاں سے نہ جاؤں گی۔

اقوال:

ابراہیم بن المولد نے ابراہیم القصار سے روایت کی ہے کہ میں تیس سال تک لوگوں کے دلوں کی اصلاح کے لئے سفر کرتا رہا۔

منقول ہے کہ ایک شخص' داؤد طائی کی ملاقات کے لئے گیا اور کہا: ابوسلیمان! مدت سے میرا دل چاہتا تھا کہ آپ سے ملوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب بدنوں اور دلوں دونوں میں سکون ہو' تو ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ملاقات آسان ہو جاتی ہے۔

بھوک سے نڈھال:

ابو نصر صوفی' جو نصر آبازی کے مریدوں میں سے تھے کو فرماتے سنا: میں عمان کی بندرگاہ پر سمندر سے اترا' تو مجھے بھوک نے نڈھال کر رکھا تھا۔ پھر میں بازار سے گذر رہا تھا اور حلوائی کی دکان کے پاس سے گذرا' جس میں پہلے کا بھنا ہوا گوشت اور مٹھائیاں تھیں۔ میں نے ایک شخص کو پکڑ کر کہا کہ مجھے کچھ خرید کر دو۔ اس نے جواب دیا: کیوں خرید کر دوں؟ کیا میرے ذمے کوئی چیز ہے' یا مجھے تمہارا قرض ادا کرنا ہے؟ میں نے کہا: ضرور خریدنا پڑے گا۔ ایک شخص نے مجھے باتیں کرتے دیکھ لیا اور کہا: ارے! اسے چھوڑ دو۔ میں وہ شخص ہوں' جس پر تمہارے لئے مٹھائی کا خریدنا واجب ہے۔ مجھ سے مطالبہ کرو اور جو چاہو حکم کرو۔ پھر اس نے مجھے جو کچھ میں چاہتا تھا' خرید کر دیا اور وہ چلا گیا۔

خیانت کی سزا:

منقول ہے کہ ابو الحسین مصری نے فرمایا: مجھے طرابلس سے شجری کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ ہم کئی دنوں تک بغیر کچھ کھائے چلتے رہے۔ میں نے زمین پر پڑا ہوا ایک کدو دیکھا۔ اور میں کھانے لگا' شجری نے میری طرف دیکھا، مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ لہٰذا میں سمجھ گیا کہ انہوں نے اسے برا سمجھا ہے۔ میں نے اسے پھینک دیا۔ پھر ہمیں اللہ تعالیٰ نے پانچ دینار دلوائے اور ہم شہر میں آ گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ آپ ہمارے لئے ضرور کچھ نہ کچھ خریدیں گے۔ مگر آپ وہاں سے گذر گئے اور کچھ نہ خریدا۔

پھر آپ یہودیہ پہنچے' یہ راستہ میں ایک گاؤں کا نام ہے' تو فرمایا: وہاں ایک عیال دار آدمی ہے' جب ہم اس کے پاس جائیں گے' تو وہ ہماری خدمت میں مشغول ہو جائے گا۔ میں یہ پانچ دینار اسے دوں گا' تاکہ وہ انہیں ہمارے اور اپنے عیال کے لئے خرچ کرے۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچ گئے اور آپ نے وہ دینار اسے دے دیئے اور اس نے خرچ کر دیئے۔ اب وہاں سے چلنے لگے' تو فرمایا: اے ابو الحسین! کہاں جاتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ چلوں گا۔ فرمایا: نہیں تم تو ایک کدو کی خاطر مجھ سے خیانت کرتے ہو اور میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو، ایسا نہ ہوگا اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔

رزق سے بے اعتنائی:

ابو عبداللہ بن خفیف روایت کرتے ہیں کہ میں ابھی نوعمر ہی تھا کہ ایک فقیر مجھے ملا۔ اس نے مجھے دیکھا کہ بھوک نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے۔ لہٰذا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور گوشت پیش کیا' جو آب جو کے ساتھ پکایا گیا تھا اور گوشت کا ذائقہ بدلا ہوا تھا۔ اس نے مجھے ایک لقمہ دیا' جسے میں نے بڑی مشکل سے کھایا اور اس نے پھر ایک اور لقمہ دیا' جس سے مجھے بہت

تکلیف ہوئی۔

فقیر میرے چہرے سے پہچان گیا اور شرمندہ ہوا۔ اس وجہ سے مجھے بھی شرمندگی ہوئی۔ لہٰذا میں وہاں سے چل پڑا اور فوراً سفر کو روانہ ہو گیا۔ میں نے اپنی والدہ کے پاس ایک آدمی کو بھیج کر اپنی گدڑی منگوالی۔ میری والدہ نے میری مخالفت نہ کی اور میرے سفر کو جانے پر رضامند ہو گئی۔

چنانچہ میں فقیروں کی ایک جماعت کے ساتھ قادسیہ سے نکلا۔ مگر ہم راستہ سے بھٹک گئے اور جو کچھ بھی زادِ راہ ہمارے پاس تھا' ختم ہو گیا اور ہم مرنے کے قریب ہو گئے۔ ہم ایک عرب قبیلہ کے پاس گئے، مگر وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ ہم نے مجبور ہو کر ان سے چند دیناروں میں ایک کتا خریدا۔

انہوں نے اسے بھونا اور مجھے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا دیا۔ جب میں کھانے لگا' تو میں نے اپنے حال پر غور کیا' تو مجھے خیال آیا کہ یہ اس فقیر کو شرمندہ کرنے کی سزا ملی ہے۔ لہٰذا میں نے دل میں توبہ کی اور چپ رہا۔ پھر انہوں نے ہمیں راستہ بتلا دیا اور جا کر حج ادا کیا، اس کے بعد میں اسی فقیر کے پاس واپس آیا اور اس سے معذرت چاہی۔

باب

صحبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾ (التوبة: ٤٠)

آپ جب غار میں تھے، تو دو میں سے ایک آپ تھے اور اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے: غم نہ کھاؤ، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

استاد امام ابوالقاسم سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق کے لئے صحبت ثابت کر دی، تو یہ بیان کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان پر شفقت کا اظہار کیا، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾

شریف آدمی اپنے ساتھی پر شفیق ہوتا ہے۔

انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں کب اپنے دوستوں سے ملوں گا؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے والدین آپ ﷺ پر قربان ہوں! کیا ہم آپ ﷺ کے احباب نہیں ہیں؟ فرمایا: تم میرے اصحاب ہو، میرے احباب تو وہ لوگ ہیں۔، جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا مگر مجھ پر ایمان لائے، مجھے ان لوگوں سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ (احمد: ۱۲۶۰۱)

صحبت کی اقسام:

صحبت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اپنے سے اونچے درجے والے کی صحبت، درحقیقت یہ خدمت گذاری ہوتی ہے۔

(۲) اپنے سے کم درجے والے کی صحبت' اس صحبت کا تقاضا یہ ہے کہ متبوع (بڑے رتبے والا) اپنے ساتھی کے ساتھ شفقت اور رحمت کے ساتھ پیش آئے اور تابع کو چاہئے کہ وہ بڑے کی موافقت کرے اور اس کا احترام کرے۔

(۳) ہم پلہ اور ایک جیسے رتبہ کے لوگوں کی صحبت' اس کی بناء ایثار اور فتوت پر ہوتی ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے رتبہ سے بڑے رتبہ والے شیخ کی صحبت میں رہے' تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ ان پر کسی بات میں اعتراض نہ کرے اور جو بات ان سے ظاہر ہو، اس کی اچھی توجیہ نکالے اور ان کے احوال پر ایمان رکھتے ہوئے انہیں قبول کرے۔

مروی ہے کہ کسی نے منصور بن خلف سے سوال کیا کہ آپ کتنے سال ابوعثمان مغربی کی صحبت میں رہے؟ آپ نے ناراضگی سے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: میں تو ان کی صحبت میں نہیں رہا، بلکہ ایک مدت تک ان کا خادم رہا ہوں اور جب تم سے کوئی کم درجہ والا تمہاری صحبت میں رہے' تو اس کی صحبت کے لحاظ سے تمہاری طرف سے خیانت ہوگی، اگر تم اس کی حالت میں کسی قسم کی کمی پاؤ' تو اس پر اس کو تنبیہ نہ کرو۔

اچھی تاویل:

ابوالخیر تنیاتی نے جعفر بن محمد بن نصیر کو لکھا' فقراء کی جہالت کا بار تم پر ہے، کیونکہ تم نے ان کو ادب سکھانے کی بجائے اپنے نفسوں کی طرف توجہ دی، جس کی وجہ سے وہ غافل رہ گئے اور جب کوئی تمہارا ہم مرتبہ انسان تمہاری صحبت میں رہے' تو تمہارے لئے صحیح راہ یہ ہے کہ تم اس کے عیوب سے آنکھیں بند کرلو اور جو کام اس سے سرزد ہوں، جہاں تک ممکن ہو سکے، ان کی تم اچھی تاویل کرو اور اگر تمہیں کوئی تاویل نہ ملے' تو تم اپنے نفس کی طرف نگاہ کرو، اسی کو تہمت دو اور اسی کو ملامت کرو۔

نفس کی چال:

احمد بن ابی الحواری سے مروی ہے کہ ابوسلیمان دارانی نے کہا: فلاں شخص میرے دل میں جچتا نہیں۔ ابوسلیمان نے فرمایا: میرے دل میں بھی وہ نہیں جچتا۔ مگر اے احمد! ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے نفس کی چال ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم چونکہ خود صالحین میں سے نہیں، اس لئے ہم ان سے محبت نہیں کرتے۔

دوستی کی نظر:

مروی ہے کہ ایک شخص ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں رہا۔ جب وہ جدا ہونے لگا' تو کہا: اگر آپ نے مجھ میں کوئی عیب دیکھا ہو' تو مجھے تنبیہ کر دیجئے۔ ابراہیم نے فرمایا: میں نے تو تم میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ کیونکہ میں نے تمہیں دوستی کی نگاہ سے دیکھا اور میں نے تمہاری جو چیز دیکھی اسے اچھا جانا، لہٰذا اپنے عیب کے متعلق کسی اور سے پوچھو۔

اسی معنی میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

وعين الرضا عن كل عيب كليلة ولكن عين السخط تبدى المساويا

دوستی کی نگاہیں (تمہارے) ہر عیب سے بند ہوتی ہیں، مگر دشمنی کی نگاہ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

قول:

حکایت ہے کہ ابراہیم بن شیبان نے فرمایا کہ ہم اس شخص کی صحبت میں نہ بیٹھا کرتے تھے، جو یہ کہتا ہے کہ یہ جوتا میرا ہے (کیونکہ وہ فقیر ہی کیا؟ جو کسی چیز کو اپنی ملکیت بتائے)۔

ابونصر السراج نے ابواحمد القلانسی سے روایت کی ہے کہ میں بصرہ میں کچھ لوگوں کی صحبت میں رہا۔ ایک بار میں نے ان میں سے کسی سے کہا: میرا تہبند کہاں ہے؟ اس پر میں ان کی نگاہوں سے گر گیا۔

قول:

الدقی نے زقاق سے روایت کی کہ میں چالیس سال سے ان لوگوں کی صحبت میں ہوں۔ میں نے ان کے پاس کوئی استعمال کی چیز نہیں دیکھی، سوائے اس کے جسے وہ ایک دوسرے سے لیتے یا اس سے لے لیتے' جو ان سے محبت رکھتا ہو اور تصوف میں جس شخص کے پاس تقویٰ اور پرہیز گاری نہیں، اس کے لئے تو صریح حکم یہی ہے کہ وہ حرام کھاتا ہے۔

اللہ سے تعلق:

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سہل بن عبداللہ سے کہا کہ اے محمد! میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب ہم میں سے کوئی مر جائے گا' تو باقی رہنے والے کس کی صحبت میں رہیں گے؟ اس نے کہا: اللہ کی! آپ نے فرمایا: تو پھر اسے ابھی سے اس کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

ایک شخص مدت تک دوسرے کی صحبت میں رہا۔ پھر ایک کے دل میں وہاں سے جانے کا خیال آیا اور اس نے اپنے ساتھی سے اجازت چاہی' تو اس نے کہا کہ اس شرط پر اجازت دیتا ہوں کہ تو ہم سے اونچے درجے والے کے سوا کسی اور کسی صحبت اختیار نہ کرے گا اور وہ خواہ ہم سے بلند مرتبہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو، پھر بھی تو اس کی صحبت میں نہ جا، کیونکہ تو پہلے میری صحبت میں رہ چکا ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ میرے دل سے جدائی کا خیال زائل ہو گیا ہے۔

دل کا بوجھ:

الدقی نے کتانی سے روایت کی کہ ایک شخص میری صحبت میں رہا اور اس کی صحبت میرے لئے ناگواری کا باعث تھی۔ میں نے اسے کوئی چیز تحفہ کے طور پر دی، تا کہ جو بوجھ میرے دل پر ہے، زائل ہو جائے۔ مگر بوجھ بدستور رہا۔

اس پر میں اسے اپنے گھر لے گیا اور کہا: اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھو۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ میں نے کہا: تم کو کرنا پڑے گا اور میں نے عہد کر لیا کہ جب تک جو بوجھ میرے دل پر ہے، رفع نہیں ہوگا، وہ اپنا پاؤں میرے رخسارے سے نہیں اٹھائے گا۔ جب بوجھ زائل ہو گیا' تو میں نے اس سے کہا: اب اپنا پاؤں اٹھا لو۔

سخاوت:

ابراہیم بن ادھم' فصلوں کی کٹائی اور باغوں کی نگہبانی وغیرہ کاموں میں نوکری کر لیا کرتے اور جو رقم مل جاتی اسے اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔

کمال عاجزی:

مروی ہے کہ ابراہیم اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھے۔ آپ دن کو کام کرتے اور جو کچھ کماتے اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔ رات ہوتی' تو ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے، سب روزہ رکھا کرتے تھے۔ ابراہیم اپنے کام سے دیر میں آیا کرتے۔ ایک رات ساتھیوں نے کہا: آؤ ہم اپنی افطاری اس کے بغیر ہی کھا لیں، تاکہ آئندہ سے وہ جلدی آیا کرے، لہٰذا وہ روزہ افطار کر کے سو گئے۔ جب ابراہیم واپس آئے' تو انہیں سویا ہوا پایا۔

کہنے لگے: شاید ان مسکینوں کو کھانا نہیں ملا، گھر میں آٹا تھا۔ ابراہیم نے اسے لے کر گوندھا اور آگ جلائی اور کوئلے جلائے، اس پر وہ جاگ اٹھے۔ دیکھا کہ ابراہیم چولہا پھونک رہے ہیں اور آپ کا رخسار زمین سے لگ رہا تھا۔ انہوں نے جب دریافت کیا' تو فرمایا کہ میں نے سمجھا کہ تمہیں افطاری کے لئے کوئی چیز نہیں ملی، اس لئے تم سو گئے اور خیال کیا جب انگارے روشن ہو جائیں' تو تم لوگوں کو بیدار کروں۔ اس پر وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ذرا غور کرو کہ ہم نے ان سے کیا برتاؤ کیا اور یہ ہم سے کیا برتاؤ کر رہے ہیں؟

صحبت کی شرائط:

مروی ہے کہ جب کوئی شخص ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں آتا' تو آپ اسے تین شرطیں پیش کرتے:

(۱) خدمت وہی کریں گے۔

(۲) اذان وہی دیں گے۔

(۳) وہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ انہیں دے' ان میں ان کا اسی قدر دخل ہوگا، جس طرح کسی اور کا۔

ایک دن ان کے کسی ایک ساتھی نے کہا: میں ان شرائط پر پابند نہیں رہ سکتا۔ فرمایا: تمہارا سچ کہنا مجھے بہت پسند آیا ہے۔

صحبت اختیار کرنے میں احتیاط:

یوسف بن حسین سے مروی ہے کہ میں نے ذوالنون سے پوچھا کہ میں کس شخص کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا: اس شخص کی صحبت اختیار کرو، جس سے تم کسی ایسی بات کو نہ چھپاؤ، جس کا تمہارے متعلق اللہ کو علم ہے۔

قول:

سہل بن عبداللہ نے ایک شخص سے کہا: اگر تو درندوں سے ڈرتا ہے' تو میری صحبت میں نہ بیٹھ۔

ابوالقاسم بن منبہ نے بشر بن الحارث سے روایت کی کہ بروں کی صحبت سے نیکوں کے متعلق سوءظن پیدا ہوتا ہے۔

کمال اطاعت:

جنید سے مروی ہے کہ جب ابوحفص بغداد میں آئے' تو آپ کے ساتھ ایک گنجا شخص تھا، جو ہمیشہ خاموش رہتا۔ میں نے ابوحفص کے مریدوں سے اس کے متعلق پوچھا' تو انہوں نے بتلایا کہ اس شخص نے ابوحفص پر ایک لاکھ درہم خرچ کئے ہیں۔ پھر ایک لاکھ درہم قرض لے کر خرچ کئے۔ اس کے باوجود ابوحفص نے اسے کلمہ کہنے کی اجازت نہیں دی۔

صحبت کے لوازمات:

ذوالنون سے مروی ہے: جب تو اللہ کی صحبت اختیار کرے' تو تجھے اس کے اوامرونواہی کی موافقت کرنی چاہئے اور مخلوق کی صحبت میں ان سے خیرخواہی کرنی چاہئے اور نفس کی صحبت میں اس کی مخالفت کرنی چاہئے اور شیطان کی صحبت میں اس سے عداوت کرنی چاہئے۔

تعلق مع اللہ:

کسی شخص نے ذوالنون سے پوچھا کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا: ایسے شخص کی صحبت اختیار کر کہ اگر تو بیمار پڑے' تو وہ تیری عیادت کرے اور اگر تو گناہ کرے' تو تجھے معاف کرے (یعنی اللہ)

استاذ' پیر کی اہمیت:

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ اگر درخت خودرو ہو اور کسی نے اسے لگایا نہ ہو' تو اس کے پتے تو نکلیں گے، مگر پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ اگر کوئی اس کا استاد (پیر) نہ ہوگا' جو اس کی تربیت کرے، اس سے کوئی بات بن نہ آئے گی۔

سلسلہ طریقت:

استاد ابوعلی سے مروی ہے کہ میں نے طریقت کی راہ نصرآبادی سے لی۔ نصرآبادی نے شبلی سے' شبلی نے جنید سے' جنید نے سری سے' سری نے معروف کرخی سے' معروف کرخی نے داؤد طائی سے اور داؤد طائی کی ملاقات تابعین سے ہوئی۔

قول:

انہیں سے مروی ہے کہ میں جب بھی نصر آبادی کی مجلس میں گیا' تو پہلے غسل کر لیا۔ پھر مجلس میں حاضر ہوا۔

کمال احترام:

استاد ابوالقاسم سے مروی ہے میں بھی ابتداء میں جب کبھی استاد ابوعلی کی خدمت میں حاضر ہوا' تو روزہ رکھ کر گیا اور جانے سے پہلے غسل کر لیا کرتا تھا۔ کئی بار ان کے مدرسہ کے دروازے پر حاضر ہوتا، مگر دروازہ سے واپس چلا آتا۔ کیونکہ میں ان کے پاس جانے سے مڑ جاتا تھا اور اگر جرأت کر کے اندر چلا جاتا' تو مدرسہ کے وسط میں پہنچتے ہی سنسنی چھا جاتی۔ یہاں تک کہ اگر مجھے سوئی بھی چبھو دی جاتی' تو شاید میں اسے محسوس نہ کرتا۔

پھر اگر کسی واقعہ کے لئے جو مجھ سے سرزد ہوتا، میں بیٹھ جاتا' تو مجھے اپنی زبان سے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑھتی۔ ابھی بیٹھنے ہی لگتا کہ خود بخود میرا واقعہ بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ میں نے کئی بار یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ میں اپنے دل میں سوچا کرتا کہ اگر میرے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث کرتا' تو کیا ممکن تھا کہ میں اس رسول کی اس سے زیادہ دل سے عزت واحترام کرتا، جس قدر کہ میں ان کی عزت کرتا تھا۔ میرے تصور میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ باوجود ان کی مجلس میں کثرت سے آمدورفت رکھنے، پھر ان کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے کے بعد میرے دل پر یہ بات گذری ہو' یا خیال ہی آیا ہو کہ میں ان پر اعتراض کروں، یہاں تک کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

بری صحبت سے پناہ:

خلف بن تمیم ابوالاحوص نے' محمد بن النضر الحارثی سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ ہمیشہ بیدار و ہوشیار رہو اور اپنے لیے دوست طلب کرو اور جو دوست تمہاری خوشی میں تمہارے ساتھ موافقت نہیں کرتا، اسے اپنے سے دور ہٹا دو، اور اس کی صحبت میں نہ رہو، کیونکہ وہ تمہارے دل کو سخت بنا دے گا اور وہ تمہارا دشمن ہے۔

میرا کثرت سے ذکر کرو، اس سے میں تمہارا شکر کروں گا اور مزید مہربانی کروں گا۔

اچھی صحبت تلاش کرنے کی اہمیت:

عبداللہ بن المعلم نے ابوبکر الطمستانی سے روایت کی کہ اللہ کی صحبت اختیار کرو، اگر یہ نہ کر سکو' تو پھر اس شخص کی صحبت اختیار کرو، جسے اللہ کی صحبت حاصل ہے' تاکہ اس کی صحبت کی برکت سے تم اللہ عزوجل کی صحبت تک پہنچ جاؤ۔

باب

توحید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ﴾ (البقرة: ١٦٣)

تمہارا اللہ ایک ہی ہے۔

خوف الٰہی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی، سوائے اللہ کو ایک جاننے کے' اس نے اپنے گھر والوں کو کہا: کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا۔ پھر پیس کر کے آدھا حصہ خشکی میں اڑا دینا اور آدھا سمندر میں، ایسے دن میں جب ہوا تیز چل رہی ہو۔

گھر والوں نے اس کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ جو کچھ تو نے لیا ہے، نکالو۔ چنانچہ وہ شخص اللہ کے سامنے پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ یہ جو کچھ تو نے کیا کس لئے کیا؟ اس نے عرض کی: تم سے شرماتے ہوئے، اس پر اللہ نے اسے بخش دیا۔ (احمد: ٨٠٢٧)

توحید کے معنی:

استاد سے مروی ہے کہ یہ حکم لگانا کہ اللہ ایک ہے، توحید ہے۔

نیز یہ جاننا کہ کوئی چیز ایک ہے، یہ بھی توحید ہے، چنانچہ عربی کا محاورہ ''وحدت'' اس وقت بولا جاتا ہے، جب تو کسی کو وحدانیت کی صفت کے ساتھ موصوف کرے۔

لفظ توحید...ایک تحقیق

جس طرح مروی ہے کہ جب تو کسی کو شجاعت کی طرف نسبت دے، عربی زبان میں اس کی گردان یوں ہوتی ہے۔

وحد یحد فھو واحدووحد، ووحید،

اسی طرح جس طرح مروی ہے: فرد فھوفار د'و فرد' و فرید.

احدُ دراصل ''وحد'' تھا۔ واؤ کو ہمزہ (الف) سے بدل دیا گیا۔ بعض اوقات واؤ مفتوحہ کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ جس طرح واؤ مکسورہ اور واؤ مضمومہ کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ اسی طرح امراۃ اسماء بمعنی وسماء ہے۔ جو وسامہ سے نکلا ہے۔

اہل علم کی زبان میں حق تعالیٰ سبحانہ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تعریف میں وضع ورفع نہ پایا جائے۔ یعنی وہ اشیاء کو مرکب کر کے نہ بنا ہو، چنانچہ جب ہم انسان کو واحد کہتے ہیں' تو اس میں وضع ورفع دونوں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان جو ہاتھ اور پاؤں کے بغیر ہے۔ لہٰذا یہاں انسان سے کسی چیز کا رفع (نفی) پایا گیا۔ لیکن جل سبحانہ تو ''یکتا'' ہے، برخلاف اس نام کے جو کسی ایسی چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو، جو چند اشیاء سے مرکب ہو۔

بعض اہل تحقیق سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ذات کی تقسیم ہو سکتی ہے' نہ اس کی ذات کی مثال ہے' نہ صفات کی، اور نہ ہی اس کے افعال اور مصنوعات میں اس کا کوئی شریک ہے۔

توحید کی اقسام:

توحید کی تین اقسام ہیں:

(۱) توحید الحق للحق' یعنی اللہ تعالیٰ کو واحد جاننا اور اوروں کو بتلانا کہ وہ واحد ہے۔

(۲) حق سبحانہ کا مخلوق کو توحید کی طرف نسبت دینا (توحید الحق سبحانہ للحق) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس کا فلاں بندہ موحد ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی توحید کا خالق ہے۔

(۳) توحید الخلق للحق سبحانہ' بایں معنی کہ بندے کو اس بات کا علم ہے کہ اللہ ایک ہے اور بندے کا حکم لگانا اور بتلانا کہ ایک اللہ ہے۔

اس تیسری قسم کی توحید کے مفہوم کے متعلق صوفیاء کے مختلف اقوال ہیں۔

توحید کیا ہے؟

یوسف بن الحسین نے ذوالنون مصری سے روایت کی کہ ان سے کسی نے توحید کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا:

توحید یہ ہے کہ تو یہ جانے کہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی قدرت جاری وساری ہے، مگر طبیعت کے طور پر نہیں (بلکہ اختیار کے طور پر) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا کرتا ہے' تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی کوشش یا زور نہیں لگانا پڑتا (بلکہ جو چاہا ہو

گیا)۔ ہر چیز کی علت وسبب اس چیز کا بنانا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں کی کوئی علت نہیں اور تمہارے ذہن میں خواہ کسی چیز کا بھی تصور آ جائے، وہ اللہ کا تصور نہیں ہوگا۔

توحید کی زبان:

عبداللہ بن صالح سے مروی ہے کہ جریری سے منقول ہے کہ علم توحید کو بیان کرنے کے لئے وہ زبان چاہیے' جو توحید کی زبان ہو۔

توحید کے متعلق جنید کا قول:

کسی نے جنید سے توحید کے متعلق پوچھا' تو فرمایا: جس کو تم ایک قرار دے رہے ہو (موحد) کمال احدیت کے ہوتے ہوئے، اس کی وحدانیت کی تحقیق کی وجہ سے اسے یکتا سمجھنا توحید ہے۔ بایں معنی کہ وہ ایسا واحد ہے، جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا' نہ اس کی کوئی ضد ہے اور نہ مثال اور نہ تشبیہ۔ یہ سب بغیر تشبیہ، تکییف اور بغیر تصویر و تمثیل کے ہے۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہ سمیع وبصیر ہے۔

جنید ہی سے مروی ہے: جب عقل مندوں کی عقلیں' توحید کے متعلق انتہا تک پہنچ جائیں' تو ان کی انتہا حیرت پر ہوتی ہے۔

جعفر بن محمد سے مروی ہے کہ جنید سے کسی نے توحید کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: کہ یہ ایک عارف باللہ کے دل کی کیفیت ہے' جس میں تمام آثار مٹ جاتے ہیں اور اس میں لاتعداد معلومات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ویسا ہی رہتا ہے، جیسا ازل میں تھا۔

توحید کے پانچ اصول:

حصری سے مروی ہے: توحید کے متعلق ہمارے پانچ اصول ہیں:

(۱) ہر حادث شے کی نفی کرنا۔

(۲) صرف خدائے قدیم کے ساتھ ہو لینا۔

(۳) بھائی بندوں سے علیحدگی اختیار کرنا۔

(۴) اپنے مقام ومنزل سے جدا ہونا۔

(۵) ہر معلوم ومجہول کو بھول جانا۔

اقوال:

منصور بن خلف مغربی سے مروی ہے کہ میں بغداد کی جامع مسجد یعنی جامع منصور کے صحن میں تھا۔ اس وقت حصری توحید پر گفتگو کر رہے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دو فرشتے آسمان کی طرف اٹھے۔ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے کہا: جسے یہ شخص علم توحید کہہ رہا ہے، وہ علم توحید نہیں۔ توحید کچھ اور بھی ہے۔

منصور مغربی سے مروی ہے کہ میں اس وقت بیداری اور خواب کے درمیانی حالت میں تھا۔

فارس سے مروی ہے: غلبہ حال کے وقت تمام وسائط یعنی حادث اشیاء کو ساقط کر دینا اور احکام خداوندی (کی بجا آواری) کے وقت، پھر ان وسائط کی طرف رجوع کرنا اور یہ جاننا کہ نیکیاں کسی قسم کی قسمت کو خواہ نیک ہو خواہ بد، تبدیل نہیں کرسکتیں، توحید ہے۔

ابو بکر بن شاذان نے شبلی سے روایت کی کہ توحید درحقیقت موحد (اللہ) کی صفت ہے اور رسمی طور پر موحد کا زیور ہے۔

توحید فناء نفس کا نام ہے:

جنید سے توحید کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: توحید خاص یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ایک جسم مردہ کی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام قدرت اور اس کی تدبیروں کا تصرف اس میں جاری ہو، اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اپنے نفس سے فنا ہو چکا ہے نہ اسے یہ خبر ہو کہ مخلوق اسے پکار رہی ہے اور نہ اس کی دعوت کے قبول کرنے کا خیال پیدا ہو۔

یہ فنا نفس اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی قرب میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کی حقیقت کا اسے علم ہو جائے اور فناء نفس یہ ہے کہ اس کے تمام حس و حرکت ختم ہو چکے ہوں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ ان تمام امور میں جو اس بندے سے چاہتا ہے، خود اس کا ضامن و کفیل ہو۔ بایں طور کہ بندے کی انتہا لوٹ کر ابتداء کی طرف آ جائے اور وہ ایسا ہو جائے، جیسا کہ وہ وجود میں آنے سے پہلے تھا۔

قول:

بوشنجی سے توحید کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: نہ تو اس کی ذات کسی سے مشابہ ہے اور نہ اس سے اس کی صفات کی نفی کی جاسکتی ہے۔

رویت باری تعالیٰ کی حقیقت:

ابوالحسن العنبری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سہل بن عبداللہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کی ذات علم سے موصوف ہے اس کی ذات کو کوئی اس طرح نہیں سمجھ سکتا کہ اسے اس پر احاطہ حاصل ہو اور نہ کوئی

اسے اس دار دنیا میں آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور اس کی ذات بغیر حد' بغیر احاطہ اور بغیر حلول کے حقائق ایمان کے اندر موجود ہے۔

قیامت کے دن مخلوق کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے ملک اور قدرت میں ظاہری طور پر دیکھیں گی اور مخلوق اس کی ذات کی حقیقت معلوم کرنے سے عاجز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کے ساتھ اپنی ذات کا پتہ بتا دیا ہے۔ چنانچہ دل اسے پہچانتے ہیں، مگر عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ مومنین اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، مگر نہ تو اس کی ذات کا حاطہ کر سکیں گے اور نہ اس کی انتہا کو پا سکیں گے۔

قول صدیق رضی اللہ عنہ:

جنید سے مروی ہے کہ توحید کے متعلق بہترین قول وہ ہے، جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنے جاننے کی صرف ایک راہ بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اس کی معرفت سے عاجز ہے۔

قول صدیق کی تحقیق:

استاد ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے (مذکورہ بالا مقولہ میں) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ مراد نہیں کہ اللہ کی معرفت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ محققین کے نزدیک انسان کا عجز موجود چیز کے متعلق ہوتا ہے' نہ کہ معدوم چیز کے متعلق... مثلاً اپاہج 'بیٹھنے کی صفت سے (جو موجود تو ہے، مگر) اسے بطور کسب اور فعل کے حاصل نہیں' عاجز ہوتا ہے۔ حالانکہ بیٹھنے کی صفت اس میں موجود ہوتی ہے۔

یہی حال عارف (باللہ) کا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے عاجز ہوتا ہے۔ حالانکہ معرفت اس میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ (عارف) کے لئے معرفت کا ہونا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا ان لوگوں کے نزدیک آخر کار معرفت الٰہی کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور معرفت کسبیہ جو ابتداء میں حاصل ہوتی ہے، اگرچہ وہ بھی درحقیقت معرفت ہی ہوتی ہے۔ مگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معرفت ضروریہ کے مقابلہ میں کوئی شے شمار نہیں کی، بعینہ اس چراغ کی طرح جس پر سورج طلوع ہو کر اپنی روشنی ڈالے۔

اقوال:

جنید سے مروی ہے کہ وہ توحید جو صوفیاء کا طرۂ امتیاز ہے، تمام اشیاء حادث کو چھوڑ کر خدائے قدیم کے ساتھ مشغول ہونا' وطن (خواہ حسی ہو' جیسے مکان' خواہ معنوی مثلاً مقام و مرتبہ) سے نکلنا۔ نفس کی محبوب اشیاء سے منقطع ہو جانا اور معلوم و مجہول شئے کا ترک کر دینا اور حق تعالیٰ کا ان تمام کی جگہ لے لینا۔

یوسف بن حسین سے مروی ہے جو بحر توحید میں پڑ جاتا ہے' جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے، اس کی پیاس بڑھتی

جاتی ہے۔

توحید کی تقسیم:

جنید سے مروی ہے علم توحید' کچھ اور چیز ہے اور وجود توحید' کچھ اور، نیز وجود توحید علم توحید سے جدا ہوتا ہے۔

نیز مروی ہے: علم توحید کی بساط تو بیس سال سے لپیٹی جا چکی ہے اور اب لوگ تو اس کے (بیرونی) کناروں کے متعلق بحث کر رہے ہیں۔

قول:

محمد بن احمد الاصبہانی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حسین بن منصور کے پاس آ کر سوال کیا۔ وہ حق (تعالیٰ) کون ہے' جس کی طرف لوگ اشارہ کرتے ہیں؟ فرمایا: جو سب کی علت ہے، مگر اسی کی علت کوئی نہیں۔

علم توحید کا بوجھ:

شبلی سے مروی ہے: جو علم توحید کے ایک ذرہ سے بھی باخبر ہو گیا، اس پر اس قدر بوجھ پڑ گیا کہ اب وہ ایک مچھر کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

توحید کا معنیٰ:

ابونصر السراج سے مروی ہے کسی نے شبلی سے سوال کیا: حق مفرد کی زبان میں توحید مجرد کیا ہے؟ فرمایا: تجھ پر افسوس ہے! جس شخص نے توحید مجرد کو عبادت و الفاظ میں بیان کیا' وہ ملحد ہے۔ جس نے توحید مجرد کی طرف اشارہ کیا، وہ ثنوی (دو خداؤں کو ماننے والا) ہے اور جس نے ایماء و اشارہ سے کام لیا' وہ بت پرست ہے اور جس نے توحید کے بارے میں گفتگو کی' وہ غافل ہے اور جو خاموش رہا' وہ جاہل ہے۔

جس نے یہ خیال کیا کہ وہ توحید تک پہنچ چکا ہے' تو سمجھ لو اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ جس نے وجد کا اظہار کیا' وہ استغراق کو کھو چکا ہے۔ ہر چیز جس کا تم اپنے وہم و گمان سے امتیاز کر سکو اور اپنی عقلوں کے ذریعہ سے پورے صافی کے ساتھ تم اسے پالو' وہ درحقیقت اللہ سے الگ ہے۔ اس کا تعلق تمہارے ساتھ ہے، وہ تمہاری طرح محدث اور مصنوع چیز ہے۔

خاص بندوں کی تحقیق:

یوسف بن حسین سے مروی ہے: خاص لوگوں کی توحید یہ ہے کہ بندہ اپنے باطن' وجد اور دل میں اپنے آپ کو ایسا سمجھے' جیسے وہ حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے تصرفات اور قدرت کے احکام جاری ہیں۔ وہ بحر توحید میں مستغرق ہے، اس لئے وہ اپنے نفس سے فانی ہو چکا ہے اور اس کا احساس جاتا رہا ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ اس کے

متعلق، جو ارادہ رکھتا ہے (اس کو پورا کرنے کا) خود ضامن ہے۔ اس طرح بندے کی وہی حالت ہو گی، جو حق سبحانہ کے حکم کے جاری ہونے سے پہلی تھی۔

قول:

مروی ہے کہ توحید حقیقی تو حق سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے اور مخلوق کی حیثیت تو ایک طفیلی کی سی ہے۔

نفس کا مرنا:

نیز مروی ہے کہ ''ی'' کی نفی کر دینا، توحید ہے۔ لہٰذا یوں مت کہو ''لی'' (میرا) ''بی'' (میری وجہ سے) ''منی'' (مجھ سے) اور ''الی'' (میری طرف)۔

توحید تین چیزیں ہیں:

کسی نے ابوبکر طمستانی سے سوال کیا کہ توحید کیا ہے؟ فرمایا: تین چیزیں ہیں:

توحید، موحد اور موحد۔

قول:

رویم سے مروی ہے: دل سے بشریت کے آثار کا مٹا دینا اور دل کا الوہیت کے ساتھ مشغول ہونا، توحید ہے۔

اللہ کا شکر گزار رہنا:

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے، (آخر عمر میں) اس وقت ان کی بیماری شدت اختیار کر چکی تھی، فرمایا:

جب کسی بندے پر احکام خداوندی کی تقدیر جاری ہو رہی ہو، اس وقت اگر وہ توحید پر ثابت قدم رہے، تو یہ اس کی علامت ہے کہ تائید ایزدی اس بندے کو حاصل ہے۔

پھر انہوں نے اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے اپنی حاجت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی قینچی احکام کے جاری کرنے میں تجھے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے اور تو اس پر بھی حامد وشاکر رہے، تو یہ توحید ہے۔

قول:

شبلی سے مروی ہے: جس شخص کو اس بات کا تصور بھی آ جائے کہ اس کے پاس توحید ہے، اس نے توحید کی بو نہیں سونگھی۔

اللہ کے ساتھ یکسوئی اختیار کرنا:

ابوسعید خراز سے مروی ہے: جس شخص نے علم توحید کو پا لیا اور یہ مقام اسے حاصل ہو گیا، تو اس کے لئے پہلا مقام یہ ہے کہ تمام اشیاء کا ذکر اس کے دل سے فنا ہو جائے اور وہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے۔

قول

شبلی نے ایک شخص سے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تمہاری توحید صحیح کیوں نہیں ہوئی؟ اس نے عرض کیا: مجھے تو معلوم نہیں۔ فرمایا: اس لئے کہ تو توحید کو اپنی ذات کے ذریعہ اور اپنی قوت سے طلب کرنا چاہتا ہے۔

توحید کی علامت:

ابن عطاء سے مروی ہے: حقیقی توحید کی علامت یہ ہے کہ بندہ توحید کو بھول جائے۔ اس طرح کہ دل میں صرف ایک خدا ہی خدا بس رہا ہو۔ (نہ توحید کا خیال ہو نہ کسی اور چیز کا)۔

قول:

مروی ہے کہ بعض لوگوں کی توحید میں یہ حالت ہوتی ہے کہ تمام افعال پر منکشف ہو جاتے ہیں اور وہ تمام حادثات کو دیکھتا رہتا ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے کس طرح صادر ہوتے ہیں اور بعض لوگوں پر حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور اللہ کے سوا ہر چیز کے لئے ان کے احساسات مضمحل ہو جاتے ہیں۔ یہ شخص باطن میں تو ''جمع'' کے طور پر مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے اور ظاہر میں ''تفرقہ'' کے طور پر۔

النقاد سے مروی ہے کہ کسی نے جنید سے توحید کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: میں نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:

وغنی لی من قلبی وغنیت کما غنی

وکنا حیثما کانوا وکانوا حیثما کنا

میرے دل نے گا کر میری آرزوؤں کا ذکر کیا، میں نے بھی اسی طرح گانا شروع کر دیا۔ جہاں وہ تھے، میں بھی وہاں ہو گیا اور جہاں ہم تھے' وہ بھی وہاں ہو لئے۔

یہ سن کر سائل نے کہا: کیا قرآن وحدیث مٹ چکے ہیں؟ (کہ تو ان اشعار سے استدلال کر رہا ہے) شبلی نے جواب دیا: نہیں مگر موحد کی یہ حالت ہوتی ہے کہ معمولی سے خطاب سے بھی اعلیٰ درجہ کی توحید حاصل کر لیتا ہے۔

❀❀❀

باب

دنیا سے جاتے ہوئے صوفیاء کی حالت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ﴾ (النحل:۲۲)

جن کی روح فرشتے قبض کرتے ہیں اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

یعنی ان کے نفس اپنی جانوں کو دے دینے پر خوش ہوتے ہیں، انہیں اپنے مولیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ناگوار محسوس نہیں ہوتا۔

ابو ہدبہ نے انس بن مالک سے روایت کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

بندہ موت اور سکرات کی تکلیف جھیلتا رہتا ہے اور اس کے جوڑ ایک ایک کر کے ایک دوسرے کو سلام کہتے ہوتے ہیں کہ قیامت تک تم میں اور مجھ میں اب جدائی ہے۔ (کنز العمال:۴۲۱۸۳)

ثابت نے انس سے روایت کی کہ ایک نوجوان نزع کی حالت میں تھا کہ رسول ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے پوچھا: اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے جواب دیا: اللہ سے امید بھی ہے اور اپنے گناہوں کا خوف بھی، رسول اللہ نے فرمایا: اس موقعہ پر جس مومن کے دل میں یہ دونوں باتیں (خوف ورجا) جمع ہو جائیں۔ اللہ اسے اس کی خواہش دے دیتا ہے اور اسے خوف سے محفوظ کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ:۴۲۶۱، ترمذی:۹۸۳)

استاد سے مروی ہے کہ نزع کے وقت صوفیاء کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہوتا ہے اور بعض پر رجاء کا۔ بعض پر ایسی حالت میں وہ حالات منکشف ہو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے اسے سکون حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اللہ پر خوب بھروسہ کرتا ہے۔

قرآن سے محبت:

ابو محمد جریری حکایت کرتے ہیں کہ میں جنید کے پاس موجود تھا، جبکہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ یہ دن جمعہ اور

نوروز کا دن تھا۔ جنید اس وقت بھی قرآن پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن ختم کیا۔ میں نے عرض کی: اے ابو القاسم! اس حالت میں بھی؟ فرمایا: مجھ سے بڑھ کر کون اس کا حق دار ہوسکتا ہے؟ جب کہ میرا صحیفہ اعمال لپیٹا جا رہا ہے۔

ابو محمد ھروی سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ جس رات شبلی کی وفات ہوئی، میں ان کے پاس تھا۔ آپ رات بھر یہی دو شعر پڑھتے رہے:

كل بيت انت ساكنه غير محتاج الى السرج

وجهك المأمول حجتنا يوم يأتي الناس بالحجج

اے باری تعالیٰ! جس گھر (دل) میں تو ساکن ہو' اس گھر کو کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں۔ اس دن جب کہ لوگ اپنی اپنی حجت لے کر آئیں گے، تمہارا چہرہ (جس کے دیکھنے کی ہمیں) امید ہے' ہماری حجت ہوگی۔

وصیت:

عبداللہ بن منازل سے حکایت ہے: حمدون قصار نے اپنے مریدوں کو حکم دیا تھا کہ موت کے وقت انہیں عورتوں میں نہ چھوڑا جائے۔

قول:

جب بشر حافی کی وفات کا وقت آ گیا' تو کسی نے عرض کیا: اے ابو نصر! شاید آپ زندگی کو پسند کرتے ہیں؟ تو فرمایا: اللہ عزوجل کے حضور میں جانا بہت سخت ہے۔

موت کی سختی:

مروی ہے کہ جب کبھی سفیان ثوری کا کوئی شاگرد سفر کو جاتے وقت آپ سے عرض کرتا کہ حضرت کوئی کام فرمایئے؟ تو فرماتے: اگر تمہیں کہیں موت مل جائے' تو میرے لئے خرید لانا۔ جب ان کی وفات کا وقت آ گیا' تو فرمایا: ہم اس کی تمنا کیا کرتے تھے' دیکھا تو یہ بہت سخت چیز ہے۔

مروی ہے کہ جب حسن بن علی بن ابی طالب کی وفات کا وقت آ گیا' تو آپ رو پڑے۔ آپ سے کسی نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: میں ایسے آقا کے حضور میں جا رہا ہوں' جسے میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے۔

جب بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آ گیا' تو ان کی بیوی نے کہا: ہائے غم! بلال نے کہا: نہیں بلکہ، ہائے خوشی!

غدا نلقى الاحبة ،محمداً و حزبه

میں کل ہی دوستوں سے ملوں گا، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت سے۔

مروی ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے موت کے وقت آنکھیں کھولیں اور ہنسے اور فرمایا:

لِمِثْلِ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ۔

عمل کرنے والوں کو ایسے عمل کرنے چاہئیں۔

اللہ سے ملاقات کی خوشی:

مروی ہے کہ مکحول شامی پر حزن کی کیفیت غالب تھی۔ لوگ مرض موت میں ان کے پاس گئے' تو وہ ہنس رہے تھے۔ کسی نے ہنسی کا سبب پوچھا' تو فرمایا:

میں اب کیوں نہ ہنسوں، جبکہ اب اس شخص (شیطان یا ہوانفس) سے جدائی کا وقت آ گیا ہے اور جس خدا سے میری امیدیں وابستہ تھیں، اس کے پاس عنقریب پہنچ رہا ہوں۔

رویم سے مروی ہے: میں ابوسعید خراز کی وفات کے وقت موجود تھا۔ وہ اپنے آخری دموں میں کہہ رہے تھے:

خنین قلوب العارفین الی الذکر وتذکارهم وقت المناحاة للسر

ادیرت کؤوس للمنایا علیهم فاغفوا عن الدنیا کاغفاء ذی السکر

همومهم جوالة بمعسکر به اهل ود الله کالانجم الزهر

فاجسامهم فی الارض قتلی بحبه وارواحهم فی الحجب نحوالعلا تسری

فما عرسو الا بقرب حبیبهم وما عرجوا عن مس بوس ولاضر

عاشقوں کے دل اپنے محبوب کے ذکر کے مشتاق ہوتے ہیں اور مناجات کے وقت بھی ان کی یاد اسی راز کے لئے ہے، جو ان کے محبوب کے درمیان ہوتا ہے۔

موت کے پیالے کا دور جب ان پر چلا' تو وہ دنیا سے اس طرح غافل ہوئے، جس طرح کہ ایک مست اپنے نشے میں غافل ہوتا ہے۔

ان کے افکار ایسے لشکر گاہ میں جولانی کرتے رہتے ہیں، جہاں اللہ سے دوستی رکھنے والے روشن ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔

ان کے جسم زمین میں اس کی صحبت میں مشغول ہو چکے ہیں، مگر ان کی روحیں پردوں میں بلندی کی طرف جاتی ہیں۔

یہ لوگ محبوب کے قریب پہنچ کر ہی ڈیرہ ڈالتے ہیں اور کسی قسم کی تکلیف' یا مصیبت سے ڈر کر یہ راستہ میں قیام نہیں کرتے۔

قول:

کسی نے جنید سے کہا کہ ابو سعید خراز موت کے وقت بہت وجد میں تھے۔ جنید نے فرمایا: یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ ان کی روح شوق سے اڑنے لگی ہو!

خوف خدا:

کسی صوفی کی وفات کا وقت قریب آیا' تو کہا: لڑکے! میرے کندھے باندھ دو اور میرے رخساروں کو خاک آلود کر دو۔ اس کے بعد کہا: کوچ کا وقت آ گیا ہے اور میں گناہ سے پاک نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی عذر ہے کہ پیش کر سکوں اور نہ طاقت ہے' مقابلہ کر سکوں !! اے خدا! تو ہی میرے لئے ہے۔ اس کے بعد ایک چیخ ماری اور مر گیا۔ پھر ایک آواز سنائی دی کہ اس بندے نے اپنے آقا کے سامنے عاجزی کی اور آقا نے قبول کر لیا۔

اقوال:

ذوالنون مصری سے موت کے وقت کہا گیا کہ آپ کی خواہش کیا ہے؟ فرمایا: میری خواہش یہ ہے کہ مرنے سے پہلے ایک لحظہ کے لئے میں اسے پہچان لو۔

کسی صوفی کو نزع کی حالت میں کہا گیا کہ کہو: اللہ' انہوں نے جواب دیا: تم کہاں تک مجھے یہ بات کہے جاؤ گے، حالانکہ میں تو اللہ کی خاطر جل رہا ہوں۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں ممشاد دینوری کے پاس تھا کہ ایک فقیر آیا اور اس نے السلام علیکم کہا، سب نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا: کیا کوئی پاک و صاف جگہ یہاں ہے، جہاں انسان مر سکے؟ لوگوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ایک پانی کا چشمہ تھا۔ فقیر نے از سر نو وضو کیا اور نماز پڑھتا رہا۔ پھر جس جگہ کی طرف اشارہ کیا تھا کہ وہ جگہ پاک و صاف ہے، وہاں جا کر اس نے اپنی ٹانگیں پھیلائیں اور مر گیا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ ایک ابو العباس دینوری ایک مجلس میں گفتگو فرما رہے تھے۔ ایک عورت نے وجد میں آ کر چیخ ماری' آپ نے فرمایا: مرجا! دینوری کے یہ الفاظ سن کر عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب گھر کے دروازہ پر پہنچی' تو اس نے مڑ کر دیکھا اور کہا: میں تو مری! یہ کہہ کر گری اور مر گئی۔

صوفیا میں سے ایک سے مروی ہے کہ میں ممشاد دینوری کی وفات کے وقت ان کے پاس تھا۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بیماری کو کیسا پاتے ہیں؟

اللہ سے محبت کی جزاء:

پھر کسی نے کہا: لا الہ الا اللہ کہیئے! اس پر آپ نے چہرہ دیوار کی طرف کر دیا اور کہا: میں نے اپنے آپ کو ہمہ تن تمہاری خاطر فنا کر دیا! کیا تم سے محبت رکھنے والوں کی یہی جزاء ہے؟

جب ابو محمد دبیلی کی وفات کا وقت آ گیا' تو کسی نے آپ سے کہا: لا الہ الا اللہ کہیئے! تو فرمایا: اسی چیز کو تو ہم نے پہچانا ہے اور اسی پر ہم فنا ہوں گے، اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

تسربل ثوب التیه لما هویته وصد ولم یرض بأن اك عبده

جب میں محبوب پر عاشق ہو گیا' تو وہ اکڑ گیا اور اس نے مجھ سے منہ موڑ لیا اور مجھے اپنا غلام بنانے پر بھی راضی نہ ہوا۔

قال سلطان حبه انا لا اقبل الرشا

نسلوه بحقه لم بقتلی تحرشا

محبوب کے عشق کے بادشاہ نے کہا کہ میں رشوت قبول نہیں کیا کرتا۔ اس کو جان کی قسم دے کر پوچھو کہ وہ میرے قتل کے کیوں در پے ہے؟

تلقین کلمہ:

احمد بن عطاء سے مروی ہے کہ بعض فقراء فرما رہے تھے کہ جب یحییٰ اصطخری کی وفات ہوئی' تو ہم ان کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم میں سے ایک شخص نے انہیں کہا: اشهدان لا اله الا الله کہیئے! اس پر سیدھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور ایک کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اشهدان لا اله الا الله کہو! یہاں تک کہ ایک ایک کر کے تمام حاضرین کو کلمہ شہادت پڑھایا اور پھر وفات پائی۔

ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ فاطمہ سے حکایت کی گئی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب میرے بھائی ابو علی روذباری کی وفات کا وقت قریب آیا اور ان کا سر میری گود میں تھا کہ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور کہا: یہ لو آسمان کے دروازے کھل گئے اور جنت کو آراستہ کر دیا گیا اور اب کہنے والا مجھے کہہ رہا ہے:

ابو علی! ہم نے تجھے انتہائی رتبہ تک پہنچا دیا، اگرچہ تم یہ نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:

وحقك لا نظرت الی سواکا بعین مودة حتی اراکا

اراك معذبی بفتور لحظ وبالخد المورد من جناکا

تمہاری جان کی قسم! میں نے تمہارے سوا کسی کی طرف محبت بھری نگاہ سے نہیں دیکھا، میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھے اپنی مست نگاہوں اور گلاب جیسے رخساروں کے ساتھ عذاب دے رہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: فاطمہ! پہلا شعر تو ظاہر ہے، مگر دوسرے شعر میں اشکال ہے۔

قول:

میں نے ایک فقیر کو کہتے سنا کہ جب احمد بن نصر ؒ کی وفات کا وقت قریب آ گیا' تو کسی نے ان سے کہا: اشہدان لا الہ الا اللہ کہیے! احمد بن نصر نے اس شخص کی طرف دیکھا اور کہا: بے حرمتی مکن (بزرگوں کی بے ادبی نہ کرو)۔

تعلق مع اللہ:

صوفیاء میں سے ایک سے مروی ہے کہ میں نے ایک فقیر کو مسافرت کی حالت میں مرتے دیکھے اور مکھیاں اس کے چہرہ پر پڑی ہوئی تھیں، میں بیٹھ کر مکھیوں کو ہٹانے لگ گیا، اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا: کون ہے؟ میں اتنے سالوں سے ایسے وقت کی تلاش میں تھا کہ مجھے خالص اللہ کے ساتھ وقت مل جائے، اب کہیں جا کر وہ وقت ملا ہے اور تو آ کر درمیان میں گھس رہا ہے! جا! اپنا کام کر خدا تجھے عافیت دے!

قول:

ابوعمران اصطخری فرماتے ہیں: میں نے ابوتراب کو جنگل میں مردہ اور کھڑا دیکھا، کسی چیز کا آپ کو سہارا نہیں تھا۔

ابونصر سراج سے مروی ہے کہ ابوالحسن نوری کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے یہ شعر سنا:

لا زلت انزل فی ودادك منزلا   تتحير الالباب عند نزوله

میں ہمیشہ تمہاری صحبت میں ایسے مقام پر اتر تا رہا ہوں، جہاں اترتے ہوئے عقلیں محو ہو جاتی ہیں۔

اور انہیں وجد آ گیا اور جنگل کو نکل گئے۔ وہاں ایک نخلستان تھا' جو ابھی کاٹا گیا تھا۔ ان پودوں کی جڑیں تلوار کی طرح کھڑی تھیں۔ آپ ان پر چلتے گئے اور یہ شعر صبح تک دہراتے گئے' خون آپ کے پاؤں سے جاری تھا، پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آپ کے پاؤں سوج گئے اور پھر مر گئے۔

قول:

منقول ہے کہ انہیں نزع کے وقت کہا گیا: لا الہ الا اللہ پڑھیے! تو فرمایا: کیا میں اسی کی طرف نہیں لوٹ رہا ہوں؟!

منقول ہے کہ ابراہیم خواص رے کی جامع مسجد میں بیمار پڑے، انہیں اسہال کی شکایت تھیں۔ وہ جب بھی قضا حاجت کے لئے جاتے' تو پانی میں جاتے اور وضو کرتے۔ ایک بار پانی میں داخل ہوئے' تو ان کی روح پرواز کر گئی۔

بھنا ہوا جگر کا ٹکڑا:

منصور مغربی روایت کرتے ہیں کہ یوسف بن حسین' خواص کی عیادت کو آئے۔ اس سے پہلے وہ کئی دنوں تک ان کی

عیادت کو نہ آئے تھے اور نہ ان کی خبر گیری کی تھی۔ خواص کو دیکھ کر پوچھا: کیا آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ خواص نے جواب دیا: ہاں بھنے ہوئے جگر کا ٹکڑا چاہتا ہوں۔

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ شاید ابراہیم کا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ میں ایک ایسا دل چاہتا ہوں' جو کسی فقیر پر ترس کھائے اور ایسی جگہ چاہتا ہوں' جو کسی اجنبی کے لئے بھنے اور جلے۔ کیونکہ وہ یوسف بن حسین کو بے وفا سمجھے کہ انہوں نے ان کی خبر نہ لی۔

منقول ہے کہ ابن عطا کی موت کا سبب یہ ہوا کہ وہ وزیر کے پاس گئے' تو وزیر نے ان سے دشت کلامی کی۔ اس پر ابن عطا نے کہا: ارے! آرام سے بات کر۔ اس پر وزیر نے حکم دیا کہ اس کے جوتے ان کے سر پر مارے جائیں۔ اس سے ان کی وفات ہوگئی۔

محمد بن احمد الصوفی' عبداللہ بن علی التیمی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم صبح کے وقت ابوبکر زقاق کے پاس تھے' تو انہوں نے فرمایا: اے اللہ! تو مجھے یہاں کب تک رکھے گا؟ ابھی دوسرا دن نہ ہوا تھا کہ ان کی وفات ہوگئی۔

اللہ سے عشق:

ابوعلی روزباری سے منقول ہے کہ انہوں نے جنگل میں ایک نوجوان کو دیکھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا' تو کہنے لگا: کیا اس کے لیے اتنا کافی نہیں کہ اس نے مجھے اپنے عشق میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر اب مزید یہ کہ اس نے مجھے بیمار کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کی جان نکل رہی تھی' تو میں نے اسے کہا: لا الہ الا اللہ کہو! اس نے اس پر اشعار پڑھنے شروع کر دیئے:

ایامن لیس لی عنه   وان عذبنی بد

ویامن نال من قلبی   منالا ماله حد

اے وہ محبوب! جس سے مجھے چھٹکارا نہیں، خواہ وہ مجھے دکھ ہی کیوں نہ دے اور اے میرے وہ! جس نے میرے دل سے اپنا مقصد اس قدر حاصل کر لیا ہے، جس کی کوئی حد نہیں۔

جنید سے کہا گیا: لا الہ الا اللہ کہیئے! تو فرمایا: میں اسے بھولا نہیں ہوں کہ اسے یاد کروں اور کہا:

حاضر فی القلب یعمره   لست انساه فاذکره

فهو مولای و معتمدی   ونصیبی منه اوفره

وہ تو دل میں حاضر ہے اور دل کو آباد کر رہا ہے۔ میں اسے بھولتا نہیں ہوں کہ یاد کروں، وہ میرا آقا اور سہارا ہے اور

مجھے اس سے وافر حصہ ملتا ہے۔

شریعت کی پاسداری:

جعفر بن نصیر روایت کرتے ہیں کہ بکران الدینوی سے پوچھا' اور یہ شبلی کی خدمت کیا کرتے تھے: تم نے ان میں کون سی بات دیکھی؟ تو فرمایا: شبلی نے مجھے بتایا کہ میرے ذمے ایک درہم تھا' جو ناحق اور ناجائز طور پر میرے پاس تھا۔ (مگر مجھے اس کا مالک نہ ملا) اور میں نے اس کے مالک کی طرف سے ہزاروں درہم خیرات کر دیئے۔ بس اس سے بڑھ کر کوئی فکر مجھے لاحق نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد فرمایا: مجھے نماز کے لئے وضو کروا دو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ مگر داڑھی کا خلال کرنا بھول گیا۔ اس وقت ان کی زبان بند ہو چکی تھی۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی داڑھی میں داخل کیا۔ پھر مرے۔

یہ کہہ کر جعفر رو پڑے اور کہا: تم ایسے شخص کے متعلق کیا کہتے ہو جس سے آخر وقت میں بھی شریعت کا کوئی ادب نہیں چھوٹا؟

دل کی بے قراری:

عبداللہ الطرسوی' علوش الدینوری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مزین کبیر کو فرماتے سنا کہ وہ مکہ میں تھے کہ مجھے سخت بے قراری ہوئی۔ میں وہاں سے نکل کر مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میمونہ پہنچا' تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان گرا پڑا ہے۔ میں اس کی طرف گیا' دیکھا تو وہ حالت نزاع میں تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو! اس پر اس نے آنکھیں کھولیں اور یہ شعر پڑھنے لگا:

انا ان مت فالهوی حشو قلبی وبداء الهوی تموت الكرام

میں اگر مر بھی جاؤں تو کوئی بات نہیں، کیونکہ عشق دل کو پُر کر چکا ہے اور شرفاء مرض عشق سے ہی شفا پاتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے چیخ ماری اور مر گیا۔ میں نے اسے غسل دیا اور کفن پہنایا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جب اسے دفن کر چکا' تو سفر کا ارادہ' جو دل کو بے قرار کئے ہوئے تھا، ساکن ہو گیا۔ لہٰذا میں مکہ واپس چلا آیا۔

ہر لحظہ اللہ سے خیر کی امید:

ایک صوفی سے پوچھا گیا' تو موت کو پسند کرتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: ایسے خدا کے پاس آنا جس سے نیکی کی امید ہو سکتی ہے، ان لوگوں کے پاس رہنے سے بہتر ہے، جن کے شرکاء کو ہر وقت خطرہ رہے۔

اللہ ازل سے موجود ہے:

جنید سے حکایت کی گئی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں استاد ابن الکرنبی کے پاس تھا۔ ان کی روح قبض ہو رہی تھی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا' تو انہوں نے فرمایا: بہت بعد ہے۔ پھر میں نے زمین کی طرف دیکھا' تو انہوں نے فرمایا: بہت بعد ہے۔

ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بجائے اس کے کہ تو آسمان یا زمین کی طرف دیکھے، تمہارے بہت قریب ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو کون ومکان کے وجود سے بھی پہلے ہے۔

ابو حاتم البجستانی' ابو نصر طوسی سے روایت کرتے ہیں کہ ابو یزید نے اپنی وفات کے وقت یہ الفاظ کہے:

ماذ کرتك الا عن غفلة، ولا قبضتني الا على فترة

اے خدا! میں نے جب بھی تم کو یاد کیا' تو غفلت پیدا ہو جانے کی وجہ سے' اور تو نے جب بھی مجھ سے گرفت کی' تو سستی کی وجہ سے۔

ابو نصر السراج' وجیہی سے روایت کرتے ہیں کہ ابو علی الروذباری فرماتے ہیں کہ میں مصر گیا' تو وہاں لوگوں کا جمگھٹا دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم ایک نوجوان کے جنازے میں تھے' جس نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:

کبرت همة عبد طمعت فی ان تراکا

اس بندے کی ہمت کتنی بڑی ہے' جو تمہیں دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔

یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور مر گیا۔

جنت پیش کی جاتی ہے:

منقول ہے کہ کچھ لوگ ممشاد دینوری کے پاس ان کے مرض الموت میں آئے اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا: تیس سال سے جنت مجھے پیش کی جاتی ہے، مگر میں نے ایک لحظہ کے لئے بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کی۔ اس کے بعد نزع کے وقت انہوں نے پوچھا: آپ اپنے دل کو کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا: میں تو تیس سال سے دل کھو چکا ہوں۔

وجیہی روایت کرتے ہیں کہ ابن بنان کی موت کا سبب یہ ہوا کہ ان کے دل پر کوئی بات وارد ہوئی' تو دیوانہ وار نکل پڑے، لوگوں نے آپ کا پیچھا کیا اور بنی اسرائیل کے (جنگل) میں آپ کے پاس پہنچے۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور کہا: یہاں مزہ لے لو۔ یہ احباب کے مزہ لینے کا مقام ہے۔ اس کے بعد آپ کی روح نکل گئی۔

کامل یقین:

ابو یعقوب نہرجوری فرماتے ہیں: میں مکہ معظمہ میں تھا کہ ایک فقیر میرے پاس آیا، اس کے پاس ایک دینار تھا۔ اس فقیر نے کہا: میں کل مر جاؤں گا، آدھے دینار سے میری قبر بنوانا اور آدھا دینار میری تجہیز و تکفین کے لئے ہے۔

میں نے دل میں کہا: شاید جہاز میں فاقوں کی وجہ سے اس نوجوان کی عقل میں فتور آ گیا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا' تو اس نوجوان نے آ کر طواف کیا۔ پھر جا کر زمین پر لیٹ گیا، میں نے دل سے کہا: یہ بناوٹی طور پر مردہ بن رہا ہے۔ میں اس کے پاس گیا۔ اسے حرکت دی، مگر وہ مردہ پڑا تھا۔ چنانچہ اس کے کہنے کے مطابق میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔

سنت کی مخالفت:

کہتے ہیں کہ جب ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی حالت بدل گئی' تو ان کے بیٹے ابو بکر نے اپنی قمیض پھاڑ ڈالی۔ اس پر ابو عثمان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا: اے بیٹے! ظاہر میں سنت کی مخالفت کرنا' باطن میں ریاکاری ہے۔

حالت نزع میں اوراد کی پابندی:

کہتے ہیں کہ ابن عطاء' جنید کے پاس اس وقت آئے، جب وہ نزع کی حالت میں تھے۔ ابن عطاء نے سلام کیا' تو جنید نے جواب میں دیر کی، پھر سلام کا جواب دیا اور کہا: مجھے معذور رکھیں۔ کیونکہ میں اپنے ورد میں مشغول تھا۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔

موت کے بعد زندگی:

ابو علی روذباری حکایت کرتے ہیں کہ ایک فقیر آیا اور مر گیا، میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی، جب قبر میں رکھنے کے لئے میں نے اس کا چہرہ کھولا، دل میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غریب وطنی پر رحم کھائے، اس پر اس نے آنکھیں کھولیں او کہا: ابو علی! کیا تو مجھے اس خدا کے سامنے ذلیل کرنا چاہتا ہے، جس نے مجھے ناز کی عادت ڈال رکھی ہے۔ میں نے کہا: اے میرے آقا! کیا موت کے بعد بھی زندگی؟ اس نے جواب دیا: میں تو یقیناً زندہ ہوں اور اللہ عزوجل کا ہر محب زندہ ہوتا ہے۔ اپنی جاہ کی قسم! میں قیامت کے دن تمہاری مدد کروں گا۔

موت کی دعوت:

ابن سہل اصفہانی سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کیا تمہارا خیال ہے کہ میں بھی اسی طرح مروں گا، جس طرح اور لوگ مرتے ہیں؟ اس طرح کہ میں بیمار پڑوں اور لوگ عیادت کو آئیں، بلکہ مجھے بلایا جائے گا کہ اے علی! اور میں دعوت قبول کروں گا۔ چنانچہ ایک روز وہ چل رہے تھے کہ انہوں نے لبیک کہا اور مر گئے۔

حجاب عزت:

ابوالحسن المزین سے مروی ہے کہ جب ابویعقوب نہرجوری مرض موت میں تھے، تو نزع کی حالت میں میں نے ان سے کہا: لا الہ الا اللہ کہئے! وہ مجھے دیکھ کر مسکرائیے اور کہا: کیا تمہاری مراد مجھ سے ہے؟ اس رب العزۃ کی عزت کی قسم! کہ میرے اور اس کے درمیان صرف حجاب عزت ہی حائل ہے اور وہ اسی وقت ٹھنڈے ہو گئے۔

مزین اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کرتے: اے حجام! کیا میرے جیسا آدمی اولیاء کو شہادت کی تلقین کر سکتا ہے؟ تجھے شرم آنی چاہئے۔ آپ جب یہ حکایت بیان فرماتے' تو رو پڑتے۔

بھولنا نہیں:

ابوالحسین مالکی فرماتے ہیں: میں کئی سال تک خیر النساج کی صحبت میں رہا۔ آپ نے مجھے اپنی موت سے آٹھ دن پہلے فرمایا کہ میں جمعرات کے دن مغرب کے وقت وفات پاؤں گا اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے دفن ہوؤں گا اور تو یہ بات بھول جائے گا، بھولنا نہیں۔

غلیظ دنیا سے نجات:

ابوالحسین فرماتے ہیں کہ جمعہ کے آنے تک میں یہ بات بھول گیا، ایک شخص مجھے ملا، جس نے آپ کی وفات کی خبر دی، میں آپ کے جنازہ کے ساتھ جانے کے لئے حاضر ہوا، دیکھا تو لوگ واپس آ رہے تھے اور کہہ رہے ہیں کہ نماز کے بعد دفن کیا جائے گا۔ میں واپس نہ آیا اور وہاں پہنچا، لوگ جنازہ لے کر نماز جمعہ سے پہلے نکلے، جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔

ابوالحسین کہتے ہیں: میں نے ان لوگوں سے جو ان کی وفات کے وقت موجود تھے، پوچھا' تو انہوں نے بتایا کہ آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر ہوش میں آئے۔ پھر گھر کی ایک جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ٹھہر جا! خدا تجھے عافیت دے! تو بھی اللہ کے حکم کے ماتحت ہے اور میں بھی اللہ کے حکم کے ماتحت ہوں۔ جس بات کا تجھے حکم دیا گیا ہے' وہ تو تم سے چھوٹ نہیں سکتی، مگر جس بات کا مجھے حکم ہے، وہ فوت ہو رہی ہے۔ اس پر آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر لیں۔

موت کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا' پوچھا کہ کیا حال ہے؟ جواب دیا: کچھ نہ پوچھو، لیکن میں اس تمہاری گندی دنیا سے خلاصی پا گیا ہوں۔

فرشتوں کا ہاتھ چومنا:

ابوالحسین حمصی مصنف کتاب "بھجۃ الاسرار" نے ذکر کیا ہے کہ جب سہل بن عبداللہ کی وفات ہوئی' تو لوگ ان

کے جنازے پر ٹوٹ پڑے، شہر میں ایک یہودی تھا، جس کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔ جب اس نے شور سنا' تو نکل کر دیکھنے کے لئے آیا کہ کیا واقعہ ہے؟ جب اس نے جنازہ دیکھا' تو چلا کر کہا: کیا تم بھی وہی کچھ دیکھ رہے ہیں' جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا: تو کیا دیکھ رہا ہے؟ اس نے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ لوگ آسمان سے اتر کر اس کے جنازہ کو ہاتھ لگا کر چوم رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ یہودی اسلام لے آیا اور پکا مسلمان بن گیا۔

اللہ کا دوست زندہ ہوتا ہے:

ابوسعید الخراز سے مروی ہے کہ میں مکہ میں تھا۔ ایک دن باب بنی شیبہ سے گزرا' تو ایک خوبصورت نوجوان کو مردہ دیکھا۔ میں نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا' تو وہ مسکرایا اور مجھ سے کہا: اے ابوسعید! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے دوست زندہ رہتے ہیں، خواہ وہ مر چکے ہوں؟ وہ تو صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کو منتقل ہو جاتے ہیں۔

انعامات الٰہی:

الجریری فرماتے ہیں کہ ذوالنون مصری کو نزع کے وقت کہا گیا کہ وصیت کیجئے! تو فرمایا: مجھے کسی اور چیز میں مشغول نہ کیجئے' میں تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر تعجب کرتا ہوں۔

کمال عاجزی:

ابوعثمان حیری سے مروی ہے کہ ابوحفص سے نزع کی حالت میں کہا گیا کہ آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہیں۔ پھر انہوں نے اپنے اندر قوت محسوس کی' تو میں نے کہا: کچھ فرمائیے' تا کہ میں آپ سے حکایت کرسکوں' تو فرمایا: دل سے ہمہ تن انکساری کرتے ہوئے بھی یہ خیال کرو کہ تم سے کوتاہی ہوئی ہے۔

باب

معرفت باللہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ﴾ (الانعام: ۹۱)

اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ حق ہی نہیں پہچانا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: گھر کا تمام تر دارو مدار اس کی (بنیاد) پر ہوتا ہے اور دین کا دارو مدار معرفت باللہ یقین اور ایسی عقل پر ہوتا ہے جو برائیوں سے روکے۔ میں نے عرض کیا: آپ پر میرے والدین قربان ہوں! عقل قامع کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا اور اللہ کی اطاعت کی خواہش کرنا۔

(مسند دیلمی: ۳۰۷۷)

صوفیاء کے نزدیک معرفت کیا ہے؟

استاد سے مروی ہے کہ علماء کی زبان میں معرفت علم کو کہتے ہیں۔ لہٰذا ہر علم معرفت ہے اور ہر معرفت علم اور ہر شخص جو عالم باللہ ہے عارف باللہ ہے۔ ہر عارف عالم مگر صوفیاء کے نزدیک ایک ایسے شخص کی صفت ہے جو حق تعالیٰ کو اس کے اسماء اور صفات کے ساتھ پہچانے۔ اس کے بعد اللہ کے ساتھ تمام معاملات میں سچا اور اخلاص والا ہو۔

نفس سے بیگانگی:

پھر اپنے ردی اخلاق اور آفاتِ نفس سے پاک ہو۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر ایک طویل عرصہ کے لئے ٹھہرا رہے اور وہ اپنے دل سے (اسی دروازے) پر معتکف رہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اسے یہ خوش بختی حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف اپنی توجہ دے گا اور وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے خلوص و صدق دل سے عمل پیرا ہوگا اور اس سے خواطر نفس پیش آنے بند ہو جائیں گے اور وہ اپنے دل کے کسی ایسی خاطر (خیال) کی طرف توجہ نہ دے گا جو غیر

اللہ کی طرف دعوت دے۔

چنانچہ جب بندہ مخلوق سے اجنبی ہو جاتا ہے اور آفاتِ نفس سے بری اور ساکنات اور ملاحظات سے پاک رہے اور راز میں وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں ہو اور ہر لحظہ اللہ کی طرف اس کا رجوع کرنا ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ باتیں کرے، اس طرح کہ ان تمام تقدیروں کے ردوبدل کا راز' جو اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، وہ اسے بتا دے۔ تب جا کر بندہ عارف کہلاتا ہے اور اس کی حالت معرفت کہلاتی ہے۔

مختصر یہ کہ جس قدر انسان اپنے نفس سے بیگانہ بنے گا، اسی قدر اسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگی۔

مشائخ نے معرفت پر بہت گفتگو کی ہے۔ ہر شخص نے وہ بات بیان کی' جو اسے پیش آئی اور اس نے اس حالت کی طرف اشارہ کیا' جو اس نے اپنے وقت میں حاصل کی۔

معرفت باللہ کی علامت:

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے: معرفت باللہ کی علامت یہ ہے کہ دل میں اللہ کی ہیبت پائی جائے۔ لہٰذا جس قدر زیادہ کسی کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگی، اسی قدر زیادہ اسے اس کی ہیبت ہوگی۔

دل کا سکون:

انہی سے مروی ہے کہ معرفت سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح علم سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا جس قدر دل میں معرفت زیادہ ہوگی، اسی قدر اس کا سکون زیادہ ہوگا۔

محبّ اللہ کو کوئی شکایت نہیں ہوتی:

شبلی سے مروی ہے کہ عارف باللہ کا غیر اللہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا اور نہ محبّ اللہ کو (اللہ سے) کسی قسم کی شکایت ہوتی ہے اور نہ کسی بندے کو کسی قسم کا دعویٰ ہوتا ہے اور نہ ڈرنے والے کو قرار ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کو اللہ سے فرار ہو سکتا ہے۔

معرفت کی ابتداء:

محمد بن محمد عبدالوہاب نے شبلی سے روایت کی کہ ان سے کسی نے معرفت کے متعلق سوال کیا تھا' تو فرمایا: اس کی ابتداء (دل اور زبان سے) اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا کی کوئی انتہا نہیں۔

ابوالعباس دینوری نے ابوحفص سے روایت کی کہ جب سے میں نے اللہ کو پہچانا' میرے دل میں اور کوئی چیز داخل نہیں ہو سکی، خواہ حق ہو' خواہ باطل۔

رب کے ساتھ زندگی:

ابوالقاسم سے مروی ہے کہ ابوحفص نے ایک بات تو کہہ دی، مگر اس میں قدرے اشکال پایا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ صوفیاء کے نزدیک چونکہ صوفی پر ذکر حق کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے معرفت سے بندے کا اپنے نفس سے غالب ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا بندہ نہ تو غیر اللہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور نہ کسی اور کی طرف رجوع کرتا ہے۔ چنانچہ جس طرح عاقل ان تمام معاملات اور حالات میں' جو اسے پیش آئیں، اپنے دل' فکر اور یاد کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہٰذا جب وہ صرف اپنے رب کے ساتھ مشغول ہوتا ہے' تو اپنے دل کی طرف رجوع نہیں کرتا' تو کوئی خیال اس شخص کے دل میں کیسے داخل ہوسکتا ہے، جس کا دل ہی نہ ہو۔ ایک وہ شخص جو اپنے دل کے ساتھ زندہ ہو اور ایک وہ جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہو.... دونوں میں بڑا فرق ہے۔

ابو یزید کا قول:

ابو یزید سے معرفت کی نسبت سوال کیا گیا' تو فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ﴾ (النحل: ۳۴)

بادشاہ جب کسی بستی مین داخل ہوتے ہیں' تو وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔

استاد سے مروی ہے: یہ وہی بات ہے' جس کی طرف ابوحفص نے اشارہ کیا ہے۔

مخلوق کے مختلف حال:

ابو یزید فرماتے ہیں: مخلوق کے مختلف حالات ہوتے ہیں، مگر عارف باللہ کا کوئی حال نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کے تمام نشانات مٹ چکے ہوتے ہیں۔

معرفت حاصل ہونے کی نشانی:

واسطی سے مروی ہے: جب تک بندہ کے اندر استغناء باللہ اور افتقار الی اللہ موجود ہو، اس وقت تک معرفت صحیح طور پر حاصل نہیں ہوسکتی۔

استاد سے مروی ہے کہ واسطی کی مراد یہ ہے کہ استغناء اور افتقار بندے کے ہوش میں ہونے کی اور اس کے نشانات کے باقی رہنے کی علامتیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں بندے کی صفتیں ہیں اور عارف اس ذات میں محو ہوتا ہے، جس کی معرفت اسے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کا ایسا کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ کیونکہ وجود الٰہی میں فنا ہو جانے' یا شہود میں استغراق کی

وجہ سے اگر وہ وجودِ الٰہی کو نہ پہچان سکا ہو، وہ اپنے احساس سے غائب اور ان تمام اوصاف کو جو اسے حاصل ہوتے ہیں' کھو چکا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ واسطی سے یوں بھی مروی ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا، وہ غیر اللہ سے منقطع ہو گیا،نہیں بلکہ گونگا اور مطیع ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے:

((لا احصی ثناء علیك)) (اخرجہ مسلم:٤٨٦،ابو داؤد:٨٧٩)

اے خدا! میں تمہاری پوری طرح ثناء ادا نہیں کر سکتا۔

یہ ان لوگوں کی صفات ہیں، جن کا مطمع نظر بہت بعید ہے، اب رہے وہ لوگ جو اس حد سے کم درجہ پر ہیں، انہوں نے معرفت پر گفتگو کی ہے اور خوب کی ہے۔

قول:

احمد بن ابی الحواری نے احمد بن عاصم الانطاکی سے روایت کی کہ جس قدر زیادہ کسی کو عرفان باللہ حاصل ہوگا، اسی قدر زیادہ اللہ سے خوف ہوگا۔

دنیا تنگ معلوم ہونا:

کسی صوفی سے مروی ہے: جس نے اللہ کو پہچان لیا، وہ دنیا میں زندہ رہنے سے تنگ آ جاتا ہے اور دنیا باوجود اس قدر وسعت کے اس کے لئے تنگ معلوم ہوتی ہے۔

مخلوق سے بے خوف ہونا:

نیز مروی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا' اس کی زندگی پاک ہو جاتی ہے اور اسے زندگی میں مزہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر چیز اس سے ہیبت کھاتی ہے اور مخلوق کا خوف اس سے جاتا رہتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس محسوس کرتا ہے۔

دنیا کی خواہش ختم ہونا:

مروی ہے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا، اسے دنیا کی چیزوں کی کوئی خواہش نہیں رہتی اور اس کے لئے جدائی اور وصل کوئی چیز نہیں ہوتے۔

قول:

مروی ہے کہ معرفت سے حیاء اور تعظیم پیدا ہوتی ہے، جس طرح توحید سے رضا اور تسلیم پیدا ہوتی ہے۔

معرفت ایک آئینہ ہے:

رویم سے مروی ہے: معرفت عارف کے لئے آئینہ ہوتا ہے۔ جب عارف اس میں دیکھتا ہے، اسے اس میں مولیٰ دکھائی دیتا ہے۔

اللہ سے میل جول رکھنا:

ذوالنون مصری سے مروی ہے: ارواح انبیاء علیہم السلام نے معرفت کے میدان میں گھوڑے دوڑائے' تو ہمارے نبی ﷺ کی روح انبیاء کی روحوں پر سبقت لے گئی اور روضہ وصال تک جا پہنچی۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے: عارف کے ساتھ میل جول رکھنا اسی طرح ہے، جس طرح اللہ کے ساتھ میل جول رکھنا۔ وہ تمہاری باتوں کو برداشت کرتا ہے اور حلم اختیار کرتا ہے، کیونکہ وہ اخلاق خداوندی سے موصوف ہونا چاہتا ہے۔

قول:

ابن یزدانیار (یزدان یار) سے کسی نے سوال کیا: عارف حق سبحانہ کا کب مشاہدہ کرتا ہے؟ تو فرمایا: جب شاہد (اللہ تعالیٰ) ظاہر ہو اور شواہد فنا ہو جائیں، حواس جاتے رہیں اور اخلاص مضمحل ہو جائے۔

مقام معرفت:

حسین بن منصور سے مروی ہے: جب بندہ مقام معرفت پر پہنچ جاتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف خواطر بذریعہ وحی نازل فرماتے ہیں۔ (چنانچہ برے خیالات اس کے) قریب نہیں آتے اور اس کی باطن کی نگہداشت کرتے ہیں' تاکہ اس میں اللہ کی طرف سے آنے والے خیالات کے سوا کوئی اور خیال نہ آئے۔

مروی ہے کہ عارف کی یہ علامت ہے کہ وہ دنیا و آخرت سے فارغ ہو۔

معرفت کی انتہاء:

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے: معرفت کی انتہا دو چیزوں پر ہے:

دہشت اور حیرت پر۔

کیا عارف ترکِ اعمال کر سکتا ہے؟

جو شخص سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوگا' وہ سب سے زیادہ حیرت زدہ ہوگا۔ یہی بات ابوبکر الرازی' ابوعمر انطاکی اور جنید سے مروی ہے۔

بعض اہل معرفت سے مروی ہے کہ حرکات و اعمال کا ترک کر دینا' نیک کام اور تقویٰ ہے۔

اعمال میں مداومت:

جنید سے مروی ہے: ان لوگوں نے اعمال کو ساقط کر دینے کو کہا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے اور ایک شخص جو چوری بھی کرتا ہو اور زنا بھی کرتا ہو۔ میرے نزدیک اس قائل سے بہتر حالت میں ہے۔ کیونکہ عارفوں نے تو اعمال کو اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے اور ان اعمال میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر میں دنیا میں ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں، تب بھی میں اپنے نیک اعمال میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کروں گا۔

کسی نے ابو یزید کو کہا کہ آپ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی؟ تو فرمایا: بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ساتھ۔

اشیاء دنیا پر عارف کی نگاہ:

ابو یعقوب نہر جوری سے مروی ہے کہ کسی نے یعقوب سوسی سے پوچھا: کیا عارف اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز پر بھی تاسف کرتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کیا اسے اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی دیتی ہے کہ وہ اس پر افسوس کرے؟ میں نے عرض کیا: پھر اسے دنیا کی اشیاء کو کس نگاہ سے دیکھنا چاہئے؟ فرمایا: زوال اور فنا کی نگاہ سے۔

اقوال:

ابو یزید سے مروی ہے: عارف کی مثال اڑنے والے کی ہے اور زاہد کی مثال پیدل چلنے والے کی ہے۔

مروی ہے کہ عارف کی آنکھ روتی ہے اور دل ہنستا ہے۔

معرفت کی علامت:

جنید سے مروی ہے: کوئی عارف اس وقت تک عارف نہیں کہلا سکتا، جب تک کہ وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے کہ نیک و بد اسے روندتے ہیں اور بادلوں کی طرح نہ ہو جائے' جو ہر چیز پر سایہ کرتا ہے اور نہ بارش کی طرح ہو' جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے، اسے بھی جسے وہ پسند کرتی ہے اور اسے بھی جسے وہ ناپسند کرتی۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے: عارف دنیا سے ان دو باتوں سے اپنی آرزو پوری کئے بغیر چلا جاتا ہے:

ایک اپنی ذات پر رونے سے اور دوسری اپنے رب کی ثناء بیان کرنے سے۔

اقوال:

ابو یزید سے مروی ہے: صوفیاء نے جو معرفت حاصل کی ہے' تو صرف اس طرح کہ جو کچھ ان کے لئے ہے، اسے ضائع کر دیں اور ان چیزوں پر پہرہ دیں جو اللہ کے لئے ہیں۔ (یعنی خواہشات کو ضائع کرنے اور اوامر ونواہی پر کاربند رہنے سے)۔

عارف کی پہچان:

ابوالحسین الفارسی نے یوسف بن علی سے روایت کی کہ کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنوں میں عارف نہیں کہلا سکتا، جب تک کہ اس کی یہ کیفیت نہ ہو جائے کہ اگر اسے سلیمان علیہ السلام جتنی حکومت عطا کر دی جائے، تب بھی یہ سلطنت اسے ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے غافل نہ کر سکے۔

ارکان معرفت:

ابوالحسین الفارسی نے ابن عطاء سے روایت کی کہ معرفت کی بنیاد تین ارکان پر ہے:

(۱) ہیبت

(۲) حیا

(۳) اور انس۔

اللہ کی پہچان:

یوسف بن الحسین سے مروی ہے کہ کسی نے ذوالنون سے پوچھا کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ تو فرمایا: میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعہ اور اس کی مدد سے پہچانا ہے اور اگر میرا رب نہ ہوتا' تو میں اپنے رب کو نہ پہچان سکتا۔

مروی ہے کہ عالم کی پیروی کی جاتی ہے اور عارف سے ہدایت پائی جاتی ہے۔

غیر اللہ سے استغناء:

شبلی سے مروی ہے: عارف غیر اللہ کی طرف نگاہ کرتا ہی نہیں اور نہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام بولتا ہے اور نہ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا محافظ جانتا ہے۔

مخلوقات میں طاقتور ہونا:

مروی ہے کہ عارف چونکہ ذکر اللہ کے ساتھ انس حاصل کر چکا ہوتا ہے، اس لئے اللہ (یا اللہ کا انس) اس کو مخلوق سے مستغنی کر دیتا ہے اور وہ اللہ کے سامنے ذلیل رہتا ہے۔ اس لئے اللہ اسے مخلوق میں طاقتور بنا دیتا ہے۔

قول:

ابوالطیب سامری سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ کا انسان کے باطن پر مسلسل انوار کے ساتھ طلوع ہونا' معرفت کہلاتا ہے۔

عارف کا مرتبہ:

مروی ہے کہ عارف جو کچھ کہتا ہے' درحقیقت وہ اس سے بلند ہوتا ہے اور عالم جو کچھ کہتا ہے' وہ اس سے کم درجے کا

ہوتا ہے۔

عارف پر انعام:

ابوسلیمان دارانی سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ عارف کے لئے اس کے بستر پر وہ باتیں کھول دیتے ہیں، جو اوروں کے لئے کھڑے نماز پڑھتے بھی نہیں کھولتے۔

ذوالنون مصری سے مروی ہے: ہر چیز کے لئے سزا ہے اور عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکر اللہ سے منقطع ہو جائے۔

ابوعلی روذباری نے رویم سے روایت کی کہ عارفین کا ریاء مریدین کے اخلاص سے افضل ہے۔

ابوبکر وراق سے مروی ہے: عارف کا سکوت زیادہ نفع رسان ہے۔ اس کا کلام زیادہ پسندیدہ اور عمدہ ہوتا ہے۔

ذوالنون سے مروی ہے: زہاد آخرت کے بادشاہ ہیں اور وہ عارفوں کے محتاج ہیں۔

کسی نے جنید سے عارف کے متعلق سوال کیا، تو فرمایا: پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے، جو اس کے برتن کا ہو۔

ان کی مراد یہ ہے کہ عارف اپنے وقت کے حکم کا ماتحت ہوتا ہے۔

عارف ہر وقت اللہ کو دیکھتا ہے:

ابویزید سے عارف کے متعلق پوچھا گیا، تو فرمایا: عارف کو نہ نیند میں اللہ کے سوا کوئی دکھائی دیتا ہے، نہ بیداری میں، وہ نہ غیر اللہ کی موافقت کرتا ہے اور نہ غیر اللہ کا مطالبہ کرتا ہے۔

عبداللہ بن محمد الدمشقی سے مروی ہے کہ کسی شیخ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ فرمایا: ذکر الٰہی کے اس نور کی چمک سے جو میرے دل پر پڑی، جیسے ایسے شخص کی نوبانی حاصل کیا گیا، جس کی عقل معہود ہو چکی ہو اور ان الفاظ سے جو ایسے شخص کی زبان پر وارد ہوئے ہوں، جو شہود حق میں مستغرق ہو۔

یہ قائل وجد ظاہر کی طرف اشارہ کرتا ہوا اور ایسے باطن کی خبر دے رہا ہو، جو اس کی پردہ پوشی کر رہا ہو۔ وہ شخص اپنے ظاہری جسم و شکل کے اعتبار سے تو وہی انسان معلوم ہوتا ہے، مگر اپنے باطن کے اعتبار سے کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے:

نطقت بلا نطق هو النطق انه　　　لك النطق لفظا اويبين عن النطق

ترائيت كي اخفي وقدكنت خافيا　　　والمعت لى برقا فانطقت بالبرق

میں نے بغیر نطق کے گفتگو کی اور در اصل حقیقی نطق بھی یہی ہے۔ اے مولیٰ! تو لفظوں میں گفتگو کرتا ہے، یا تو اپنی گفتگو کو خود ہی واضح کر دیتا ہے۔

اے خدا! تو نے اپنی ذات کا جلوہ مجھے دکھایا' تا کہ میں مخفی ہو جاؤں۔ حالانکہ تو خود بھی مخفی تھا، مگر تو نے نور عرفان کی بجلی میرے لئے چمکائی' تو بجلی کے ذریعہ سے تو نے مجھے گویا کر دیا۔

جریری سے مروی ہے: کسی نے ابوتراب سے پوچھا کہ عارف کی کیا صفت ہوتی ہے؟ فرمایا: جسے کوئی چیز مکدر نہ کر سکے، لیکن ہر چیز اس سے صفائی حاصل کرے۔

ابوعثمان مغربی سے مروی ہے کہ عارف کے لئے علم کے انوار روشن ہو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ غیب کی عجیب و غریب باتیں دیکھ لیتا ہے۔

معرفت ایک موج ہے:

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ عارف تحقیق کے سمندروں میں مستغرق ہوتا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ معرفت ایسی موجیں ہیں' جو کبھی نیچے ڈبو دیتی ہیں' کبھی اوپر لے آتی ہیں اور کبھی نیچے کر دیتی ہیں۔

کسی نے یحییٰ بن معاذ سے عارف کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ان سے الگ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ یوں فرمایا: عارف کبھی مخلوق کے ساتھ تھا، مگر پھر ان سے جدا ہو گیا۔

عارف کی نشانیاں:

ذوالنون سے مروی ہے: عارف کی تین نشانیاں ہیں:

(۱) اس کا نور معرفت ورع کے نور کو نہیں بجھاتا

(۲) باطنی طور پر اپنے علم کی وجہ سے وہ کسی ایسی بات کا اعتقاد نہیں رکھتا، جس سے ظاہری طور پر کوئی حکم ٹوٹتا ہو

(۳) اس پر اللہ کے جو انعامات کثرت سے ہوتے ہیں، وہ اسے محارم اللہ کے پردے پھاڑنے پر نہیں اکساتے۔

مروی ہے کہ وہ شخص' جو عقبیٰ والوں کے لئے معرفت بیان کرتا ہو، عارف نہیں کہلا سکتا۔ چہ جائیکہ وہ دنیا والوں کے سامنے بیان کرے۔

ابوسعید خراز سے مروی ہے کہ معرفت سخاوت ایزدی کے سرچشمے اور پوری کوشش صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے (یعنی اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے اور پھر عنایت الٰہی کے شامل حال ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ محض کسبی چیز نہیں' وہبی ہے)۔

عارف محصور نہیں ہو سکتا:

جعفر سے مروی ہے: کسی نے جنید سے ذوالنون مصری کے اس قول کے متعلق پوچھا تھا' جو انہوں نے عارف کے بارے میں کہا تھا کہ ابھی یہاں تھا' مگر اب چلا گیا' تو فرمایا: عارف باللہ کو کوئی حالت محصور نہیں کر سکتی اور نہ ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہونے سے کوئی منزل اسے روک سکتی ہے۔ لہٰذا عارف ہر مقام والوں کے ساتھ اسی قسم کی حالت پر ہوگا، جس پر وہ خود ہے۔ وہ اس قسم کی واردات حاصل کرتا ہے، جس قسم کے وہ حاصل کرتے ہیں اور ان کے اشارات کی ترجمانی کرتا ہے کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

کتانی سے مروی ہے: کسی نے ابوسعید خراز سے سوال کیا: کبھی عارف کی ایسی حالت بھی ہو جاتی ہے کہ اسے رونا نہ آتا ہو؟ فرمایا: ہاں! کیونکہ رونا ان کو اس وقت آتا ہے، جب وہ ''سیرالی اللہ'' کے مقام پر ہوتے ہیں۔ مگر جب قربت خداوندی کے حقائق اس کے پاس اترتے ہیں اور اللہ کے فضل وکرم سے وہ وصل الی اللہ کا ذائقہ چکھ لیتے ہیں، پھر یہ حال ان سے زائل ہو جاتا ہے۔

عبداللہ الرازی نے محمد بن الفضل سے روایت کی کہ

المعرفة حيات القلب مع الله تبارك وتعالىٰ

اللہ کے ساتھ دل کی زندگی کا نام معرفت ہے۔

❀❀❀

باب

محبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ ﴾

(المائدة:٥٤)

تم میں سے جو کوئی دین سے پھر جائے، (تو کوئی بات نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئیں گے، جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرے گا اور وہ اسے پسند کریں گے۔

حمام بن منبہ نے ابو ہریرہ سے روایت کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی خواہش کرتا ہے' تو اللہ بھی اس سے ملاقات کی خواہش کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کی خواہش نہیں کرتا' اللہ بھی اس کی ملاقات کی خواہش نہیں کرتا۔ (بخاری:٦٥٠٧، مسلم:٢٦٨٥)

ہشام الکتانی نے انس بن مالک سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے کہا کہ

جبرئیل علیہ السلام نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ سے سنا اور فرمایا: جس کسی نے میرے دوست کی بے عزتی کی' اس نے مجھ سے اعلان جنگ کر دیا۔ میں نے اتنا تردد کسی چیز میں نہیں کیا' جتنا کہ میں اس مومن بندے کی روح کو قبض کرنے میں کیا ہے' جو موت کو پسند نہیں کرتا ہو اور میں اسے دکھ نہیں پہنچانا چاہتا، مگر موت کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔

میرا کوئی بندہ میرے نزدیک فرائض کی ادائیگی سے زیادہ محبوب چیز سے میرے قریب نہیں آتا اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرے قریب آتا رہتا ہے، تا آنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جس سے میں محبت کروں' میں اس کے کان' آنکھ' ہاتھ اور مؤید بن جاتا ہوں۔ (طبرانی: ٧٨٨٠)

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے' تو جبرئیل سے فرماتا ہے: میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں۔ لہٰذا تو بھی اس سے محبت رکھ۔ چنانچہ جبرئیل بھی ان سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر حضرت جبرئیل آسمان دنیا میں ایک آواز لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتے ہیں' بس تم بھی اس سے محبت کرو، پھر وہ دنیا میں مقبول ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے' تو مالک فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ناراضگی کے بارے میں اسی طرح کی بات کہی، جس طرح محبت کے بارے میں کہی تھی۔ (بخاری: ۳۲۰۹، مسلم: ۲۶۳۷)

استاد سے مروی ہے کہ محبت ایک شریف حالت ہے، جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لئے دی ہے اور ہمیں بتایا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے محبت رکھتا ہے، لہٰذا حق تعالیٰ کی صفت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے بندے سے محبت رکھتا ہے اور بندے کی صفت میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ حق سبحانہ سے محبت رکھتا ہے۔

محبت کیا ہے؟

علماء کی اصطلاح میں محبت کے معنی ارادہ کے ہیں، مگر صوفیا کے ہاں محبت سے ارادہ مراد نہیں، کیونکہ کسی انسان کے ارادے کا تعلق (حق تعالیٰ کے ساتھ جو قدیم ہے)' نہیں ہوسکتا۔ ہاں البتہ اگر اللہ کے قرب حاصل کرنے اور اس کی تعظیم کرنے کا ارادہ مراد لیا جائے' تو درست ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے محبت کرنے سے مراد اس بندے پر کوئی مخصوص انعام کرنے کا ارادہ کرنا ہے اور رحمت خداوندی سے مراد اللہ کا بندے پر انعام کرنا ہے۔ لہٰذا رحمت' ارادہ کے مقابلہ میں خاص چیز ہے اور محبت رحمت سے بھی خاص تر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے پر ثواب وانعام کرنے کا ارادہ کرنا' رحمت کہلائے گا اور یہ ارادہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے قرب اور بلندی احوال سے مخصوص کرے' محبت کہلاتا ہے۔

(یہاں سے معلوم ہوا) کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی صفت دراصل ایک ہی صفت ہے۔ مگر اس کے نام اس کے متعلقات کے اعتبار سے بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا جب ارادہ کسی کو سزا دینے کے ساتھ متعلق ہو' تو اسے غضب کہا جائے گا اور جب عام قسم کی نعمتیں عطا کرنے کے متعلق ہو' تو اسے رحمت کہا جاتا ہے اور جب مخصوص قسم کی رحمت کے ساتھ متعلق ہو' تو محبت کہلاتا ہے۔

دوسرا قول:

بعض لوگوں سے مروی ہے کہ حق سبحانہ کا کسی بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق سبحانہ اس کی اچھی مدح وثنا کرتا ہے۔ لہٰذا اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے۔

تیسرا قول:

کچھ اور لوگوں سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنا' اس کے فعل کی صفت ہے۔ لہٰذا یہ ایک مخصوص خداوندی احسان ہے' جو اللہ تعالیٰ بندے پر کرتا ہے اور ایک مخصوص حالت ہے' جس تک اللہ تعالیٰ اسے رفعت و بلندی دیتا ہے' جس طرح کہ بعض سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندے پر رحمت جب ہوتی ہے' تو اللہ تعالیٰ کا انعام ساتھ ہی ہوتا ہے۔

چوتھا قول:

سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ان صفات میں سے ہے، جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ اس لفظ کو مطلق طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مگر اس کی تفسیر سے توقف کرتے ہیں۔

ان چاروں قسموں کے علاوہ بندگان خدا کی صفت محبت سے جو کچھ بھی سمجھ آ سکتا ہے.... مثلاً کسی چیز کی طرف میلان یا کسی چیز سے انس حاصل کرنا' یا ایسی حالت' جسے ایک عاشق اس محبوب کے ساتھ پاتا ہے، جو مخلوق میں سے ہو، ان تمام سے اللہ تعالیٰ جو قدیم ہے' بالا ہے۔

اب رہا بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا' تو یہ ایک حالت ہوتی ہے' جسے بندہ اپنے دل میں پاتا ہے۔ مگر اسے عبارت اور الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بعض اوقات یہ حالت انسان کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی رضا کو ترجیح دینے پر مجبور کرتی ہے اور اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ اس کی جدائی پر صبر نہ کر سکے اور اس کی طرف جانے کا جوش پایا جاتا ہے اور اس کے بغیر قرار حاصل نہ ہو اور دل سے ہمیشہ اس کا ذکر کر کے انس حاصل کیا جائے۔

بندہ کے دل میں حق سبحانہ کی جو محبت ہوتی ہے، اس میں جسمانی میلان مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے حدود متعین ہوتے ہیں، کیونکہ حق سبحانہ اس بات سے منزہ ہے کہ جسمانی طور پر کوئی وہاں تک پہنچ سکے' یا اسے پا سکے' یا اس کا احاطہ کر سکے۔ عاشق جو اپنے محبوب کی محبت میں مرمٹا ہو، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کے متعلق کہا جائے کہ وہ کسی خط یا احاطہ کے اندر آ سکتا ہے۔

محبت کی نہ تو کوئی ایسی تعریف کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی ایسی حد مقرر کی جا سکتی ہے، جو لفظ محبت سے زیادہ واضح اور فہم کے زیادہ قریب ہو۔ کسی بحث کو شرح و بسیط سے بیان کرنے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے، جب اس میں کوئی اشکال ہو۔ لیکن جب ابہام ہی اٹھ گیا' تو بحث کی تشریح میں مبالغہ کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

(۱) صوفیاء نے محبت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ لوگوں نے اس بات سے بھی بحث کی ہے کہ اس کا لغوی مفہوم کیا ہے؟ چنانچہ بعض سے مروی ہے کہ پاکیزہ اور صاف محبت کا نام حب ہے، کیونکہ عرب جب حبب الاسنان

بولتے ہیں' تو ان کی مراد دانتوں کی سفیدی اور تروتازگی ہوتی ہے۔

(۲) بعض سے مروی ہے کہ سخت بارش کے وقت جو بلبلے اٹھتے ہیں، انہیں حباب الماء کہا جاتا ہے۔ اس بناء پر محبوب کی ملاقات کے جوش اور پیاس کے بھڑکنے کا نام محبت ہے۔

(۳) بعض سے مروی ہے کہ یہ حباب (بفتح الحاء) الماء سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہ مقام جہاں پانی زیادہ ہو۔ لہٰذا اسے محبت اس لئے کہا گیا کہ دل میں جتنی اہم چیزیں ہیں، ان میں سب سے بڑا حصہ اسی کا ہوتا ہے۔

(۴) بعض سے مروی ہے کہ یہ لفظ لازم ہونے اور ثابت قدم رہنے کے معنوں میں آتا ہے، کیونکہ عربی کا محاورہ ہے ''احب البعیر'' جب وہ بیٹھ جائے اور پھر نہ اٹھے، اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ عاشق کا دل کسی وقت بھی معشوق کے ذکر سے نہیں ہٹتا۔

(۵) یہ لفظ حب بمعنی پانی سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

تبیت الحیة النضناض منه مکان الحب یستمع السرارا

(شکاری رات بھر ایک گڑھے میں بیٹھا رہتا ہے) اور وہاں زہریلے سانپ اس کے اتنے قریب پھرتے رہتے ہیں، جتنی کان کی بالی ہو اور وہ راز سن رہی ہو' اور باتیں سنتا رہتا ہے۔

اور بالی کو حب' یا تو اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ کان سے چمٹی رہتی ہے' یا اس لئے کہ ہر وقت مضطرب رہتی ہے۔ یہ دونوں معنی محبت پر صحیح طور پر چسپاں ہوتے ہیں۔

(۶) لفظ محبت حب سے ماخوذ ہے' جو حبہ کی جمع ہے اور حبة القلب دل کا وہ مقام ہے' جس پر دل کا دارومدار ہے۔ لہٰذا محبت کا نام اپنے محل کے نام پر رکھا گیا ہے۔

(۷) حب اور حب ایک ہی چیز ہے، جس طرح عَمر اور عُمر۔

(۸) یہ بھی مروی ہے کہ یہ لفظ ''حِبۃ'' (کسر حاء کے ساتھ) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ''جنگلی بیج'' کے ہیں۔ چنانچہ جس طرح بیج نباتات کا مغز ہے، اسی طرح محبت بھی زندگی کا مغز ہے۔ اس لئے اس کا نام حب رکھا گیا ہے۔

(۹) مروی ہے کہ حب ان چار لکڑیوں کو کہتے ہیں' جن پر مٹکا رکھا جاتا ہے۔ محبت کو حب اس لئے کہا گیا (جس طرح یہ لکڑیاں مٹکے کو برداشت کرتی ہیں)، اسی طرح محبت محبوب کی طرف سے ہر عزت و ذلت کو برداشت کرتی ہے۔

(۱۰) اس لفظ کی اصل وہ مٹکا (حب) ہے، جس میں پانی ہوتا ہے۔ مٹکا اسے روکے رکھتا ہے۔ اس میں صرف اس قدر پانی سما سکتا ہے، جس سے وہ بھر جائے۔ (یعنی اس میں مزید پانی نہیں سما سکتا)۔ اسی طرح جب کسی کی محبت سے دل بھر

جاتا ہے' تو پھر اس دل میں محبوب کے سوا کسی اور کے داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

محبت کی تعریف میں شیوخ صوفیاء کے اقوال:

(۱) ایک صوفی کا قول ہے کہ مشتاق دل کے ساتھ دائمی میلان کا نام محبت ہے۔

(۲) نیز مروی ہے کہ محبوب کی خاطر تمام مال و دولت کو قربان کر دینا محبت ہے۔

(۳) محبوب کی موجودگی اور عدم موجودگی میں محبوب کی موافقت کرنا محبت ہے۔

(۴) عاشق کا مع اپنی تمام صفات کے مٹ جانا اور محبوب کو اس کی ذات کے ساتھ ثابت کرنا محبت ہے۔

(۵) دل کا اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق ہونا محبت ہے۔

(۶) اس بات سے ڈرتے رہنا کہ کہیں احترام میں کمی نہ ہو محبت کہلاتا ہے۔

(۷) ابو یزید بسطامی سے مروی ہے کہ اپنی کثیر چیز کو قلیل سمجھنا اور محبوب کی قلیل چیز کو کثیر سمجھنا محبت ہے۔

(۸) سہل سے مروی ہے: محبت یہ ہے کہ تو اطاعت گذاری پر قائم رہے اور (محبوب کی) مخالفت سے دور رہے۔

(۹) جنید سے محبت کی نسبت سوال کیا گیا' تو فرمایا: عاشق کا اپنی صفات کو اپنانا محبت ہے۔

ان کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ محبوب کے ذکر کا غلبہ یہاں تک ہو کہ عاشق کے دل پر محبوب کے ذکر کے سوا کچھ نہ ہو اور اپنی صفات اور ان کے احساس سے کلیۃً غفلت ہو۔

(۱۰) ابو علی روز باری سے مروی ہے کہ محبت کیا ہے؟ ایک موافقت........یعنی محبوب کی۔

(۱۱) ابو عبداللہ قرشی سے مروی ہے کہ حقیقی محبت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کلیۃً محبوب کے حوالے کر دے، یہاں تک کہ تیرے پاس اپنی ذات میں سے کچھ بھی نہ رہے۔

(۱۲) شبلی سے مروی ہے کہ محبت کو محبت اس لئے کہا گیا کہ یہ دل سے محبوب کے سوا تمام چیزوں کو محو کر دیتی ہے۔

(۱۳) ابن عطا سے مروی ہے کہ محبت یہ ہے کہ تو محبت میں اپنے آپ کو ہمیشہ عتاب کرتا رہے۔

(۱۴) استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ محبت مکمل لذت ہے، جبکہ حقیقت کے مقامات دہشت ناک ہیں۔

(۱۵) انہی سے مروی ہے کہ محبت میں حد سے تجاوز کرنا عشق کہلاتا ہے۔ حق سبحانہ کی تعریف میں کہنا روا نہیں کہ وہ حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا بھی روا نہ ہوگا کہ حق سبحانہ کو کسی سے عشق ہے اور نہ ہی بندے کے متعلق کہنا روا ہے کہ وہ حق سبحانہ پر عاشق ہے، اس طرح دونوں طرف سے عشق کی نفی ہو جاتی ہے اور حق سبحانہ کے وصف میں اس لفظ کے استعمال کی کوئی صورت نہیں' نہ حق کی طرف سے بندے کے عشق کے لئے اور نہ بندے کی طرف سے حق کے عشق کے لئے۔

(۱۶) شبلی سے مروی ہے کہ محبت یہ ہے کہ اگر کوئی اور تمہارے جیسا انسان محبوب سے محبت کرے، تو تجھے غیرت آ جائے۔

(۱۷) ابن عطا نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ محبت وہ ٹہنیاں ہیں، جنہیں دلوں میں لگایا جاتا ہے اور ان پر ان کی عقلوں کے مطابق پھل آتا ہے۔

(۱۸) انہی سے مروی ہے کہ انہوں نے نصر آبادی کو فرماتے سنا کہ ایک قسم کی محبت یہ ہوتی ہے کہ اس سے خون بہنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ایک قسم کی محبت سے خون کا بہانا واجب ہو جاتا ہے۔

جعفر نے سمنون سے روایت کی کہ محبت کرنے والے دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کریں گے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((**المرء مع من احب**)) (بخاری:۶۱۶۸،مسلم:۲۶۴۰)

انسان اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے، جس سے اسے محبت ہو۔

لہٰذا وہ اللہ کے ساتھ ہوئے۔

(۱۹) یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ حقیقی محبت وہ ہے، جو جفا پر بھی کم نہ ہو اور نہ محبت، نیک برتاؤ اور احسان سے بڑھتی ہے۔

نیز مروی ہے کہ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے، مگر محبت کی حدود کا لحاظ خیال نہ رکھے، وہ سچا نہیں ہے۔

(۲۰) جنید سے مروی ہے کہ جب سچی اور صحیح محبت پیدا ہو جائے، تو پھر آداب کے شرائط ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس مفہوم کا ایک شعر میں نے استاد ابو علی کو پڑھتے سنا:

اذا صفت المودة بین قوم ودام ودادھم، سمج الثناء

جب کسی قوم میں محبت پاک وصاف ہوتی ہے، پھر یہ محبت دائم رہے، تو ایک دوسرے کی تعریف کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ تو کسی متفق باپ کے اپنے بیٹے سے کلام کرنے میں بخل کرتے نہ دیکھے گا، یہاں تک کہ جب لوگ اس سے مخاطب ہو کر کلام کرتے ہوں۔ باپ کہہ اٹھے گا: ارے فلاں!

(۲۱) کتانی سے مروی ہے کہ محبوب کی خاطر ایثار کرنے کا نام محبت ہے۔

(۲۲) ابو سعید الارجانی نے بندار بن الحسین سے روایت کی کہ کسی نے محبوب مجنون بنی عامر کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ اللہ نے مجھے معاف کر دیا اور مجھے محبت کرنے والوں کے لئے حجت قرار دیا۔

(۲۳) ابو یعقوب موسیٰ سے مروی ہے کہ حقیقی محبت یہ ہے کہ انسان یہ بات بھول جائے کہ اللہ کے ہاں اس کا کتنا حصہ

ہے؟ اللہ کی طرف اس کی کتنی حاجتیں ہیں؟

(۲۴) حسین بن منصور فرماتے ہیں: حقیقی محبت یہ ہے کہ تو اپنے تمام اوصاف کو بالائے طاق رکھ کر اپنے محبوب کے ساتھ قائم رہے۔

(۲۵) میں نے ابوعبدالرحمٰن سلمیٰ کو فرماتے سنا کہ نصر آبا ذی سے کسی نے کہا کہ آپ کو محبت سے حصہ نہیں ملا؟ تو فرمایا: لوگ سچ کہتے ہیں، مگر مجھ میں محبت کرنے والوں کی حسرتیں پائی جاتی ہیں اور میں ان میں جل رہا ہوں۔

انہی سے مروی ہے کہ نصر آباذی فرماتے ہیں کہ خواہ کچھ بھی ہو' تو محبت کو ترک نہ کرے۔

اس کے بعد شعر پڑھنے لگے:

ومن کان فی طول الھویٰ ذاق سلوۃ — فانی من لیلی لھا غیر ذائق

واکثر شیء نلتہ من وصالھا — امانی لم تصدق کلمحۃ بارق

جو شخص عشق کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے عشق کو ترک کر دیتا ہے، میں تو لیلیٰ کے عشق کو ترک کرنے والا نہیں ہوں۔ مجھے اس وصال میں زیادہ سے زیادہ' جو چیز ملی، وہ صرف وہ امیدیں ہیں' جو ایک لمحہ کے لئے بھی پوری نہیں ہوتی۔

(۲۶) محمد بن فضل فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ محبوب کی محبت کے سوا ہر قسم کی محبت دل سے دور ہو جائے۔

(۲۷) جنید فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ خواہ تجھے محبوب سے کچھ بھی نہ ملے، پھر بھی تمہارا میلان اسی کی طرف رہے۔

(۲۸) منقول ہے کہ محبوب کی طرف سے دل میں جو تشویش پیدا ہوتی ہے' اسے محبت کہتے ہیں۔

(۲۹) نیز کہا جاتا ہے کہ محبت ایک آزمائش ہے' جو دل میں محبوب کی طرف سے واقع ہوتی ہے۔

ابن عطاء نے یہ شعر پڑھے:

غرست لاھل الحب غصنا من الھوی — ولم یك یدری ما الھویٰ احد قبلی

فاورق اغصانا واینع صبوۃ — واعقب لی مرا من الثمر المحلی

وکل جمیع العاشقین ھواھم — اذا نسبوہ کان من ذلك الاصل

میں نے محبت والوں کے لئے عشق کی ٹہنی لگا دی، مجھ سے پہلے کسی کو عشق کا پتہ نہ تھا۔ اس ٹہنی کو پتے لگے اور عشق کا پھل لگا۔ مگر مجھے میٹھے پھل میں سے کڑوا پن ہی ملا، اب تمام عاشق جب اپنے عشق کا ذکر کرتے ہیں' تو اس کی اصل اسی ٹہنی سے ہوتی ہے۔

صحبت کا اثر:

استاد ابو علی دقاق نے حضور ﷺ کے فرمان:

((حبك للشيء يعمي ويصم))(ابو داؤد: ۵۱۳۰، احمد: ۲۱۷۴۰)

کی تشریح کی کہ محبت اوروں سے تو غیرت کی وجہ سے اندھا کر دیتی ہے اور محبوب سے اس کی ہیبت کی وجہ سے۔

اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھا:

اذا ما بدا لی تعاظمته فاصدر فی حال من لم یرد

جب محبوب میرے سامنے ظاہر ہوتا ہے، تو میں اسے بہت عظیم خیال کرتا ہوں اور جب لوٹتا ہوں، تو پہلی سی حالت ہوتی ہے (یعنی ہیبت کی وجہ سے مبہوت ہو جاتا ہوں اور محبوب کی ملاقات اور عدم ملاقات برابر ہوتی ہے)۔

(۳۱) جنید نے الحارث المحاسبی سے روایت کی کہ محبت یہ ہے کہ تو ہمہ تن کسی چیز کی طرف مائل ہو جائے۔ پھر اپنا نفس، روح اور مال سب اس پر قربان کر دے۔ پھر ظاہر و باطن میں تو اس کی موافقت کرے۔ بایں ہمہ تو یہ خیال کرے کہ تو نے اس کی محبت میں کوتاہی کی ہے۔

(۳۲) جنید نے سری سے روایت کی کہ دو شخصوں کے درمیان اس وقت تک صحیح محبت نہیں ہو سکتی، جب تک وہ ایک دوسرے کو یا انا کہہ کر نہ پکار سکیں۔

(۳۳) شبلی سے مروی ہے: محب اگر خاموش ہو جائے، تو ہلاک ہو جائے گا اور عارف اگر خاموش نہیں رہے گا، تو ہلاک ہو جائے گا۔

(۳۴) مروی ہے کہ محبت دل میں ایک آگ ہوتی ہے، جو محبوب کی مراد کے سوا سب کچھ جلا دیتی ہے۔

(۳۵) مروی ہے کہ محبت یہ ہے کہ تو (اپنے محبوب کے لئے) اپنی پوری کوشش صرف کر دے اور پھر محبوب کا جو دل چاہے کرتا رہے۔

(۳۷) ابو یعقوب سوسی سے مروی ہے: محبت صرف اسی وقت درست ہو سکتی ہے، جب محب اپنی محبت کی طرف نہ دیکھے، بلکہ اپنی محبت کا علم مٹا کر اپنے محبوب کے دیدار کی طرف لگا رہے۔

(۳۸) جعفر سے مروی ہے کہ سری نے انہیں ایک رقعہ دیا اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے سات سو قصوں یا کہانیوں سے بہتر ہے۔ جب کھولا تو اس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے:

ولما ادعیت الحب قالت کذبتنی فمالی اری الاعضاء منك کواسیا

فما الحب حتی یلصق القلب بالحشا وتذبل حتی لا تجیب المنادیا

وتنحل حتی لا یبقی لك الھوی سوی مقلة تبکی بھا وتناجیا

جب میں نے محبت کا دعویٰ کیا' تو محبوبہ کہنے لگی تو جھوٹ بول رہا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا' تو تمہارے اعضا اسے چھپا نہ سکتے۔

محبت میں تو دل انتڑیوں کے ساتھ چپک جاتا ہے اور اتنا مرجھا جاتا ہے کہ پکارنے والے کو جواب تک نہیں دے سکتا۔ اور پھر تو اس قدر لاغر ہو جائے کہ محبت تمہارے لئے تمہاری آنکھوں کے سوا نہ چھوڑے، اسی کے ذریعہ تو روئے' اسی کے ذریعے سے بات کرے۔

ابن مسروق سے مروی ہے کہ میں نے سمنون کو محبت پر گفتگو کرتے سنا' تو اس کے اثر سے مسجد کی تمام قندیلیں ٹوٹ گئیں۔

ابراہیم بن فاتک سے مروی ہے کہ سمنون مسجد میں بیٹھے محبت پر گفتگو کر رہے تھے اور میں سن رہا تھا کہ ایک چھوٹا پرندہ آیا اور ان کے قریب ہو گیا اور قریب ہوتے ہوتے ان کے ہاتھ پر جا بیٹھا۔ اس کے بعد اس نے زمین پر اپنی چونچ مارنی شروع کی' تا آنکہ اس سے خون بہنے لگا، اس کے بعد وہ مر گیا۔

(۳۹) جنید سے مروی ہے: ہر وہ محبت جو کسی غرض کے لئے ہے، جب وہ غرض جاتی رہے گی' تو محبت بھی جاتی رہے گی۔

شبلی پاگل خانے میں:

مروی ہے کہ شبلی کو پاگل خانہ میں بند کر دیا گیا' تو کچھ لوگ ان کے پاس آئے۔ شبلی نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا: ہم تمہارے محبّ ہیں۔ اس پر شبلی نے ان پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے اور وہ بھاگ گئے۔

یہ حال دیکھ کر شبلی نے کہا: اگر تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو' تو میری تکلیف پر صبر کرو۔ پھر شبلی نے یہ قطعہ پڑھا:

یاایھا السید الکریم حبك بین الحشا مقیم

یا رافع النوم عن جفونی انت بما مربی علیم

اے سید اور کریم! تیری محبت میرے تن دھن میں مقیم ہے۔

اے محبوب! جس نے میری آنکھوں سے نیند اڑا دی ہے، تجھے معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گذری؟

یحییٰ اور ابو یزید:

علی بن عبید سے مروی ہے کہ یحییٰ بن معاذ نے ابو یزید کو لکھا کہ میں اللہ کی محبت کے بہت سے پیالے پینے سے نشہ میں ہوں۔ اس کے جواب میں ابو یزید نے لکھا: تمہارے سوا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں' جنہوں نے آسمانوں اور زمینوں کے

سمندر پی لئے، مگر پھر بھی سیر نہیں ہوئے اور ان کی زبان (پیاس کے مارے) باہر نکلی ہوئی ہے۔ **ھل من مزید** کہہ رہے ہیں۔

صوفیاء محبت کے متعلق یہ اشعار بھی پڑھتے ہیں:

عجبت لمن یقول ذکرت الفی　　وھل انسی فاذکر ما نسیت

اموت اذا ذکرتك ثم احیا　　ولولا حسن ظنی ما حییت

فاحیا بالمنی واموت شوقا　　فلم احیا علیك وکم اموت

شربت الحب کاسا بعد کاس　　فما نفد الشراب وما رویت

مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے محبوب کو یاد کیا اور میں تو اسے کبھی بھولتا ہی نہیں ہوں کہ یاد کرنے کی ضرورت پڑے۔

اے محبوب! جب تمہارا ذکر کرتا ہوں، تو مر جاتا ہوں اور پھر زندہ ہو جاتا ہوں۔ اگر میرا حسن ظن نہ ہوتا، تو زندہ بھی نہ ہوتا۔ میں آرزو سے زندہ ہوتا ہوں اور شوق سے مرتا ہوں۔ میں کب تک مرتا اور زندہ ہوتا رہوں گا۔ میں نے محبت کے پیالے پر پیالے پیئے، مگر نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہوا۔

وحی عیسیٰ:

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب میں کسی بندے کے دل کی طرف دیکھتا ہوں اور اس میں دنیا اور آخرت کی محبت نہیں پاتا، تو اسے اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں۔

مروی ہے کہ استاد ابوعلی دقاق نے اپنے ہاتھ سے یہ عبارت لکھی:

کسی ایک آسمانی کتاب میں ہے: اے میرے بندے! تمہاری قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں، تجھے میری قسم! تو بھی مجھ سے محبت کر۔

(۴۰) عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ جسے محبت میں سے کچھ حصہ ملا ہو اور اسے خوف خدا میں سے اسی قدر حصہ نہ ملا ہو، تو وہ شخص دھوکا کھائے گا۔

مروی ہے کہ محبت تمہارا نشان مٹا دیتی ہے۔

(۴۱) مروی ہے کہ محبت میں ایک ایسی مستی ہے، جس سے انسان محبوب کے مشاہدہ کے بغیر ہوش میں نہیں آتا۔ پھر محبوب کے مشاہدہ سے جو مستی حاصل ہوتی ہے، اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

فاسکر القوم درور کاس وکان سکری من المدیر

لوگ پیالے کے دور سے مست ہونے لگے، مگر میری مستی دور دینے والے کی وجہ سے تھی۔

استاد ابوعلی دقاق اکثر یہ شعر پڑھتے:

لی سکرتان وللندمان واحدة شیء خصصت به من بینهم و حدی

مجھے دو مستیاں حاصل ہیں (ایک شراب محبت کی اور ایک محبوب کی)، جبکہ اور ندیموں کو ایک ہی مستی ہے، یہ ایک ایسی خصوصیت ہے، جو صرف مجھے ہی حاصل ہے۔

(۴۶) ابن عطاء سے مروی ہے کہ محبت یہ ہے کہ تو ہمیشہ اپنے آپ کو عتاب کرتا رہے۔

ایک لونڈی کا قصہ:

استاد ابوعلی دقاق کی ایک لونڈی تھی، جس کا نام فیروز تھا۔ انہیں اس سے محبت تھی۔ کیونکہ اس نے ان کی بڑی خدمت کی تھی۔ استاد سے مروی ہے کہ ایک روز فیروز مجھے دکھ دے رہی تھی اور زبان درازی کر رہی تھی، تو ابوالحسن قاری نے اسے کہا: تو اس بوڑھے آدمی کو کیوں دکھ دے رہی ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا: اس لئے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔

(۴۷) یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے: محبت اگر رائی بھر بھی ہو، تو مجھے وہ ستر سالہ ایسی عبادت سے، جو بغیر محبت کے ہو، زیادہ محبوب ہے۔

ایک نوجوان کا قصہ:

مروی ہے کہ ایک نوجوان نے عید کے دن لوگوں کو کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور کہا:

من مات عشقاً فلیمت هکذا لاخیر فی عشق بلا موت

جو عشق میں مرنا چاہتا ہے، وہ اس طرح مرے، عشق بغیر موت کے بے سود ہے۔

اور اس نے ایک بلند چھت سے اپنے آپ کو گرا دیا اور گر کر مر گیا۔

ایک ہندی کا عشق:

مروی ہے کہ ایک ہندی، لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ لڑکی نے کوچ کرا ارادہ کیا، تو وہ شخص اس کو وداع کرنے کے لئے نکلا۔ اس وقت اس کی ایک آنکھ سے آنسو نکلے اور دوسری سے نہ نکلے۔ جس آنکھ سے آنسو نہیں نکلے تھے، اس نے اس آنکھ کو چوراسی سال تک بند رکھا اور سزا کے طور پر اسے نہیں کھولا۔ کیونکہ اس نے اس کی محبوبہ پر آنسو نہیں بہائے تھے۔ اسی مفہوم کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

بکت عینی غداة البین دمعاً ؍ واخری بالبکا بخلت علینا

فعاقبت التی بخلت بدمع ؍ بأن غمضتها یوم التقینا

محبوب کی جدائی کے دن میری ایک آنکھ نے آنسو بہائے اور دوسری نے کوئی آنسو نہیں بہایا۔ لہٰذا جس آنکھ نے کوئی آنسو نہیں بہایا تھا، میں نے اسے یہ سزا دی کہ محبوب کی ملاقات کے دن میں نے اسے بند رکھا۔

ایک صوفی سے مروی ہے کہ ہم ذوالنون مصری کے پاس تھے' تو محبت کا ذکر چھڑ گیا۔ ذوالنون نے فرمایا: اس مسئلہ کا ذکر مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ سن کر اس کا دعویٰ کر بیٹھیں۔

پھر یہ قطعہ پڑھا:

الخوف اولیٰ بالمسیء ؍ اذا تأله والحزن

والحب یجمل بالتقی ؍ وبالنقی من الدرن

جب بدکردار انسان عبادت گذار ہو جائے' تو اس کے لئے خوف و غم بہتر ہے۔ محبت تو ان لوگوں کو اچھی لگتی ہے' جو پرہیزگار ہوں اور ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہوں۔

یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے: جو شخص نا اہل لوگوں میں محبت کا ذکر کرے' وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

ایک شخص کی محبت کا قصہ:

مروی ہے کہ ایک شخص کہا کرتا تھا کہ وہ فلاں کی محبت میں مر رہا ہے' تو اس نوجوان نے (جس کی محبت میں وہ مرنے کا دعویٰ کرتا) کہا: یہ کیسے؟ حالانکہ یہ میرا بھائی مجھ سے زیادہ خوبرو ہے اور خوب صورت ہے۔ یہ سن کہ اس شخص نے اس کے بھائی کو دیکھنے کے لئے سر اٹھایا۔ اس وقت عاشق معشوق دونوں چھت پر تھے۔ محبوب نے عاشق کو چھت پر سے نیچے پھینک دیا اور کہا کہ اس شخص کی سزا ہے' جو دعویٰ تو میری محبت کا کرے اور کسی اور کی طرف دیکھے۔

معرفت افضل ہے یا محبت؟

سمنون محبت کو معرفت سے افضل سمجھتے تھے۔ لیکن اکثر مشائخ معرفت کو محبت پر فضیلت دیتے ہیں۔

معرفت کی تعریف:

محققین کے نزدیک محبت اپنے آپ کو لذت سے ہلاک کرنے کا نام ہے اور معرفت یہ ہے کہ حیرت کی حالت میں محبوب کا مشاہدہ ہو اور ہیبت میں فنا ہو جائے۔

جنید کا حج کے موقعہ پر محبت کی تشریح:

ابوبکر کتانی سے مروی ہے کہ مکہ میں حج کے موسم میں محبت پر بحث چھڑ گئی۔ شیوخ صوفیاء نے اس پر تقریریں کیں۔ جنید سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ مشائخ نے جنید سے کہا: اے عراقی! تو بھی کچھ بیان کر۔ اس پر جنید نے سر جھکایا اور رونے لگ گئے۔ پھر یوں کہا: ایک بندہ ہے' جو اپنے آپ کو کھو چکا ہے۔ اپنے رب کا لگاتار ذکر کرتا ہے اور اس کے حقوق برابر ادا کئے جا رہا ہے اور دل کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔

ذاتِ خداوندی کے انوار نے اسے جلا دیا ہے اور اس کی محبت کے پیالوں سے اس نے صاف شراب پی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیب سے اس کے لئے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ لہٰذا یہ شخص جب گفتگو کرے گا' تو اللہ کی مدد سے گفتگو کرے گا اور اگر حرکت گا' تو اسی کے حکم سے اور اگر ساکن ہوگا' تو اللہ کے حکم سے۔

لہٰذا یہ شخص اللہ کے لئے اور اللہ کی معصیت میں ہوگا۔ یہ سن کر تمام شیوخ رو پڑے اور کہا کہ اس پر کچھ اضافہ نہیں ہو سکتا؟ خدا تیری حالت درست کرے۔ اے تاج العارفین!

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے داؤد! جب تک کسی اور کی محبت کسی دل میں پائی جاتی ہو۔ اس وقت تک میں نے اس بات کو حرام قرار دے دیا ہے کہ میری محبت اس دل میں داخل ہو۔

محمد بن ایوب نے ابوالعباس' خادم الفضیل بن عیاض سے روایت کی کہ فضیل کو احتباس بول کی بیماری لگ گئی' تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! تجھے میری محبت کی قسم کہ میرا پیشاب کھول دے۔ ابوالعباس سے مروی ہے کہ ابھی ہم وہیں تھے کہ انہیں شفا ہوگئی۔

مروی ہے کہ محبت میں ایسی جانثاری ہونی چاہئے' جیسی عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) میں تھی۔ کیونکہ جب یوسف علیہ السلام کی محبت انتہا کو پہنچ گئی' تو بول اٹھی:

﴿اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (یوسف: ۵۱)

میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اور یہ سچ کہتا ہے۔

حالانکہ شروع میں اسی نے یوں کہا تھا:

﴿قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (یوسف: ۲۵)

جو تمہاری بیوی کے ساتھ برا فعل کرنے کا ارادہ رکھے' اس کی یہی سزا ہے کہ یا تو قید کر دیا جائے' یا سخت سزا دی جائے۔

زلیخا نے پہلے تو جرم یوسف کے ذمے لگایا، مگر بالآخر اس نے اپنے آپ کو خائن قرار دیا۔

اللہ سے محبت کرنا، نبی ﷺ سے محبت ہے:

ابو سعید خراز سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے معاف کیجئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے اس قدر مشغول کر رکھا ہے کہ آپ ﷺ محبت کی طرف دھیان نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے برکت والے انسان! جس نے اللہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔

رابعہ کی مناجات:

مروی ہے کہ رابعہ نے مناجات میں کہا: یا الٰہی! تو کیا اس دل کو دوزخ کی آگ میں جلائے گا، جو تجھ سے محبت کرتا ہو؟ ہاتف نے جواب دیا: ہم ایسا نہیں کرتے، تو ہم پر بدگمانی نہ کر۔

مروی ہے: حب میں دو حرف ہیں: ح اور ب، جن میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص محبت کرے اسے اپنی روح اور بدن دونوں سے نکل آنا چاہئے۔

لفظ محبت کے استعمال میں صوفیاء کا گویا اس بات پر اجماع ہے کہ محبت محبوب سے موافقت کرنے کو کہتے ہیں اور سب سے زوردار موافقت وہ ہے، جو دل سے ہو۔

نیز یہ کہ محبت سے مباینت کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ محب تو ہر لحظہ اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔ حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔

ابی وائل نے ابو موسیٰ الاشعری سے روایت کی کہ نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ایک شخص کچھ ایسے لوگوں سے محبت رکھتا ہے، جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے؟ (اس کے متعلق کیا حکم ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

المرء مع من احب۔ انسان انہی لوگوں کے ساتھ ہے، جن سے اس کی محبت ہو۔

صوفیاء کی ہلاکت کی چیزیں:

ابو عثمان حیری نے ابو حفص سے روایت کی کہ احوال صوفیہ کی اکثر خرابی کا باعث تین چیزیں ہیں:

(۱) عارفین کا فسق۔

(۲) محبین کی خیانت۔

(۳) مریدین کا کذب۔

ابو عثمان سے مروی ہے: عارف کا فسق یہ ہے کہ عارف اپنی نگاہ، زبان اور کانوں کو دنیا کے اسباب اور منافع کی

طرف لگائے۔

محبین کی خیانت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو آئندہ آنے والے حالات کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر ترجیح دیں اور مریدین کا کذب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مخلوق کا ذکر اور ان کا دیدار غالب آ جائے۔

ابوعلی ممشاد بن سعید العکمری سے مروی ہے کہ ایک نر ابابیل نے مادہ ابابیل کو پھانسنا چاہا۔ دونوں سلیمان علیہ السلام کے گنبد میں تھے۔ مادہ نے بات نہ مانی' تو کہنے لگا: تو میرا کہنا کیوں نہیں مانتی؟ میں اگر چاہوں تو گنبد کو تہ و بالا کر دوں۔ سلیمان علیہ السلام نے اسے بلا کر پوچھا: یہ بات تو نے کیوں کہی؟ تو اس نے جواب دیا: یا نبی اللہ! عشاق کو ان کی بات پر مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اس پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے!

باب

شوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ﴾ (العنکبوت:۵)

جو شخص، اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے (اسے معلوم ہونا چاہئے) کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آنے والا ہے۔

دعا:

عطاء بن السائب نے اپنے باپ سے روایت کی کہ عمار بن یاسر نے نماز پڑھائی اور اس میں اختصار کیا، تو میں نے کہا: اے ابو الیقظان! تو نے نماز میں تخفیف کر دی؟ انہوں نے جواب دیا: کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ میں نے نماز میں وہ دعا مانگی ہے، جو میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ جب وہ اٹھ کر روانہ ہوئے، تو ایک آدمی ان کے پیچھے ہو لیا اور اس نے عمار سے پوچھا کہ وہ دعا کون سی ہے؟ عمار نے بتایا، وہ دعا یہ ہے:

((اللهم بعلمك الغيب، وقدرتك على الخلق احيني ما علمت الحياة خيراً لي، و توفني ما علمت الوفاة خيراً لي۔ اللهم انى اسلك خشيتك فى الغيب و الشهادة واسالك كلمة الحق فى الرضا والغضب، واسألك القصد فى الغنى والفقر، واسألك نعيماً لا ينفد وقرة عين لا تنقطع، واسالك الرضا بعد القضاء، وبردالعيش بعد الموته واسألك النظر الى وجهك الكريم وشوقا الى لقائك فى غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة :اللهم زينا بزينة الايمان۔ اللهم اجعلنا هداة مهتدين))(مصنف ابن ابی شیبہ:۲۹۳۴۸)

ترجمہ: خدایا! تجھے تیرے علم غیب اور اس قدرت کا واسطہ، جو مخلوق پر ہے کہ تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تو زندگی کو میرے لئے بہتر خیال کرے اور جب یہ خیال کرے کہ اب وفات میرے لئے بہتر ہے،

تو مجھے موت دے، خدایا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنا خوف عطا کر' خواہ میں لوگوں سے غائب ہوں' یا حاضر۔ نیز یہ کہ مجھے خوشی اور غضب دونوں حالتوں میں حق بات کہنے کی توفیق عطا کر۔ نیز یہ کہ مالداری اور فقیری میں تو مجھے میانہ روی کی توفیق دے۔ خدایا! میں تجھ سے ایسی نعمتیں مانگتا ہوں' جو ہلاک نہ کر ڈالیں اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک چاہتا ہوں' جو منقطع ہونے والی نہ ہو۔ قضا کے بعد رضا چاہتا ہوں اور موت کے بعد ٹھنڈی زندگی۔ خدایا! تو مجھے اپنا دیدار نصیب کر اور اپنی ملاقات کا شوق عطاء کر کہ اس میں نہ کوئی مضرت ہو اور نہ گمراہ کرنے والا فتنہ۔ خدایا! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین کر دے اور ہمیں ایسا راہنما بنا کہ ہم خود بھی ہدایت یافتہ ہوں۔

شوق کی تعریف:

(۱) استاذ سے مروی ہے: محبوب کی ملاقات کے لئے دلوں کا جوش مارنا شوق کہلاتا ہے۔ چنانچہ جس قدر محبت ہوگی' اسی قدر شوق بھی ہوگا۔

(۲) استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ شوق اور اشتیاق میں فرق ہے، کیونکہ شوق تو محبوب کی ملاقات اور دیدار سے مدھم پڑ جاتا ہے، مگر اشتیاق ملاقات سے زائل نہیں ہوتا۔ اس کی تائید میں یہ شعر پیش کیا گیا ہے:

ما یرجع الطرف عنه عند رویته　　　حتی یعود الیه الطرف مشتاقاً

اشتیاق کی وجہ سے محبوب کے دیدار کے وقت' نگاہ اس سے ہٹتی ہی نہیں کہ اس کے دوبارہ لوٹنے کا سوال پیدا ہو۔

(۳) نصر آبازی سے مروی ہے کہ مقام شوق تو تمام مخلوق کو حاصل ہے، مگر انہیں مقام اشتیاق حاصل نہیں، جو اشتیاق کی حالت میں داخل ہو گیا، پھر وہ اس میں سرگرداں رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کا کوئی نشان ملتا ہے اور نہ قرار۔

(۴) مروی ہے کہ احمد بن حامد الاسود نے عبداللہ بن منازل کے پاس آ کر کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ ایک سال تک مر جائیں گے۔ اب آپ اس کے لئے تیاری کر لیں؟ اس پر عبداللہ بن منازل نے جواب دیا: تو نے تو مجھے لمبی مہلت دے دی کہ میں ایک سال تک زندہ رہوں گا' مجھے تو اس شعر سے انس ہے' جو میں نے ابوعلی ثقفی سے سنا تھا:

یامن شکا شوقه من طول فرقته　　　اصبر لعلك تلقی من تحب غداً

اے وہ شخص! جو اپنی طویل جدائی کی وجہ سے شوق کی شکایت کرنے والا ہے۔ صبر کرو ہو سکتا ہے کہ کل ہی تمہارے محبوب سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔

(۵) ابوعثمان سے مروی ہے: شوق کی نشانی یہ ہے کہ انسان راحت کے ہوتے ہوئے موت سے محبت رکھے۔

(۶) یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے: شوق کی علامت یہ ہے کہ انسان کے اعضاء اپنی خواہشات چھوڑ دیں۔

داؤد علیہ السلام کا واقعہ:

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ ایک دن داؤد علیہ السلام اکیلے کسی جنگل کو نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی فرمایا: اے داؤد! تو اکیلا کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا الٰہی! میں دل سے تمہاری ملاقات کا مشتاق ہوں، مگر مخلوق اس میں حائل ہو جاتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی طرف لوٹ جا، کیونکہ اگر تو کسی نافرمان بندے کو میری طرف لے آئے گا' تو لوح محفوظ میں تمہارا نام جھبذ (پرکھنے والا) لکھا جائے گا۔

اللہ کے سامنے حاضری کا خوف:

مروی ہے کہ ایک بڑھیا کا کوئی رشتہ دار سفر سے آیا' تو اس کی قوم نے بہت خوشی منائی، مگر بڑھیا روتی رہی۔ لوگوں نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی' تو کہنے لگی: اس آدمی کی آمد نے مجھے وہ دن یاد دلایا ہے، جس دن ہم اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

(۷) ابن عطاء سے شوق کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا: شوق یہ ہے کہ انتڑیاں جلیں' دل شعلہ زن ہو اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

ایک بار پھر ان سے شوق کے متعلق سوال کیا گیا کہ آیا شوق زیادہ بلند چیز ہے' یا محبت؟ تو فرمایا: محبت اعلیٰ ہے، کیونکہ شوق اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

(۸) ایک صوفی کا قول ہے کہ شوق ایک شعلہ ہے' جو انتڑیوں میں جدائی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور جب ملاقات ہو جاتی ہے' تو بجھ جاتا ہے اور جب محبوب کا مشاہدہ باطن پر غالب آ جاتا ہے' تو پھر باطن میں شوق داخل نہیں ہوتا۔

(۹) کسی صوفی سے پوچھا گیا: کیا تجھے اشتیاق ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، کیونکہ شوق تو غائب کی طرف ہوتا ہے اور اللہ تو حاضر ہے۔

استاد ابو علی کو اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (طه : ۸۴)

یا الٰہی! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی' تاکہ تو مجھ سے راضی ہو جائے

کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کو شوق کی وجہ سے میں نے تمہاری طرف آنے میں جلدی کی، مگر لترضیٰ کا لفظ لا کر اس پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔

انہی سے مروی ہے کہ باوجود عافیت کے موت کی تمنا کرنا' شوق کی علامات میں سے ہے۔ جس طرح یوسف علیہ السلام، جب ان کو کنویں میں ڈالا گیا' تو انہوں نے موت کی درخواست نہ کی۔ قید خانے میں گئے، تب بھی موت کی فریاد نہ کی۔ مگر جب ان کے والدین کے پاس آئے، بھائی سجدے میں گر گئے اور ان کی حکومت اور خداوندی نعمتیں مکمل ہو گئیں' تو کہا:

توفنی مسلماً۔(یوسف: ۱۱۰)

مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے۔

اسی سلسلہ میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

نحن فی اکمل السرور ولکن ليس الا بکم یتم السرور

عیب ما نحن فیه یا اهل ودی انکم غیب، ونحن حضور

ہمیں کامل ترین خوشی حاصل ہے، مگر اس کی تکمیل تمہارے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اے میرے دوست! ہماری موجودہ کیفیت میں جو کمی ہے، وہ صرف اسی بات کی ہے کہ تم غیر حاضر ہو اور ہم حاضر ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ دو شعر پیش کئے جاتے ہیں:

من سره العيد الجديد فقد عدمت به السرورا

کان السرور یتم لی لو کان احبابی حضورا

کسی کو نئی عید آنے سے خوشی ہوتی ہے، لیکن میں نے تو اس کی وجہ سے خوشی کو معلوم پایا ہے۔ میری خوشی تو اس وقت پوری ہوتی' جب میرے احباب بھی موجود ہوتے۔

ابن خفیف کا قول:

ابن خفیف سے مروی ہے: وجد کے ساتھ دل کی خوشی اور محبوب کی ملاقات کے قرب کی محبت کا نام شوق ہے۔

ابو یزید کا قول:

ابو یزید سے مروی ہے: اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر جنت میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دیدار سے محجوب رکھے' تو وہ جنت سے بچنے کی اسی طرح فریاد کریں گے، جس طرح دوزخی دوزخ سے بچنے کی کریں گے۔

اللہ کی محبت میں مدھوش:

عبداللہ الانصاری نے الحسین الانصاری سے روایت کی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت برپا ہے اور ایک شخص عرش کے نیچے کھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے: یہ کون ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: اللہ کو بہتر معلوم ہے۔

اللہ فرماتا ہے: یہ معرف کرخی ہے، یہ میری محبت میں مدہوش ہے، اب وہ میری ملاقات کے بغیر ہوش میں نہیں آ سکتا۔

ایک اور حکایت ہے۔ البتہ وہاں یوں ذکر ہے کہ یہ معروف کرخی ہے! یہ دنیا سے اللہ کے اشتیاق میں نکل آیا۔ لہٰذا اللہ نے بھی اسے اجازت دے دی کہ وہ اس کو دیکھ لے۔

فرشتو! گواہ رہنا:

(۱۰) فارس سے مروی ہے کہ مشتاقوں کے دل اللہ کے نور سے منور ہوتے ہیں اور جب ان کا اشتیاق حرکت میں آتا ہے' تو ان کے نور سے زمین اور آسمان کے درمیان تمام فضا روشن ہوتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرماتا ہے: یہ لوگ ہیں' جنہیں میرا اشتیاق ہے' میں تمہیں گواہ رکھتا ہوں کہ مجھے ان سے بھی زیادہ شوق ہے۔

(۱۱) استاد ابوعلی دقاق کو آنحضرت ﷺ کے فرمان

((اسألك الشوق الى لقائك))(صحیح ابن حبان: ۱۹۷۱)

میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی ملاقات کا شوق عطا کر۔

کی تشریح کی کہ شوق کے ایک سو اجزا ہیں، ان میں سے ننانوے اللہ کے لئے ہیں اور ایک جزو تمام لوگوں میں بٹا ہوا ہے۔ اللہ نے چاہا کہ یہ جزو بھی اسی کے لئے ہو۔ لہٰذا اسے غیرت آئی کہ کہیں شوق کا بھی کسی اور کے لئے نہ رہے۔

مروی ہے کہ اہل قربت کا شوق محجوبین کے شوق سے زیادہ تام ہوتا ہے، اسی لئے کہا گیا ہے:

وابرح ما یکون الشوق یوماً اذا دنت الخیام من الخیام

جس دن ہمارے خیمے محبوب کے خیموں کے قریب آ جائیں' تو اس وقت شوق اور زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

(۱۲) مروی ہے کہ جب موت وارد ہوتی ہے' تو مشتاق لوگ اس کی حلاوت کے گھونٹ بھرتے ہیں، کیونکہ یہ بات ان کے لئے منکشف کر دی گئی ہے کہ محبوب کے وصل کی خوشی شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔

(۱۳) جنید نے سری سے روایت کی کہ شوق عارف کے لئے ایک جلیل القدر مقام ہے۔ بشرطیکہ وہ اس میں راسخ ہو چکا ہو اور جب وہ شوق سے راسخ ہو جاتا ہے' تو اس وقت ان تمام اشیاء سے غافل ہو جاتا ہے۔ جو اسے اپنے محبوب سے ہٹائے رکھیں۔

(۱۴) ابوعثمان حیری اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾ (العنکبوت: ۵)

اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مدت آ کر رہے گی

کے متعلق فرماتے ہیں: اس آیت میں مشتاقوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ تم پر میرا اشتیاق غالب آ چکا ہے اور میں نے تمہاری ملاقات کے لئے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے، تم عنقریب اس خدا کے پاس پہنچ جاؤ گے، جس کی ملاقات کا تمہیں اشتیاق ہے۔ **فان اجل الله لات۔**

مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو کہہ دو کہ تم مجھے چھوڑ کر اوروں کی طرف کیوں مشغول ہوتے ہو؟ حالانکہ میں تمہارا مشتاق ہوں، یہ جفا کیسی؟

اللہ سے منہ موڑنے کا انجام:

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اگر وہ لوگ جو مجھ سے منہ موڑ لیتے ہیں، یہ جان لیں کہ میں ان کا کیسے انتظار کر رہا ہوں اور ان پر کیسے مہربانی کرنے والا ہوں اور ان کی معصیت کاریوں کو کیسے چھوڑ دیتا ہوں، تو وہ میرے شوق سے مر جائیں اور ان کے جوڑ میری محبت کی وجہ سے منقطع ہو جائیں۔

اے داؤد! یہ میرا ارادہ ان لوگوں کے متعلق ہے، جو مجھ سے منہ موڑتے ہیں، جو لوگ میری طرف آتے ہیں، ان کے ساتھ میرا ارادہ کیا ہوگا؟

مروی ہے کہ تورات میں لکھا ہے: ہم نے تمہیں شوق دلایا، مگر تم مشتاق نہ ہوئے۔ ہم نے تمہیں ڈرایا، مگر تم نہ ڈرے۔ ہم نے تمہاری خاطر نوحہ کیا، مگر تم نے نہ کیا۔

اللہ کے اشتیاق میں رونا:

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے: شعیب علیہ السلام اس قدر روئے کہ ان کی بینائی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی انہیں پھر واپس دے دی۔ پھر روتے رہے، یہاں تک کہ پھر بینائی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بینائی دے دی۔ پھر روئے یہاں تک کہ پھر بینائی چلی گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کی اگر یہ رونا جنت کی خاطر ہے، تو میں نے تم کو جنت دے دی اور اگر دوزخ کی وجہ سے ہے، تو میں نے تم کو پناہ دے دی۔

شعیب علیہ السلام نے عرض کیا: نہیں، بلکہ میرا رونا تو آپ کے اشتیاق میں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کہا: اسی لئے تو میں نے اپنے نبی اور کلیم سے دس سال آپ کی خدمت کرائی۔

مروی ہے: جسے اللہ کا شوق ہو، ہر چیز اس کی مشتاق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کو تین شخصوں کا اشتیاق ہوا:

علی رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ کا۔ (مستدرك حاكم: ٤٦٦٦)

ایک صوفی کا قول ہے کہ میں شوق میں داخل ہوتا ہوں' تو اشیاء میری مشتاق ہو جاتی ہیں، حالانکہ میں ان سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔

مالک بن دینار سے مروی ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا کہ ہم نے تمہیں شوق دلایا، مگر تم مشتاق نہ ہوئے، ہم نے تمہارے لئے بانسری بجائی' مگر تمہارے اندر حرکت پیدا نہ ہوئی۔

محمد بن فرحان سے مروی ہے کہ کسی نے جنید سے سوال کیا کہ عاشق معشوق سے ملتے وقت کیوں روتا ہے؟

جنید نے جواب دیا: محبوب کی ملاقات کی خوشی اور شدت کی وجہ سے جو وجد طاری ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے رونا آ جاتا ہے۔ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ دو بھائی بغلگیر ہوئے' تو ایک نے کہا: واشوقاہ! (ہائے شوق) اور دوسرے نے کہا: واوجداہ! (ہائے وجد)۔

باب

مشائخ کا پاس خاطر اور ان کی مخالفت نہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے:

﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (الکھف:٦٦)

کیا میں آپ کی اس شرط پر تابعداری کروں کہ آپ وہ ہدایت مجھے سکھا دیں گے' جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔

امام فرماتے ہیں: جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر کی صحبت میں رہنے کا ارادہ کیا' تو انہوں نے ادب کی شرائط کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ پہلے انہوں نے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی۔ اس پر خضر نے یہ شرط لگا دی کہ موسیٰ علیہ السلام' تو ان کی مخالفت کریں گے اور نہ کسی بات پر اعتراض کریں گے۔

اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان کی مخالفت کی' تو پہلی اور دوسری بار تو انہوں نے معاف کر دیا، مگر جب تیسری بار ایسا کیا اور تین قلت اور کثرت کے درمیان حد فاصل ہے' تو انہیں حکم دیا کہ وہ ان سے جدا ہو جائیں اور کہا:

﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ (الکھف:٧٨)

اب مجھ میں اور تم میں جدائی ہے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما اكرم شاب شيخا لسنه الا قيض الله تعالىٰ له من يكرمه عند سنه))

(ترمذی:٢٠٢٢)

جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے عزت کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو مقرر کر دیتے ہیں، جو اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کریں گے۔

استاد ابو علی دقاق روایت کرتے ہیں کہ ہر فرقہ نے مخالفت کی ابتداء کی ہے۔

ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ جس نے اپنے شیخ کی مخالفت کی' وہ اس کے طریقے پر نہیں رہا اور ان کے درمیان تعلق

منقطع ہو گیا، خواہ دونوں ایک جگہ رہے۔ لہٰذا جو کسی شیخ کی محبت میں رہا، پھر دل سے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے صحبت کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، اور اس پر توبہ کرنا واجب ہو گیا۔ مگر مشائخ کا قول ہے کہ استادوں کے حقوق کی کوئی توبہ نہیں ہو سکتی۔ (یعنی اگر کوئی شخص استادوں کے حقوق کو ملحوظ نہ رکھے اور پھر اس سے توبہ کرنا چاہے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی)۔

استاذ پر اعتراض کرنا' سراسر خسارا ہے:

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے استاد ابوسہل صعلوکی کی زندگی میں مرو گیا، میرے وہاں سے نکلنے سے پہلے ہر جمعہ کی صبح کو ان کے ہاں قرآن کے دور اور ختم کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب میں واپس آیا' تو وہ مجلس بند ہو چکی تھی اور اسی وقت میں ایک اور مجلس قائم ہو گئی تھی، جسے ابوالغفانی قائم کرتے اور وہ قول کی مجلس ہوتی۔

اس سے میرے دل میں خلش پیدا ہوئی اور میں دل میں کہتا کہ ختم قرآن کی مجلس کو بدل کر مجلس قول قائم کی گئی ہے۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا: اے عبدالرحمٰن! لوگ میرے متعلق کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: کہتے ہیں کہ قرآن کی مجلس تو بند کر دی گئی اور قول کی مجلس قائم کی گئی۔ اس پر انہوں نے فرمایا: جس نے استاد پر اعتراض کیا، وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

یہ ایک مشہور بات ہے کہ جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن سری کے پاس گیا، انہوں نے مجھے کسی بات کا حکم دیا اور میں نے فوراً کر دی۔ جب میں کام پورا کر کے واپس آیا' تو انہوں نے مجھے ایک رقعہ دے کر کہا: یہ تمہارے فوراً کام کرنے کے غرض میں ہے۔ میں نے رقعہ پڑھا' اس میں لکھا تھا: میں نے ایک شتربان کو جنگل میں یہ شعر پڑھتے سنا:

ابکی، وهلی یدریك ما یبکینی　　ابکی حذاراً ان تفارقینی

وتقطعی حبلی وتهجرینی

میں رو رہا ہوں اور تمہیں کیا معلوم کہ میں کیوں رہا ہوں؟ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تو مجھ سے جدا نہ ہو جائے، تعلقات منقطع کر کے' چلی نہ جائے۔

ابوالحسین ھمدانی علوی سے حکایت کی گئی ہے' وہ کہتے تھے کہ ایک رات میں جعفر خلدی کے پاس تھا اور میں نے گھر میں حکم دیا تھا کہ پرندہ کو تنور میں لٹکا دیا جائے۔ میرا دل اس پرندے کی طرف لگا ہوا تھا کہ جعفر نے مجھ سے کہا کہ آج رات یہیں ٹھہر جاؤ۔ میں کوئی بہانہ بنا کر گھر واپس چلا آیا۔ پرندے کو تنور سے نکالا گیا، اور میرے سامنے رکھ دیا گیا، اچانک گھر کے دروازے سے ایک کتا اندر آیا اور حاضرین کی نظر بچا کر پرندے کو لے اڑا۔ پھر جو شوربا بچ گیا تھا' لایا گیا۔ خادمہ کے کپڑے کا دامن اس سے الجھ گیا اور وہ سب کا سب گر گیا۔ جب صبح ہوئی' تو جعفر کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا: جو شخص مشائخ کے دلوں کا پاس نہیں رکھتا' اسے ایذا پہنچانے کے لئے کتا مسلط کر دیا جاتا ہے۔

شیخ کی نافرمانی کی سزاء:

الحسین الدمغانی نے کہا کہ عمی البسطامی اپنے باپ سے حکایت بیان کرتے ہیں کہ شقیق بلخی اور ابوتراب نخشی دونوں ابو یزید کے پاس آئے۔ دسترخوان لایا گیا۔ ایک شخص ابو یزید کی خدمت گذاری کر رہا تھا۔ شقیق بلخی اور ابوتراب نخشی نے اس نوجوان سے کہا کہ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں روزے سے ہوں۔ ابوتراب نے کہا: کھاؤ اور تمہیں ایک ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ اس نے پھر بھی انکار کیا۔ اس پر ابو یزید نے کہا کہ جو خدا کی نگاہ میں گر چکا ہو اسے چھوڑ دو۔ ایک سال کے بعد اس نوجوان نے چوری کرنی شروع کر دی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

کسی کو حقیر نہ جانو:

استاد ابو علی دقاق بیان کرتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ نے بصرہ کے ایک نان بائی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ولی ہے۔ سہل کے مریدین میں سے ایک شخص نے یہ بات سن لی اور اس کی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور بصرہ کو روانہ ہو گیا۔ جب نان بائی کی دکان پر پہنچا' تو وہ روٹیاں پکا رہا تھا۔ اس نے نان بائیوں کے طریقہ پر اپنی داڑھی وغیرہ پر نقاب پہن رکھی تھی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شخص ولی ہوتا' تو نقاب نہ پہنتا' تب بھی اس کے بال نہ جلتے۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور کوئی سوال کیا: نان بائی نے کہا کہ تو نے مجھے حقیر سمجھا ہے، اس لئے تو میری باتوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا۔

عبداللہ رازی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عثمان حیری کو محمد بن فضل بلخی کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ لہٰذا عبداللہ رازی کو ان کی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور وہ ان کی زیارت کے لئے نکل پڑے، مگر جو اعتقاد لے کر گئے تھے، اس کے مطابق محمد بن فضل کا ان کے دل پر اثر نہ ہوا۔

لہٰذا لوٹ کر ابو عثمان کے پاس پہنچے اور ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے پوچھا: تو نے انہیں کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے انہیں گمان کے مطابق نہیں پایا۔ اس پر ابو عثمان نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے انہیں حقیر خیال کیا اور جو شخص کسی کو حقیر سمجھتا ہے، وہ اس کے فائدے سے محروم رہتا ہے۔ اب احترام کے ساتھ ان کے پاس پھر جاؤ۔ عبداللہ پھر گئے اور انہیں محمد بن فضل کی زیارت سے فائدہ حاصل ہوا۔

عمر بن عثمان مکی اور حسین بن منصور:

ایک مشہور واقعہ ہے کہ عمر بن عثمان مکی نے حسین بن منصور کو دیکھا کہ کچھ لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ فرمایا کہ قرآن کے مقابلے میں لکھ رہا ہوں۔ مکی نے بد دعا دی اور چلے آئے۔ مشائخ صوفیہ کا کہنا ہے کہ مدت کے

بعد جو واقعہ حسین بن منصور کے ساتھ پیش آیا' وہ اسی بد دعا کا نتیجہ تھا۔

استاد ابو علی دقاق بیان کرتے ہیں کہ جب بلخ والوں نے محمد بن فضل کو شہر بدر کر دیا' تو انہوں نے بد دعا کی اور کہا: اے اللہ! انہیں صدق سے روک دے۔ اس واقعے کے بعد بلخ سے کوئی صدیق نہیں نکلا۔

ہر حال میں شیخ کی رضا حاصل کرو:

احمد بن یحییٰ سے مروی ہے کہ جس شخص سے اس کا شیخ راضی ہو، اسے اس شخص کی زندگی میں اس کی جزاء نہیں دی جاتی' تاکہ کہیں اس کے دل سے شیخ کی تعظیم زائل نہ ہو جائے اور جب شیخ کی وفات ہو جاتی ہے' تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر وہ چیزیں ظاہر کرتا ہے' جو شیخ کی رضامندی کی جزاء ہوتی ہیں اور جس شخص سے اس کا شیخ ناراض ہو، اسے بھی شیخ کی زندگی میں سزا نہیں دی جاتی' تاکہ کہیں اس کا دل نہ پسیج جائے، کیونکہ شیوخ کی فطرت میں مہربانی ہوتی ہے اور جب شیخ مر جاتا ہے' تو اس کے بعد اسے اس کی سزا ملتی ہے۔

❀❀❀

باب

سماع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهُ ﴾ (الزمر:۱۷-۱۸)

میرے ان بندوں کو خوشخبری دو' جو بات سن کر اس میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔

''القول'' میں جو لام ہے، وہ تعمیم اور استغراق کے معنی دیتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات پر تعریف کی ہے کہ وہ صرف احسن بات کی پیروی کرتے ہیں (یعنی ہر بات کی پیروی نہیں کرتے)۔

نیز اللہ تعالیٰ سبحانہ کا قول ہے کہ

﴿فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ﴾ (الروم:۱۵)

انہیں جنت میں خوش کیا جائے گا۔ تفسیر میں آیا ہے کہ اس سے مراد سماع ہے۔

سماع جائز ہے:

عمدہ الحان اور پسند آنے والے نغموں کے ساتھ اشعار کا سننا جائز ہے، بشرطیکہ سننے والا کسی (غلط) ممنوع چیز کا معتقد نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسی بات سنتا ہو، جو شرعاً مذموم ہے اور نہ وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہہ جاتا ہو اور نہ فضول چیز کی طرف مائل ہو۔

نبی کریم ﷺ اشعار سنتے تھے:

اس بات میں کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے شعر پڑھے گئے۔ آپ ﷺ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جب عمدہ الحان کے بغیر اشعار کا سننا جائز قرار دیا ہے' تو عمدہ الحان کے ساتھ سننے سے اس کے حکم مین کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ تو ظاہری حال ہے، مزید براں جو الحان سننے والے کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی پوری رغبت دلائیں اور اسے

یاد دلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لئے کیا کیا درجات مہیا کر رکھے ہیں اور اسے لغزشوں سے بچنے پر مجبور کریں اور اس کے دل پر نیک و پاک واردات کا موجب بنیں، وہ دین میں مستحب سمجھے جاتے ہیں اور شرع میں پسندیدہ کہلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں ایسا کلام آیا ہے، جو شعر کے قریب قریب ہے۔ اگرچہ آپ کا یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ شعر کی صورت اختیار کر جائے۔ حارث بن ابی اسامہ' ابو النصر سے روایت کرتے ہیں کہ شعبہ نے کہا کہ حمید فرماتے تھے کہ میں نے انس کو فرماتے سنا کہ انصار خندق کھود رہے تھے اور شعر پڑھتے جاتے تھے:

نحن الذين بایعوا محمدا علی الجهاد ما بقینا ابداً

حضور ﷺ نے ان کے جواب میں کہا:

((اللهم لا عیش الا عیش الآخرة فاکرم الانصار والمهاجرة))

(بخاری:۳۷۹۶، مسلم:۱۸۰۵)

خدایا! آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں' لہٰذا تو انصار اور مہاجرین کو عزت بخش۔

آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ کسی شعری وزن پر نہیں ہیں' مگر قریب قریب ضرور ہیں۔

سلف اشعار سنتے تھے:

سلف اور اکابر نے الحان کے ساتھ شعر سنے ہیں۔ سلف میں سے جنہوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے؛ ان میں مالک بن انس بھی ہیں اور اہل حجاز' تو سب کے سب گانے کو جائز قرار دیتے ہیں، حدی کے جائز ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ اس کے متعلق احادیث اور آثار کثرت سے آئے ہیں۔

ابن جریج کا فتویٰ:

ابن جریج سے مروی ہے کہ وہ سماع کو جائز قرار دیتے تھے۔ اس پر سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن جب آپ کو لایا جائے گا اور آپ کی نیکیاں اور برائیاں دونوں لائی جائیں گی' تو آپ کا سماع کس جانب ہوگا؟ فرمایا: نہ نیکیوں میں اور نہ برائیوں میں، ان کی مراد یہ تھی کہ یہ ایک مباح امر ہے۔

امام شافعی کا فتویٰ:

امام شافعی سماع کو حرام قرار نہیں دیتے، مگر عوام کے لئے اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص گانے کا پیشہ اختیار کرے' یا لہو ولعب کے طور پر متواتر سماع میں لگا رہے' تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

امام شافعی اسے ان چیزوں میں شمار کرتے ہیں، جن سے مروت ساقط ہوتی ہے۔ مگر آپ اسے محرمات میں شامل

نہیں کرتے، مگر یہاں ہماری بحث اس قسم کے سماع سے نہیں ہے۔ کیونکہ صوفیاء کا رتبہ بلند ہے کہ وہ کوئی لہو کی بات سنیں' یا سہواً سماع کے لئے بیٹھ جائیں' یا دل میں کسی لغو مضمون کا خیال ہو' یا ایسے طریقے سے سنیں، جو ان کے شایان شان نہ ہو۔

ابن عمر سے کچھ آثار مروی ہیں، جن میں انہوں نے سماع کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسی طرح دیگر کے متعلق مروی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے، آپ نے ان سے منع نہیں فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے شعر پڑھنے کی فرمائش کی، یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں دو لڑکیاں گانا گا رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں کیا۔

ابو الاشعث سے مروی ہے کہ محمد بن بکر البرسانی' شعبۃ سے' وہ ہشام بن عروۃ سے وہ اپنے باپ سے' وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ہاں آئے' تو ان کے پاس دو گانے والیاں وہ اشعار گا رہی تھیں، جو انصار نے بعاث کی جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے، یہ دیکھ کر ابو بکر صدیق نے دوبار کہا: شیطان کی بانسری، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابو بکر انہیں گانے دو، کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج کا دن ہماری عید کا دن ہے۔ (بخاری: ۹۵۲، مسلم: ۸۹۲)

ابو الزبیر سے مروی ہے کہ انہوں نے جابر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کی شادی کسی انصاری سے کر دی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' تو فرمایا: کیا کسی گانے والی کو بھی بلایا ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار کے ہاں دستور ہے کہ وہ بلند آواز سے دلہن کی خوبیاں بیان کرتے ہیں، اگر تم کسی کو بلواتیں' جو صرف اتنا ہی کہتا:

((اتیناکم اتیناکم فحیانا نحییکم))(ابن ماجہ: ۱۹۰۰)

براء بن عازب سے مروی ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

((حسنو القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا))(بیھقی: ۲۱۴۱)

قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوشنما بنایا کرو، کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کی خوبی بڑھتی ہے۔

اس حدیث میں اچھی آواز کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

قتادہ نے انس بن مالک سے روایت کی، وہ فرماتے تھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((لکل شیء حلیة و حلیة القران الصوت الحسن))(مصنف عبد الرزاق: ۴۱۷۳، طبرانی: ۷۵۳۱)

''ہر چیز کا زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور عمدہ آواز ہے۔''

شبیب بن بشیر البجلی نے کہا کہ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں:

دو آوازیں ملعون ہیں: ایک وہ آواز جو مصیبت کے وقت آہ زاری کی آواز ہو اور دوسری آسائش کے وقت بانسری کی آواز۔ (مجمع الزوائد: ۱۳/۳)

اس خطاب کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ان احوال کے سوا دیگر قسم کے گانے جائز ہوں، ورنہ ان گانوں کو مخصوص کرنے کا کچھ معنی نہیں رہتا۔ اس سلسلہ میں بہت سی احادیث آئی ہیں اور اگر ہم اس سے زیادہ روایات ذکر کریں' تو ہم اختصار کی حد سے نکل جائیں گے۔

یہ بھی روایت ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں یہ اشعار پڑھے:

اقبلت فلاح لها عارضان كالسبج
ادبرت فقلت لها والفواد في وهج
هل على ويحكما ان عشقت من حرج

محبوبہ میری طرف آئی' تو مجھے اس کے موتیوں جیسے رخسار دکھائی دیئے، پھر واپس گئی' تو میں نے جلتے ہوئے دل سے کہا: اگر میں تم پر عاشق ہو جاؤں' تو کیا حرج ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں!

عمدہ آواز اللہ کی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ﴾ (فاطر: ۱)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کی خلقت میں جس چیز کا چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا کہ اچھی آواز اس میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بری آواز کی مذمت کی ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴾ (لقمان: ۱۹)

بدترین آواز گدھے کی آواز ہے۔

اچھی آواز سے دل کا لذت حاصل کرنا اور عمدہ آواز کا مشتاق ہونا اور اس سے راحت حاصل کرنا ایسی بات ہے' جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ اچھی آواز سے سکون محسوس کرتا ہے اور اونٹ چلنے کی تھکان اور بوجھ کی

مشقت برداشت کرتا ہے، مگر حدی خوانی سے یہ سب کچھ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴾ (الغاشية:١٧)

کیا لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا؟

اسماعیل بن علیہ حکایت کرتے ہیں کہ میں دوپہر کے وقت امام شافعی کے ساتھ چل رہا تھا۔ ہم ایک ایسی جگہ سے گذرے جہاں کوئی شخص گیت گا رہا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چلو ادھر چلیں! وہاں پہنچ کر آپ نے اس شخص سے کہا: کیا تجھے اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: پھر تجھ میں حس ہی نہیں ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس قدر غور سے نہیں سنتا' جس قدر کہ قرآن کو سنتا ہے، جب کوئی نبی خوش الحانی سے اسے پڑھ رہا ہو۔ (بخاری:٥٠٢٤، مسلم:٧٠٢)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اس قدر غور سے نہیں سنا' جس قدر وہ قرآن کو سنتا ہے، جبکہ کوئی نبی الحان سے اسے پڑھ رہا ہو۔ (بخاری:٧٥٤٤، مسلم:٧٩٢)

مروی ہے کہ جب داؤد علیہ السلام زبور پڑھا کرتے تھے' تو جن وانس پرندے اور وحشی جانور، آپ کی قرأت سنا کرتے تھے اور ان کی مجلس سے چار سو جنازے ان لوگوں کے اٹھتے' جو آپ کی قرأت سن کر جان آفریں کے سپرد کر دیتے۔

ابو موسیٰ اشعری کی آواز:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ

انہیں آل داؤد کی مزامیر میں سے ایک مزمار دی گئی ہے۔ (بخاری:٥٠٤٨، مسلم:٧٩٣)

یعنی انہیں خدا نے عمدہ آواز دی ہے۔

معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سنیں گے' تو میں اسے خوب عمدہ طریقہ پر سنوار کر پڑھتا۔ (بیهقی:٢٦٠٤)

ایک خوش الحان غلام کا قصہ:

ابو بکر محمد بن داؤد الدینوری الرقی سے مروی ہے کہ میں جنگل میں تھا۔ پھر ایک عرب قبیلہ کے ہاں آیا اور ان میں سے ایک شخص نے مجھے اپنے ہاں مہمان ٹھہرالیا۔ وہاں میں نے ایک سیاہ فام غلام کو مقید دیکھا اور دیکھا کہ گھر کے صحن میں

کچھ اونٹ مرے پڑے ہیں۔ غلام نے مجھ سے کہا: آپ آج رات یہاں مہمان ہیں اور میرا آقا آپ کی عزت کرتا ہے۔ لہٰذا آپ میری سفارش کیجئے، کیونکہ وہ آپ کی سفارش رد نہیں کرے گا، میں نے اپنے میزبان سے کہا: میں آپ کا کھانا اس وقت تک نہ کھاؤں گا، جب تک کہ آپ اس غلام کو کھول نہ دیں گے۔

میزبان نے کہا: اس غلام نے مجھے فقیر کر دیا ہے اور میرا مال تباہ کر دیا ہے۔ میں نے پوچھا: اس نے کیا کیا ہے؟ میزبان نے جواب دیا: اس کی آواز بہت عمدہ ہے اور میں ان اونٹوں کی بار برداری پر زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے ان پر بھاری بوجھ لاد دیا اور حدی گاتا رہا، یہاں تک کہ ان اونٹوں نے ایک دن میں تین دن کی مسافت طے کر لی اور جب بوجھ اتارے گئے' تو سب کے سب اونٹ مر گئے، مگر آپ کی خاطر میں نے اسے معاف کر دیا۔

اس کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ جب صبح ہوئی' تو خواہش ہوئی اس کی آواز سنوں، مہمان نے اس سے درخواست کی، میزبان نے غلام سے کہا کہ اس اونٹ کی حدی خوانی کرے، جو کنویں سے پانی نکالنے کے لئے رہٹ چلا رہا تھا۔ جب غلام نے حدی گایا' تو اونٹ نے سرگرداں ہو کر رسیاں کاٹ ڈالیں۔ مجھے خیال نہیں کہ میں نے اس سے بہتر آواز کبھی سنی ہو اور میں منہ کے بل گر گیا۔ میزبان نے غلام کو چپ ہو جانے کو کہا۔

ابو عمرو الانماطی سے مروی ہے کہ کسی نے جنید سے سوال کیا کہ کیا بات ہے کہ انسان پر سکون ہوتا ہے، مگر جب سماع سنتا ہے' تو بے قرار ہو جاتا ہے؟

زاہدوں کے لیے سماع مباح ہے:

جنید نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے پہلے میثاق کے وقت ذریت آدم کو مخاطب کر کے کہا

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ (الاعراف: ۱۷۳) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔

انہوں نے جواب میں بلیٰ (کیوں نہیں) کہا' تو اللہ کے کلام کی مٹھاس نے تمام ارواح کو نکال لیا اور جب انہوں نے سماع سنا' تو اس کے ذکر نے انہیں حرکت دی۔

سماع عوام کے لئے حرام ہے:

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ سماع عوام کے لئے حرام ہے۔ اس لئے کہ ان کے نفوس اپنی حالت پر باقی رہتے ہیں، زاہدوں کے لئے مباح و جائز ہے۔ کیونکہ انہیں مجاہدات حاصل ہیں اور ہمارے مریدوں کے لئے مستحب ہے کہ ان کے دل زندہ ہوں۔

سماع کے متعلق صوفیاء کے قول:

تین مفید چیزیں:

① حارث بن اسد محاسبی سے مروی ہے کہ اگر تین چیزیں حاصل ہو جائیں' تو ان سے فائدہ ہوتا ہے، مگر ہمیں نہیں ملیں:

(۱) خوبصورت چہرہ جس کے ساتھ پاک دامنی بھی ہو۔

(۲) اچھی آواز جس کے ساتھ دینداری بھی ہو۔

(۳) اچھی دوستی جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

اچھی آواز اللہ کی طرف سے ودیعت ہے:

② ذوالنون مصری سے اچھی آواز کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا: یہ تو مخاطبات اور اشارات ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ ہر طیب مرد اور ہر طیب عورت میں ودیعت کر دیتا ہے۔

ایک بار ان سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والی ایک کیفیت ہے، جو دلوں کو بے چین کر کے حق تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔ چنانچہ جو حق طریقہ پر اس کی طرف کان لگاتا ہے وہ حق کو پاتا ہے، جو اپنے نفس سے اس کی طرف کان لگاتا ہے، وہ زندیق ہو جاتا ہے۔

فقراء پر رحمت کے مواقع:

③ جعفر بن نصیر نے جنید سے حکایت بیان کی ہے' انہوں نے فرمایا: فقراء پر تین موقعوں پر رحمت نازل ہوتی ہے:

(۱) سماع کے وقت' اس لئے کہ وہ حق طریقہ سے سنتے ہیں اور وجد ہی میں بولتے ہیں۔

(۲) کھانا کھاتے وقت' کیونکہ یہ بغیر فاقے کے نہیں کھاتے۔

(۳) علمی مقابلے کے وقت' کیونکہ وہ صرف اولیاء اللہ کی صفات بیان کرتے ہیں۔

سماع کے لئے تین چیزیں:

④ ممشاد الدینوری فرماتے تھے کہ میں نے جنید کو فرماتے سنا: جس نے تکلفاً سماع کو چاہا' اس کے لیے یہ فتنہ ہو گا۔ مگر جسے خود بخود یہ چیز حاصل ہو جائے، اس کے لیے سماع راحت ہے۔

یہ بھی منقول ہے کہ جنید نے کہا کہ سماع کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

زبان' مکان اور اخوان۔

سماع عبرت ہے:

⑤ شبلی سے سماع کے بارے میں سوال کیا گیا' تو فرمایا: ظاہر میں تو یہ فتنہ ہے اور باطن میں عبرت۔ لہٰذا جو اس اشارے کو پالے، اس کے لیے عبرت کا سننا جائز ہے، ورنہ اس نے فتنے کو دعوت دی ہے اور مصیبت کو مول لیا ہے۔

⑥ منقول ہے کہ سماع صرف اس شخص کے لئے مناسب ہے' جس کا نفس مر چکا ہو اور دل زندہ ہو۔ لہٰذا اس کا دل مجاہدہ کی تلوار سے ذبح ہوگا اور موافقت احکام کے نور سے زندہ۔

⑦ ابو یعقوب نہرجوری سے سماع کے متعلق دریافت کیا گیا' تو فرمایا: یہ ایک ایسی حالت ہے' جو جلن کی وجہ سے اسرار کا دل کی طرف لوٹ کر آنا ظاہر کرتی ہے۔

⑧ کہا گیا کہ اہل معرفت کے لئے سماع ارواح کو لطف اندوز کرتی ہے۔

⑨ استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ سماع اگر شریعت کے مطابق نہ ہو تو زنگ ہے اور اگر حق کی طرف سے نہ ہو' تو بے وقوفی ہے اور اگر عبرت کی وجہ سے نہ ہو' تو فتنہ ہے۔

سماع کی اقسام:

⑩ کہا جاتا ہے کہ سماع کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے' جس میں علم اور ثبات ہوش دونوں کی شرط ضروری ہے۔ لہٰذا اس قسم کے شخص کے لئے شرط ہے کہ وہ اسماء و صفات کو جانتا ہو، ورنہ وہ کفر محض میں مبتلا ہو جائے گا۔

اور دوسری قسم حال اور کیفیت کی شرط کے ساتھ سماع کی ہے۔ اس قسم کے شخص کے لئے شرط ہے کہ وہ حالت بشری سے فنا ہو چکا ہو اور احکام حقیقت کے ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ حظوظ (نفس) سے آثار سے پاک ہو۔

⑪ احمد بن ابی الحواری سے حکایت کی گئی کہ انہوں نے فرمایا: میں نے ابو سلیمان سے سماع کے بارے میں سوال کیا' تو فرمایا کہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ گانے والے ایک کی بجائے دو ہوں۔

صوفی کی پہچان:

⑫ ابوالحسن نوری سے پوچھا گیا کہ صوفی کون ہے؟ فرمایا: جو سماع سنے اور اسباب کو پسند کرے۔

⑬ ایک دن ابو علی روذباری سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا: کاش کہ ہم اس سے کلیۃً نجات پا لیتے۔

ابو عثمان المغربی سے منقول ہے کہ جس نے سماع کا دعویٰ کیا اور پھر پرندوں کی آواز یا دروازے کے چر چرانے کی آواز' یا ہوا کے چلنے کی آواز کو نہ سنا وہ فقر کا محض مدعی ہے (یعنی حقیقی فقیر نہیں)۔

⑮ ابو الطیب احمد بن مقاتل عسکی، جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ جنید کے مریدوں میں سے ابن زیری ایک فاضل شخص تھے۔ کبھی کبھی سماع کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ اگر انہیں اچھا لگتا، تو اپنی چادر بچھا کر بیٹھ جاتے اور کہتے: صوفی اپنے دل کے ساتھ ہوتا ہے، اگر انہیں سماع اچھا نہ لگتا، تو کہتے: سماع! تو دل والوں کے لئے ہے اور یہ کہہ کر گزر جاتے اور اپنا جوتا لے لیتے۔

⑯ عبداللہ بن عبدالمجید الصوفی سے مروی ہے کہ کسی نے رویم سے سماع کے وقت صوفیاء پر وجد کے طاری ہونے کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ لوگ ان کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہیں، جو اوروں سے بعید اور مخفی ہوتی ہیں اور ان کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتی ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ خوشی کے مارے ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پھر حجاب اس سرور کو منقطع کر دیتا ہے، تو یہ خوشی رونے میں بدل جاتی ہے۔ چنانچہ بعض اپنے کپڑے پھاڑنے لگ جاتے ہیں، بعض چیختے ہیں، بعض روتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔

⑰ عبداللہ بن علی سے مروی ہے کہ حصری اپنے ایک وعظ میں فرما رہے تھے: میں اس سماع کا کیا کروں؟ جو سنانے والے کا سماع منقطع کرنے پر منقطع ہو جائے۔ تمہارا سماع تو مسلسل و متصل ہونا چاہئے، جو منقطع نہ ہو۔

راوی سے مروی ہے کہ حصری نے فرمایا: دائمی پیاس اور دائمی پینا ہونا چاہئے۔ جس قدر زیادہ پیتے جاؤ گے، اسی قدر پیاس بڑھتی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

فَهُمْ فِىْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ۔ (الروم: ۱۵)

کی تفسیر میں مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد سماع ہے، جو حورعین لذیذ آوازوں کے ساتھ سنائیں گی۔

﴿ نحن الخالدات فلا نموت ابداً نحن الناعمات فلا نبوس ابداً ﴾

ہم ہمیشہ زندہ رہنے والیاں ہیں، ہمیں کبھی موت نہ آئے گی۔ ہم نرم و نازک ہیں، ہم پر کبھی سختی نہ آئے گی۔

⑱ مروی ہے کہ سماع (اللہ کی طرف سے) ندا ہوتی ہے اور وجد میں (بندہ کی طرف سے) ارادۃً (اس ندا کی) اجابت ہوتی ہے۔

ابو عثمان مغربی سے مروی ہے کہ اہل حق کے دل حاضر ہوتے ہیں اور ان کے کان کھلے ہوتے ہیں۔

سماع سننے والے کی کیفیتیں:

استاد ابو سہل صعلوکی سے مروی ہے کہ سماع سننے والا، دو کیفیتوں کے درمیان ہوتا ہے:

استتار اور تجلی کے درمیان۔ استتار یعنی پردے میں آ جانے سے دل میں شعلے اٹھتے ہیں اور تجلی سے راحت ہوتی ہے۔ استتار سے مریدوں کی سی حرکات پیدا ہوتی ہیں اور یہ کمزوری اور عاجزی کا مقام ہے اور تجلی سے واصلین کا سکون پیدا ہوتا ہے اور یہ استقامت اور تمکین کا مقام ہے اور بارگاہِ رب العزت کی صفت ہے اور یہاں موارد ہیبت کے تحت مرجھانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوٓا أَنصِتُوا﴾(الاحقاف:۲۹)

جب وہاں پہنچے تو کہا: چپ رہو۔

سماع کی تین قسمیں ہیں:

ابوعثمان حیری سے مروی ہے کہ سماع کی تین قسمیں ہیں:

ایک قسم مریدوں اور مبتدیوں کے لئے ہے، وہ سماع کے ذریعہ احوال شریفہ کو دعوت دیتے ہیں۔ مگر اس میں فتنہ اور ریاکاری کا خطرہ ہوتا ہے۔

دوسری قسم صادقین کے لئے ہے، وہ اس کے ذریعہ اپنے احوال میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ایسا کلام سنتے ہیں، جو ان کے وقت کے مطابق ہو۔

اور تیسری قسم اہل استقامت عارفوں کے لئے ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو ان حرکات وسکون کو جو ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں، اللہ پر ترجیح نہیں دیتے۔

ابوعلی روذباری نے ابوسعید خراز سے روایت کی کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ سماع میں سماع کو سمجھنے کی وجہ سے اپنے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اور حرکات اس پر قابو پا لیتی ہیں، تو اس کی علامت یہ ہے کہ جس مجلس میں وہ وجد میں ہے، وہ خوبصورت بن جائے۔ (چنانچہ سب حاضرین برابر کے وجد کا اثر ہو)۔

شیخ ابوعبدالرحمٰن نے اس حکایت کا ذکر ابوعثمان مغربی سے کیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ تو کمترین درجہ ہے۔ اس کی صحیح نشانی یہ ہے کہ مجلس میں جو صاحب حق باقی رہے، اسے اس کے ساتھ انس محسوس ہو اور جو باطل پرست ہو، اس سے اسے وحشت پیدا ہو۔

سماع کی اقسام:

بندار بن حسین سے مروی ہے کہ سماع کی تین قسمیں ہیں:

بعض اپنی طبیعت کی مناسبت سے سنتے ہیں، بعض حال اور کیفیت کی مناسبت سے سنتے ہیں۔ اور بعض حق کی مناسب

سے سنتے ہیں۔

جو اپنی طبیعت کے موافق سنتے ہیں، اس میں خاص و عام سب شریک ہیں۔ اس لئے کہ یہ انسانی فطرت میں ہے کہ وہ اچھی آواز سے لذت حاصل کرے۔

جو حال و کیفیت کے موافق سنتا ہے، وہ ان کیفیات میں جو اس پر وارد ہوتی ہیں، غور کرتا ہے۔ مثلاً عتاب کا ذکر' خطاب' وصل' جدائی' قرب و بعد' یا کسی ایسی چیز پر افسوس' جو ہاتھ سے نکل گئی ہو' یا آنے والی چیز کا اشتیاق' یا عہد کا پورا کرنا' وعدہ کی تصدیق یا عہد توڑنا یا بے قراری کا ذکر یا اشتیاق یا جدائی کا خوف یا وصال کی خوشی یا بچھڑنے کا ڈر وغیرہ وغیرہ اور جو حق کے مطابق سنتا ہے، وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ کے لئے سنتا ہے اور ان کے سماع میں حصول لذت بشری کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ تو اپنی برائیوں سمیت باقی رہتے ہیں، لہٰذا یہ لوگ از روئے صفاء توحید حق کے ساتھ سماع کرتے ہیں، حظ (نفسانی) کے ساتھ نہیں کرتے۔

سماع کے تین درجے:

منقول ہے کہ اہل سماع کے تین طبقے ہیں:

(ا) ابناء حقائق اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اپنے سماع میں حق سبحانہ سے مخاطب ہوتے ہیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے' جو اللہ تعالیٰ سے اپنے سے مخاطب ہوتے ہیں، ان معانی کی وجہ سے جنہیں وہ سنتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو ان باتوں کا جن کا اشارہ وہ اللہ کی طرف کرتے ہیں' سچائی کے ساتھ مطالبہ کرتے ہیں۔

ایک تیسری قسم ہے اور وہ فقیر مجرد ہے، جس نے دنیا اور آفات سے تعلقات منقطع کر لیا ہے۔ یہ لوگ پاک دلوں سے سماع کرتے ہیں اور یہ لوگ سلامتی کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

کسی نے محمد علی روذباری سے سماع کے متعلق سوال کیا' تو فرمایا: محبوب کے مشاہدہ کی طرف اسرار کا کھل جانا سماع ہے۔

قرآن کے سننے سے انسان میں کیوں حرکت نہیں ہوتی؟

کسی نے خواص سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ انسان قرآن کے علاوہ اور کلام کے سننے سے حرکت میں آتا ہے، مگر قرآن کے سننے سے وہ کیفیت نہیں پاتا؟ جواب دیا: قرآن کا سننا ایسی ٹھوکر ہے' جس کے شدت غلبہ کی وجہ سے کسی کے لئے حرکت کرنا ممکن نہیں اور دوسرے اقوال کے سننے میں راحت ہوتی ہے، لہٰذا اس میں انسان حرکت کرتا ہے۔

جنید سے مروی ہے کہ جب تم کسی مرید کو دیکھو کہ اسے سماع سے محبت ہے' تو سمجھ لو کہ ابھی اس میں باطل کا کچھ حصہ باقی ہے۔

سماع علم ہے:

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ سماع ایک ایسا علم ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رکھا ہے' اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔

احمد بن مقاتل عکی حکایت کرتے ہیں کہ جب ذوالنون مصری بغداد آئے' تو صوفیاء اکھٹے ہو کر ان کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ایک قوال بھی تھا۔ انہوں نے ذوالنون سے کہا کہ وہ قوال کو کچھ گیت گانے کی اجازت دیں، آپ نے اجازت دے دی اور اس نے یہ گیت گانا شروع کیا۔

صغير هواك عذبنى فكيف به اذا احتنكا

وانت جمعت من قلبى هوى قد كان مشتركا

اما ترثى لمكتئب اذا ضحك الخلى بكا

تمہاری معمولی سی محبت نے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اگر مجھ پر غالب آ جائے' تو پھر کیا کیفیت ہو گی؟ تو نے میرے دل کی محبت کو جو دوسروں کے لئے بھی مشترک تھی، اپنے لئے اکھٹا کر لیا۔ کیا تجھے اس غمناک پر رحم نہیں آتا، جو روتا ہے، جبکہ وہ لوگ جو عشق میں مبتلا نہیں ہیں، ہنس سے رہیں۔

احمد سے مروی ہے کہ یہ سن کر ذوالنون مصری اٹھ کھڑے ہوئے اور منہ کے بل گر پڑے، خون ان کے سر سے ٹپک رہا تھا۔ مگر زمین پر نہ گرتا تھا۔ اس کے بعد صوفیاء میں سے ایک شخص نے اٹھ کر بناوٹ کے طور پر وجد کا اظہار کیا۔ ذوالنون مصری نے کہا: الذى يرك حين تقوم۔

اس خدا کو یاد رکھو جب تو کھڑا ہوتا ہے' تو خدا تجھے دیکھتا ہے۔ یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گیا۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ ذوالنون اس شخص سے بلند مرتبہ تھے اور اسے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسے تنبیہ کر دی کہ یہ اس کا مقام نہیں اور وہ شخص بھی انصاف پسند تھا کہ اس نے ان کی بات مان لی اور اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

ابن الجلاء سے مروی ہے کہ مغرب میں دو شیخ تھے، دونوں کے مرید اور شاگرد تھے۔ ان میں سے ایک کا نام جبلہ اور دوسرے کا رزیق تھا۔ ایک بار رزیق اپنے مریدوں سمیت جبلہ کی زیارت کو آیا اور ان کے کسی مرید نے کوئی چیز پڑھی، جسے سن کر جبلہ کے ایک مرید نے چیخ ماری اور مر گیا۔ جب صبح ہوئی تو جبلہ نے رزیق سے کہا: جس شخص نے کل پڑھا تھا، وہ کہاں ہے؟ اسے کچھ پڑھنا چاہئے۔ اس نے کوئی آیت پڑھی' تو جبلہ نے چیخ ماری، جس سے پڑھنے والا مر گیا۔

اس پر جبلہ نے کہا: ایک کے بدلے ایک اور، اور ابتداء کرنے والا زیادہ ظالم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی:

کسی نے ابراہیم مارستانی سے سماع کے وقت حرکت کرنے کے متعلق سوال کیا' تو انہوں نے فرمایا: مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں قصہ بیان کیا' تو بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہو کہ میرے لئے اپنے دل کو پھاڑو اور کپڑوں کو نہ پھاڑو۔

ابو علی مغازلی نے شبلی سے سوال کیا: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے کانوں میں قرآن مجید کی کوئی آیت سنائی دیتی ہے' تو اس کے اثر سے بھی چیزیں چھوڑ دیتا ہوں اور دنیا سے منہ موڑ لیتا ہوں۔ مگر پھر اپنی پہلی حالت اور لوگوں کی طرف لوٹ آتا ہوں؟ شبلی نے جواب دیا: جب اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف کھینچتا ہے' تو یہ اس کی تجھ پر مہربانی اور لطف ہے اور جب تجھے تمہاری پہلی حالت کو لوٹاتا ہے' تو یہ اس کی تم پر شفقت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی طرف توجہ کرنے میں تم صحیح طور پر اپنی قوت و طاقت سے بری نہیں ہوتے۔

احباب کو خطاب:

احمد بن مقاتل العکی سے مروی ہے کہ رمضان میں ایک رات میں شبلی کے ساتھ مسجد میں تھا کہ اور وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں بھی پہلو میں تھا۔ امام نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ﴾ (الاسراء:۸۶)

اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے تم کو بھیجی ہے' اسے واپس لے جائیں۔

یہ آیت سن کر انہوں نے چیخ ماری۔ جس سے میں نے خیال کیا کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔ وہ کانپ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: کیا احباب کو اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے؟ یہی الفاظ بار بار لوٹا رہے تھے۔

جنید سے حکایت کی گئی ہے' وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دن سری کے پاس گیا' تو ان کے پاس ایک شخص کو غشی کی حالت میں دیکھا۔ میں نے اس کا مطلب پوچھا' تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے قرآن مجید کی ایک آیت سنی ہے۔ میں نے کہا کہ وہی آیت دوبارہ پڑھی جائے۔ جب آیت دوبارہ پڑھی گئی' تو وہ شخص ہوش میں آ گیا۔ سری نے مجھ سے پوچھا: تمہیں یہ کیسے معلوم تھا کہ اس طرح وہ ہوش میں آ جائے گا؟ میں نے جواب دیا کہ یعقوب علیہ السلام کی بینائی یوسف علیہ السلام کی قمیص کی وجہ سے جاتی رہی تھی، مگر پھر انہی کی قمیص کی وجہ سے لوٹ آئی۔ سری کو میرا یہ جواب پسند آیا۔

قول:

عبدالواحد بن علوان سے مروی ہے کہ ایک نوجوان جنید کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ جب وہ قرآن سنتا' چیخ مارتا۔ ایک

دن جنید نے اس سے کہا: اگر تو نے پھر ایسا کیا' تو تو میری صحبت میں نہ رہ سکے گا۔ اب اگر کچھ سنتا' تو اس کی حالت بدل جاتی اور اپنے آپ پر قابو رکھتا۔ یہاں تک کہ اس کے بدن کے ہر روئیں سے قطرہ ٹپکتا تھا، پھر ایک دن اس نے ایسی چیخ ماری کہ جان دے دی۔

ابوالسراج سے مروی ہے کہ میرے ایک دوست نے مجھے ابوالحسین دراج سے روایت کرتے ہوئے ایک حکایت بیان کی' وہ کہتے تھے کہ میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی ملاقات کے لیے روانہ ہوا۔ جب ری پہنچا' تو لوگوں سے ان کا گھر دریافت کیا' جس کسی سے پوچھتا وہ یہی کہتا کہ تیرا اس زندیق سے کیا کام؟ لوگوں نے میرا سینہ اس قدر تنگ کر دیا کہ میں نے واپسی کی ٹھان لی اور میں نے رات ایک مسجد میں گزاری۔

پھر میں نے دل میں کہا کہ میں یہاں تو آ گیا ہوں، اب کم از کم ان کی زیارت تو کر لینی چاہیے، میں لوگوں سے دریافت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی مسجد کے پاس پہنچ گیا' وہ محراب میں بیٹھے اپنے سامنے رحل پر قرآن رکھے پڑھ رہے تھے، دیکھا تو بہت خوشنما اور خوشرو انسان تھے، میں نے ان کے قریب پہنچ کر سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: بغداد سے آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں، کہنے لگے: کسی شہر میں اگر کوئی شخص تمہیں یہ کہتا کہ میرے ہاں ٹھہرو میں تمہیں گھر یا لونڈی خرید دوں گا' تو کیا تم میری زیارت سے رک جاتے؟

میں نے عرض کیا: حضرت اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش میں ڈالا ہی نہیں۔ اور اگر ایسا واقعہ پیش آ جاتا' تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا کیا خیال ہوتا؟ پھر فرمایا: کیا تو کوئی قول اچھی طرح ادا کر سکتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں اور میں نے یہ شعر پڑھا:

رایتك تبنی دائبا فی قطیعتی ولو کنت ذا حزم لهدمت ماتبنی

میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تو مسلسل مجھ سے تعلقات منقطع کرنے کی بنا ڈال رہا ہے، اگر تو دانش مند ہوتا' تو اس بنا کو گرا دیتا۔

یہ سن کر یوسف بن حسین نے قرآن بند کر دیا اور رونے لگ گئے، یہاں تک کہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہو گئے، مجھے ان کے زیادہ رونے پر رحم آیا، پھر فرمایا: بیٹا! رے والوں کو یہ کہنے پر ملامت نہ کرو کہ یوسف بن حسین زندیق ہے، میں نماز کے وقت سے قرآن پڑھ رہا ہوں، مگر میری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا۔ لیکن اس شعر کے پڑھنے سے میرے لیے قیامت بپا ہو گئی!

دراج سے مروی ہے کہ میں اور ابن القوطی دونوں بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ پر سے گذر رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت محل ہے اور اس کا ایک جھروکا (کھڑکی) ہے، جہاں ایک آدمی بیٹھا ہے اور سامنے ایک لڑکی گا رہی ہے اور کہہ رہی ہے:

فی سبیل اللہ ودی کان منی لک یبذل

کل یوم تتلون غیر ھذا بک اجمل

میری محبت اللہ کی راہ میں تمہارے لئے صرف کی جاتی ہے، مگر تو ہر روز رنگ بدل رہا ہے' تو اگر کوئی اور طرز اختیار کرتا تو بہتر ہوتا۔

پھر دیکھا تو ایک نوجوان کھڑکی کے نیچے ہاتھ میں چھاگل' لوٹا لیے اور چیتھڑے پہنے سن رہا ہے، پھر کہنے لگا: اری لونڈی! تجھے تمہارے آقا کی زندگی کی قسم! یہ شعر دھراؤ!

کل یوم تتلون غیر ھذا بک اجمل

نوجوان نے پھر کہا: پھر کہو، لونڈی نے شعر دھرایا، فقیر نے کہا: اللہ کی قسم! میں اسی طرح اللہ کے ساتھ رنگ بدلتا ہوں اس پر اس نے ایک آہ بھری اور اس کی روح نکل گئی مجل کے مالک نے لونڈی سے کہا: میں تجھے اللہ کی خاطر آزاد کرتا ہوں۔

بصرہ کے لوگ نکل کر آئے اور اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے دفن کر دیا مجل کے مالک نے اٹھ کر کہا: کیا تم لوگ مجھے نہیں جانتے، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ ہر وہ چیز جو میری ملکیت ہے' اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں، اس کے بعد اس نے ایک تہہ بند باندھا اور ایک چادر اوڑھ لی اور محل کو صدقہ میں دے کر چلا گیا، اس کے بعد نہ اس کی شکل دکھائی دی اور نہ کہیں اس کا نشان ملا۔

یحییٰ بن الرضا العلوی سے مروی ہے کہ ابو سلیمان دمشقی نے ایک گردش کرنے والے کو یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا کہ اے جنگلی شاھترہ' یا سعتر بری! اور وہ غش کھا کر گر گئے، جب وہ ہوش میں آئے' تو ان سے اس کا سبب پوچھا گیا انہوں نے کہا: میں نے یہ سمجھا کہ یہ کہہ رہا ہے اسع تر بری کوشش کرو' تو تم میرے احسان کو دیکھ لو گے۔

عتبۃ الغلام نے کسی شخص کو شعر پڑھتے سنا:

سبحان رب السماء ان المحب لفی عناء

پاک ہے آسمان کا رب، بیشک محبت والا رنج میں ہے۔

تو کہا: تو سچ کہہ رہا ہے۔

ایک اور شخص نے یہی شعر سنا' تو کہا: تو جھوٹ کہہ رہا ہے، ہر ایک نے اپنے اپنے مقام سے یہ شعر سنا۔

اقوال:

ابوالحسن علی بن محمد الصوفی سے مروی ہے کہ کسی نے رویم سے ان مشائخ کے متعلق سوال کیا' جن سے ان کی ملاقات سماع میں ہوئی' تو فرمایا: ان کی مثال اس ریوڑ کی سی ہے' جس میں بھیڑیا گھس جائے۔

ابوسعید خراز سے حکایت ہے کہ میں نے علی بن موفق کو ایک سماع میں دیکھا' وہ کہہ رہے تھے: کھڑا کر دو! لوگوں نے انھیں کھڑا کر دیا' انہوں نے اٹھ کر وجد کا اظہار کیا، پھر کہا: میں پھرتیلا بوڑھا ہوں۔

مروی ہے کہ رقی نے ایک بار ساری رات اس طرح گزاری کہ وہ شعر پڑھتے اور اٹھتے اور گر پڑتے اور لوگ کھڑے رو رہے تھے:

بالله فاردد فواد مكتئب   ليس له من حبيبه خلف

خدا کے لیے اس غمزدہ کا دل واپس کر دو' جس کے لیے محبوب کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

علی بن الحسین بن محمد بن احمد بصرۃ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے کئی سال سہل بن عبداللہ کی خدمت کی۔ مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ذکر قرآن یا کسی اور چیز کے سننے سے ان میں کوئی تغیر پیدا ہوا ہو، جب ان کا آخری وقت آیا' تو کسی نے ان کے سامنے پڑھا:

﴿اَلْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ﴾ (الحدید: ۱۵)

آج تم سے کسی قسم کا تاوان قبول نہ کیا جائے گا۔

تو میں نے دیکھا ان میں تغیر آ گیا اور کانپنے لگ گئے اور قریب تھا کہ گر جائیں، جب ہوش میں آئے' تو میں نے اس کے متعلق دریافت کیا' تو فرمایا: دوست! ہم کمزور ہو گئے۔

ابن سالم سے مروی ہے کہ ایک بار میں نے انھیں دیکھا کہ کسی نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی:

﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ﴾ (الفرقان: ۲۶)

فی الحقیقت اس دن حکومت اللہ کی ہو گی۔

تو ان کا رنگ بدل گیا اور وہ گرنے لگے، جب میں نے اس کا ذکر کیا' تو فرمایا: میں کمزور ہو گیا ہوں۔

یہ اکابر صوفیاء کی حالت تھی کہ ان پر خواہ کس قدر قوی وارد کیوں نہ آتا' وہ خود اس سے زیادہ قوی ہوتے۔

اقوال:

ابوعبدالرحمٰن السلمی سے مروی ہے کہ میں ابوعثمان مغربی کے ہاں گیا' تو ایک شخص کنویں کی چرخی پر کنویں سے پانی

نکال رہا تھا، ابوعثمان نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ (چرخی) کیا کہہ رہی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کہہ رہی ہے اللہ اللہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ناقوس کی آواز سنی تو اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، فرمایا: یہ کہہ رہا ہے **سبحان الله حقا حقا ان المولی صمد یبقی۔**

احمد بن علی الکرخی الوجیہی سے مروی ہے کہ صوفیاء کی ایک جماعت حسن قزاز کے گھر میں جمع تھی اور ان کے ساتھ قوال بھی تھے، قوال لے سے بولتا اور وہ وجد میں آتے، ممشاد دینوری بھی وہاں آ گئے اور وہ خاموش ہو گئے، ممشاد نے فرمایا: اپنا کام جاری رکھو، اگر دنیا بھر کے ملاہی بھی میرے کانوں میں جمع کر دیئے جائیں، تب بھی وہ میرے ارادوں کو اپنی طرف نہیں پھیر سکتے اور نہ مجھے کچھ تسکین دے سکتے ہیں۔

ابوعلی روذباری سے مروی ہے کہ اس معاملہ میں ہم ایسی جگہ پہنچ چکے ہیں، جو تلوار کی دھار کی طرح ہے، اگر اس طرف جھکے تو دوزخ میں گئے۔

خیرالنساج سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو ایک قصہ سنایا، تو ایک نے چیخ ماری، موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈانٹا، اس پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اے موسیٰ! یہ لوگ میری خوشبو سے مہکتے ہیں، میری محبت کا اظہار کرتے ہیں اور میرے وجد سے چلاتے ہیں، لہٰذا تو میرے بندوں کی بات کا برا کیوں مانتا ہے؟

مروی ہے کہ شبلی نے کسی کہنے والے کو سنا کہ کہہ رہا ہے: ایک دانق (دانگ) دس لکڑیاں (خیار)! یہ سن کر آپ نے چیخ ماری اور فرمایا: جب ایک دانگ کے دس خیار ہوں، تو شرار کا کیا حال ہوگا؟

مروی ہے کہ جب جنت میں حورعین گانا گائیں گی، تو اس کے اثر سے درختوں کے پھول آ جائیں گے۔

مروی ہے کہ عون بن عبداللہ کی ایک لونڈی تھی، جس کی سریلی آواز تھی۔ وہ اسے حکم دیتا، تو وہ پرسوز آواز سے گاتی، جس سے سب لوگ رونے لگ جاتے۔

ابوسلیمان دارانی سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا، تو فرمایا کہ ہر وہ دل جو عمدہ آواز کی خواہش رکھتا ہے، کمزور دل ہے اور وہ اپنے دل کا علاج کرنا چاہتا ہے، جس طرح بچے کو جب سلانا چاہتے ہیں، تو اس کا علاج کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد ابوسلیمان نے کہا کہ سریلی آواز دل میں کچھ ڈال نہیں دیتی، وہ تو دل میں جو کچھ ہوتا ہے، اسے حرکت میں لے آتی ہے۔

ابن ابی الحواری سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم! ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ سچ کہتے ہیں۔

جریری سے مروی ہے: تم ربانی بنو، یعنی اللہ کی طرف سے سنو اور اللہ کی مدد کے ساتھ کہو۔

ایک صوفی سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا: یہ بجلیاں ہیں' جو چمک کر بجھ جاتی ہیں اور نور ہیں' جو ظاہر ہوتے ہیں اور پھر چھپ جاتے ہیں، اگر نور والے کے ساتھ ایک لحہ کے لیے بھی رہ جائیں' تو کس قدر عمدہ ہوں گے!

پھر یہ شعر کہنے لگے:

خطرة البرق ابتدى ثم اضمحل　　خطرة فى السر منه خطرت

ای زور لك لو قصد اسرى　　وملم بك لوحقا فعل

راز ہی راز میں محبوب کا خیال اس طرح آیا' جس طرح ابھی چمک کر مدہم پڑ جائے۔ اگر یہ خیال قصداً آیا تھا' تو پھر یہ کس قسم کی زیارت تھی کہ ٹھہرا بھی نہیں اور چل دیا اور یہ اترنے والا کون تھا؟ اگر اس نے درحقیقت ایسا کیا۔

مروی ہے کہ سماع میں ہر عنصر اپنا حصہ حاصل کرتا ہے' آنکھ کو جو حصہ ملتا ہے اس سے آنکھ رونے لگ جاتی ہے' جو زبان کو ملتا ہے اس سے زبان چلانے لگ جاتی ہے، جو ہاتھ کو ملتا ہے' تو ہاتھ اس کی وجہ سے کپڑے پھاڑنے اور تھپڑ مارنے لگتے ہیں اور جو پاؤں کو ملتا ہے' اس سے پاؤں ناچنے لگ جاتے ہیں۔

دانشمند بچہ:

مروی ہے کہ ایک عجمی بادشاہ مرگیا اور اس کے مرنے کے بعد ایک چھوٹا بچہ رہ گیا۔ لوگوں نے اسی کو جانشین بنانا چاہا۔ اور کہنے لگے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ اسے کچھ سمجھ بوجھ بھی ہے' یا نہیں؟ اور سب نے بالاتفاق یہی فیصلہ کیا کہ ایک قوال کو بلا کر اس سے گیت گوائے جائیں۔ اگر اس نے خوب کان لگا کر سنا' تو سمجھ لیں گے کہ یہ بچہ دانشمند ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب قوال نے گیت گایا' تو بچہ ہنس پڑا، یہ سن کر سب نے زمین بوسی کی اور اس کی بیعت کی۔

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ابو عمرو بن نجید اور نصر آبادی اور اس کے طبقہ کے اور لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوئے' تو نصر آبادی نے کہا کہ جب لوگ اکٹھے ہوں گے' تو میں کچھ کہوں گا۔ یہ بہتر ہے کہ ایک شخص بولے اور باقی خاموش رہیں بہ نسبت اس کے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ اس پر ابو عمرو نے کہا: تیس سال غیبت کرتے رہنا اس سے بہتر ہے کہ تو سماع میں ایسی حالت کا اظہار کرے' جو تمہاری حقیقی کیفیت نہیں۔

سماع کی اقسام:

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ سماع کی تین قسمیں ہیں:

(۱) متسمع　　(۲) مستمع　　(۳) سامع۔

متسمع تو اپنے وقت کے ساتھ سنتا ہے اور مستمع حال کے ساتھ اور سامع حق کے ساتھ۔

دقاق اور سماع:

استاد ابو علی دقاق سے کئی بار اس سماع کے سننے کے لیے اجازت کی درخواست کی گئی۔ آپ ہر دفعہ ٹال دیتے اور اس میں یہ اشارہ ہوتا کہ اس سے باز رہنا ہی اچھا ہے، پھر جب کافی عرصہ تک بار بار پوچھا گیا' تو فرمایا: مشائخ سے مروی ہے کہ وہ سماع جو تمہارے دل کو جمع کر کے اللہ کی طرف لے آئے، اس کے سننے میں کوئی حرج نہیں۔

قرب الٰہی کا طریقہ:

سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں نے تجھ میں دس ہزار کان بنائے، تب مل کر تو میرا کلام سن سکا ہے اور دس ہزار زبان دی، تب کہیں جا کر تو مجھے جواب دے سکا۔ مگر تو میرا زیادہ محبوب اور مجھ سے زیادہ قریب اس وقت ہو سکتا ہے، جب محمد ﷺ پر کثرت سے درود بھیجے۔

مروی ہے کہ کسی صوفی نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیشتر لوگوں کو اس میں غلطی ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی مراد سماع سے تھی۔

سماع سے بچنا بہتر ہے:

علی السائح نے ابو الحارث الاولاسی سے روایت کی کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا کہ وہ اولاس میں کسی مکان کی چھت پر ہے اور ایک چھت پر میں ہوں اور ابلیس کے دائیں اور بائیں لوگ ہیں' جنھوں نے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ ابلیس نے ان میں سے ایک جماعت کو کہا: گانا گاؤ۔ انہوں نے گانے گائے، گانا اتنا عمدہ تھا کہ میں بہک گیا۔ اور چاہا کہ اپنے آپ کو چھت پر سے پھینک دوں۔ اس کے بعد شیطان نے کہا: ناچو! سب نے نہایت عمدہ ناچ کیا۔ اس کے بعد ابلیس نے مجھے کہا: اے ابو الحارث! مجھے تو صرف یہی ایک چیز ملی ہے، جس کے ذریعے میں تم لوگوں کے اندر گھس سکتا ہوں۔

محمد بن الحسین نے عبداللہ بن علی سے روایت کی کہ ایک رات میں شبلی کے ساتھ تھا، قوال نے کوئی گانا گایا، جس کے سننے سے شبلی نے چیخ ماری اور بیٹھے بیٹھے وجد میں آ گئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا: اے ابوبکر! جب باقی سب لوگ کھڑے ہیں' تو آپ اکیلے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ اس پر شبلی کھڑے ہو کر وجد میں کہنے لگے:

لی سکرتان وللندمان واحدة شیء خصصت به من بینهم وحدی

ندیم کو ایک مستی ہے اور مجھے دو۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے' جو صرف مجھ ہی کو حاصل ہے۔

منصور بن عبداللہ اصبہانی نے ابوعلی روذ باری سے روایت کی کہ میں ایک محل سے گزرا' تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان پڑا ہوا ہے اوراس کے گرد لوگ جمع ہیں، میں نے جب دریافت کیا' تو معلوم ہوا کہ یہ نوجوان اس محل کے پاس سے گزر رہا تھا، اور ایک لونڈی یہ گا رہی تھی:

کبرت همة عبد طمعت في ان تراكا
او ماحسب لعين ان ترى من قدر رآكا

اس بندے کی ہمت کس قدر بلند ہے' جو تجھے دیکھنے کی خواہش کرتا ہے! کیا آنکھ کے لیے اس قدر کافی نہیں کہ وہ ان لوگوں کو دیکھ لے' جنھوں نے تجھے دیکھا ہے۔

یہ سن کر اس نے آہ بھری اور مر گیا۔

اولیاء اللہ کی کرامتیں

استاد ابوالقاسم سے مروی ہے کہ اولیاء اللہ سے کرامت کا ظاہر ہونا جائز ہے۔ اس کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک امر ہے، جس کا واقع ہونا عقل میں آتا ہے اور اس سے کوئی شرعی اصول نہیں ٹوٹتا۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس طرح بیان کریں کہ اسے کرامت کے پیدا کرنے کی قدرت ہے۔ لہٰذا جب یہ واضح ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔

اور کرامت کا ظاہر ہونا اس شخص کی سچائی کی علامت ہے، جس کے احوال میں یہ ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا جو سچا نہ ہوگا، اس سے اس قسم کی کرامت کا ظاہر ہونا بھی جائز نہیں، اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرامت کی جو شناخت ہمیں بتلائی ہے، تاکہ ہم سچے اور جھوٹے میں فرق کرسکیں، وہ استدلال کے طور پر ایسا امر ہے، جو عقل میں آسکتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے، جب ولی وا یسے امور کے ساتھ مخصوص کردیا جائے، جو مفتری کذاب میں نہیں پائے جاسکتے اور یہی وہ امر ہے، جسے ہم کرامت کہتے ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کرامت ایام تکلیف میں (یعنی اسی دنیا میں) ایک خارق عادت فعل ہو اور ایسے شخص سے صادر ہو، جو ولایت کے ساتھ موصوف ہو، تاکہ اس کی حالت کی اس سے تصدیق ہوسکے۔

کرامت اور معجزہ میں فرق:

اہل حق نے کرامت اور معجزہ میں فرق کرنے پر بحث کی ہے۔ چنانچہ امام ابواسحٰق اسفرائینی سے مروی ہے کہ معجزات انبیاء کے سچے ہونے کی دلیل ہیں اور وہ چیز جو نبوت کی دلیل ہو، غیر نبی کے پاس نہیں ہوسکتی۔ جس طرح کہ عقل محکم، عالم کے عالم ہونے کی دلیل ہے اور وہ غیر عالم میں نہیں پائی جاتی، وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے کرامات ہیں... مثلاً دعا کا قبول ہونا، مگر انبیاء کے معجزہ کی سی چیز کا ان سے واقع ہونا جائز نہیں۔

مگر امام ابوبکر بن فورک سے مروی ہے: معجزات سچائی کی دلیلیں ہوتی ہیں، پھر اگر معجزہ دکھانے والا نبوت کا دعویٰ کرے، تو معجزہ اس کے قول کے سچے ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ ولایت کی طرف اشارہ کرتا ہے، تو معجزہ اس بات کی

دلیل ہے کہ اس شخص کی حالت سچی ہے۔ مگر اس صورت میں اسے کرامت کہا جائے گا، معجزہ نہیں۔ خواہ یہ معجزات کی جنس میں سے ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ نبی اور ولی کے فعل میں فرق ہے۔

ابن فورک سے مروی ہے کہ معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معجزہ کو ظاہر کرنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔ مگر ولی پر یہ واجب ہوتا ہے کہ کرامت کو چھپائے اور اسے پوشیدہ رکھے۔

نبی معجزہ ظاہر کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور قطعی طور پر اس کا ذکر کرتا ہے (کہ یہ اس کا معجزہ ہے)، مگر ولی نہ تو دعویٰ کرتا ہے اور نہ قطعی طور پر اس کا ذکر کرتا ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ صرف دھوکا ہو۔

قاضی ابوبکر اشعری کا بیان:

قاضی ابوبکر اشعری، جو اپنے زمانہ میں اپنے فن میں یکتا تھے، سے مروی ہے کہ معجزات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں اور کرامات اولیاء کے لیے بھی اسی طرح ہوتی ہیں، جس طرح انبیاء کے لیے اولیاء اللہ کے لیے معجزات نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ معجزہ کی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ بھی ہو۔ معجزہ خود بخود معجزہ نہیں کہلا سکتا، اسے معجزہ صرف اس وقت کہا جائے گا، جب اس میں بہت سی صفات پائی جائیں اور اگر کسی ایک شرط میں بھی کوئی خلل پڑ گیا، تو یہ معجزہ نہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ معجزہ ظاہر کرنے والا نبوت کا دعویٰ بھی کرے۔

اور ولی مدعی نبوت نہیں ہوتا، لہٰذا جو بات اس سے ظاہر ہوگی، وہ معجزہ نہ ہوگی۔

اسی قول پر ہمارا اعتماد ہے، بلکہ یہی ہمارا دین ہے، معجزہ کی تمام یا اکثر شرطیں کرامت میں پائی جاتی ہیں، صرف یہی ایک شرط نہیں پائی جاتی (یعنی دعوت نبوت) اور کرامت یقیناً:

(۱) ایک حادث فعل ہے، اس لئے جو فعل قدیم ہوتا ہے، وہ کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا۔

(۲) کرامت خارق عادت ہوتی ہے

(۳) اور تکلیف کے وقت ہوتی ہے

(۴) اور کسی بندے سے اس لئے ظاہر ہوتی ہے کہ اس کی خصوصیت یا فضیلت ظاہر ہوا۔ کبھی تو کرامت ولی کے اختیار اور مطالبہ پر ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اختیار سے ظاہر نہیں ہوتی اور بعض اوقات بغیر اختیار کے ظاہر ہو جاتی ہے۔

ولی لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت نہیں دیتا:

ولی کو اس بات کا حکم نہیں دیا جاتا کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے، لیکن اگر وہ ان لوگوں کے سامنے، جو اس کے اہل ہوں اس قسم کا اظہار کرے، تو جائز ہے۔

کیا ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے کہ وہ ولی ہے:

اہل حق کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ولی کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ ولی ہے یا نہیں؟

ابن فورک کا قول:

امام ابوبکر بن فورک سے مروی ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا جائز نہیں، کیونکہ اگر اسے اپنی ولایت کا علم ہو جائے' تو اس سے خوف جاتا رہے گا اور وہ بے فکر ہو جائے گا۔

ابوعلی دقاق کا قول:

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ولایت کا علم ہونا جائز ہے، ہم اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی ہمارا اعتقاد ہے، مگر یہ تمام اولیاء کے لیے ضروری نہیں کہ ہر ولی کو اس بات کا علم ہو کہ وہ ولی ہے، بعض کو علم ہو سکتا ہے اور بعض کو نہیں، چنانچہ جن کو اس بات کا علم ہو جائے کہ وہ ولی ہیں' یہ ان کی مخصوص کرامت ہو گی۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کرامت ایک ولی سے ظاہر ہو' وہی کرامت ہر ولی سے ظاہر ہو۔ بلکہ اگر دنیا میں ولی سے کوئی کرامت ظاہر نہ ہو' تو اس سے اس کی ولایت میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا۔

انبیاء کا یہ حال نہیں' ان کے لیے معجزات کا ہونا ضروری ہے' اس لیے کہ نبی کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے اور لوگوں کو اس کی سچائی معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سچائی معجزہ کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ ولی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، کیونکہ نہ لوگوں کے لیے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ وہ ولی ہے اور نہ خود ولی کے لیے اپنی ولایت کا علم ضروری ہے۔

اور وہ دس صحابی جنھوں نے رسول ﷺ کی ان خبروں کے متعلق تصدیق کی' جو آپ ﷺ نے انھیں بتلائیں۔ ان کے متعلق رسول ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنتی ہیں' جن لوگوں نے اس امر کو جائز قرار نہیں دیا کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو' اس خیال سے کہ وہ بے خوف ہو جائیں (تو اس میں کوئی بات نہیں)، کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی عاقبت کے بدل جانے سے ڈرتے رہیں۔ لیکن وہ ہیبت خداوندی' عظمت وجلال باری جن کو وہ اپنے دلوں کے اندر چاہتے ہیں' وہ خوف سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔

ولی کو اپنی کرامت سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے:

ولی کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ اپنی کرامت پر نظر رکھے، بعض اوقات اس قسم کی کرامتوں کے ظاہر ہونے سے ان کے یقین میں قوت اور بصیرت زیادہ حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہ انھیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ کرامت (درحقیقت) اللہ کا فضل ہے اور اس سے انھیں اپنے عقائد کے صحیح ہونے کی دلیل مل جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ عقیدہ رکھنا' ولی کے ہاتھوں کرامت کا ظاہر ہونا جائز ہے' واجب ہے۔ یہی عقیدہ جمہور اہل معرفت کا ہے اور چونکہ اس قسم کی روایتیں اور حکایتیں کثرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں، اس لئے اولیاء سے فی الجملہ ان کے ظاہر ہونے کا علم اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ اس سے تمام شکوک اٹھ جاتے ہیں۔ جو شخص ان لوگوں کے درمیان رہے اور ان کی روایات و حکایات متواتر اسے پہنچتی رہیں' اسے اس بات میں قطعاً شبہ نہیں رہتا۔

کرامت پر قرآن مجید سے استدلال:

اس کی دلیل قرآن مجید کی وہ نص ہے' جس کا ذکر سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اَنَا آتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ (النحل: ٤٠)

''میں اسے تمہارے پاس تمہارے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لے آؤں گا''

حالانکہ ان الفاظ کا کہنے والا نبی نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت:

اور یہ صحیح اثر ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران یا سارية الجبل (اے ساریہ! پہاڑ پر چڑھ جا) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی یہ آواز اسی وقت ساریہ کو پہنچا دی۔ یہاں تک کہ انھوں نے اسی وقت پہاڑ کے ان مقامات سے اپنا بچاؤ کر لیا' جہاں دشمن چھپے ہوئے تھے۔

ایک اعتراض:

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان کرامات کا اظہار کیسے جائز ہو سکتا ہے' جن میں رسولوں کے معجزات سے بھی بڑھ کر کرامتیں پائی جاتی ہیں؟ اور کیا اولیاء کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینا جائز ہے؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کرامتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار ہوں گی' کیونکہ جو صادق الاسلام نہ ہوگا، اس سے کرامت ظاہر نہ ہوگی۔ اور جس نبی کے امتی سے کوئی کرامت ظاہر ہوگی، وہ اس نبی کے معجزات میں شمار ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ رسول سچا نہ ہوتا' تو اس کے تابعداروں سے کرامت ظاہر نہ ہوتی۔

لیکن اولیاء کا مرتبہ انبیاء کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور اسی پر سب کا اتفاق ہے۔

ابو یزید بسطامی کا قول:

چنانچہ ابو یزید بسطامی سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا' تو فرمایا: جو کچھ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوا ہے' اس کی مثال

ایک شہد کے مشکیزہ کی ہے، جس سے ایک قطرہ ٹپک جائے، یہ ایک قطرہ اس مرتبہ (، علم) کی مثال ہے' جو تمام اولیاء کو حاصل ہوا اور جو کچھ برتن کے اندر ہے' وہ ہمارے نبی ﷺ کی مثال ہے۔

کرامات کا ظہور:

یہ کرامتیں کبھی تو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہیں کہ کسی ولی کی دعا قبول ہو جاتی ہے، کبھی اس طرح کہ فاقہ کے وقت بغیر کسی ظاہری سبب کے کھانا موجود ہو جائے' یا پیاس کے وقت پانی حاصل ہو جائے' یا تھوڑی سی مدت میں لمبی مسافت کا طے کرنا آسان ہو جائے' یا دشمن سے نجات مل جائے' یا کسی ہاتف کے ذریعہ خطاب کیا جائے ...وغیرہ وغیرہ ایسے امور خلاف عادت ہیں۔

آج کل اللہ کی بہت سی قدرتیں جو ظاہر ہوتی ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولی کی کرامت کے طور پر ظاہر نہیں ہو سکتیں اور ان کا علم ہمیں ضروری طور پر یا بطور شبہ ضروری حاصل ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں کہ کوئی انسان بغیر والدین کے پیدا ہو جائے' یا جمادات میں سے کوئی چیز چوپایہ بن جائے ...وغیرہ وغیرہ۔

ولی کے معنی:

اگر کوئی سوال کرے کہ ولی کے کیا معنی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

(۱) یہ کہ یہ لفظ ولیف فعیل کا وزن ہو' جو فاعل میں مبالغہ کے معنی پیدا کرنے کے لیے مستعمل ہے۔ جیسے علیم وقدیر وغیرہ ،اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ولی وہ شخص ہے' جو لگا تار اطاعت خداوندی میں مشغول رہے اور اس دوران میں کسی قسم کی معصیت اس سے سرزد نہ ہو۔

(۲) یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ جیسے قتیل بمعنی مقتول اور جریح معنی مجروح ،اس صورت میں ولی وہ شخص ہے' جس کا اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے ولی بن چکا ہے کہ اس کی حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ''خذلان'' یعنی معصیت کی قدرت پیدا ہی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی توفیق ہمیشہ کے لیے عطا کر دیتا ہے۔ توفیق یہ ہے کہ اسے اطاعت گذاری پر قدرت ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾ (الاعراف:۱۹۶)

''وہ صالحین کا ولی بنتا ہے۔''

کیا ولی معصوم ہوتا ہے؟

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ولی معصوم ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولی انبیاء کی طرح لازمی طور پر معصوم نہیں۔

ہاں یوں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ولیوں کو گناہ سے محفوظ رکھے، یہاں تک کہ ان سے کوئی کمزوری یا غلطی یا لغزش سرزد ہو جائے' تو اس پر ڈٹے نہ رہیں، اس طرح ان کو محفوظ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

کسی نے جنید سے سوال کیا تھا کہ آیا عارف زنا کا مرتکب ہوسکتا ہے' یا نہیں؟

آپ نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور پھر سر اٹھایا کر کہا:

﴿وَكَانَ اَمْرُاللّٰهِ قَدَرًا مَقْدُوْرًا﴾ (الأحزاب:۳۸) اللہ کا حکم تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔

کیا ولی کا خوف جاتا رہتا ہے؟

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ولی سے خوف ساقط ہو جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکابرین اولیاء پر خوف غالب رہتا ہے اور پیشتر جو ذکر کیا گیا کہ شاذونادر خوف زائل ہو جاتا ہے' تو اس کا بھی امکان ہے۔

چنانچہ سری سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی باغ میں جائے۔ جس میں کثرت سے درخت لگے ہوں اور ہر درخت پر پرندے بیٹھے ہوئے واضح الفاظ میں یہ کہہ رہے ہوں:

السلام علیك یا ولی الله تو اس وقت اگر وہ اس بات سے نہیں ڈرے گا کہ یہ مکر ہے' تو یقیناً یہ دھوکا کھا جائے گا۔ اولیاء اللہ کے متعلق اس کی بہت سی حکایتیں ہیں۔

دنیا میں اللہ کا دیدار:

کیا دنیا کے اندر دیدار الٰہی کرامت کے طور پر ہوسکتا ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے کرامت کے طور پر دیدار خداوندی ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں قوی فیصلہ یہی ہے کہ نہیں ہوسکتا۔ اس پر سب کا اتفاق ہو چکا ہے۔

امام ابوبکر بن فورک سے مروی ہے کہ اس مسئلہ میں ابوالحسن اشعری نے کتاب الرویۃ الکبیر میں دو قول نقل کیے ہیں۔

ولی کی ولایت باقی رہتی ہے یا نہیں؟

کیا یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی اس وقت تو ولی ہو مگر بعد میں وہ ایسا نہ رہے؟

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تو ولی ہو، مگر انجام کار وہ بدل جائے اور ولی نہ رہے؟

جواب: جن لوگوں نے ولایت کے لیے حسن موافاۃ (اچھی طرح حق پورا کرنا) کی شرط لگائی ہے، وہ اسے جائز قرار نہیں دیتے کہ ولی کی عاقبت بدل جائے۔ مگر جو یہ کہتے ہیں کہ ولی اس وقت حقیقی مومن ہے، اگرچہ یہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں اس کی حالت بدل جائے' تو کوئی بعید نہیں کہ ایک شخص اس وقت تو سچا ولی ہو اور پھر بدل جائے۔ ہم نے اسی بات کو اختیار کیا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولی کو کرامت کے طور پر اس بات کا علم دیا گیا ہو کہ اس کا انجام بخیر ہوگا اور وہ انجام کار نہیں بدلے گا۔ اس صورت میں یہ مسئلہ اسی قسم کا ہے' جس کا ذکر پہلے کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم ہو جائے۔

فصل:

کیا ولی سے مکر کا خوف زائل ہو جاتا ہے؟

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ولی سے مکر کا خوف زائل ہو جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ولی اپنے مشہود میں متفرق ہو اور اپنی حالت کی وجہ سے اپنے احساس کھو بیٹھا ہو' تو یہ شخص تو غلبۂ حال کی وجہ سے اپنے آپ سے کھویا ہوا ہے اور خوف تو ان لوگوں کی صفت ہے' جن کے احساسات حاضر ہوں۔

فصل:

ہوش کی حالت میں ولی پر کیا کیفیت غالب ہوتی ہے؟

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ہوش میں ہوتے ہوئے ولی پر کیا کیفیت غالب ہوتی ہے؟

جواب: ولی ہوش میں ہونے کی حالت میں صدق دل سے حق سبحانہ کے حقوق ادا کرتا ہے، نیز ہر حالت میں وہ مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتا ہے۔ تمام مخلوق پر وہ اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور اچھے اخلاق کے ساتھ ان کی باتوں وغیرہ وغیرہ کو برداشت کرتا ہے اور بغیر اس کے کہ لوگ اس سے درخواست کریں، وہ خود ہی اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ ان پر اپنا احسان کرے اور تمام ہمت اس میں لگائے رکھتا ہے کہ مخلوق کو نجات حاصل ہو۔

وہ لوگوں سے انتقام نہیں لیتا۔ اور اس بات سے بچتا ہے کہ کہیں اس میں ان سے کینہ رکھنے کا احساس نہ پیدا ہو جائے۔ بایں ہمہ وہ اپنا ہاتھ لوگوں کا مال لینے کے لیے نہیں بڑھاتا اور ہر طریقہ سے لالچ کو ترک کرتا ہے، اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے کہ کہیں انھیں برا نہ کہے اور اپنے نفس کو ان کی برائیاں دیکھنے سے بچاتا ہے اور وہ اس دنیا میں اور آخرت میں کسی سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرتا۔

سب سے بڑی کرامت اللہ کی فرمانبرداری اور گناہ سے بچنا ہے:

اولیاء کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی اطاعت گذاری کی ہمیشہ توفیق دیتا رہے اور معصیت اور خدا کے احکام کی مخالفت سے بچاتا ہے۔

قرآن مجید سے کرامت کی دلیل:

ولیوں سے کرامت کے اظہار کے متعلق جو گواہی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے کہ حق سبحانہ نے مریم علیہا السلام کی صفت

بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے' حالانکہ وہ نہ نبی تھیں' نہ رسول:

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ (آل عمران:۳۷)

زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے پاس بالا خانے میں جاتے' تو ان کے پاس رزق پاتے

زکریا ان سے کہتے ہیں يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا (آل عمران:۳۷)

(یہ تمہارے پاس کیسے آیا)

تو مریم کہتی ہیں هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آل عمران:۳۷) (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے)

کرامت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَهُزِّيْ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ (مریم:۲۵)

''کھجور کے تنے کو اپنی طرف حرکت دو تو تر و تازہ کھجوریں گریں گی۔

حالانکہ یہ تازہ کھجوروں کا زمانہ نہ تھا۔

اسی طرح اصحاب کہف کے قصہ میں بھی کرامت کی دلیل پائی جاتی ہے۔ عجیب و غریب واقعات ان کو پیش آئے' مثلاً کتے کا ان سے کلام کرنا وغیرہ۔ کرامت ہی میں سے ''ذوالقرنین'' کا قصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کام کے کرنے کی قدرت دی' جس کو اور لوگ نہ کر سکے۔

قرآنی دلائل میں سے وہ کرامات بھی ہیں، جو انوکھی باتیں خضر علیہ السلام سے ظاہر ہوئیں' مثلاً دیوار کا کھڑا کر دینا اور عجیب و غریب امور اور یہ کہ وہ ان باتوں کو جانتے تھے' جو موسیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ تھیں۔ یہ سب باتیں خارق عادت باتیں ہیں' جن کے ساتھ خضر علیہ السلام کو خصوصیت حاصل تھی' حالانکہ وہ نبی نہ تھے' صرف ولی تھے۔

کرامات کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں، ان میں ایک حدیث جریج راہب کی ہے' محمد بن سیرین نے ابو ہریرہ سے روایت کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین شخصوں نے اس وقت بات کی جب کہ وہ ابھی بچپن میں تھے۔

عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور جریج کے عہد میں ایک بچے نے' نیز اور ایک بچے نے'

عیسیٰ علیہ السلام کو تو تم لوگ جانتے ہی ہو۔

جریج کا قصہ یہ ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں بڑا عبادت گذار تھا۔ اس کی ایک والدہ موجود تھی۔ ایک دن یہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی والدہ کو اس کا اشتیاق ہوا۔ اس نے اسے آواز دی: اے جریج! اس نے کہا: خدایا! کیا نماز بہتر ہے' یا یہ

بہتر ہے کہ میں ان کے پاس جاؤں؟ پھر نماز پڑھنے لگا۔ والدہ نے پھر بلایا۔ اس نے پھر وہی الفاظ کہے اور پھر نماز پڑھتا رہا۔ اس کی والدہ کو یہ بات ناگوار گذری اور ان نے بددعا کی۔

اے اللہ! اسے مرنے سے پہلے زانیہ عورتوں کے چہرے دکھا دینا، بنی اسرائیل میں ایک زانیہ عورت تھی۔ اس نے کہا: اسے گمراہ کروں گی، یہاں تک کہ یہ زنا کرے۔ چنانچہ وہ آئی۔ مگر اس کو گمراہ نہ کر سکی۔ ایک چرواہا رات کو جریج کے حجرہ کے پاس پناہ لیا کرتا تھا۔ جب جریج کو گمراہ کرنے سے تھک گئی تو اس نے چرواہے کو پھسلا لیا۔ اور اس نے اس کے ساتھ زنا کیا۔ جس سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس عورت نے کہا کہ یہ بچہ جریج کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔

یہ سن کر بنی اسرائیل جریج کے پاس آئے۔ اس کا عبادت خانہ توڑ دیا۔ اور اسے گالیاں دیں۔ اس کے بعد جریج نے نماز پڑھی۔ اور دعا کی اور بچے کو حرکت دی۔

محمد کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اب بھی دیکھ رہا ہوں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا: تمہارا باپ کون ہے؟ بچے نے جواب دیا: چرواہا' اس پر بنی اسرائیل کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور انہوں نے جریج سے معافی چاہی اور کہا: تمہارا عبادت خانہ سونے اور چاندی سے بنا دیتے ہیں، مگر جریج نے قبول نہ کیا اور جیسا پہلے تھا ویسا ہی بنا لیا۔

دوسرے بچے کا یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت ایک شیر خوار بچہ لیے کھڑی تھی کہ ایک خوبصورت اور اچھی وضع قطع کا نوجوان ادھر سے گزرا، عورت نے کہا: یا اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا کر دینا بچہ بولا: خدایا! مجھے اس جیسا نہ کرنا۔

محمد کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں، جب کہ وہ بچے کی بات بیان فرما رہے تھے اور وہ دودھ پی رہا تھا۔ اس واقعہ کے بعد اس عورت کے پاس سے ایک عورت گزری' جس کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ اس نے زنا اور چوری کا ارتکاب کیا اور اسے اس کی سزا دی گئی۔ بچے والی عورت نے کہا: میرے بیٹے کو اس عورت جیسا نہ کرنا، مگر جھٹ سے بچہ بولا: خدایا! مجھے اس جیسا بنانا۔ والدہ نے اس کی وجہ دریافت کی، تو کہا کہ خوبرو نوجوان ایک جابر بادشاہ ہے اور اس عورت کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ اس نے زنا اور چوری کی ہے، مگر اس نے نہ تو زنا کیا ہے اور نہ چوری اور وہ کہتی ہے: میرے لیے اللہ کافی ہے۔ (بخاری: ۳۴۳٦، مسلم: ۲۵۵۰)

یہ روایت حدیث کی صحیح کتابوں میں پائی جاتی ہے، غار والی حدیث میں بھی کرامت کا ذکر ہے، یہ ایک مشہور حدیث ہے جس کا ذکر حدیث کی صحیح کتابوں میں آیا ہے۔

حدیث غار:

سالم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

تم سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں، ان میں سے تین آدمی چلے اور رات کو انہوں نے ایک غار میں پناہ لی اور اس کے اندر چلے گئے۔ قضا کار پہاڑ سے ایک پتھر لڑھک کر غار کے منہ پر آ گیا، جس سے غار کا منہ بند ہو گیا اور انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ تم اس پتھر سے صرف اس طرح نجات پا سکتے ہو کہ تم اپنے صالح اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے بیان کیا۔

میرے بوڑھے والدین تھے، میں ان سے پہلے کسی کو دودھ پینے کو نہ دیتا تھا' نہ گھر والوں کو اور نہ مال کو، ایک دن درختوں کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی اور شام کو گھر واپس آیا' تو وہ دونوں سو چکے تھے۔ میں نے ان کے لیے دودھ دوہیا۔ اور جب لے کر ان کے پاس آیا' تو انھیں سویا ہوا پایا، میں نے ان کو جگانا پسند نہ کیا اور یہ بھی نہ چاہا کہ ان سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو دوں، میں پیالہ لئے کھڑا رہا۔ اور ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا' حتیٰ کہ صبح طلوع ہوئی اور وہ بیدار ہوئے اور انھوں نے دودھ پیا۔ یا اللہ! اگر میں نے یہ فعل تمہاری رضامندی کی خاطر کیا ہے' تو جس مصیبت میں ہم گرفتار ہیں اسے دور کر دے۔ اس سے پتھر اس قدر کھل گیا کہ وہ اس سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔

پھر رسول ﷺ نے فرمایا:

دوسرے نے کہا: خدایا! میری ایک چچا زاد بہن تھی۔ جس سے مجھے بہت محبت تھی۔ میں نے اسے مائل کرنے کی کوشش کی، مگر وہ نہ مانی۔ یہاں تک کہ وہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئی اور وہ میرے پاس آئی' تو میں نے اسے اس شرط پر ایک سو بیس دینار دینے کا وعدہ کیا کہ وہ اپنا نفس میرے حوالے کر دے گی۔ وہ اس پر راضی ہو گئی۔ چنانچہ میں اس پر پورا قادر ہو گیا' تو کہنے لگی: تمہارے لیے جائز نہیں کہ تو حق کے بغیر میری مہر توڑے۔ اس پر میں اس سے جماع کرنے سے باز آ گیا اور اسے چھوڑ دیا، حالانکہ مجھے اس سے محبت بھی تھی اور جو دینار میں نے اسے دیئے تھے، وہ بھی اس کے پاس رہنے دیئے' یا اللہ اگر میں نے یہ فعل تمہاری رضامندی کی خاطر کیا ہے' تو جس مصیبت میں ہم مبتلا ہیں، اس کو دور کر دے۔ پتھر اور کھل گیا، مگر اب بھی وہ اس سے نکل نہ سکتے تھے۔

رسول ﷺ نے فرمایا:

پھر تیسرے نے کہنا شروع کیا: خدایا! میں نے چند مزدوروں سے مزدوری پر کام کروایا۔ اور میں نے ان کی مزدوری انھیں دے دی۔ صرف ایک شخص رہ گیا، وہ اپنا حق چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کی اجرت میرے پاس بڑھتی گئی۔ کچھ مدت کے بعد

وہ میرے پاس آیا اور اپنی اجرت کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا: یہ سب اونٹ' بھیڑ' بکریاں' گائے اور غلام جو تمہیں نظر آ رہے ہیں، تمہارے ہیں۔ اس پر اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھ سے خوش طبعی نہ کرو۔ میں نے کہا: میں تم سے خوش طبعی نہیں کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ سب مال ہانک کر چلا گیا اور کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ خدایا! اگر میں نے یہ کام تمہاری خوشنودی کی خاطر کیا ہے' تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے اور اس پر پتھر ہٹ گیا اور وہ غار سے نکل کر چل پڑے۔

(بخاری: ۲۲۷۲، مسلم: ۲۷۴۳)

یہ ایک صحیح حدیث ہے' جس پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ ان کرامات میں سے وہ حدیث بھی ہے' جس میں نبی ﷺ نے ذکر فرمایا ہے کہ گائے نے ان سے کلام کیا۔

سعید بن المسیب نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ایک بار ایک شخص اپنی گائے لیے جا رہا تھا اور اس پر بوجھ لادے ہوئے تھا۔ یکا یک گائے نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: میں اس کام کے لئے پیدا نہیں کی گئی، میں تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔ یہ سن کر لوگوں نے سبحان اللہ کہا۔

رسول ﷺ نے فرمایا:

''میں' ابوبکر اور عمر سب اس پر ایمان لاتے ہیں۔'' (بخاری: ۴۳۷۱، احمد: ۸۳۴۵)

اسی طرح اویس قرنی والی حدیث ہے اور پھر جو کچھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کے حالات کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد اویس رضی اللہ عنہ کا ہرم بن حیان سے ملاقات کرنا اور ایک دوسرے کو سلام کہنا۔ باوجودیکہ اس سے پہلے وہ ایک دوسرے کو جانتے نہ تھے۔ یہ تمام واقعات عادت کے خلاف ہیں۔ ہم نے اویس رضی اللہ عنہ والی حدیث اس لئے چھوڑ دی کہ یہ بہت مشہور حدیث ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں سے اس قدر کرامتیں ظاہر ہوئیں کہ یہ شہرت کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

کرامات کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ ہم چند کرامتوں کا مختصر طور پر ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ عزوجل

(۱) پہلی کرامت:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں جا رہے تھے۔ راستہ میں انھیں کچھ لوگ ملے' جو شیر کے ڈر سے راستہ میں ٹھہر گئے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے درندے (شیر) کو راستہ سے ہٹا دیا اور فرمایا:

ابن آدم پر ان چیزوں کو مسلط کیا جاتا ہے' جن سے وہ خوف کھاتا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو اس پر کوئی چیز مسلط نہ ہو۔

یہ ایک مشہور روایت ہے۔

(۲) علاء بن حضرمی کی کرامت:

روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے علاء بن حضرمی کو ایک جنگ کے لیے روانہ کیا۔ راستہ میں سمندر کا ایک حصہ آ گیا۔ علاء نے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی اور پانی پر چل کر پار ہو گئے۔

(۳) عتاب بن بشیر اور اسید بن حضیر کی کرامت:

روایت ہے کہ عتاب بن بشیر اور اسید بن حضیر، رسول ﷺ کے پاس سے نکل کر گئے، تو راستہ میں ان کی لاٹھی کا سرا چراغ کی سی روشنی دینے لگا۔

(۴) سلمان اور ابوالدرداء کی کرامت:

روایت ہے کہ سلمان اور ابوالدرداء کے سامنے پیالہ تھا۔ جس نے اللہ کی تسبیح بیان کرنی شروع کر دی اور ان دونوں نے اسے سنا۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

بہت سے پیراگندہ بالوں اور گرد آگرد جسم والے لوگ، جنھوں نے چیتھڑے پہن رکھے ہیں اور جن کو لوگ کسی شمار میں نہیں لاتے، ایسے ہوتے ہیں کہ اگر یہ قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں، تو اللہ تعالیٰ اسے پوری کر دے گا۔ (ترمذی: ۳۸۵٤)

چونکہ یہ روایات مشہور ہیں، اس لئے ہم نے ان کی سندیں نقل نہیں کیں۔

کرامت کے متعلق سہل بن عبداللہ کا قول:

حکایت ہے کہ سہل بن عبداللہ نے فرمایا: جو شخص صدق دل سے دنیا سے روگردانی کرے۔ اس سے کرامت ظاہر ہونے لگتی ہے اور اگر کسی سے ظاہر نہ ہو، تو سمجھ لو کہ اس نے صدق دل سے زہد اختیار نہیں کیا۔

کسی نے سہل سے کہا کہ کرامت کیسی ہوتی ہے؟ فرمایا: جو چاہے، جیسا چاہے، جہاں سے چاہے، لے لے۔

(۵) کرامت:

عمرو بن مرزوق نے عبدالعزیز بن ابی سلمۃ الماجشون سے اور انھوں نے وھب بن کیسان سے وہ ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

ایک بار ایک شخص نے کوئی بات کہی، تو اسے بادلوں کی گرج سنائی دی۔ اور بادلوں سے ایک آواز سنائی دی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو۔ چنانچہ یہ بادل ایک کھلے میدان میں جا کر برسا۔ یہ شخص بادلوں کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کھڑا باغ میں نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ میرا فلاں نام ہے اور اپنا

صحیح نام بتایا۔

اس شخص نے پھر سوال کیا: جب تو باغ کا پھل کاٹتا ہے‘ تو کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا: تو یہ سوال کیوں کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے بادلوں میں سے کسی کو یہ کہتے سنا تھا کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دو۔ اس پر اس نے کہا: اب جب تو نے یہ بات بتائی ہے‘ تو سن لو کہ میں اس باغ کی فصل کے تین حصے کرتا ہوں:

اس میں سے ایک تہائی اپنے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے رکھتا ہوں۔ ایک تہائی باغ کے لیے اور ایک تہائی مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔ (مسلم: ۲۹۸۴)

(۶) سہل بن عبداللہ کی کرامت:

ابو حاتم السجستانی نے ابو نصر السراج سے روایت کی ہم تستر گئے اور وہاں سہل بن عبداللہ کے محل میں ایک مکان دیکھا۔ جسے لوگ ''درندوں'' کا گھر کہا کرتے تھے۔ ہم نے جب اس کے متعلق دریافت کیا‘ تو لوگوں نے بتایا کہ درندے سہل کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ انھیں گھر میں لا کر ان کی ضیافت گوشت سے کرتے اور پھر انھیں چھوڑ دیتے۔

ابو نصر سے مروی ہے کہ اس واقعہ کی سچائی پر اہل تستر کا اتفاق ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔

(۷) ابوالخیر تیناتی کی کرامت:

عبداللہ بن علی الصوفی نے حمزہ بن عبداللہ العلوی سے روایت کی کہ میں ابوالخیر تیناتی کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے دل میں یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ میں صرف سلام کر کے چلا آؤں گا اور ان کے ہاں کھانا نہ کھاؤں گا۔ جب میں ان کے پاس سے چلا آیا اور ابھی تھوڑا سا چلا تھا‘ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پیچھے کھانے کا طبق لیے آرہے ہیں۔

فرمایا: اب جب تم اپنے ارادہ کو پورا کر چکے ہو‘ تو کھانا کھالو۔ ابوالخیر تیناتی کرامات ظاہر کرنے میں مشہور ہیں۔

(۸) ابوالخیر کی ایک اور کرامت:

ابراہیم رقی سے مروی ہے کہ میں سلام کرنے کے لیے ان کے پاس گیا۔ آپ نے مغرب کی نماز ادا کی۔ مگر سورۃ فاتحہ بھی صحیح طور پر نہ پڑھ سکے۔ میں نے دل میں کہا کہ سارا سفر بے سود ہو گیا، جب میں نے سلام پھیرا‘ تو میں قضاء حاجت کے لیے نکلا، ایک شیر میری طرف لپکا‘ تو میں ان کے پاس واپس چلا گیا اور عرض کی کہ ایک شیر میری طرف آرہا ہے۔ آپ نے نکل کر شیر کو آواز دی اور فرمایا: کیا میں نے تجھے یہ کہہ نہیں رکھا ہے کہ میرے مہمانوں کو نہ چھیڑا کر؟

یہ سن کر شیر چلا گیا اور میں نے نجاست دور کر لی۔ جب ان کے پاس واپس آیا‘ تو فرمایا: تم لوگ اپنے ظاہر کو درست

کرنے میں مشغول ہو۔ لہٰذا تم شیر سے ڈرتے ہو اور ہم اپنے دلوں کو درست کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، اس لئے شیر ہم سے ڈرتا ہے۔

(۹) جعفر خلدی کی کرامت:

مروی ہے کہ جعفر خلدی کے پاس ایک نگینہ تھا۔ ایک دن یہ نگینہ دجلہ میں گر پڑا۔ ان کو ایک دعا یاد تھی، جو گم شدہ چیز کو لوٹانے میں تجربہ میں آ چکی تھی۔ انھوں نے دعا پڑھی۔ بالآخر اوراق کو تلاش کرتے کرتے، نگینہ ان کو مل گیا۔

گم شدہ چیز کو لوٹانے کی دعا:

ابونصر السراج سے مروی ہے کہ وہ یہ ہے:

یا جامع الناس لیوم لا رب فیہ اجمع علی ضالتی۔

''اے خدا! جو لوگوں کو اس دن جمع کرے گا، جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں، میری گمشدہ چیز مجھے دے دے۔''

ابونصر سے مروی ہے کہ ابوالطیب علی نے مجھے ایک رسالہ دکھایا، جس میں ان لوگوں کے نام درج تھے، جنھوں نے اس دعا کو کسی گم شدہ چیز کے لیے پڑھا اور وہ چیز مل گئی، یہ رسالہ کئی اوراق پر مشتمل تھا۔

(۱۰) احمد طابرانی سرخسی کی کرامت:

احمد طابرانی سرخسی سے پوچھا گیا کہ آپ سے کوئی کرامت ظاہر ہوئی؟ فرمایا: جس زمانہ میں' میں مرید ہوا۔ اور میرا ابھی ابتدائی زمانہ تھا' تو میں استنجا کے لیے پتھر تلاش کرتا، جب مجھے کچھ نہ ملتا' تو میں ہوا میں سے کچھ پکڑ لیتا، جو ٹھوس چیز بن جاتی اور میں اس سے استنجا کر کے اسے پھینک دیتا۔

پھر فرمایا: کرامت میں کون سی بزرگی پائی جاتی ہے؟ کرامت سے مقصود صرف یہ ہے کہ توحید کے متعلق انسان کا یقین قوی ہو جائے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو موجد نہیں مانتا، اس کے لیے ایک ہی بات ہے' خواہ روزمرہ کی بات لوگوں کو کر کے دکھا دے' یا خارق عادت دکھائے۔

(۱۱) عبادان کے ایک درویش کی کرامت:

ابوالحسن البصری سے مروی ہے کہ عبادان میں ایک سیاہ رنگ کا فقیر تھا، جو کسی ویرانے میں رہا کرتا تھا۔ میں نے اس کے لیے کچھ لیا اور اس کی تلاش میں نکلا، جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو مسکرایا اور زمین کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے جو دیکھا' تو تمام زمین سونے سے چمک رہی ہے' پھر فرمایا: لاؤ' کیا لائے ہو؟ میں نے وہ چیز اسے دے دی اور میں ڈر

کے مارے بھاگ آیا۔

(۱۲) احمد بن عطاء روذباری کی کرامت:

منصور مغربی نے احمد بن عطاء روذباری سے روایت کی کہ میں پاکیزہ رہنے میں مبالغہ سے کام لیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے بہت پانی بہایا اور دل میں بے چینی پیدا ہوئی۔ بے چینی کی وجہ سے دل کو قرار نہ آتا تھا۔ میں نے کہا: خدایا! مجھے معاف کر دو۔ اس پر میں نے غیب سے کسی کو کہتے سنا کہ معافی تو علم میں پائی جاتی ہے (یعنی یہ بزرگ عالم نہ تھے)، یہ سن کر میری بے چینی جاتی رہی۔

منصور مغربی سے مروی ہے کہ اس کے بعد ایک دن میں نے انھیں صحرا میں زمین پر بیٹھے دیکھا۔ جہاں بھیڑ' بکریوں کے نشان تھے۔ اور آپ مصلی کے بغیر بیٹھے ہوئے تھے۔ عرض کیا: جناب! یہاں تو بھیڑ' بکریوں کے نشانات ہیں۔ جواب دیا: اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (یعنی اب اللہ تعالیٰ نے انھیں علم دے دیا تھا، کیونکہ فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جہاں بھیڑ' بکریاں پھرتی رہی ہوں' آیا وہ جگہ پاک ہے' یا ناپاک؟)

(۱۳) ابو سلیمان خواص کی کرامت:

حسین بن احمد الرازی نے ابو سلیمان خواص سے روایت کی کہ ایک دن میں گدھے پر سوار تھا۔ مکھیاں اسے تنگ کر رہی تھیں، مکھیوں کی وجہ سے وہ سر نیچا کر لیتا۔ اس پر میں نے اسے ایک لکڑی سے جو میرے ہاتھ میں تھی، مارنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر گدھے نے اپنا سر اٹھایا اور کہا: مارے جاؤ! تم اپنے ہی سر کو مار رہے ہو۔

حسین سے مروی ہے کہ میں نے ابو سلیمان سے پوچھا: کیا یہ واقعہ تمہارے ساتھ پیش آیا؟ جواب دیا: ہاں۔ بات اسی طرح ہے، جس طرح تم مجھ سے سن رہے ہو۔

(۱۴) ابوالحسن نوری کی کرامت:

ابن عطاء سے روایت ہے کہ میں نے ابوالحسن نوری سے سنا کہ میرے دل میں کرامت کے متعلق کچھ شبہ تھا۔ لہٰذا میں نے بچوں سے ایک بانسری (نے) لی۔ جو دو کشتیوں کے درمیان پڑی ہوئی تھی اور کہا: تمہاری عزت و جلال کی قسم! اگر میرے لیے ایک مچھلی جس کا تین رطل وزن ہو' نہ نکلے گی' تو میں اپنے آپ کو ڈبو دوں گا۔

نوری سے مروی ہے کہ ایک مچھلی نکلی' جس کا تین رطل وزن تھا۔ یہ خبر جب جنید کو پہنچی' تو فرمایا: چاہئے تو یہ تھا کہ سانپ نکلتا اور اسے ڈستا۔

(۱۵) ابو جعفر حداد اور حجام:

جنید کے استاد ابو جعفر حداد سے مروی ہے کہ میں مکہ میں تھا اور میرے بال لمبے ہو گئے تھے۔ میرے پاس قینچی نہ تھی کہ اس سے میں بال کاٹ لیتا۔ لہٰذا میں ایک حجام کے پاس آیا' جس کے متعلق مجھے خیال تھا کہ وہ نیک آدمی ہے اور کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے میرے بال چھوٹے کر دو؟ اس نے کہا: بڑی خوشی سے' اس وقت اس کے سامنے ایک دنیادار شخص بیٹھا تھا، اس نے اسے ہٹا کر مجھے بٹھا لیا اور سر مونڈ دیا۔ اس کے بعد مجھے ایک کاغذ دیا، جس میں چند درہم تھے اور کہا: انھیں اپنی ضرورت کے کاموں میں صرف کرو۔ میں نے یہ درہم لے لئے اور پختہ ارادہ کر لیا کہ اب جو رقم مجھے ملے گی۔ سب سے پہلے میں اسے دوں گا۔

حداد سے مروی ہے کہ میں خانہ کعبہ میں گیا' تو میرا ایک دوست مجھے ملا اور مجھے کہا: تمہارا ایک بھائی تمہارے لئے بصرہ سے ایک تھیلی لایا ہے۔ یہ تھیلی تمہارے کسی دوست نے بھیجی ہے اور اس میں تین سو دینار ہیں۔

حداد سے مروی ہے کہ میں تھیلی لے کر حجام کے پاس گیا اور کہا: یہ تین سو دینار ہیں! آپ لے لیں۔ اپنے کام میں لائیں۔ اس نے جواب میں کہا: اے شیخ! تجھے شرم نہیں آتی؟ تو مجھ سے کہتا ہے کہ اللہ کی خاطر میرے بال مونڈ دو اور پھر میں اس کی اجرت لے لوں۔ واپس چلے جاؤ! خدا تمہیں معاف کرے!

(۱۶) اسحاق بن احمد کی کرامت:

ابو نصر السراج نے سالم سے روایت کی کہ جب اسحٰق بن احمد فوت ہوئے' تو سہل بن عبداللہ ان کے عبادت خانہ میں گئے اور وہاں ایک ٹوکرا پایا، جس میں دو بوتلیں تھیں۔ ایک بوتل میں کوئی سرخ رنگ کی چیز تھی۔ اور دوسری میں سفید رنگ کی اور وہاں ایک ٹکڑا سونے کا اور ایک چاندی کا پایا۔

ابن سالم سے مروی ہے کہ سہل نے دونوں ٹکڑے دجلہ میں پھینک دیئے اور بوتلوں میں جو کچھ تھا، اس میں مٹی ملا دی، حالانکہ اسحٰق کے ذمہ قرض تھا۔

ابن سالم سے مروی ہے کہ میں نے سہل سے پوچھا کہ ان بوتلوں میں کیا تھا؟ فرمایا: ایک تو ایسی چیز تھی کہ اس میں سے ایک درہم بھر تانبے کے کئی مثقالوں پر ڈال دیا جاتا' تو چاندی بن جاتی۔ میں نے سہل سے کہا: کیا حرج تھا؟ اگر اسحٰق اس سے اپنا قرض ادا کر دیتا؟ سہل نے جواب دیا: اے دوست! اسے اپنے ایمان کا ڈر تھا۔

(۱۷) نوری کی کرامت:

حکایت ہے کہ ایک رات نوری نکل کر دریائے دجلہ کے کنارے گئے۔ دیکھا کہ دونوں کنارے ایک دوسرے سے

ملے ہوئے ہیں، لہٰذا یہ واپس چلے آئے اور کہا:

تمہاری عزت وجلال کی قسم! کہ میں دریا کو کشتی کے بغیر عبور نہ کروں گا۔

(۱۸) ابوتراب نخشبی کی کرامت:

محمد بن یوسف بنانے حکایت کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا کہ ابوتراب نخشبی صاحب کرامات تھے، ایک سال میں نے ان کے ساتھ سفر کیا، اس وقت ان کے ہمراہ چالیس آدمی تھے، ایک بار فاقہ کی نوبت آئی' تو ابوتراب راستہ سے ہٹ کر ایک طرف کو گئے اور کیلوں کا ایک خوشہ لے آئے، ہم نے اسے کھالیا، ہم میں سے ایک نوجوان تھا، اس نے نہ کھایا، ابوتراب نے اسے بھی کھانے کو کہا' اس نے کہا: میں نے عہد کرلیا ہے کہ میں معلوم چیزوں کو ترک کردوں گا اور وہ بھی اب میرے لیے معلوم بن گیا ہے' لہٰذا اس کے بعد میں آپ کی صحبت میں نہ رہوں گا۔ ابوتراب نے کہا: جو تمہاری مرضی ہو' کرو۔

(۱۹) ابویزید کے استاد ابوعلی سدی کی کرامت:

ابویزید سے حکایت ہے کہ ان کے استاد ابوعلی سدی ان کے پاس آئے، ابوعلی کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا' جب انہوں نے اسے انڈیلا' تو اس میں سے جواہرات نکلے، ابویزید کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ فرمایا: میں یہاں ایک وادی میں پہنچا' تو وہ چراغ کی طرح چمک رہے تھے، لہٰذا میں نے یہ وہاں سے اٹھالیے، میں نے عرض کیا: جب آپ وادی میں آئے تھے' تو اس وقت آپ کی حالت کیا تھی؟ فرمایا: اس وقت تھوڑی دیر کے لیے میری اپنی حالت منقطع ہو چکی تھی۔

کسی نے ابویزید سے کہا کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ میں پہنچ جاتا ہے' تو فرمایا: شیطان اللہ کی لعنت میں ہوتے ہوئے بھی ایک گھڑی میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔

انہی سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا اور ہوا میں اڑتا ہے' تو فرمایا: پرندے ہوا میں اڑتے ہیں اور مچھلی پانی پر چلتی ہے۔

اعلیٰ کرامت:

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ سب سے بڑی کرامت تو یہ ہے کہ تو اپنے مذموم اخلاق کو بدل دے۔

(۲۰) عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی کرامت:

ابن سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن احمد نامی ایک شخص سہل بن عبداللہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا، ایک دن میں نے ان سے کہا: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز کے لیے وضو کرتا ہوں' تو پانی سونے اور

چاندی کی سلاخیں بن کر میرے سامنے بہتا ہے، یہ سن کر سہل نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ جب بچے روتے ہیں، تو انہیں جھنجھنا دیا جاتا ہے، تاکہ اس میں مشغول رہیں۔

(۲۱) سری سقطی کی کرامت:

جنید سے مروی ہے کہ ایک دن میں سری کے پاس گیا، تو انھوں نے فرمایا کہ ایک چڑیا روزانہ آیا کرتی، میں اس کے لیے روٹی کے ریزے کرتا۔ وہ میرے ہاتھ سے کھایا کرتی۔ ایک بار چڑیا آئی اور میرے ہاتھ پر نہ اتری۔ میں نے اپنے دل میں یاد کیا کہ کیا سبب ہوسکتا ہے؟ مجھے یاد آ گیا کہ میں نے نمک مسالوں کے ساتھ کھایا ہے اور دل میں کہا کہ آئندہ نہ کھاؤں گا اور میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اس پر وہ چڑیا میرے ہاتھ پر آ گئی اور روٹی کھاتی رہی۔

(۲۲) ابوعمر انماطی کے استاد کی کرامت:

ابوعمرو انماطی حکایت کرتے ہیں کہ میں جنگل میں اپنے استاد کے ساتھ تھا کہ بارش آ گئی، ہم چھپنے کے لیے ایک مسجد میں چلے گئے۔ اس کی چھت ٹپک رہی تھی۔ ہم ایک لکڑی لے کر چھت پر چڑھ گئے۔ تاکہ چھت کو درست کریں، مگر لکڑی چھوٹی ہونے کے سبب سے دیوار تک نہ جاتی تھی۔ میرے استاد نے مجھے کہا: اسے کھینچو۔ میں نے کھینچا، تو ادھر سے ادھر تک دیوار پر چڑھ گئی۔

شریعت کے بغیر حقیقت کوئی چیز نہیں:

رقی نے ابوبکر الدقاق سے روایت کی کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل میں سے گذر رہا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ علم حقیقت کچھ اور ہے اور شریعت کچھ اور، اس پر ایک درخت کے نیچے سے آواز آئی: ہر وہ حقیقت، جس کی تائید شریعت سے نہیں ہوتی، کفر ہے۔

(۲۳) خیر نساج کی کرامت:

ایک شخص سے مروی ہے کہ میں خیر نساج کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے شیخ! میں نے کل آپ کو دیکھا کہ آپ نے سوت بیچ کر دو درہم حاصل کیے ہیں اور میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ اور آپ کے تہد سے کھول کر لے گیا۔ اب میرا ہاتھ سکڑ گیا ہے۔ یہ سن کر نساج ہنسے اور اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا، تو وہ کھل گیا۔ پھر فرمایا: جا، جا کر اپنے عیال کے لیے ان درہموں سے کچھ خرید لے اور پھر ایسا نہ کرنا۔

(۲۴) ذوالنون مصری کی کرامت:

احمد بن محمد سلمی سے حکایت ہے کہ میں ایک دن ذوالنون کے پاس آیا، تو دیکھا کہ ان کے سامنے سونے کا طشت ہے

اور اس کے گرد ند (کافور اور کستوری ملی ہوئی خوشبو) اور عنبر کی دھونی دی جا رہی ہے اور مجھے فرمایا: تو بادشاہوں کی خوشی کے وقت ان کے پاس جاتا ہے، پھر انھوں نے مجھے ایک درہم دیا' جسے میں بلخ پہنچنے تک خرچ کرتا رہا۔

(۲۵) ابوسعید خراز کی کرامت:

ابوسعید خراز سے حکایت ہے کہ ایک بار میں سفر میں تھا اور ہر تین دن کے بعد کوئی نہ کوئی چیز مجھے مل جایا کرتی اور میں اسے کھا لیا کرتا اور کچھ طاقت پا لیتا۔ ایک بار تین دن گزر گئے اور کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی، جس کی وجہ سے میں کمزور ہو گیا اور بیٹھ گیا۔ اس پر غیب سے آواز آئی: کیا پسند کرتے ہو؟ اسباب یا قوت؟ میں نے کہا: قوت چاہتا ہوں۔ پھر میں اسی وقت اٹھا اور بارہ دن متواتر چلتا رہا' نہ کوئی چیز کھائی' نہ کمزور ہوا۔

(۲۶) خواص کی کرامت:

مرتعش سے روایت ہے کہ انھوں نے خواص کو فرماتے سنا کہ میں کئی دن جنگل میں حیران و پریشان پھرتا رہا۔ پھر ایک شخص نے آ کر سلام کیا اور کہا: کیا آپ راستہ گم کر چکے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پھر کہا: کیا میں آپ کو راستہ بتا دوں؟ یہ کہہ کر وہ میرے آگے آگے چند قدم چل کر آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ دیکھا تو میں شاہراہ پر تھا۔ اس کے بعد نہ تو میں راستہ سے بھٹکا اور نہ مجھے سفر میں بھوک اور پیاس لگی۔

(۲۷) ابن جلاء کی کرامت:

الرقی نے ابن جلاء سے روایت کی کہ ابن جلاء نے فرمایا کہ جب میرے والد فوت ہوئے' تو تختے پر پڑے پڑے مسکرائے۔ لہٰذا کسی کو انھیں غسل دینے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ کہتے کہ یہ تو زندہ ہیں، یہاں تک کہ ان کے ہم مرتبہ لوگوں میں سے ایک شخص نے آ کر انھیں غسل دیا۔

(۲۸) سہل بن عبداللہ کی کرامت:

طلحہ قصائری سے مروی ہے کہ سہل بن عبداللہ ستر دن تک بغیر کھائے رہ سکتے تھے اور ان کی یہ حالت تھی کہ جب کھانا کھاتے' تو کمزور ہو جاتے اور جب بھوکے رہتے' تو طاقتور ہو جاتے۔

(۲۹) ابوعبید بسری کی کرامت:

ابوعبید کا یہ طریقہ تھا کہ جب رمضان شروع ہو جاتا' تو ایک کمرہ میں گھس جاتے اور اپنی بیوی کو کہتے کہ دروازے پر پلستر کر دو اور ہر رات کھڑکی سے ایک روٹی ڈال دیا کر۔ جب عید کا دن ہوتا' تو دروازہ کھولتے اور ان کی بیوی کمرہ میں جاتیں' دیکھتیں کہ تیس کی تیس روٹیاں ویسی کی ویسی ہی ایک کونہ مین پڑی ہیں۔ انھوں نے نہ کھایا ہوتا' نہ پیا ہوتا اور نہ سوئے

ہوتے اور نہ کوئی رکعت فوت ہوئی ہوتی۔

(۳۰) ابوالحارث کی کرامت:

ابوالحارث الاولاسی سے مروی ہے کہ تیس سال گزر گئے اور اس عرصہ میں میری زبان جو کچھ بھی سنتی' میرے باطن سے سنتی۔ اس کے بعد حالت بدلی' تو تیس سال تک میری یہ حالت رہی کہ میرا باطن جو کچھ بھی سنتا، میرے رب کی طرف سے سنتا۔

(۳۱) سہل بن عبداللہ کی کرامت:

علی بن سالم سے مروی ہے کہ سہل بن عبداللہ آخر عمر میں اپاہج ہو گئے۔ مگر جب نماز کا وقت آتا' تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کھل جاتے تھے اور جب نماز فرض سے فارغ ہوتے' تو پھر اسی طرح اپاہج ہو جاتے۔

(۳۲) ابوعمران واسطی کی کرامت:

ابوعمران سے حکایت ہے کہ ایک بار کشتی ٹوٹ گئی اور میں اور میری بیوی ایک تختہ پر رہ گئے اور میری بیوی کے ہاں اسی حالت میں ایک بچی پیدا ہوئی۔ میری بیوی نے چلا کر کہا: میں پیاس سے مری جاتی ہوں! میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہماری حالت کو دیکھ رہا ہے۔ میں نے جو سر اٹھایا' تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہوا میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک زنجیر ہے اور اس میں سرخ یاقوت کا ایک آبخورہ ہے۔

اس نے کہا: یہ لو' پیو' ابوعمران سے مروی ہے کہ میں نے آبخورہ لیا اور پانی پیا۔ یہ کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار' برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے! اس نے جواب دیا: تمہارے مولا کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ میں نے پھر پوچھا کہ تو اس مرتبہ تک کیسے پہنچا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کی رضامندی کی خاطر اپنی خواہشات کو ترک کیا۔ لہٰذا اس نے مجھے ہوا میں بٹھلا دیا۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا اور میں نے پھر اسے نہیں دیکھا۔

(۳۳) ایک نوجوان کی کرامت:

یوسف بن حسین نے ذوالنون المصری سے روایت کی کہ میں نے ایک نوجوان کو کعبہ کے پاس دیکھا کہ بہت رکوع وسجود کر رہا ہے۔ میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا کہ تو بہت نمازیں پڑھتا ہے۔ اس نے جواب دیا: میں اپنے رب سے واپس جانے کی اجازت ملنے کا منتظر ہوں۔ ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک رقعہ گرا' جس میں لکھا تھا کہ عزیز غفور کی طرف سے میرے سچے بندے کی طرف، واپس چلے جاؤ! تمہارے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف!

(۳۴) ابراہیم خواص کی کرامت:

ایک صوفی سے مروی ہے کہ میں مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی ﷺ میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہم لوگ آیات قرآنی میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے اور ہمارے قریب ہی ایک نابینا سن رہا تھا۔ وہ ہماری طرف آیا اور کہنے لگا کہ تمہارا کلام سن کر بہت انس پیدا ہوا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میرے بچے اور بیوی تھی اور میں بقیع میں جا کر ایندھن اکٹھا کیا کرتا تھا۔ ایک دن جو وہاں گیا' تو ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس نے کتان کی قمیض پہن رکھی ہے اور جوتا انگلی میں ڈالے ہے۔

مجھے خیال ہوا کہ یہ پاگل ہے۔ لہٰذا میں نے اس کے کپڑے چھیننے کا قصد کیا اور کہا: تمام کپڑے اتار دو۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں چلے جاؤ۔ میں نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا' تو اس نے کہا: کیا اس کے بغیر چارہ نہیں؟ میں نے کہا :نہیں۔ اس پر اس نے اپنی دونوں انگلیوں سے میری دونوں آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور میری دونوں آنکھیں گر پڑیں۔ پھر میں نے اسے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہا: ابراہیم خواص!

(۳۵) ایک نوجوان کی کرامت:

ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ ایک بار میں کشتی میں تھا' تو کسی کا کمبل چرا لیا گیا۔ لوگوں نے ایک شخص پر چوری کا الزام لگایا۔ میں نے کہا: مجھے اس سے نرمی سے بات کر لینے دو۔ وہ نوجوان چادر اوڑھے سویا ہوا تھا۔ اس نے اپنا سر چادر سے نکال لیا۔ ذوالنون نے اس سے چوری کے متعلق بات کی۔ اس نے مجھے کہا: کیا تو دیکھتا ہے کہ چوری میں نے کی ہے؟ یاالٰہی! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ جس قدر بھی مچھلیاں ہیں، سب جواہرات لے کر آ جائیں۔

ذوالنون سے مروی ہے کہ ہم نے دیکھا تو سمندر کی سطح پر سب مچھلیاں ہی مچھلیاں تھیں۔ اور ان کے منہ میں جواہر تھے۔ اس کے بعد اس شخص نے اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا اور ساحل تک جا پہنچا۔

(۳۶) ابراہیم خواص کی ایک اور کرامت:

ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ ایک بار میں جنگل میں گیا' تو میں نے ایک عیسائی کو دیکھا کہ اس کی کمر میں زنار ہے، اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے اپنے ساتھ رہنے دوں۔ ہم سات دن تک چلتے رہے، اس کے بعد کہنے لگا: اے راہب اسلام! ہمیں بھوک لگی ہے۔ اب اگر تمہارے پاس کوئی کرامت ہے' تو پیش کرو۔ میں نے کہا: خدایا! مجھے اس کافر کے سامنے رسوا نہ کرنا۔

اچانک ایک طبق جس پر روٹی' بھنا ہوا گوشت' تازہ کھجور اور پانی کا ایک کوزہ تھا، نظر آیا۔ ہم نے کھایا اور پیا اور پھر سات دن تک چلتے رہے۔ اس کے بعد میں نے پہل کی اور کہا: اے عیسائیوں کے راہب! اب جو تمہارے پاس ہے' پیش

کرو، کیونکہ اب تمہاری بھاری ہے۔ اس نے اپنی لاٹھی پر سہارا کر کے دعا کی' تو دو طبق آ گئے، جن پر میرے طبق کے مقابلہ میں دگنی چیزیں تھیں۔

خواص سے مروی ہے کہ مجھے حیرت ہوئی اور میرا رنگ بدل گیا۔ اور میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نے اصرار کیا، میں پھر بھی نہ مانا۔ اس نے کہا: کھاؤ میں تمھیں دو خوشخبریاں سناتا ہوں۔ پہلی یہ کہ میں مسلمان ہوں اور کلمہ شہادت پڑھ کر اس نے زنار کھول دیا اور دوسری خوشخبری یہ ہے کہ میں نے جو دعا مانگی تھی اس میں میں نے یہ کہا تھا کہ یا الٰہی! اگر تیرے ہاں اس شخص کی کوئی قدر و منزلت ہے' تو میرے لیے غیب سے کچھ دے دے، لہٰذا یہ چیزیں دی گئیں۔

خواص سے مروی ہے کہ ہم کھا کر پھر چل پڑے۔ اس نے حج ادا کیا اور ہم ایک سال تک مکہ میں رہے اور اسے بطحاء میں دفن کیا گیا۔

(۳۷) ابراہیم بن ادھم کی کرامت:

محمد بن مبارک صوری سے مروی ہے کہ بیت المقدس جاتے ہوئے میں ابراہیم بن ادھم کے ساتھ تھا۔ ہم نے قیلولہ کے وقت انار کے درخت کے نیچے ڈیرہ ڈالا اور چند رکعتیں ادا کیں، اس کے بعد انار کی جڑ سے مجھے آواز سنائی دی کہ اے ابواسحٰق! مہربانی فرما کر میرا کچھ پھل کھا لو! یہ سن کر ابراہیم نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ اس آواز نے یہی بات تین بار کہی، پھر کہا: اے محمد! میری سفارش کرو' تاکہ یہ میرا تھوڑا سا پھل کھا لیں، اس پر میں نے کہا: اے ابواسحٰق! آپ سن رہے ہیں، چنانچہ آپ نے اٹھ کر دو انار لیے، ایک خود کھایا اور ایک مجھے دیا، میں نے کھایا' تو وہ انار کھٹا تھا اور یہ چھوٹے قد کا تھا، واپسی پر ہم وہاں سے گزرے دیکھا' تو وہ ایک بلند درخت تھا اور اس کے انار میٹھے تھے اور سال میں دو بار پھل آتا تھا' لوگ اسے رمان العابدین (دو عابدوں کا انار کہتے اور عابد لوگ اس کے سایہ میں پناہ لیتے۔)

(۳۸) جابر رحبی کی کرامت:

ابوجعفر الخصاف سے مروی ہے کہ جابر رحبی نے مجھ سے ذکر کیا کہ رحبہ کے رہنے والے میرے سامنے کرامتوں کا انکار کیا کرتے' چنانچہ ایک دن شیر پر سوار ہو کر رحبہ میں پہنچ گیا اور کہا: وہ لوگ کہاں ہیں' جو اولیاء اللہ کو جھٹلاتے ہیں؟ جابر کہتے ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے جھگڑا نہیں کیا۔

(۳۹) ایک نوجوان کی کرامت:

منصور مغربی سے مروی ہے کہ ایک شخص کی ملاقات خضر علیہ السلام سے ہوئی۔ اس نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے سے بڑھ کر کسی شخص کو پایا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں عبدالرزاق بن ہمام' مدینہ میں حدیث کی روایت بیان کیا کرتے تھے

اور لوگ ان کے گرد بیٹھ کر سنا کرتے، ان سے کچھ فاصلہ پر میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اپنے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھا ہے، میں نے اسے کہا: عبدالرزاق، رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روایت کر رہے ہیں، آپ کیوں نہیں سنتے؟ اس نوجوان نے کہا: یہ تو میت سے روایت کر رہے ہیں اور میں اللہ عزوجل سے غائب نہیں ہوں، اس پر میں نے اسے کہا کہ اگر بات اسی طرح ہے، تو بتاؤ میں کون ہوں؟ اس نے سر اٹھا کر کہا: تو میرا بھائی ابوالعباس خضر ہے، مجھے معلوم ہو گیا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں، جنہیں میں نہیں جانتا۔

(۴۰) ابراہیم بن ادھم کے مرید یحییٰ کی کرامت:

مروی ہے کہ ابراہیم بن ادھم کا ایک مرید تھا، جس کا نام یحییٰ تھا، وہ ایک ایسے بالا خانہ میں عبادت کیا کرتا، جس کی کوئی سیڑھی نہ تھی، جب یہ قضاء حاجت کرنا چاہتا، تو اپنے بالا خانہ کے دروازہ پر آ کر کہتا:

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اور ہوا میں سے اس طرح گزر جاتا، جس طرح کہ ایک پرندہ گزر جاتا ہے، جب فارغ ہو جاتا تو پھر

لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتا اور بالا خانہ میں واپس چلا آتا۔

(۴۱) ابوعمر اصطخری کی کرامت:

ابومحمد جعفر الحذاء شیرازی سے مروی ہے کہ میں ابوعمر اصطخری کی اقتداء کیا کرتا تھا، جب کبھی دل میں خیال آتا، تو میں ان کے پاس اصطخر جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ پیشتر اس کے کہ میں سوال کرتا، وہ پہلے ہی مجھے جواب دے دیتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ میں سوال کرتا اور وہ جواب دیتے۔

اس کے بعد میں مشغولیت کی وجہ سے ان کے پاس نہ جا سکتا۔ پھر یوں ہوتا کہ جب کوئی میرے دل میں مسئلہ پیدا ہوتا، وہ اصطخر میں بیٹھے ہی مجھے جواب دے دیتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر میری تمام واردات مجھ سے بیان کر دیتے۔

(۴۲) ایک فقیر کی کرامت:

صوفیاء میں سے کسی ایک سے مروی ہے کہ ایک تاریک گھر میں ایک فقیر مر گیا، جب ہم نے اسے غسل دینا چاہا، ہم نے چراغ ڈھونڈھنے میں بڑی کوشش کی، تو ایک روشندان سے روشنی آئی، جس نے گھر کو روشن کر دیا اور ہم نے اسے غسل دیا۔ جب غسل دے چکے، تو روشنی جاتی رہی، گویا وہاں کبھی روشنی تھی ہی نہیں۔

(۴۳) ایک اور نوجوان کی کرامت:

آدم بن ابی ایاس حکایت کرتے ہیں کہ ہم عسقلان میں تھے، تو ایک نوجوان ہمارے پاس آتا اور ہم سے باتیں کرتا،

جب ہم فارغ ہوتے' تو وہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگ جاتا۔ آدم کہتے ہیں کہ وہ ایک دن آیا اور کہا: میں اسکندریہ جا رہا ہوں، میں اس کے ساتھ نکلا اور چند درہم اسے دیئے، مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اصرار کیا' تو اس نے اپنی چھاگل میں ریت کی ایک مٹھی ڈالی اور سمندر کا پانی لیا اور کہا: کھاؤ میں نے جو دیکھا تو وہ ستو تھے، جن میں خوب شکر ملی ہوئی تھی، پھر کہنے لگا: جس شخص کا اللہ کے ساتھ یہ معاملہ ہو اسے تمہارے درہموں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے:

بحق الهوى يااهل ودى تفهموا　　　لسان وجود بالوجود غريب

حرام على قلب تعرض للهوى　　　يكون لغير الحق فيه نصيب

اے میرے دوستو! تمہیں عشق کی قسم! تم اس وجود کی زبان سمجھو جو اپنے وجود کے ساتھ اجنبی ہے، جو دل عشق کے پیچھے لگ جائے اس کے لیے حرام ہے کہ اس میں اللہ کے سوا کسی اور کا بھی حصہ ہو۔

کسی اور کے یہ اشعار ہیں:

ليس فى القلب والفواد جميعا　　　موضع فارغ يراه الحبيب

هو سؤلى ومنيتى وسرورى　　　وبه ماحييت عيشى يطيب

واذا ما السقام حل بقلبى　　　لم اجد غيره لقسمى طبيب

دل کے اندر کوئی ایسی جگہ نہیں' جسے محبوب اپنے عشق سے خالی دیکھ سکے، وہی میری خواہش' وہی آرزو اور وہی میرا محبوب ہے اور اس کی بدولت جب تک میں زندہ ہوں مجھے زندگی بھلی لگتی ہے اور جب میرا دل بیمار پڑ جائے' تو اس کا معالج بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۴۴) ابراہیم آجری کی کرامت:

ابراہیم آجری سے مروی ہے کہ ایک یہودی کا میرے ذمہ قرض تھا اور اپنے قرض کے مطالبہ کے لیے میرے پاس آیا، اس وقت میں اپنے بھٹے کے پاس بیٹھا اینٹوں کے نیچے آگ جلا رہا تھا، یہودی نے مجھے کہا: ابراہیم! کوئی کرامت دکھاؤ، تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا: کیا تو واقعی ہی مسلمان ہو جائے گا؟ اس نے جواب دیا: میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا: اپنا کپڑا اتار دو، اس نے اتار دیا، میں نے اسے لپیٹا اور اس کے اوپر میں نے اپنا کپڑا لپیٹ دیا اور اسے آگ میں پھینک دیا اور اس کے بعد میں خود بھٹے میں گھس گیا اور آگ کے بیچ میں سے میں نے وہ کپڑا لیا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا' دیکھا تو میرے کپڑے تو ویسے کے ویسے تھے انہیں آگ نے چھوا تک نہ تھا اور اس کے کپڑے جو میرے کپڑوں کے اندر تھے جل کر راکھ ہو گئے، یہ دیکھ کر وہ یہودی اسلام لے آیا۔

(۴۵) حبیب عجمی کی کرامت:

مروی ہے کہ حبیب عجمی ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ یوم الترویہ کو بصرہ میں دیکھے جاتے اور نویں تاریخ یوم عرفہ کو عرفات میں۔

(۴۶) عباس بن مہتدی کی کرامت:

احمد بن محمد بن عبداللہ الفرغانی فرماتے تھے کہ عباس مہتدی نے ایک عورت سے شادی کی، شب زفاف آئی' تو ان کو ندامت ہوئی اور جب اس کے قریب جانے کا ارادہ کیا' تو کسی نے انہیں ڈانٹ کر ہٹا دیا۔ یہ اس سے ہم بستر نہ ہوئے اور نکل آئے، تین دن کے بعد اس کا خاوند آ نکلا۔ استاد سے مروی ہے کہ یہی درحقیقت کرامت ہے، کیونکہ ان کے علم نے انہیں محفوظ رکھا۔

(۴۷) فضیل کی کرامت:

مروی ہے کہ فضیل منیٰ کے کسی پہاڑ پر تھے، انہوں نے فرمایا: اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا ولی پہاڑ کو کہے کہ حرکت میں آ جا' تو یہ ضرور حرکت میں آ جائے گا، بس یہ کہنا ہی تھا کہ پہاڑ حرکت کرنے لگا، آپ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ! میری یہ مراد نہ تھی اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔

(۴۸) ابو عاصم بصری کی کرامت:

عبدالواحد بن زید نے ابو عاصم بصری سے پوچھا کہ جب حجاج نے آپ کو بلایا' تو کیا کہا: فرمایا: اس وقت میں اپنے بالاخانے میں تھا، انہوں نے دستک دی اور اندر آ گئے، مجھے کسی نے دھکا دیا' تو میں مکہ میں ابوقبیس پہاڑ پر تھا، عبدالواحد نے پوچھا: تو کھانا کہاں سے کھاتا تھا؟ تو فرمایا: ایک بڑھیا' وہی دو روٹیاں لیے' جن کو میں بصرہ میں کھایا کرتا تھا، ہر روز افطار کے وقت میری طرف چڑھ کر آتی ہے۔ یہ سن کر عبدالواحد نے کہا: یہ دنیا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابو عاصم کی خدمت کرے۔

(۴۹) عامر بن عبد قیس کی کرامت:

مروی ہے کہ عامر بن عبد قیس اپنا وظیفہ لیتے اور پھر جو شخص انہیں ملتا' اسے اس میں سے کچھ نہ کچھ دیتے اور جب وہ اپنے گھر آتے' تو ان کی طرف وہ دراہم پھینک دیئے جاتے اور یہ اتنے ہی ہوتے جتنے وہ اپنے وظیفہ میں لیے ہوتے، اس میں کچھ کم نہ ہوتا۔

(۵۰) جنید کی کرامت:

ابوعمر الزجاجی سے مروی ہے کہ میں جنید کے پاس گیا اور میرا ارادہ حج کو جانے کا تھا، آپ نے مجھے ایک درہم دیا،

میں نے اسے اپنے تہبند میں باندھ لیا، اس کے بعد میں جس منزل میں پہنچتا' وہاں مجھے رفیق مل جاتے اور مجھے ایک درہم کی بھی ضرورت نہ پڑتی، جب حج کرنے کے بعد بغداد واپس آیا' تو جنید کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے ہاتھ بڑھا کر کہا: لاؤ اس پر میں نے آپ کو وہ درہم دیا' آپ نے پوچھا: کیسے گذری؟ میں نے عرض کیا: اللہ کا حکم ہو کر رہا۔

(۵۱) ذوالنون کی کرامت:

ابوجعفر الاعور حکایت کرتے ہیں کہ میں ذوالنون مصری کے پاس بیٹھا تھا کہ اولیاء اللہ کے لیے چیزوں کی اطاعت کا ذکر چھڑ گیا' ذوالنون نے کہا: یہ بھی اطاعت ہے کہ اگر میں اس چارپائی کو کہوں کہ اس کمرے کے چاروں کونوں میں گھومے اور پھر اپنی جگہ پر لوٹ آئے تو وہ ایسا کرے، چنانچہ چارپائی گھر کے چاروں کونوں میں گھومی اور پھر واپس اپنی جگہ آ گئی۔ وہاں ایک نوجوان تھا' اس نے رونا شروع کر دیا اور وہیں مر گیا۔

(۵۲) واصل احدب کی کرامت:

مروی ہے کہ واصل احدب نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَ فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَ مَاتُوْعَدُوْنَ﴾ (الذاریات: ۲۲)

تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، آسمان میں ہے۔

تو کہنے لگے: میرا رزق آسمان میں ہو اور میں اسے زمین پر ڈھونڈوں؟ چنانچہ ویرانے میں چلے گئے اور دو دن اسی طرح رہے اور کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی' آپ پر یہ بات بہت سخت گذری، جب تیسرا دن ہوا' تو تازہ کھجوروں کا ایک ٹوکرا آ گیا ان کا ایک بھائی بھی تھا' جوان سے بھی تیز نیت والا تھا، وہ بھی آپ کے ساتھ ہو لیا اور ایک کی بجائے دو ٹوکرے ہو گئے' موت تک ان دونوں کا یہی حال رہا۔

(۵۳) ابراہیم بن ادھم کی کرامت:

صوفیاء میں سے کسی سے مروی ہے کہ ابراہیم بن ادھم ایک باغ کی نگرانی کیا کرتے تھے' ایک بار جو میں گیا تو دیکھا کہ وہ سوئے پڑے ہیں اور ایک سانپ اپنے منہ میں نرگس کا گلدستہ لئے انہیں پنکھا کر رہا ہے۔

(۵۴) ایوب سختیانی کی کرامت:

مروی ہے کہ کچھ لوگ ایوب سختیانی کے ساتھ سفر میں تھے' تو انہیں کہیں پانی نہ ملا، ایوب نے کہا: کیا تم میری زندگی بھر پوشیدہ رکھو گے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، اس کے بعد انہوں نے ایک دائرہ کھینچا' تو پانی پھوٹ پڑا اور ہم نے پی لیا۔ راوی کہتا ہے: جب وہ بصرہ پہنچے' تو حماد بن زید نے اس کا ذکر کر دیا' تو عبدالواحد بن زید نے کہا کہ میں بھی اس دن وہاں

موجود تھا۔

(۵۴) ذوالنون کی کرامت:

بکر بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ہم جنگل میں ذوالنون کے ساتھ تھے' تو ہم ببول کے درخت کے نیچے اترے، ہم نے کہا: کیا اچھی جگہ ہے؟ اگر یہاں تازہ کھجوریں ہوتیں! یہ سن کر ذوالنون مسکرائے اور فرمایا: کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ آپ نے درخت کو ہلا کر کہا: تمہیں قسم ہے اس خدا کی جس نے تمہیں درخت بنایا کہ تو ہم پر کھجوریں بکھیر دے، اس کے بعد آپ نے اسے ہلایا' تو تازہ کھجوریں گریں، ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھائیں، پھر جب اٹھے اور درخت کو ہلایا' تو کانٹے گرے۔

(۵۵) ایک نوجوان کی کرامت:

ابوالقاسم بن مروان نہاوندی سے مروی ہے کہ میں اور ابوبکر وراق' ابوسعید ضرار کے ساتھ ساحل سمندر پر صیدا کی طرف جا رہے تھے، ابوسعید نے دور سے ایک شخص کو دیکھا اور فرمایا: بیٹھ جاؤ' ہو نہ ہو یہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت نوجوان آیا، جس کے ہاتھ میں چھاگل اور دوات تھی اور گدڑی پہن رکھی تھی، ابوسعید نے استعجاب کے طور پر اس کی طرف دیکھا کیونکہ اس نے چھاگل کے ساتھ دوات بھی اٹھا رکھی تھی، ابوسعید نے پوچھا: اے نوجوان! اللہ کی طرف جانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس نے جواب دیا: اے ابوسعید! مجھے اللہ کی طرف جانے کے دو راستے معلوم ہیں؛ ایک خاص طریقہ اور دوسرا عام طریقہ۔

عام طریقہ تو وہ ہے کہ جس پر تم چل رہے ہو اور اگر خاص طریقہ چاہتے ہو' تو یہ لو! یہ کہہ کر وہ پانی پر چلنے لگ گیا، یہاں تک کہ ہماری آنکھوں سے غائب ہو گیا، ابوسعید یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

(۵۶) ایک فقیر کی کرامت:

جنید سے مروی ہے کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں گیا اور وہاں فقراء کی جماعت کو دیکھا' جو کرامات پر بحث کر رہے تھے، ان میں سے ایک فقیر نے کہا کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں' جو اگر اس ستون کو کہے کہ آدھا چاندی کا اور آدھا سونے کا ہو جائے' تو ہو جائے گا، جنید کہتے ہیں: میں نے جو دیکھا تو آدھا ستون چاندی کا اور آدھا سونے کا ہو چکا ہے۔

(۵۷) شیبان راعی کی کرامت:

مروی ہے کہ سفیان ثوری اور شیبان راعی' دونوں حج کے لیے روانہ ہوئے' ایک شیر نے ان کا راستہ روک لیا' سفیان نے کہا: شیر کو دیکھ رہے ہو؟ شیبان نے کہا: ڈرو نہیں، شیبان نے شیر کا کان پکڑ کر مروڑا' تو شیر دم ہلانے لگ گیا، یہ

دیکھ کر سفیان نے کہا: یہ کیا شہرت طلبی ہے؟ شیبان نے کہا: اگر شہرت کا ڈر نہ ہوتا' تو میں اس کی پیٹھ پر زاد راہ رکھ کر مکہ تک لے جاتا۔

(۵۸) سری کی کرامت:

مروی ہے کہ جب سری نے تجارت چھوڑ دی' تو ان کی بہن اپنا سوت بیچ کر ان پر خرچ کیا کرتی، ایک دن اسے دیر ہوگئی' سری نے دیر کا سبب پوچھا، بہن نے جواب دیا کہ میرا سوت کسی نے نہیں خریدا، وہ کہتے تھے کہ اس میں ملاوٹ ہے، اس دن سے سری نے اس کا کھانا کھانا چھوڑ دیا، اس کے بعد ایک دن ان کی بہن ان کے پاس آئی' تو ایک بڑھیا عورت کو گھر میں جھاڑو دیتے دیکھا اور دیکھا کہ وہ ہر روز دو روٹیاں سری کے لیے لے آتی ہے، یہ دیکھ کر ان کو بہت رنج ہوا اور اس نے احمد بن حنبل کے پاس جا کر اس کی شکایت کی۔

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر سری سے کیا' تو انہوں نے فرمایا: جب میں نے کھانا چھوڑ دیا' تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے لیے مسخر کر دیا کہ مجھ پر خرچ کرے اور میری خدمت کرے۔

(۵۹) معروف کرخی کی کرامت:

محمد بن منصور الطوسی سے مروی ہے کہ میں ابومحفوظ کرخی کے پاس تھا' تو انہوں نے میرے حق میں دعا کی اور جب دوسرے دن پھر ان کے پاس آیا' تو ان کے چہرے پر نشان تھا، ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے ابومحفوظ! ہم کل آپ کے پاس تھے، اس وقت یہ نشان آپ کے چہرے پر نہ تھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: اپنے مطلب کی بات کرو، یعنی اس سوال کو چھوڑ دو، تمہارا اس سے کوئی مطلب نہیں، اس شخص نے کہا: آپ کو آپ کے معبود کی قسم! ضرور بتلائیں! اس پر انہوں نے فرمایا: کل میں نے یہاں نماز پڑھی اور مجھے خواہش ہوئی کہ خانہ کعبہ کا طواف کروں، لہٰذا مکہ چلا گیا اور وہاں کعبہ کا طواف کیا، پھر میں زمزم کی طرف گیا کہ اس کا پانی پیوں، دروازہ پر پاؤں پھسل گیا اور چہرے پر زخم آ گیا ہے۔

(۶۰) عتبۃ الغلام کی کرامت:

مروی ہے عتبۃ الغلام بیٹھتے' تو فرماتے: اے فاختہ! اگر تو مجھ سے زیادہ اللہ کی اطاعت گذار ہے' تو آ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جا، چنانچہ فاختہ آ کر ان کے ہاتھ پر بیٹھ جایا کرتی۔

(۶۱) ابوعلی رازی کی کرامت:

ابوعلی رازی سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرا گذر فرات پر ہوا، اور میرے دل میں تازہ مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی' فوراً پانی نے ایک مچھلی میری طرف پھینک دی، پھر ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں بھون دیتا

ہوں، میں نے کہا: بہتر! اسے بھون، اور میں نے بیٹھ کر اسے کھایا۔

(۶۲) ابراہیم بن ادھم کی کرامت:

مروی ہے کہ ابراہیم بن ادھم اپنے رفیقوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ انہیں شیر ملا، ساتھیوں نے کہا: اے ابواسحٰق! اس شیر نے ہمارا راستہ روک لیا ہے، ابراہیم نے آ کر اسے کہا: اے شیر! اگر تجھے ہمارے متعلق کوئی حکم دیا گیا ہے' تو کر گذر، ورنہ واپس چلے جاؤ، یہ سن کر شیر واپس چلا گیا اور وہ بھی واپس چلے گئے۔

(۶۳) ابراہیم خواص اور شیر:

حامد اسود سے مروی ہے کہ جنگل میں ابراہیم خواص کے ساتھ تھا، ہم نے رات ایک دوست کے گھر گذاری، اچانک ایک شیر آ گیا اور میں درخت پر چڑھ گیا اور صبح تک وہیں رہا، رات بھر مجھے نیند نہ آئی، مگر ابراہیم خواص سو گئے اور شیر سر سے لے کر پاؤں تک انہیں سونگھتا رہا اور پھر چلا گیا۔

دوسری رات ہم نے بستی میں جا کر ایک مسجد میں گذاری' وہاں ایک مچھر ان کے چہرے پر بیٹھا اور اس نے کاٹا، آپ نے رونا شروع کر دیا، میں نے کہا: عجیب بات ہے! کل تو آپ شیر سے بھی نہیں گھبرائے اور آج آپ نے ایک مچھر سے رونا شروع کر دیا؟ فرمایا: کل ایسی حالت میں تھا جس میں اللہ کے ساتھ ہوتا ہوں' مگر اب جو حالت تھی' تو میں اپنے نفس کے ساتھ تھا۔

(۶۴) عطاء ازرق کی کرامت:

عطاء ازرق سے مروی ہے کہ ان کی بیوی نے انہیں دو درہم دیئے' جو اس نے سوت بیچ کر حاصل کیے تھے اور عطاء کو کہا کہ ان سے آٹا خرید لائیے، جب گھر سے نکلے تو ایک لڑکی کو روتے دیکھا، اس نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی' تو اس نے بتلایا کہ میرے آقا نے مجھے دو درہم کچھ خریدنے کو دیئے تھے اور مجھ سے گر گئے ہیں۔ اب میں ڈرتی ہوں کہ مجھے مارے گا۔

عطاء نے دو درہم اسے دیئے اور چلے گئے اور اپنے ایک دوست کی دکان پر بیٹھے رہے' جو ساگوان کی لکڑی چیر رہا تھا، انہوں نے اس سے تمام حال کہہ سنایا اور یہ بھی بتایا کہ انہیں اپنی بیوی کی بداخلاقی کا ڈر ہے۔ دوست نے کہا: اس تھیلے میں برادہ ڈال لو۔ شاید تمہیں تنور گرم کرنے میں اس سے فائدہ ہو، کیونکہ اس وقت میں کوئی اور مدد نہیں کر سکتا، یہ برادہ اٹھا لائے اور گھر کا دروازہ کھول کر تھیلا وہاں پھینک دیا اور پھر دروازہ بند کر دیا اور خود مسجد میں چلے گئے اور وہاں عشاء کی نماز کے بعد تک ٹھہرے رہے' تاکہ سب گھر والے سو رہیں اور ان کی بیوی ان کے ساتھ زبان درازی نہ کرے' اس نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ روٹی پکا رہی ہیں، اس نے پوچھا کہ یہ روٹی کہاں سے آئی؟ انہوں نے جواب دیا: تھیلے والے

آٹے سے ...! کوئی اور آٹا نہ خریدا کرو' یعنی آٹا بہت عمدہ ہے، اسی قسم کا آٹا لایا کرو۔

اس نے کہا: ان شاء اللہ تعالیٰ! ایسا ہی کروں گا۔

(۶۵) فقیروں کی کرامت:

ابوجعفر برکات سے مروی ہے کہ میں فقراء کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا' مجھے ایک درہم ملا اور چاہا کہ یہ درہم ان فقراء کو دے دوں، پھر دل میں کہا: شاید مجھے اس کی ضرورت پڑ جائے۔ اس لیے فقیروں کو نہ دیا، پھر میری ڈاڑھ میں درد شروع ہوا تو میں نے دانت نکلوا دیا۔ دوسرے میں درد ہوا' اس کو بھی نکلوا دیا، اس کے بعد ھاتف سے آواز آئی کہ اگر تو یہ دینار انہیں نہ دے گا' تو تمہارے منہ میں ایک دانت بھی باقی نہ رہے گا۔

استاد سے مروی ہے کہ یہ ایک بڑی کرامت ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو اللہ خرق عادت کے طور پر بہت سے درہم دے دیتا۔

(۶۶) عامر بن عبد قیس کی کرامت:

ابوسلیمان دارانی سے مروی ہے کہ عامر بن عبد قیس شام کے سفر کو نکلے، ان کے پاس ایک مشکیزہ تھا' جب چاہتے اس میں سے وضو کے لیے پانی نکال لیتے۔

(۶۷) ایک اور کرامت:

عثمان بن ابی عاتکہ سے مروی ہے کہ ہم ایک جنگل میں رومیوں کے علاقے میں تھے' تو والی نے ایک دستہ فوج کسی علاقہ کی طرف روانہ کیا اور ایک متعین دن تک ان کی میعاد مقرر کر دی، وہ کہتے ہیں کہ مقررہ دن آ گیا' فوجی دستہ نہ آیا، ناگاہ ایسے وقت میں جب کہ ابومسلم نیزہ اپنے آگے زمین میں گاڑ کر نماز پڑھ رہا تھا، ایک پرندہ نیزے کے سر پر آ گیا اور کہا: دستہ فوج صحیح سلامت ہے، مال غنیمت حاصل کر چکا ہے اور فلاں دن فلاں وقت میں تمہارے پاس پہنچ جائے گا! ابومسلم نے پرندے سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ خدا تجھ پر رحم کرے! اس نے جواب دیا کہ میں مومنین کے دلوں سے غم دور کرنے والا ہوں! ابومسلم نے جا کر والی کو خبر دی، جب اس کا بتایا ہوا دن آ گیا' تو فوج اسی طرح آ پہنچی جس طرح اس نے کہا تھا۔

(۶۸) ایک آدمی کی کرامت:

صوفیاء میں سے ایک سے مروی ہے کہ ہم کشتی میں تھے، ایک شخص جو ہمارے ساتھ تھا اور بیمار تھا' مر گیا، ہم نے اسکی تجہیز و تکفین کی اور سمندر میں ڈالنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ سمندر خشک ہو گیا اور کشتی نیچے بیٹھ گئی، ہم نے کشتی سے نکل کر اس کے لیے قبر کھودی اور اسے دفن کر دیا، جب دفن کرنے سے فارغ ہو گئے' تو پانی برابر ہو گیا اور کشتی اٹھی اور ہم روانہ ہو گئے۔

(۶۹) حبیب عجمی کی کرامت:

مروی ہے کہ بصرہ میں لوگوں کو فاقہ کشی کی نوبت آئی' تو حبیب عجمی نے کچھ کھانا ادھار خریدا اور مسکینوں پر تقسیم کر دیا، پھر اپنی تھیلی لے کر اپنے سر کے نیچے رکھ لی، جب لوگ تقاضے کے لیے آئے' تو انہوں نے اپنی تھیلی کو کھولا تو وہ درھموں سے بھری پڑی تھی ان سے انہوں نے لوگوں کے قرض ادا کر دیئے۔

(۷۰) ابراہیم بن ادھم کی کرامت:

مروی ہے کہ ابراہیم بن ادھم نے کشتی پر سوار ہونا چاہا' تو کشتی والوں نے کہا: ہم ایک دینار لیے بغیر تمہیں سوار نہ کریں گے، اس پر انہوں نے کنارے پر دو رکعت نماز ادا کی اور کہا: خدایا! یہ لوگ مجھ سے ایک دینار مانگ رہے ہیں اور وہ میرے پاس نہیں ہے، پھر دیکھا کہ ریت دینار ہی دینار بن گئی۔

(۷۱) ابو معاویہ اسود کی کرامت:

ابو معاویہ کے خادم ابو حمزہ نصر بن الفرج سے مروی ہے کہ ابو معاویہ کی بینائی جاتی رہی تھی، مگر جب پڑھنا چاہتے اور قرآن مجید کو کھولتے' تو اللہ تعالیٰ انہیں بینائی دے دیتا تھا اور جب قرآن مجید بند کرتے' تو بینائی جاتی رہتی۔

(۷۲) بشر حافی کی کرامت:

احمد بن ہیثم متطیب فرماتے تھے کہ مجھے بشر حافی نے کہا کہ معروف کرخی سے کہہ دینا کہ میں نماز پڑھنے کے بعد آؤں گا، احمد کہتے ہیں کہ میں نے پیغام پہنچا دیا اور میں نے انتظار کیا، ہم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز بھی پڑھ لی لیکن بشر نہ آئے، میں نے اپنے جی میں کہا: سبحان اللہ! بشر کوئی بات کہیں اور پھر اسے پورا نہ کریں؟ یہ نہیں ہو سکتا، میں نے ان کا انتظار کیا' میں اس وقت مسجد کے گھاٹ پر تھا، کچھ رات گزر جانے کے بعد بشر آئے' ان کے سر پر مصلی تھا اور دجلہ کی طرف بڑھ کر پانی پر چلنے لگے، میں نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا اور ان سے دعا کی درخواست کی، آپ نے میرے حق میں دعا کی اور فرمایا: جو کچھ تم نے دیکھا، اسے چھپائے رکھنا، احمد کہتے ہیں: میں نے اس بات کا ذکر ان کے مرنے کے بعد ہی کیا۔

(۷۳) ایک مجاہد کی کرامت:

قاسم الجرعی سے مروی ہے کہ میں نے ایک شخص کو طواف میں دیکھا اور وہ صرف یہ الفاظ کہہ رہا تھا: خدایا! تو نے سب کی حاجتیں پوری کر دیں، مگر میری حاجت پوری نہ کی، میں نے اس سے کہا: کیا بات ہے کہ تو اس کے سوا کوئی دعا مانگتا ہی نہیں؟ اس نے کہا: میں تجھے بتلاتا ہوں، ہم مختلف شہروں کے سات آدمی تھے اور ہم جہاد کے لیے نکلے، رومیوں نے ہمیں

قید کر لیا اور ہمیں قتل کرنے کے لیے لے گئے، میں نے دیکھا کہ آسمان کے ساتوں دروازے کھل گئے اور ہر دروازے پر ایک حور کھڑی ہے، چنانچہ ہم میں سے ایک کو لے جا کر اس کی گردن اڑا دی گئی، میں نے دیکھا کہ ایک حور اتری، اس کے ہاتھ میں رومال تھا اور اس نے اس شخص کی روح کو لے لیا۔

چنانچہ ایک ایک کر کے چھ آدمیوں کی گردنیں اڑا دی گئیں، رومیوں میں سے ایک شخص نے ان سے مجھے مانگ لیا۔ اور قتل سے بچ گیا، اسی حور نے کہا: اے بدقسمت! کون سی چیز تجھ سے چھوٹ گئی؟ اور آسمان کے دروازے بند ہو گئے؟ بھائی جو رتبہ شہادت مجھ سے جاتا رہا، اس پر افسوس کر رہا ہوں۔

قاسم جرائی فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ شخص ان سب سے افضل تھا، کیونکہ اس نے وہ کچھ دیکھا' جو وہ نہیں دیکھ سکے اور اس نے ان کے شہید ہونے کے بعد اسی شوق میں عمل کیا۔

(۷۴) ابوبکر کتانی کی کرامت:

انہی سے مروی ہے کہ ابوالنجم احمد بن الحسین نے ان سے خورستان میں کہا کہ میں نے ابوبکر کتانی کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں مکہ کی طرف جا رہا تھا اور قحط سالی کا زمانہ تھا' دیکھا کہ ایک بھری ہوئی تھیلی دیناروں سے چمک رہی ہے، میں نے چاہا کہ اسے اٹھا لوں' تاکہ مکہ جا کر اسے فقراء پر تقسیم کر دوں، اس پر ہاتف سے آواز آئی: اگر تو نے اسے لے لیا' تو تمہارا فقر چھین لیا جائے گا۔

(۷۵) ابوتراب نخشبی کی کرامت:

ابوالعباس سے مروی ہے کہ ہم ابوتراب نخشبی کے ساتھ جا رہے تھے کہ آپ راستہ سے ہٹ کر ایک طرف کو ہو لئے، ان کے ایک مرید نے ان سے کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے، آپ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا' تو صاف پانی کا چشمہ زمین سے پھوٹ گیا، اس شخص نے کہا کہ میں چاہتا ہوں پیالہ میں ڈال کر پیؤں، پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور اسے سفید کانچ کا ایک پیالہ پکڑا دیا، یہ پیالہ نہایت ہی خوبصورت تھا۔

اس نے پانی پیا اور ہمیں بھی پلایا اور وہ پیالہ مکہ تک ہمارے ساتھ رہا، ایک دن ابوتراب نے ہم سے کہا: تمہارے ساتھی ان امور کے بارے میں جن سے اللہ اپنے بندوں پر کرم کرتا ہے، کیا کہتے ہیں؟ کہنے لگے: ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جو ان پر ایمان نہ رکھے، ابوتراب نے کہا: جو ان پر ایمان نہ رکھے' وہ کافر ہے، میں نے تم سے یہ سوال کیا ہے کہ جہاں تک تمہیں ان کے حالات کا علم ہے' ان کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں! ابوتراب نے فرمایا: ہاں تمہارے ساتھی کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے دھوکا یا مکر ہے، حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں، دھوکا تو اس صورت میں ہو کہ انسان ان سے

سکون محسوس کرے، مگر جو شخص نہ تو آرزو کرے اور نہ ان سے سکون محسوس کرے، تو یہ ربانی لوگوں کا مرتبہ ہے۔

(۷۶) فتح موصلی کی کرامت:

ابوعبداللہ بن الجلاء سے مروی ہے کہ ہم بغداد میں سری سقطی کے بالاخانہ میں تھے، جب رات گذری تو انہوں نے صاف ستھری قمیص شلوار، چادر اور جوتا پہنا اور اٹھ کر باہر جانے لگے، میں نے کہا: اس وقت کہاں جا رہے ہیں آپ؟ تو جواب دیا کہ فتح موصلی کی عیادت کے لیے جا رہا ہوں، جب بغداد کی سڑکوں پر چل رہے تھے، تو پہرہ داروں نے انہیں پکڑ لیا اور قید کر دیا، جب صبح ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ انہیں بھی مارنے کا حکم دے دیا گیا، جب جلاد نے مارنے کو ہاتھ اٹھایا، تو اس کا ہاتھ رک گیا اور وہ ہاتھ کو نہ ہلا سکا، جلاد کو مارنے کو کہا گیا، تو کہنے لگا کہ میرے سامنے ایک بوڑھا آدمی کھڑا مجھے کہہ رہا ہے کہ اسے نہیں مارنا، لہٰذا میں رک گیا ہوں اور حرکت نہیں کر سکتا، لوگوں نے جب غور کیا کہ وہ کون شخص ہے؟ تو دیکھا فتح موصلی ہے! لہٰذا انہوں نے اسے نہ مارا۔

(۷۷) عبدالواحد بن زید کی کرامت:

سعید بن یحییٰ بصری سے مروی ہے کہ قبیلہ قریش میں سے کچھ لوگ عبدالواحد بن زید کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے، ایک دن انہوں نے آ کر کہا کہ ہمیں تنگی اور محتاجی سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور یہ دعا کی:

اللھم انی اسئلك باسمك المرتفع الذی تکرم به من شئت من اولیائك وتلھمه الصفی من احبابك ان تاتینا برزق من لدنك تقطع به علائق الشیطان من قلوبنا و قلوب اصحابنا ھؤلاء فانت الحنان المنان القدیم الاحسان اللھم الساعة الساعة۔

یا اللہ! میں تم سے اس بلند نام کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں، جس کے ساتھ تو اپنے جس ولی کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے تو اپنے برگزیدہ لوگوں میں ڈال دیتا ہے کہ تو اپنی طرف سے ہمیں رزق بھیج، جس کی وجہ سے ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے دلوں سے شیطانی تعلق منقطع ہو جائے، تو ہی رحم کھانے والا اور احسان کرنے والا ہے، جس کا احسان قدیم سے چلا آ رہا ہے، یا اللہ! اسی وقت ہو اسی وقت ہو۔

وہ کہتے ہیں: میں نے چھت سے کڑکڑاہٹ سنی، اس کے بعد درہم و دینار برسنے لگے، پھر عبدالواحد بن زید نے کہا: اوروں کو چھوڑ کر خدا سے مالداری چاہا کرو۔ چنانچہ انہوں نے وہ درہم و دینار لے لئے اور عبدالواحد نے کچھ نہ لیا۔

(۷۸) ایک صوفی کی کرامت:

ابوعبداللہ محمد بن علی الجوزی بجند نے نیشاپور میں فرمایا، کتانی سے روایت کرتے ہوئے کہ میں نے ایک صوفی کو دیکھا، وہ

ایک اجنبی شخص تھا اور میں اسے پہچانتا نہ تھا، وہ کعبہ کی طرف آیا اور کہا: خدایا! مجھے معلوم ہے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ان کی مراد طواف کرنے والوں سے تھی، جواب آیا کہ رقعہ کی طرف دیکھو' کتانی کہتے ہیں کہ ایک رقعہ ہوا میں اڑا اور پھر غائب ہو گیا۔

(۷۹) بچے کی کرامت:

ابوعبداللہ الجلاء سے مروی ہے کہ ایک دن میری والدہ نے میرے والد سے مچھلی کی خواہش کی، میرے والد بازار گئے، میں ان کے ساتھ تھا، انہوں نے مچھلی خریدی اور ٹھہر گئے کہ کوئی اٹھانے والا مل جائے، آپ نے اپنے سامنے ایک بچے کو ایک اور بچے کے ساتھ کھڑا دیکھا، اس بچے نے کہا: چچا! آپ کسی اٹھانے والے کو دیکھ رہے ہیں۔ میرے والد نے کہا: ہاں۔ بچے نے مچھلی اٹھائی اور ہمارے ساتھ چل پڑا، راستہ میں ہم نے اذان کی آواز سنی بچے نے کہا کہ موذن نے اذان دے دی ہے، میں وضو کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں، اگر آپ راضی ہوں تو بہتر ہے، ورنہ یہ مچھلی لے لیں۔

بچہ مچھلی رکھ کر چلا گیا، میرے والد نے کہا: ہم پر زیادہ حق ہے کہ ہم مچھلی کے بارے میں اللہ پر بھروسہ کریں۔ ہم نے مسجد جا کر نماز پڑھی اور اس بچے نے بھی آ کر نماز پڑھی، جب باہر آئے تو دیکھا کہ مچھلی وہیں پڑی ہے، بچے نے پھر اسے اٹھا لیا اور ہمارے گھر کی طرف چل پڑا، میرے والد نے اس کا ذکر میری والدہ سے کیا، والدہ نے کہا: اسے کہیں کہ یہیں ٹھہرے اور ہمارے ساتھ کھانا کھائے، جب ہم نے اس سے کہا، تو کہنے لگا: میرا تو روزہ ہے، ہم نے کہا: پھر شام کو آ جانا، اس نے کہا کہ ایک بوجھ اٹھانے کے بعد پھر دوبارہ بوجھ نہیں اٹھایا کرتا، لیکن میں مسجد جاؤں گا اور شام تک وہیں رہوں گا، اس کے بعد آپ کے پاس آؤں گا۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا، جب رات ہوئی تو وہ آ گیا اور ہم نے کھانا کھایا، جب ہم فارغ ہوئے تو ہم نے اسے قضاء حاجت کی جگہ بتا دی، پھر ہم نے دیکھا کہ وہ علیحدگی چاہتا ہے' لہٰذا ہم نے اسے ایک کمرے میں رہنے دیا، جب رات گذر گئی تو ہمارے ایک رشتہ دار کی لڑکی خود چل کر آئی، حالانکہ وہ چلنے پھرنے سے عاری تھی، ہم نے اس سے اس کے متعلق پوچھا' تو کہنے لگی: میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ الٰہی اس مہمان کے صدقے تو مجھے صحت دے، چنانچہ میں اٹھ کھڑی ہوئی، میری والدہ کہتی ہیں: ہم بچے کو دیکھنے گئے' مگر وہ کہیں نہ تھا اور دروازے اسی طرح بند تھے، یہ حال دیکھ کر میرے والد نے کہا: بعض چھوٹے بچے ہوتے ہیں اور بعض بڑے۔

(۸۰) عبدالواحد بن زید کی کرامت:

سعید بن یحییٰ بصری سے مروی ہے کہ میں عبدالواحد بن زید کے پاس آیا' تو وہ سائے میں بیٹھے تھے، میں نے کہا کہ اگر آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو رزق دے' تو مجھے امید ہے کہ وہ ضرور ایسا کرے گا، عبدالواحد نے کہا: میرا رب

بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے، اس کے بعد انہوں نے زمین سے کنکریاں اٹھائیں اور کہا: خدایا! اگر تو انہیں سونا بنانا چاہے، تو بنا سکتا ہے، خدا کی قسم وہ کنکریاں ان کے ہاتھ میں سونا بن گئیں، انہوں نے انہیں میری طرف پھینک دیا اور فرمایا: تو انہیں خرچ کر دینا، ان میں کوئی بھلائی نہیں، سوائے ان نیکیوں کے جو آخرت کے لیے کی جائیں۔

(۸۱) ابو یعقوب سوسی کے ایک مرید کی کرامت:

احمد بن منصور سے مروی ہے کہ مجھے میرے استاد ابو یعقوب سوسی نے بتلایا کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا، تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، حالانکہ وہ تختہ پر پڑا تھا، میں نے کہا: بیٹا! میرا ہاتھ چھوڑ دے! میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں ہے، یہ موت تو ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہونے کا نام ہے، اس پر اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

(۸۲) ابراہیم بن شیبان کے مرید کی کرامت:

ابوبکر احمد بن محمد الطرسوسی سے مروی ہے کہ ابراہیم بن شیبان نے کہا کہ ایک ارادت مند مرید میری صحبت میں رہا، وہ مر گیا، مجھے اس کا بہت غم ہوا، میں خود اس کو غسل دینے لگا، مگر جب اس کے ہاتھ دھونے لگا تو دہشت کے مارے بجائے اس کے دائیں سے شروع کرتا، میں نے بائیں ہاتھ سے شروع کیا، مگر اس نے بایاں ہاتھ چھڑا کر دایاں ہاتھ پکڑا دیا، اس پر میں نے کہا: تو سچا ہے! مجھ سے غلطی ہوئی۔

(۸۳) ابو یعقوب سوسی کے ایک اور مرید کی کرامت:

احمد بن منصور سے مروی ہے کہ میں نے ابو یعقوب سوسی سے سنا کہ ایک مرید میرے پاس آیا اور کہا: اے استاد! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا، یہ دینار لے لیں، آدھے سے قبر کھدوائیں اور آدھے سے کفن پہنائیں، چنانچہ جب دوسرا دن ہوا، اس نے آ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر دور ہٹ کر مر گیا، میں نے اسے غسل دیا اور کفن پہنایا اور لحد میں رکھ دیا، تو اس نے آنکھیں کھولیں: میں نے کہا: کیا موت کے بعد زندگی؟ اس نے جواب دیا: میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر محب زندہ ہے۔

(۸۴) سہل بن عبداللہ کی کرامت:

ابوعلی بن وصیف مودب سے مروی ہے کہ ایک دن سہل بن عبداللہ نے ذکر الٰہی پر وعظ فرمایا اور فرمایا کہ حقیقی ذاکر اگر مردوں کو زندہ کرنا چاہے، تو زندہ کر سکتا ہے، اس وقت اس کے سامنے ایک بیمار تھا، آپ نے اپنا ہاتھ پھیرا اور وہ تندرست ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

(۸۵) عمرو بن عتبہ کی کرامت:

بشر بن حارث سے مروی ہے کہ عمرو بن عتبہ جب نماز پڑھا کرتے، تو بادل ان کے سر پر ہوتے اور شیر ان کے گرد

اپنی دم ہلاتے ہوتے۔

(۸۶) سری کی کرامت:

المغازلی سے مروی ہے' جنید فرماتے تھے کہ میرے پاس چار درہم تھے' جنہیں لے کر میں سری کے پاس گیا اور کہا: میں یہ چار درہم آپ کے لیے لایا ہوں، آپ نے فرمایا: بچے! تمہیں خوشخبری ہو کہ تو نجات پائے گا، چار درہموں کی ضرورت تھی، میں نے کہا: الٰہی! اس شخص کے ہاتھوں یہ درہم بھیجو' جو تمہارے ہاں نجات پانے والا ہے۔

(۸۷) ابراہیم بن ادھم کی کرامت:

ابراہیم الیمانی سے مروی ہے کہ ہم ابراہیم بن ادھم کے ساتھ ساحل سمندر پر چلنے کے لیے نکلے اور ایک جنگل میں پہنچے، جہاں بہت سی سوکھی لکڑیاں پڑی تھیں اور ان کے قریب ایک قلعہ تھا' ہم نے ابراہیم بن ادھم سے کہا: اگر آج رات یہیں ٹھہر جائیں تو یہ لکڑیاں جلالیں، انہوں نے فرمایا: ایسا ہی کرلو بہتر ہے۔

ہم نے قلعہ سے آگ لے کر لکڑیاں جلالیں، ہمارے ساتھ روٹیاں تھیں' ہم نے انھیں نکال کر کھانا شروع کیا، ہم میں سے ایک نے کہا: کیسے اچھے انگارے ہیں! اگر اس وقت گوشت ہوتا تو ان پر بھونتے! ابراہیم بن ادھم نے کہا: اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں بھنا ہوا گوشت کھلائے، ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک شیر بارہ سنگھے کو بھگاتا ہوا آیا، جب ہمارے قریب پہنچ گیا تو بارہ سنگھا گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی، ابراہیم بن ادھم اٹھے اور کہا: اسے ذبح کرلو اور اس کا گوشت بھونا اور شیر کھڑا دیکھتا رہا۔

(۸۸) ابراہیم خواص کی کرامت:

حامد اسود سے مروی ہے کہ میں ابراہیم خواص کے ساتھ جنگل میں سات دن تک ایک ہی حالت میں رہا، ساتویں دن کمزور ہو کر میں بیٹھ گیا، ابراہیم نے میری طرف دیکھ کر کہا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کمزور ہو گیا ہوں، فرمایا: کس چیز کی زیادہ خواہش ہے، پانی کی یا کھانے کی؟ میں نے کہا: پانی کی، فرمایا: پانی تو تمہارے پیچھے ہے، میں نے مڑ کر دیکھا' تو ایک پانی کا چشمہ تازہ دودھ کی طرح بہہ رہا ہے، میں نے پانی پیا اور وضو کیا اور ابراہیم دیکھتے رہے اور اس کے قریب بھی نہ آئے، جب میں اٹھنے لگا تو چاہا کہ کچھ پانی ساتھ لے لوں، مگر انہوں نے مجھے روک دیا اور فرمایا: یہ ایسا پانی ہے' جسے ہم زاد راہ نہ بنا سکیں۔

(۸۹) ابوالحسن نوری کی کرامت:

فاطمہ اخت ابی علی رودذباری سے مروی ہے کہ میں نے ابوالحسن نوری کی خادمہ زیتونہ کو کہتے سنا' زیتونہ نوری کی کیا

خدمت کرتی تھی اور وہ ابوحمزہ اور جنید کی خدمت کر چکی تھی' زیتونہ کہتی ہے کہ ایک دن بہت سردی تھی، میں نے نوری سے کہا: کیا کچھ لاؤں؟ آپ نے فرمایا: لے آؤ، میں نے عرض کی: آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا: روٹی اور دودھ، میں دودھ اور روٹی ان کے پاس لے گئی، ان کے سامنے کوئلے پڑے تھے، جنہیں وہ ہاتھ سے الٹ پلٹ رہے تھے اور وہ شعلے مار رہے تھے، آپ روٹی کھانے لگے اور دودھ آپ کے ہاتھوں میں بہہ رہا تھا اور ہاتھ کوئلوں سے سیاہ ہو چکے تھے۔

میں نے اپنے دل میں کہا: خدایا! یہ تمہارے ولی کس قدر گندے ہیں؟ کیا اس میں کوئی بھی صاف ستھرا نہیں؟ زیتونہ کہتی ہے کہ میں آپ کے پاس سے نکل کر آئی' تو ایک عورت مجھ سے چمٹ گئی اور کہنے لگی: میرے کپڑوں کی ایک گٹھڑی چوری ہوگئی ہے، مجھے گھسیٹ کر لوگ پولیس کے پاس لے گئے۔ نوری کو جب خبر ہوئی تو نکل آئے اور سپاہی کو کہا: اسے کچھ نہ کہو، یہ تو ایک ولی کی عورت ہے، سپاہی نے کہا: میں کیا کروں؟ وہ عورت مدعی ہے! فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی وہی گٹھڑی لئے آ پہنچی، نوری زیتونہ کو واپس لے آئے اور فرمایا: اب کبھی یہ نہ کہنا کہ تمہارے ولی کس قدر گندے ہیں؟ زیتونہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ میں توبہ کرتی ہوں۔

(۹۰) خواص کی کرامت:

ابوالحسن خیر النساج سے مروی ہے کہ خواص فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ سفر میں مجھے اس قدر پیاس لگی کہ میں پیاس سے مارے گر گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے پڑ رہے ہیں، آنکھ کھولی تو دیکھا کہ خوبرو انسان سفید گھوڑے پر سوار ہے، اس نے مجھے پانی پلایا اور مجھے اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا، اس وقت میں حجاز میں تھا، تھوڑی دیر کے بعد کہا: کیا دکھائی دیتا ہے؟ میں نے کہا: مدینہ، اس نے کہا: اب اتر جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام کہنا اور کہنا آپ کا بھائی خضر سلام عرض کرتا ہے۔

(۹۱) نصر خراط کی کرامت:

مظفر الجصاص سے مروی ہے کہ نصر خراط ایک رات ایک جگہ پر تھے اور ہم نے آپس میں علمی مذاکرہ کیا، خراط نے کہا: جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے' اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ابتداء ذکر میں یہ معلوم کرتا ہے کہ اللہ نے اسے یاد کیا ہے، جصاص کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اختلاف کیا' تو کہنے لگے: اگر اس وقت یہاں خضر علیہ السلام ہوتے' تو میری بات کے صحیح ہونے کی گواہی دیتے، یہ کہنا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھا آسمان اور زمین کے درمیان چلا آ رہا ہے، یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس پہنچ گیا اور سلام کیا اور کہا: یہ سچ کہتا ہے، اللہ کا ذکر کرنے والا اس لئے اللہ کا ذکر کرتا ہے کہ اللہ اس کا ذکر کرتا ہے، ہم سمجھ گئے کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں۔

(۹۲) سہل بن عبداللہ کی کرامت:

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ایک شخص سہل بن عبداللہ کے پاس آیا اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پانی پر چلتے ہیں، سہل نے کہا: محلّہ کے موذن سے پوچھ لو، وہ نیک آدمی ہے، وہ جھوٹ نہیں بولے گا، وہ شخص بیان کرتا ہے کہ مؤذن سے دریافت کیا' تو اس نے کہا: مجھے یہ تو معلوم نہیں، مگر چند ہی دن گذرے ہیں کہ حوض پر وضو کرنے آئے تھے اور پانی میں گر پڑے تھے اور اگر میں وہاں نہ ہوتا' تو پانی ہی میں رہتے۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ سہل کی درحقیقت وہی حالت تھی' جو لوگ بیان کیا کرتے تھے، لیکن اللہ اپنے ولیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے' لہٰذا موذن اور حوض والا قصہ انہیں پیش آیا، تا کہ سہل کی حالت پر پردہ پڑا رہے، سہل صاحب کرامت تھے۔

(۹۳) ابوالحسین جرجانی کی کرامت:

اسی قسم کا قصہ ہے' جس کی حکایت ابوعثمان مغربی کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: میں نے ابوالحسین جرجانی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ واقعہ دیکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ایک بار میں نے مصر جانے کا ارادہ کیا، دل میں خیال آیا کہ کشتی پر سوار ہو جاؤں۔ پھر خیال آیا کہ لوگ مجھے پہچان جائیں گے، لہٰذا شہرت کا ڈر ہوا، پھر ایک کشتی گذری اور مجھے دکھائی دی میں پانی پر چل کر اس کشتی تک پہنچ گیا اور اس کے اندر چلا گیا، لوگ دیکھ رہے تھے، مگر کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ خرق عادت ہے' یا نہیں؟ اس سے میں سمجھ گیا کہ ولی خواہ مشہور ہی کیوں نہ ہو مستور رہتا ہے۔

(۹۴) ابوعلی دقاق کی کرامت:

ابوعلی دقاق کے جو حالات ہم نے خود مشاہدہ کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہیں حرقۃ البول (پیشاب جلن کے ساتھ ہونا) کی بیماری تھی، ایک گھنٹے میں انہیں کئی بار اٹھنا پڑتا، یہاں تک کہ فرض نماز کی دو رکعتیں ادا کرنے کے لیے انہیں کئی بار وضو کرنا پڑتا اور مجلس کو جاتے ہوئے راستے میں بوتل ان کے پاس ہوتی، بارہا ایسا ہوتا کہ راستہ میں آتے جاتے کئی بار ضرورت پڑ جاتی، مگر جب وعظ کے لیے کرسی پر بیٹھتے' تو ان کو طہارت کی ضرورت نہ پڑتی، خواہ مجلس میں کتنا ہی طول کیوں نہ ہو جائے، ہم سال ہا سال یہ بات دیکھتے رہے مگر ان کی زندگی بھر کبھی خیال نہ آیا کہ یہ خرق عادت ہے، ان کی وفات کے بعد یہ بات مجھے محسوس ہوئی۔

(۹۵) سہل بن عبداللہ کی کرامت:

اسی قسم کی وہ کرامت ہے' جو سہل بن عبداللہ کے متعلق بیان کی جاتی ہے کہ آخری عمر میں وہ اپاہج ہو گئے تھے' مگر فرض

نماز کے وقت انہیں طاقت حاصل ہو جاتی اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے۔

(۹۶) عبداللہ وزان کی کرامت:

یہ بھی مشہور ہے کہ عبداللہ وزان اپاہج ہمیشہ بیٹھے رہتے، مگر سماع کے وقت جب ان پر وجد طاری ہوتا، تو وہ کھڑے ہو کر سنتے۔

(۹۷) ایک انسان کی کرامت:

احمد بن ابی الحواری سے مروی ہے کہ میں اور ابوسلیمان دارانی حج کے لیے گئے، چلتے چلتے مجھ سے مشکیزہ گر گیا، میں نے ابوسلیمان سے کہا کہ مشکیزہ گم ہو گیا اور پاس پانی نہیں ہے، پر سخت سردی کا زمانہ نہ تھا، ابوسلیمان نے دعا کی اور کہا: اے خدا! جو گم شدہ چیزوں کو لوٹانے والا اور گمراہی سے ہدایت دینے والا ہے، ہمارا مشکیزہ واپس دے دو۔ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص پکار رہا ہے: کس کا مشکیزہ گم ہو گیا ہے؟ میں نے کہا: میرا، چنانچہ میں نے مشکیزہ لے لیا، ابھی ہم چل ہی رہے تھے اور ہم نے شدت سردی کی وجہ سے پوستین پہن رکھی تھیں کہ ایک شخص دکھائی دیا، جس نے دو پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے اور اس سے پسینہ ٹپک رہا تھا، ابوسلیمان نے اس شخص سے کہا: آؤ ہم اپنا کوئی کپڑا اتار کر تمہیں دیں، اس نے جواب دیا: اے ابوسلیمان! کیا تو مجھے زہد کا مشورہ دے رہا ہے اور خود سردی محسوس کر رہا ہے، میں اس جنگل میں تیس سال سے پھر رہا ہوں، مگر مجھے کبھی بھی لرزہ نہیں پیدا ہوا، اللہ سردی کے موسم میں مجھے اپنی محبت کی گرمی اور گرمی میں اپنی محبت کی ٹھنڈک عطا کرتا ہے، یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

(۹۸) خواص کی کرامت:

محمد بن علی الکتانی مکہ میں فرماتے تھے کہ میں نے خواص کو فرماتے سنا کہ ایک جنگل میں دوپہر کے وقت چل رہا تھا، ایک درخت کے پاس پہنچا جس کے قریب پانی تھا، جب وہاں اترا تو ایک بہت بڑا شیر میری طرف آیا، میں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا، جب شیر میرے قریب آیا، تو دیکھا کہ وہ لنگڑا رہا ہے، وہ ہنہناتا ہوا میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا، اس نے اپنا ہاتھ میری گود میں ڈال دیا، میں نے جو دیکھا تو اس ہاتھ میں ورم تھا اور اس میں پیپ اور خون تھا، میں نے ایک لکڑی لے کر اس جگہ کو چیرا جس میں پیپ تھی اور پھر ہاتھ پر پٹی باندھ دی۔

اس کے بعد شیر چلا گیا، ایک گھنٹے کے بعد شیر آیا اور اس کے ساتھ دو بچے دم ہلاتے ہوئے آئے اور مجھے ایک روٹی لا کر دی۔

(۹۹) محمد بن سماک کی کرامت:

احمد بن ابی الحواری سے مروی ہے کہ محمد بن سماک بیمار پڑ گئے اور ہم آپ کا قارورہ لے کر طبیب کے پاس گئے، طبیب عیسائی تھا' ابھی ہم حیرہ اور کوفہ کے درمیان تھے کہ ہمیں ایک خوبرو آدمی خوشبو سے مہکتا ہوا اور صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ملا، اس نے ہم سے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم فلاں طبیب کے پاس ابن سماک کا قارورہ دکھانے جا رہے ہیں، اس نے کہا: سبحان اللہ! تم لوگ ایک ولی اللہ کے لیے دشمن کی مدد چاہتے ہو؟ قارورہ کو زمین پر دے مارو اور ابن سماک کے پاس واپس چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ جہاں درد ہو رہا ہے، وہاں ہاتھ رکھ کر یہ آیت پڑھیں:

﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ (الاسراء:١٠٥)

''ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی اترا ہے۔''

اس کے بعد وہ شخص غائب ہو گیا اور ہم نے اسے نہیں دیکھا، ہم نے واپس آ کر ابن سماک سے سارا واقعہ بیان کیا، انہوں نے درد کے مقام پر ہاتھ رکھ کر وہی الفاظ پڑھے' جو اس شخص نے بتلائے تھے، انہیں فوراً آرام آ گیا، فرمایا: وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

(۱۰۰) بایزید بسطامی کی کرامت:

عمی البسطامی سے مروی ہے کہ ہم ابو یزید البسطامی کی مجلس میں بیٹھے تھے' انہوں نے فرمایا: ہمارے ساتھ اٹھو تاکہ ہم ایک اللہ کے ولی کا استقبال کریں۔ چنانچہ ہم آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، جب پھاٹک تک پہنچے' تو ابراہیم بن شیبہ ھروی آئے' ابو یزید نے کہا: میرے دل میں خیال آیا کہ آپ کا استقبال کروں، ابراہیم بن شیبہ نے جواب دیا: اگر اللہ تمام مخلوق کے بارے میں آپ کی سفارش قبول فرما لے' تب بھی یہ بڑی بات نہ ہو گی، یہ لوگ مٹی کے ٹکڑے ہیں، ابو یزید ان کا جواب سن کر حیران رہ گئے۔

استاد سے مروی ہے کہ اس شفاعت کو معمولی سمجھنے میں ابراہیم کی کرامت ابو یزید کی کرامت کے مقابلے میں بڑی ہے' کیونکہ ان کو اس وقت فراست حاصل تھی اور شفاعت کے لیے ایک سچی حالت پیدا ہو گئی تھی۔

(۱۰۱) ذوالنون کی کرامت:

ابوبکر الرازی سے مروی ہے کہ سالم مغربی نے ان سے پوچھا کہ آپ کی توبہ کی کیا وجہ ہوئی؟ ذوالنون نے فرمایا: میں مصر سے نکل کر کسی بستی کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں سو گیا، پھر اٹھا اور آنکھیں کھولیں' کیا دیکھتا ہوں کہ اندھا چنڈول درخت پر سے گرا اور زمین پھٹ گئی اور اس میں سے دو آبخورے نکلے، ایک چاندی کا تھا اور دوسرا سونے کا، ایک میں تل

تھے اور دوسرے میں گلاب کا پانی، چنڈول نے ایک میں سے کچھ کھایا اور دوسرے میں سے پانی پیا۔

یہ دیکھ کر میں نے کہا: میرے لئے اتنا ہی کافی ہے اور میں اللہ کے دروازے پر استقامت کے ساتھ بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے قبول کر لیا۔

(۱۰۲) عبدالواحد بن زید کی کرامت:

مروی ہے کہ عبدالواحد بن زید کو فالج ہو گیا۔ نماز کا وقت آیا' تو انہیں وضو کرنے کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے آواز دی: کوئی ہے؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ کو وقت کے فوت ہو جانے کا ڈر ہوا اور کہا: خدایا! میری مشکیں کھول دے' تاکہ میں وضو کر لوں، پھر جیسی تمہاری مرضی ہو کرنا، وہ فرماتے ہیں: وہ بالکل ٹھیک ہو گئے اور وضو کر کے اپنے بستر پر چلے آئے اور پھر اسی طرح ہو گئے۔

(۱۰۳) ابوعبداللہ دیلمی کی کرامت:

ایوب حمال بیان کرتے ہیں کہ سفر میں عبداللہ دیلمی' جب کسی منزل پر اترتے' تو گدھے کو پکڑ کر اس کے کان میں کہتے: میں تمہیں باندھنا چاہتا تھا' مگر اب نہیں باندھوں گا۔ اور تمہیں اس صحراء میں چھوڑتا ہوں کہ تو گھاس چرے، جب ہم چلنے کا ارادہ کریں گے' تو چلے آنا، چنانچہ جب کوچ کا وقت آتا تو گدھا بھی آ پہنچتا۔

(۱۰۴) ابوعبداللہ دیلمی کی ایک اور کرامت:

مروی ہے کہ ابوعبداللہ دیلمی نے اپنی بیٹی کی شادی کی، انہیں جہیز کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوئی، آپ کے پاس کپڑا تھا' جسے لے کر آپ نکلتے' تو وہ ایک دینار کا بک جایا کرتا، چنانچہ اب بھی کپڑا لے کر نکلے' تو دلال نے کہا کہ یہ تو ایک دینار سے زیادہ قیمت کا ہے، گاہک اس کی قیمت بڑھاتے گئے کہ اس کی قیمت ایک سو دینار تک پہنچ گئی' جسے بیچ کر آپ نے بیٹی کا جہیز تیار کیا۔

(۱۰۵) نضر بن شمیل کی کرامت:

نضر بن شمیل سے مروی ہے کہ میں نے ایک تہبند خریدا' مگر وہ چھوٹا نکلا، میں نے اللہ سے درخواست کی کہ اسے ایک ہاتھ اور لمبا کر دے' وہ ہو گیا' نضر فرماتے ہیں کہ اگر میں کہتا تو اور لمبا ہو جاتا۔

(۱۰۶) عامر بن عبد قیس کی کرامت:

مروی ہے کہ عامر بن عبد قیس نے اللہ سے درخواست کی کہ ان کے دل سے عورت کی خواہش نکل جائے' تو ان کی یہ حالت ہو گئی کہ انہیں ان کی پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی، پھر درخواست کی کہ نماز میں شیطان کو اس کے دل سے روک دیا جائے'

لیکن اللہ نے یہ بات قبول نہیں فرمائی۔

(۱۰۷) بشر کے گھر میں خضر:

بشر بن حارث سے مروی ہے کہ میں اپنے گھر میں داخل ہوا' تو وہاں ایک شخص کو پایا، میں نے کہا: تو کون ہے کہ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں گھس آیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں تمہارا بھائی خضر ہوں! میں نے عرض کی: میرے حق میں دعا کریں، انہوں نے کہا: خدا اپنی اطاعت تمہارے لئے آسان کر دے، میں نے کہا: اور دعا کریں، انہوں نے کہا: خدا اس اطاعت گذاری پر پردہ بھی ڈال دے۔

(۱۰۸) ابراہیم خواص کی کرامت:

ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ ایک بار میں مکہ جا رہا تھا کہ راستہ میں رات کے وقت ایک ویرانے میں چلا گیا' دیکھا تو وہاں ایک بہت بڑا شیر تھا' میں ڈر گیا تو غیب سے آواز آئی: ثابت قدم رہو، تمہارے گرد ستر ہزار فرشتے تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں۔

(۱۰۹) نوری کی کرامت:

جعفر الدبیلی سے مروی ہے کہ نوری پانی میں گھس گئے' تو ایک چور آ کر ان کے کپڑے لے گیا، اس کے بعد پھر آیا تو اس کے پاس وہ کپڑے تھے اور اس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا' نوری نے کہا: خدایا! میرے کپڑے مجھے واپس مل گئے ہیں، لہٰذا اس کا ہاتھ بھی اسے واپس مل جائے، چنانچہ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔

(۱۱۰) شبلی کی کرامت:

شبلی سے مروی ہے کہ میں نے عہد کر لیا کہ میں صرف حلال کی چیز کھاؤں گا، میں جنگلوں میں گھوما کرتا تھا، وہاں میں نے ایک انجیر کا درخت دیکھا اور کھانے کے لیے میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، درخت سے آواز آئی: اپنے عہد پر کاربند رہو، مجھے نہ کھاؤ، میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔

(۱۱۱) ابوعبداللہ بن خفیف کی کرامت:

ابوعبداللہ بن خفیف سے مروی ہے کہ حج کو جاتے ہوئے میں بغداد پہنچا' میرے سر میں صوفیاء کی نخوت تھی اور چالیس دن سے میں نے روٹی نہیں کھائی تھی، میں جنید کی زیارت کے لیے بھی نہ گیا، میں بغداد سے نکل آیا اور زبالہ تک میں نے پانی نہ پیا اور ابھی تک میرا وضو بھی قائم تھا، پھر میں نے ایک کنویں پر ایک ہرن کو پانی پیتے دیکھا، میں خود بھی پیاسا تھا، جب کنویں کے قریب پہنچا' تو ہرن بھاگ گیا، دیکھا تو پانی کنویں کی تہہ میں تھا، لہٰذا میں چل پڑا اور کہا: اے

مالک! اس ہرن جیسا بھی میرا مقام نہیں ہے، اس پر میری پشت پر سے آواز آئی: ہم نے تجھے آزمایا تھا، مگر تو نے صبر نہیں کیا، جا! جا کر پانی پی لے۔

واپس آیا تو دیکھا کہ کنواں پانی سے لبریز تھا، چنانچہ میں نے اپنا چھاگل بھر لیا، جس میں سے میں پیتا رہا اور وضو بھی کرتا رہا، یہاں تک کہ میں مدینہ پہنچ گیا اور پانی ختم نہ ہوا۔ جب میں نے کنویں میں سے پانی باہر نکالا تھا' تو میں نے ایک ھاتف کو کہتے سنا کہ ہرن تو بغیر چھاگل کے اور بغیر رسی کے آیا تھا اور تو چھاگل اور رسی لے کر آیا ہے، پھر جب حج کر کے واپس آیا تو جامع مسجد میں گیا۔ جب جنید کی نگاہ مجھ پر پڑی، تو فرمایا: اگر ایک گھنٹہ اور صبر کر لیتا تو تمہارے پاؤں کے نیچے سے پانی پھوٹ کر نکل آتا۔

(۱۱۲) ایک بدوی کی کرامت:

محمد سعید بصری سے مروی کہ میں بصرہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا' تو میں نے ایک بدوی کو ایک اونٹ لے جاتے دیکھا، میں نے مڑ کر دیکھا تو اونٹ گر کر مر گیا اور پالان اور پالان کی لکڑیاں بھی گر پڑیں، میں چل کر وہاں پہنچا' تو بدوی یہ الفاظ کہہ رہا تھا: اے خدا! جو ہر قسم کا سبب پیدا کرنے والا ہے اور ہر طالب کی آرزو بر لانے والا ہے، میرا اونٹ مجھے واپس دے دے' تا کہ وہ پالان کو اٹھا لے، یکایک اونٹ اٹھ کر کھڑا ہوا اور پالان اس کے اوپر پڑا تھا۔

(۱۱۳) شبل مروزی کی کرامت:

مروی ہے کہ ایک روز شبل مروزی کو گوشت کھانے کی خواہش ہوئی، آپ نے آدھے درہم کا گوشت خریدا، راستہ میں ایک چیل آئی اور جھپٹ کر لے گئی۔ شبل نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں چلے گئے، جب گھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے انہیں گوشت پیش کیا، آپ نے پوچھا: یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے کہا کہ دو چیلیں آپس میں جھگڑ پڑیں تھیں اور یہ گوشت ان سے گر پڑا تھا، یہ قصہ سن کر شبل نے کہا: سب تعریف اس خدا کی ہے' جو شبل کو نہیں بھولتا، اگرچہ شبل اسے اکثر بھول جاتا ہے۔

(۱۱۴) ابو عبید بسری کی کرامت:

ابو بکر معمر سے مروی ہے کہ میں نے ابن ابی عبید بسری کو اپنے باپ ابو عبید بسری سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ ایک سال وہ جہاد کے لیے گئے' تو راستہ میں گھوڑی جس پر وہ سوار تھے مر گئی، ابھی وہ فوج کے دستہ کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا: خدایا! یہ گھوڑی عاریۃً دے دے، یہاں تک کہ بسری واپس پہنچ جائیں، یکایک گھوڑی اٹھ کھڑی ہوئی، جب جنگ کر کے واپس بسری پہنچے' تو بیٹے کو کہا کہ گھوڑی پر سے زین اتار دو، میں نے عرض کیا کہ اسے پسینہ آیا ہوا ہے، اگر زین

اتار دوں تو اسے ہوا لگ جائے گی، ابوعبید نے کہا کہ یہ تو عاریۃً لی ہوئی ہے۔ بیٹا کہتا ہے کہ میرا زین کا اتارنا تھا کہ گھوڑی گری اور مرگئی۔

(۱۱۵) ایک عورت کی کرامت:

مروی ہے کہ ایک کفن چور تھا' ایک دفعہ عورت مرگئی، لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور کفن چور نے اس کی نماز جنازہ اس خیال سے پڑھی کہ اس کی قبر معلوم ہو جائے، جب رات تاریک ہوگئی تو اس نے اس کی قبر کھودی تو عورت بولی: سبحان اللہ! ایک ایسا شخص' جسے اللہ نے بخش دیا ہے، ایک ایسی عورت کا کفن لے رہا ہے' جسے اللہ نے بخش دیا ہے۔

کفن چور نے کہا: فرض کر لیا کہ اللہ نے تجھے بخش دیا ہے، لیکن میں کہاں کا بخشا ہوا ہوں؟ عورت نے جواب دیا: اللہ نے مجھے بھی اور ان تمام لوگوں کو بھی' جنہوں نے میری نماز جنازہ پڑھی بخش دیا ہے اور میری نماز جنازہ پڑھنے والوں میں سے تو بھی ایک شخص ہے۔ چور کہتا ہے کہ میں نے اسے چھوڑ دیا اور دوبارہ اس پر مٹی ڈال دی، اس کے بعد اس نے توبہ کی اور توبہ پر قائم رہا۔

(۱۱۶) ذوالنون مصری کی کرامت:

ابوالحسن اسمٰعیل بن عمرو بن کامل نے فرمایا کہ ابومحمد نعمان بن موسیٰ حیری' حیرہ میں فرماتے تھے کہ دو دشمن لڑ پڑے، ایک سرکاری آدمی تھا اور دوسرا عام رعایا میں سے، عامی نے حملہ کر کے سرکاری آدمی کا اگلا دانت توڑ دیا، سپاہی اس آدمی سے چمٹ گیا اور کہا کہ اب تو حاکم کے پاس ہی اس کا فیصلہ ہوگا، راستہ میں ذوالنون کے پاس سے ان کا گذر ہوا' لوگوں نے کہا: شیخ کے پاس سے ہو لو۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئے اور قصہ سنایا، آپ نے وہ دانت لیا اور اپنا لب لگایا اور منہ میں جس جگہ کا وہ دانت تھا، وہاں رکھ دیا، اس نے اپنے ہونٹ ہلائے' تو دانت نے اپنی جگہ پکڑ لی، وہ آدمی اپنے دانتوں کو تلاش کرتا رہ گیا۔ مگر اسے سب کے سب یکساں دکھائی دیئے۔

(۱۱۷) ایک شخص کی کرامت:

ابوسبرہ النخعی سے مروی ہے کہ ایک شخص یمن سے چلا، ابھی راستہ میں ہی تھا کہ اس کا گدھا مر گیا، پھر اس نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی، کہنے لگا: الٰہی! میں تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جہاد کرنے آیا تھا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو مردوں کو زندہ کرے گا اور مردوں کو قبروں سے اٹھائے گا، آج مجھ پر کسی کا احسان نہ رہنے دے' میں تجھ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے گدھے کو زندہ کر دے، گدھا اسی وقت کان جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

(۱۱۸) ابوبکر ھمذانی کی کرامت:

ابوبکر النابلسی سے مروی ہے کہ ابوبکر ھمذانی فرماتے تھے کہ میں کئی دن تک حجاز کے جنگل میں رہا، ان دنوں میں نے کچھ نہ کھایا، پھر مجھے گرم پھلیوں اور باب طاق کی روٹی کی خواہش ہوئی، پھر میں نے کہا: میں تو جنگل میں ہوں اور میرے اور عراق کے درمیان بڑی مسافت ہے، لہٰذا مجھے یہ چیزیں کیسے میسر آ سکتی ہیں؟ ابھی میں خیال ہی کر رہا تھا کہ دور سے ایک بدوی پکار رہا تھا: گرم پھلیاں اور روٹی! میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا: کیا تمہارے پاس گرم پھلیاں اور روٹی ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں اور اس نے ایک چادر جو اس کے اوپر تھی کھولی اور روٹی اور پھلیاں نکالیں اور کہا: کھاؤ اور میں نے کھائیں، اس نے پھر کہا: کھاؤ میں نے کھالیں، اس نے پھر کہا: کھاؤ اور میں نے کھالیں، جب اس نے چوتھی مرتبہ کہا، تو میں نے کہا: تمہیں اس خدا کی قسم ہے! جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے، یہ تو بتا دو کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا: خضر ہوں اور وہ غائب ہو گئے اور میں نے پھر ان کو نہیں دیکھا۔

(۱۱۹) ابوجعفر حداد کی کرامت:

ابوجعفر حداد سے مروی ہے کہ میں ثعلبہ آیا، جب یہ ویران ہو چکا تھا اور سات دنوں سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا، پھر قبہ میں داخل ہوا کچھ خراسانی لوگ آئے اور چونکہ تھکے ہوئے تھے، اس لئے قبہ کے دروازہ پر ہی لیٹ گئے۔ ایک بدوی جانور پر سوار ہو کر آیا اور اس نے ان کے سامنے کھجوریں ڈال دیں، انہوں نے کھانا شروع کیا، انہوں نے نہ مجھے کچھ کہا اور نہ ہی بدوی نے مجھے دیکھا، ایک گھنٹے کے بعد وہی بدوی پھر آیا اور کہا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں قبہ کے اندر ایک شخص ہے، چنانچہ بدوی اندر آیا اور کہا: تو کیسا انسان ہے؟ تو بولا کیوں نہیں؟ میں جب یہاں سے چلا گیا' تو ایک شخص نے مجھے راستہ میں روکا اور کہا: تو ایک شخص کو چھوڑ آیا' جسے تو نے کھانے کو کھجوریں نہیں دیں، اب میرا آگے جانا بھی ممکن نہ تھا اور راستہ بھی لمبا تھا، کیونکہ میں کئی میلوں سے لوٹ کر آیا ہوں، یہ کہہ کر اس نے میرے سامنے بہت سی کھجوریں ڈال دیں اور چلا گیا، میں نے ان لوگوں کو بلایا اور ہم سب نے کھجوریں کھائیں۔

(۱۲۰) احمد بن عطاء کی کرامت:

احمد بن عطاء سے مروی ہے کہ مکہ کے راستہ میں ایک اونٹ نے مجھ سے کلام کیا۔ میں نے کچھ اونٹ دیکھے' جن کے اوپر محمل پڑے تھے اور انہوں نے اپنی گردنیں رات میں لمبی کر رکھی تھیں، اس پر میں نے کہا: پاک ہے وہ خدا جو ان سے اس بوجھ کو اتارتا ہے جو ان پر ہے۔ اس پر ایک اونٹ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور کہا: کہو جل اللہ یعنی اللہ بہت بزرگ ہے میں نے کہا: جل اللہ۔

(۱۲۱) ابوزرعہ جنبی کی کرامت:

ابوزرعہ جنبی سے مروی ہے کہ ایک عورت نے مجھ سے فریب کیا اور کہا کہ گھر میں آ کر ذرا مریض کی خبر لے لیں۔ اندر آ کر اس نے دروازے بند کر دیئے، مگر میں نے گھر میں کسی کو نہ دیکھا، میں بات کو بھانپ گیا اور کہا: خدایا! اس عورت کو کالا کر دے۔ وہ کالی ہوگئی اور حیران رہ گئی، لہٰذا اس نے دروازہ کھول دیا اور میں نے پھر کہا: خدایا! اس کی پہلی حالت کر دے، چنانچہ وہ ویسی ہوگئی۔

(۱۲۱) معروف کرخی کی کرامت:

خلیل صیاد سے مروی ہے کہ میرا بیٹا محمد گم ہوگیا اور ہمیں اس کا بہت سخت غم ہوا، چنانچہ میں معروف کرخی کے پاس گیا اور عرض کیا: اے ابومحفوظ! میرا بیٹا گم ہو گیا ہے اور اس کی ماں کو اس کا بہت غم ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی: دعا کیجئے کہ اللہ اسے واپس لے آئے، انہوں نے دعا کی:

اللهم ان السماء سماؤك والارض ارضك وما بينهمالك ائت بمحمد

خدایا! آسمان اور زمین دونوں تمہارے ہیں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' وہ بھی تیرا ہے محمد کو لے آ۔

خلیل کہتے ہیں کہ میں باب الشام پہنچا' تو بیٹا وہاں کھڑا تھا، میں نے اس کا نام لے کر پکارا تو اس نے کہا: ہاں ابا جی! میں ابھی انبار میں تھا۔

استاد سے مروی ہے کہ کرامات کے متعلق حکایات بے شمار ہیں، اگر ہم اور حکایات بیان کریں' تو ہم اپنے مقصود سے باہر نکل جائیں گے، جتنی حکایات ذکر کر دیں' کافی ہیں۔

❀❀❀

باب

اولیاء اللہ کے خواب

فرمان الٰہی ہے:

﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ﴾ (یونس:٦٤)

''دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی ان لوگوں کے لیے بشارت ہے۔''

مروی ہے کہ اس آیت میں بشریٰ سے مراد اچھی خواب ہے' جسے آدمی دیکھتا ہے' یا اسے دکھائی جاتی ہے۔

ابو صالح حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا' تو آپ نے فرمایا:

تم سے پہلے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا اور پھر فرمایا کہ بشریٰ سے مراد نیک خواب ہے' جسے آدمی دیکھے' یا اسے دکھائی جائے۔(احمد:٢٧٥٦)

ابوسلمہ ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور بری خواب شیطان کی طرف سے، جب تم میں سے کوئی شخص بری خواب دیکھے' تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی بائیں جانب تھتکارے اور اعوذ باللہ پڑھے، اس طرح یہ خواب اسے ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔

(بخاری:٦٩٨٤،مسلم:٢٢٦١)

ابوعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں روایت کرتے ہوئے' رسول اللہ ﷺ سے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جس نے مجھے خواب میں دیکھا' اس نے مجھے ہی دیکھا ہے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

(مسلم:٢٢٦٦،ابن ماجہ:٣٩٠٢)

حدیث کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک سچی خواب ہے اور اس کی تاویل بھی سچ ہے اور یہ کہ خواب بھی ایک قسم کی کرامت ہوتی ہے۔

خواب کی حقیقت:

خواب کی حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ خیالات ہوتے ہیں' جو دل پر وارد ہوتے ہیں اور حالات ہوتے ہیں' جن کا تصور ہم میں اس وقت آتا ہے، جب نیند تمام شعور پر غالب نہ آ چکی ہو، چنانچہ بیدار ہونے پر انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یہ ایک حقیقی خواب تھا۔ حالانکہ یہ صرف تصور اور خیالات ہوتے ہیں' جو دلوں میں قرار پا جاتے ہیں اور جب ظاہری احساس زائل ہو جاتا ہے' تو یہ اوھام ان امور سے جو حواس خمسہ کے ذریعہ سے یا بدیہی طور پر معلوم ہوتے ہیں، جدا ہو جاتے ہیں اور یہ حالت خواب دیکھنے والے کے لیے قوی ہو جاتی ہے اور بیدار ہونے پر یہ حالات' جن کا تصور وہ ان حالات کے مقابلہ میں کرتا ہے' جن کا مشاہدہ کے ذریعہ سے اسے احساس ہوتا ہے' یا وہ امور جو اسے بدیہی طور پر معلوم ہوتے ہیں۔

ان کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی سخت تاریکی کے وقت چراغ کی روشنی حاصل کر رہا ہو' مگر جب سورج نکل آئے' تو وہ چراغ کی روشنی پر غالب آ جاتا ہے تو چراغ کی روشنی سورج کی روشنی کے مقابلہ میں مدھم پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا نیند کی حالت کی مثال اس شخص کی ہے' جس کے لیے دن کافی چڑھ چکا ہو، اس لیے کہ بیدار انسان امور کو یاد کر لیتا ہے، جو اسے نیند کی حالت میں دکھائی دیتے ہیں۔

خواب کی قسمیں:

مزید برآں یہ باتیں اور یہ خیالات جو نیند کی حالت میں انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں، کبھی تو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور کبھی انسان کے اپنے ہی دل کی باتیں ہوتی ہیں، کبھی فرشتہ کی طرف سے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی اللہ اپنی طرف سے ان حالات کو اس کے دل میں پیدا کر کے کچھ امور کی معرفت عطا کر دیتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

((اصدقکم رؤیا کم اصدقکم حدیثا)) (مسلم:۲۲۶۳)

تم میں سے سب سے سچی خواب اس شخص کی ہوگی' جو تم میں سے زیادہ سچ بولنے والا ہوگا۔

نیند کی قسمیں:

یاد رکھو نیند کی کئی قسمیں ہیں:

① غفلت کی نیند ② عادت کی نیند

اور یہ عادت کی نیند ناپسند کی جاتی ہے، بلکہ یہ مذموم سمجھی جاتی ہے، اس لئے کہ یہ موت کی بہن ہے۔ ایک حدیث میں مروی ہے:

((النوم اخو الموت))(بیہقی:۴۷۴۵)

نیند موت کی بہن ہے۔اور فرمان عزوجل ہے

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ (الانعام: ۶۰)

خدا وہ ہے‘ جو رات کے وقت تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن کو کرتے ہو اسے جانتا ہے۔

نیز فرمان عزوجل ہے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ (الزمر: ۴۲)

اللہ نفسوں کو قبض کر لیتا ہے‘ موت کے وقت نیز ان نفسوں کو جو مری نہیں ہوتیں‘ بلکہ نیند میں ہوتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ اگر نیند میں بھلائی ہوئی ہوتی تو یہ جنت میں بھی ہوتی۔

مروی ہے کہ جب اللہ نے جنت میں حضرت آدم پر نیند ڈال دی‘ تو ان میں سے حوا کو نکالا اور ہر قسم کی مصیبت جو ان پر آئی حوا کے آنے سے آئی۔

استاد ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل سے کہا:

﴿يَا بُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ﴾ (الصافات: ۱۰۲)

بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں

تو انہوں نے فرمایا: ابا جان! یہ اس شخص کی سزا ہے‘ جو اپنے محبوب سے غافل ہو کر سو جائے، اگر آپ نہ سوتے تو آپ کو ذبح کرنے کا حکم بھی نہ دیا جاتا۔

مروی ہے کہ اللہ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے‘ جھوٹا ہے، کیونکہ جب رات آتی ہے تو وہ مجھ سے غافل ہو کر سو جاتا ہے اور نیند علم کی ضد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شبلی سے مروی ہے کہ ایک ہزار سال کے اندر ایک بار بھی اونگھنا رسوائی کا سبب ہے۔

شبلی نیز فرماتے ہیں: اللہ نے مخلوق کو جھانک کر دیکھا‘ تو فرمایا: جو سو گیا وہ غافل ہو گیا‘ وہ پردے میں آ گیا۔اس واقعہ کے بعد شبلی آنکھوں میں نمک کا سرمہ لگاتے تھے‘ تاکہ انہیں نیند نہ آئے، اسی سلسلہ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے:

عجبا للمحب کیف ینام   کل نوم علی المحب حرام

تعجب ہے کہ عاشق کیسے سو جاتا ہے، عاشق پر ہر قسم کی نیند حرام ہے۔

مروی ہے کہ مرید کا کھانا فاقہ کے وقت ہوتا ہے، نیند غلبہ کے وقت اور کلام ضرورت کے وقت۔

مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں سو گئے‘ تو انہیں کہا گیا کہ یہ حوا ہیں‘ تاکہ تمہیں اس کے پاس جا کر

سکون حاصل ہو، یہ اس شخص کی سزا ہے جو ہماری بارگاہ میں آ کر سو جائے۔

مروی ہے کہ اگر تو بارگاہ رب العزت میں حاضر ہے‘ تو تو سو نہیں، اس لیے کہ یہاں سونا بے ادبی ہے اور اگر تو اس بارگاہ سے غائب ہے‘ تو تو اہل حسرت سے ہے اور مصیبت والوں میں سے ہے اور جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو اسے نیند نہیں آتی۔

اہل مجاہدہ کی نیند:

اب رہے اہل مجاہدہ‘ تو ان کے لیے نیند اللہ کی طرف سے صدقہ کے طور پر ہوتی ہے اور جب کوئی بندہ سو جائے‘ تو اللہ اس پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: میرے بندے کی طرف دیکھو اس کی روح تو میرے پاس ہے اور اس کا جسم بھی میرے سامنے ہے۔

استاد سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی روح مقام مناجات میں ہے اور اس کا جسم عبادت کی بساط پر۔

مروی ہے کہ جو شخص باوضو ہوتا ہے، اس کی روح کو عرش کا طواف کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، نیز اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ کرے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ (النبأ:۹)

ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے آرام کا سبب بنایا۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک شیخ کے پاس آ کر عرض کی کہ مجھے بہت نیند آتی ہے‘ تو آپ نے فرمایا: جا! جا کر اللہ کا شکر ادا کر کہ اس نے تمہیں صحت دی ہے، کیونکہ کئی ایک مریض اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ ان کی ایک بار آنکھ لگ جائے۔

مروی ہے کہ ابلیس کو معصیت کار آدمی کی نیند سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ سخت نظر نہیں آتی، وہ یہی کہتا رہتا ہے کہ کب بیدار ہوگا؟ اور اٹھ کر خدا کی کب نافرمانی کرے گا؟

مروی ہے کہ معصیت کار کی بہترین حالت یہی ہے کہ وہ سو جائے، کیونکہ اگر وہ وقت اس کے حق میں نہیں ہوگا‘ تو اس کے خلاف بھی تو نہیں ہوگا۔

استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ شاہ کرمانی نے بیداری کی عادت ڈالی، ایک بار ان پر نیند غالب آ گئی‘ تو خواب میں انہوں نے حق سبحانہ کو دیکھا، اس کے بعد وہ سونے کی کوشش کیا کرتے تھے، کسی نے ان سے اس کے متعلق کہا‘ تو فرمایا:

رایت سرور قلبی فی منامی فاحببت التنعس والمناما

میں نے خواب میں اپنے دل کا سرور دیکھا‘ تو مجھے نیند اور اونگھ پسند آ گئی۔

مروی ہے کہ ایک شخص کے دو شاگرد تھے' ان دونوں کا آپس میں اختلاف ہو گیا، ایک نے کہا: نیند بہتر ہے، اس لئے کہ اس حالت میں انسان اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا اور دوسرے نے کہا کہ بیداری بہتر ہے، کیونکہ اس حالت میں وہ اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ دونوں فیصلہ کے لیے اس شیخ کے پاس آئے' تو انہوں نے فرمایا کہ جس نے نیند کو فضیلت دی ہے اس کے لیے موت زندگی سے بہتر ہے اور جس نے بیداری کو نیند پر فضیلت دی ہے' اس کے لیے زندگی موت سے بہتر ہے۔

مروی ہے کہ ایک آدمی نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی تو اس نے اس سے کہا کہ بستر بچھا دو۔ لونڈی نے کہا: آقا! کیا آپ کا کوئی آقا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں! اس نے پھر کہا: کیا وہ سوتا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، لونڈی نے کہا: کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو تو سو جائے اور تیرا آقا نہ سویا ہو؟

مروی ہے کہ سعید بن جبیر کی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی، اس نے باپ سے کہا کہ آپ کیوں نہیں سوتے؟ تو انہوں نے فرمایا: جہنم مجھے سونے نہیں دیتی۔

مروی ہے کہ مالک بن دینار کی بیٹی نے ان سے کہا: آپ کیوں نہیں سوتے؟ تو فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی چھاپہ نہ مار دے۔

مروی ہے کہ جب ربیع بن خثیم فوت ہوئے' تو ان کے پڑوسی کی لڑکی نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان جو ستون ہمارے پڑوسی کے گھر میں تھا وہ کہاں چلا گیا؟ تو اس نے کہا: وہ تو ہمارا ایک نیک ہمسایہ تھا' جو رات بھر عبادت میں کھڑا رہتا۔ بچی کو یہی خیال ہوا کہ وہ ستون ہے، کیونکہ وہ تو رات کے وقت ہی چھت پر چڑھا کرتی تھی اور اسے کھڑا دیکھتی تھی۔

نیند کے فضائل:

بعض سے مروی ہے کہ نیند میں چند خوبیاں پائی جاتی ہیں' جو بیداری میں نہیں پائی جاتیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ نیند میں محمد ﷺ صحابہ اور سلف صالحین کا دیدار ہوتا ہے اور بیداری میں نہیں ہوتا، اسی طرح حق تعالیٰ جل شانہ کا دیدار بھی خواب میں ہو سکتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔

ابوبکر آجری کا خواب:

منقول ہے کہ ابوبکر آجری نے حق سبحانہ کو خواب میں دیکھا تو حق سبحانہ نے فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ الٰہی! امت محمدیہ ﷺ کے تمام عاصیوں کو معاف کر دے! اللہ نے جواب دیا: یہ تو تمہاری درخواست کے بغیر میں کرنے والا ہوں، کوئی اپنی حاجت مانگ!

کتانی کا خواب:

کتانی سے منقول ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو اندرونی اور حقیقی حالات کے خلاف ظاہر کرے، خدا اسے رسوا کر دیتا ہے۔

کتانی کا ایک اور خواب:

کتانی سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل مردہ نہ کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر روز چالیس بار یہ دعا پڑھا کرو:

یاحیی یا قیوم لا الہ الا انت اللہ تعالیٰ تمہارا دل زندہ کر دیں گے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا خواب:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور عرض کی کہ میں انگوٹھی بنوانا چاہتا ہوں، لہٰذا اس پر کیا نقش کندہ کرواؤں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: انگوٹھی پر یہ حرف کندہ کراؤ

لا الہ الا اللہ الملك الحق المبین اس لیے کہ انجیل کے اختتامی الفاظ یہی ہیں۔

ابو یزید کا خواب:

منقول ہے کہ ابو یزید نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو عرض کی: خدایا! تمہاری طرف آنے کا کون سا راستہ ہے؟ تو اللہ جل سبحانہ نے فرمایا: ترک کر دو نفس کو اور چلے آؤ۔

احمد بن خضرویہ کا خواب:

مروی ہے کہ احمد بن خضرویہ نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے احمد! ہر شخص مجھ سے کوئی چیز طلب کرتا ہے، مگر ابو یزید مجھ سے مجھ ہی کو طلب کرتا ہے۔

یحییٰ بن سعید قطان کا خواب:

انہی سے مروی ہے کہ میں نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کی: یا الٰہی! میں کب تک پکارتا رہوں گا اور تو میری دعا قبول نہیں کرے گا؟ اللہ نے جواب دیا: میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں۔

بشر بن حارث کا خواب:

ان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کی: یا امیر المومنین! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے! انہوں نے فرمایا: مالداروں کا ثواب کی خاطر فقیروں کی طرف جھکنا کیا ہی

عمدہ ہے! مگر اس سے اچھی بات یہ ہے کہ فقیر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے مالداروں پر اکڑے۔ میں نے عرض کی: امیرالمومنین! اور فرمایئے، تو فرمایا: تو مردہ تھا، پھر زندہ ہو گیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد مردہ ہو جائے گا، دنیائے فانی میں گھر کا قائم رہنا ناممکن ہے، لہٰذا دار بقاء میں اپنا گھر بنا۔

سفیان ثوری کا خواب:

مروی ہے کہ کسی نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا تو پوچھا: اللہ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا، پھر سوال کیا کہ عبداللہ بن مبارک کا کیا حال ہے؟ جواب دیا: وہ ان لوگوں میں سے ہیں، جو بارگاہ رب العزت میں روزانہ دو بار جاتے ہیں۔

ابو سہل صعلوکی کی خواب:

ابو علی دقاق سے مروی ہے کہ استاد ابو سہل صعلوکی نے ابو سہل زجاجی کو خواب میں دیکھا، ابو سہل زجاجی وعید ابدی کے قائل تھے، صعلوکی نے زجاجی سے پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا کہا؟ تو زجاجی نے کہا کہ یہاں تو معاملہ ہمارے گمان کے مقابلہ میں بہت آسان نکلا۔

حسن بن عاصم شیبانی کی خواب:

کسی نے حسن بن عاصم شیبانی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا کہا؟ فرمایا: از کریماں ہیچ ناید جز کرم، کریم سے سوائے کرم کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

کسی صوفی کی خواب:

کسی صوفی نے کسی صوفی کو خواب میں دیکھا اور اس کا حال پوچھا تو کہا کہ انہوں نے ہم سے محاسبہ کرنے میں خوب چھان بین کی، مگر پھر احسان کر کے آزاد کر دیا۔

حبیب عجمی خواب میں:

کسی نے حبیب عجمی کو خواب میں دیکھا اور کہا: کیا تو حبیب عجمی ہے؟ تو حبیب نے جواب دیا: اب یہ بات نہیں رہی میری عجمیت جاتی رہی اور اللہ کی نعمت باقی رہ گئی۔

حسن بصری کا خواب:

مروی ہے کہ حسن بصری ایک مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گئے، وہاں دیکھا کہ حبیب عجمی امامت کر رہے ہیں، لہٰذا انہوں نے ان کے پیچھے اس لیے نماز ادا نہ کی کہ وہ عجمی ہونے کی وجہ سے کہیں اعراب غلط نہ پڑھ دیں، اسی رات انہوں نے

خواب میں کسی کو سنا کہ انہیں کہہ رہا ہے: تو نے اس کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اگر اس کے پیچھے نماز پڑھ لیتا' تو اللہ تعالیٰ تمہارے گذشتہ گناہ معاف کر دیتا۔

مالک بن انس خواب میں:

مروی ہے کہ کسی نے مالک بن انس کو خواب میں دیکھا تو پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ایک کلمہ کی بدولت بخش دیا' جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جنازہ دیکھ کر پڑھا کرتے تھے' وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان الحی الذی لا یموت۔

حسن بصری کے متعلق کسی کی خواب:

جس رات حسن بصری کی وفات ہوئی تو کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ جیسے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور کوئی شخص پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ حسن بصری بارگاہ رب العزت میں پہنچا ہے اور اللہ اس پر راضی ہے۔

ابوبکر بن اشکیب کی خواب:

مروی ہے کہ ابوبکر بن اشکیب فرماتے تھے کہ میں نے استاد سہل صعلو کی کو خواب میں اچھی حالت میں دیکھا' تو پوچھا: استاد یہ حالت کیسے حاصل کی؟ انہوں نے جواب دیا: اپنے رب پر حسن ظن رکھنے کی وجہ ہے۔

جاحظ خواب میں:

مروی ہے کہ کسی نے جاحظ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: اپنے ہاتھ سے صرف وہی باتیں لکھو' جن کو لکھ کر قیامت کے دن تمہیں خوشی ہو۔

جنید کی خواب:

مروی ہے کہ جنید نے ابلیس کو خواب میں ننگا دیکھا' تو پوچھا کہ تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی؟ ابلیس نے جواب دیا: یہ لوگ لوگ نہیں ہیں، لوگ درحقیقت تو وہ ہیں' جو مسجد شونیزیہ میں ہیں، انہوں نے میرا جسم لاغر کر دیا ہے اور جگر جلا دیا ہے۔ جنید فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو مسجد شونیزیہ میں گیا اور وہاں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ فکر و غور میں اپنے سروں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فوراً کہا: شیطان خبیث کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا۔

نصر آبادی خواب میں:

نصر آبادی کی وفات کے بعد کسی نے انہیں مکہ میں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا: مجھے شریفوں کی طرح عتاب کیا گیا' اس کے بعد مجھے پکار کر کہا گیا: اے ابوالقاسم! کیا اتصال کے بعد جدائی

چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے ذوالجلال! نہیں، چنانچہ ابھی مجھے لحد میں نہیں رکھا گیا تھا کہ میں خدائے واحد سے جاملا۔

ذوالنون مصری خواب میں:

ذوالنون مصری کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ میں دنیا میں تین حاجتیں مانگا کرتا تھا، اللہ نے کچھ تو مجھے عطا کر دیں اور مجھے امید ہے کہ باقی عطا کر دے گا' میں اس سے درخواست کیا کرتا تھا' مجھے ان دس اشیاء میں سے جو رضوان کے ہاتھ میں ہیں، ایک عطا کرے، نیز یہ کہ بذات خود دے اور یہ کہ وہ مجھے اس عذاب کے مقابلے میں جو مالک (داروغہ جہنم) کے ہاتھ میں ہے، دس گنا عذاب دے، نیز یہ کہ عذاب بھی بذات خود دے، تیسرے یہ کہ وہ مجھے یہ خصوصیت عطا کرے کہ میں اس کا ذکر ابدی زبان سے کروں۔

شبلی خواب میں:

مروی ہے کہ شبلی کے مرنے کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا پر مجھ سے کسی دلیل کا مطالبہ نہیں کیا، ہاں البتہ ایک دن میں نے کہا تھا: جنت کے نقصان اور دوزخ میں داخل ہونے سے بڑھ کر کوئی اور خسارہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: میری ملاقات کے خسارے سے بڑھ کر کون سا خسارہ ہوسکتا ہے۔

جنید خواب میں:

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ جریری نے جنید کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: اے ابوالقاسم! کیا حال ہے؟ جواب دیا: وہ ہمارے اشارات اور عبادات سب ملیامیٹ ہو گئے۔ ہمیں تو صرف تسبیحات نے فائدہ پہنچایا' جو ہم صبح کے وقت کہا کرتے تھے۔

نباجی کی خواب:

نباجی سے مروی ہے کہ ایک دن مجھے ایک چیز کی خواہش ہوئی، اس کے بعد رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے: کیا آزاد مرید کے لیے یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ غلاموں کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرے، جب کہ اپنے مولا سے جو وہ چاہتا ہے' لے لیتا ہے۔

ابن جلاء اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے ضیافت:

ابن جلاء سے مروی ہے کہ جب میں مدینہ پہنچا' تو مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی، چنانچہ میں قبر شریف کی طرف بڑھا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں تو آپ کا مہمان ہوں، یہ کہنے کے بعد مجھے نیند آ گئی، خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ

مجھے ایک روٹی عطا کر رہے ہیں، چنانچہ ابھی آدھی روٹی کھائی تھی کہ میں بیدار ہو گیا اور آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

ایک صوفی سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ابن عون کی زیارت کیا کرو، کیونکہ اسے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت ہے۔

عتبۃ الغلام کا خواب:

مروی ہے کہ عتبۃ الغلام نے خواب میں ایک حور کو اچھی صورت میں دیکھا' تو اس نے عتبہ سے کہا کہ میں تم پر عاشق ہوں، دیکھنا کوئی ایسا عمل نہ کر بیٹھنا' جو تمہارے اور میرے درمیان حائل ہو جائے، یہ سن کر عتبہ نے کہا کہ میں نے دنیا کو ایسی تین طلاقیں دے دیں' جن میں رجوع نہ ہو سکے' تا آنکہ میں تمہیں ملوں۔

ایک شیخ کا لطیفہ:

میں نے منصور مغربی سے سنا کہ انہوں نے شام کے علاقہ میں ایک بہت بڑے شیخ کو دیکھا' جن پر اکثر انقباض طاری رہتا' مجھے لوگوں نے بتایا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ آپ سے کھل کر باتیں کریں' تو آپ پہلے سلام کریں، پھر کہیں کہ خدا آپ کو حور عین عطا کرے، وہ اس دعا سے آپ سے بہت خوش ہوں گے، میں نے جو اس کا سبب پوچھا' تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے خواب میں کسی حور کو دیکھا ہے، جس کا اثر ان کے دل پر باقی رہ گیا ہے، چنانچہ میں گیا اور حاضر ہو کر پہلے سلام کیا اور پھر کہا کہ خدا آپ کو حور عین عطا کرے، یہ سن کر شیخ مجھ سے کھل گئے۔

ایوب سختیانی اور ایک جنازہ:

مروی ہے کہ ایوب سختیانی نے ایک معصیت کار کا جنازہ جاتے دیکھا' تو وہ ڈیوڑھی میں گھس گئے' تا کہ انہیں اس شخص کا نماز جنازہ نہ پڑھنا پڑھے۔ اس کے بعد کسی نے اس میت کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ میت نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے اور مجھے کہا کہ ایوب سختیانی سے کہنا:

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ﴾ (الاسراء: ۱۰۰)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے' تو انہیں اس ڈر سے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائیں، اپنے پاس روکے رکھتے۔

کسی شخص کا خواب:

مروی ہے کہ جس رات مالک بن دینار فوت ہوئے، اسی رات کسی نے خواب میں دیکھا کہ جیسے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور کوئی کہہ رہا ہے کہ مالک بن دینار نے جنت میں سکونت اختیار کر لی۔

داؤد طائی کی وفات پر کسی کا خواب:

صوفیاء میں سے ایک سے مروی ہے کہ جس رات داؤد طائی کی وفات ہوئی ہے، اس رات میں نے نور دیکھا اور دیکھا کہ کچھ فرشتے اوپر کو جا رہے ہیں اور کچھ نیچے کو آ رہے ہیں، میں نے کہا: یہ کون سی رات ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا: کہ یہ رات وہ ہے جس میں داؤد طائی کی وفات ہوئی اور ان کی آمد پر جنت کو آراستہ کیا جا رہا ہے۔

استاد ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں کہ میں نے استاد ابوعلی دقاق کو خواب میں دیکھا' تو پوچھا کہ اللہ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ یہاں مغفرت کوئی بڑی بات نہیں، جو لوگ یہاں پر ہیں' ان میں سب سے کم مرتبہ کا فلاں شخص ہے' جسے ایسے ایسے انعامات دیئے گئے ہیں' خواب میں ہی مجھے خیال آیا کہ جس شخص کا انہوں نے ذکر کیا ہے اس نے تو ایک شخص کو ناحق قتل کیا تھا۔

کرز بن وبرہ کی وفات پر کسی کا خواب:

مروی ہے کہ جب کرز بن وبرہ کی وفات ہوئی' تو کسی نے خواب میں دیکھا' جیسے لوگ قبروں سے نکل آئے ہیں اور انہوں نے نئے اور سفید کپڑے پہن رکھے ہیں، کسی سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ جواب ملا: کرز کی آمد کی وجہ سے اہل قبور کو نئے کپڑے پہنائے گئے ہیں۔

یوسف بن حسین خواب میں:

کسی نے یوسف بن حسین کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: خدا نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا: مجھے معاف کر دیا، پھر پوچھا: کس وجہ سے معاف کر دیا؟ جواب دیا: اس لئے کہ میں نے کبھی جد و ہزل میں آمیزش نہیں کی۔

عبداللہ زراد کا خواب:

عبداللہ زراد کو خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ اللہ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا: پہلے تو مجھے ٹھہرا لیا، پھر میرا ہر وہ گناہ بخش دیا' جس کا میں نے دنیا میں اقرار کر لیا تھا، سوائے ایک کے جس کے اقرار سے میں شرما گیا تھا، چنانچہ اللہ نے مجھے پسینے میں ٹھہرائے رکھا، یہاں تک کہ میرے چہرے کا گوشت گر گیا، کسی نے سوال کیا کہ یہ گناہ کون سا تھا؟ جواب دیا: ایک دن میں نے ایک خوبصورت انسان کی طرف نگاہ کی تھی' جسکے ذکر کرنے سے مجھے شرم آئی۔

ابوسعید شحام کا خواب:

ابوسعید شحام سے مروی ہے کہ میں نے شیخ امام ابوالطیب سہل صعلوکی کو خواب میں دیکھا اور کہا: اے شیخ! فرمایا: شیخ کو چھوڑو، میں نے پھر کہا: وہ احوال جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے، ان کا کیا ہوا؟ جواب دیا: انہوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا،

میں نے پھر پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ان مسائل کی وجہ سے معاف کر دیا' جو بوڑھی عورتیں آ کر مجھ سے پوچھا کرتی تھیں۔

ابوبکر رشیدی کا خواب:

ابوبکر رشیدی فقیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے محمد طوسی معلم کو خواب میں دیکھا' تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ ابوسعید! صفار مؤدب سے کہہ دو، اشعار:

وكنا على ان لانحول عن الهوى	فقد وحياة الحب حلتم وما حلنا
تشاغلتلم عنا بصحبة غيرنا	واظهرتم الهجران ما هكذا كنا
لعل الذى يقضى الامور بعلمه	سيجمعنا بعد الممات كما كنا

ہمارا معاہدہ تو یہ تھا کہ ہم عشق سے نہ پھر جائیں گے' محبت کی زندگی کی قسم! آپ تو اس سے پھر گئے، مگر ہم نہیں پھرے، شاید کہ اللہ تعالیٰ جس کے علم سے تمام امور کا فیصلہ ہوتا ہے' مرنے کے بعد ہمیں پہلے کی طرح پھر اکٹھا کر دے۔

رشیدی سے مروی ہے کہ میں بیدار ہوا اور ابوسعید صفار کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہر جمعہ کو ان کی قبر کی زیارت کے لیے جایا کرتا تھا' مگر اس جمعہ کو نہیں گیا۔

صوفیاء میں سے کسی کا خواب:

صوفیاء میں سے کسی سے حکایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ان کے گرد فقراء کی ایک جماعت ہے' وہ اسی طرح تھے کہ آسمان سے دو فرشتے اترے، ایک کے ہاتھ میں طشت تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا، اس نے طشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے ہاتھ دھوئے پھر آپ نے حکم دیا، تو فقراء نے بھی ہاتھ دھوئے، اس کے بعد طشت میرے سامنے رکھی گئی' تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا کہ اس کے ہاتھوں پر پانی نہ ڈالو، کیونکہ یہ ان میں سے نہیں ہے، اس پر میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

المرء مع من احب انسان ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ سے اور ان فقراء سے محبت رکھتا ہوں' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے ہاتھ پر بھی پانی ڈالو، کیونکہ یہ انہی میں سے ہے۔

صوفیاء میں سے کسی کے متعلق حکایت کی ہے کہ وہ ہر وقت عافیت عافیت کہا کرتا تھا، کسی نے اس سے پوچھا: اس دعا کا کیا مطلب ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میں ابتداء میں بوجھ اٹھانے (حمال) کا کام کیا کرتا تھا، ایک دن میں نے کچھ آٹا اٹھایا

ہوا تھا، میں نے اسے آرام لینے کی خاطر رکھ دیا اور میں کہا کرتا تھا کہ اے خدا! اگر تو ہر روز بغیر تھکان کے دو روٹیاں دے دیا کرے' تو میرے لیے کافی ہیں، اچانک دیکھا تو دو شخص آپس میں جھگڑ رہے ہیں، میں ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے بڑھا کہ ان میں سے ایک نے میرے سر پر کوئی چیز ماری' جو وہ دوسرے کو مارنا چاہتا تھا، اس سے میرا چہرہ خون آلود ہو گیا۔

علاقہ کے تھانیدار نے آ کر دونوں کو گرفتار کر لیا' جب اس نے مجھے بھی خون میں لتھڑا ہوا دیکھا تو مجھے بھی اس خیال سے گرفتار کر لیا کہ لڑنے والوں میں شامل ہوں اور مجھے قید خانے میں ڈال دیا گیا اور ایک مدت تک وہیں رہا، ہر روز مجھے دو روٹیاں مل جاتی تھیں، ایک رات میں نے خواب میں کسی کہنے والے کو سنا: تو نے بغیر تھکان کے ہر روز دو روٹیاں مانگی تھیں اور تو نے عافیت نہیں مانگی تھی، میں نے بیدار ہونے کے بعد عافیت عافیت کہنا شروع کر دیا، اس کے بعد کسی نے قید خانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: عمر حمال کہاں ہے؟ اور انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

کتانی حکایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس آدمی تھا' جسے آنکھ میں سخت درد تھا، ہم نے اسے کہا کہ تو اس کا علاج کیوں نہیں کرتا؟ اس نے جواب دیا کہ میں پختہ ارادہ کر چکا ہوں کہ اس کا علاج نہ کروں گا، یہاں تک کہ یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے، وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھے کہہ رہا ہے کہ اگر یہ عزم اہل جہنم کے متعلق ہوتا' تو ہم انہیں جہنم سے نکال لیتے۔

جنید کا خواب:

جنید حکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ میں لوگوں کو وعظ کر رہا ہوں' تو ایک فرشتہ آ کر کھڑا ہوا اور پوچھا: وہ کون سا عمل ہے' جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قریب ترین ہو؟ میں نے کہا: وہ عمل جو پوشیدہ طور پر کیا گیا ہو' مگر میزان میں پورا ہو۔ جنید کہتے ہیں کہ یہ سن کر فرشتہ یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ اللہ کی قسم! کہ یہ کلام توفیق یافتہ کلام ہے۔

ایک آدمی نے علاء بن زیاد کو کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے' تو اہل جنت میں سے ہے، اس نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ شیطان کوئی بات چاہتا ہو اور میں اس سے بچ نکلا ہوں، لہٰذا اس نے ایک آدمی بھیج دیا ہے کہ وہ اس کی (شیطان کی) مدد کرے۔

عطاء سلمی خواب میں:

مروی ہے کہ کسی نے عطاء سلمی کو خواب میں دیکھا اور انہیں کہا کہ آپ طویل الحزن تھے' لہٰذا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اس نے اس کے نتیجہ کے طور پر مجھے ایک لمبی راحت اور دائمی خوشی دے دی، پھر پوچھا کہ آپ کس درجہ میں ہیں؟ کہا:

﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ﴾ (النساء:٦٩)

اوزاعی خواب میں:

مروی ہے کہ کسی نے اوزاعی کو خواب میں دیکھا' تو انہوں نے فرمایا: میں نے یہاں علماء کے درجہ سے بلند تر کوئی درجہ نہیں دیکھا، اس کے بعد محزونین کا درجہ آتا ہے۔

نباجی کا خواب:

نباجی سے مروی ہے کہ مجھے خواب میں کہا گیا کہ جو شخص اپنے رزق کے معاملہ میں اپنے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اس کا خلق اور اچھا ہو جاتا ہے اور اس کا نفس رزق خرچ کرنے پر راضی ہوتا ہے اور نماز میں اس کے وساوس کم ہو جاتے ہیں۔

زبیدہ خواب میں:

مروی ہے کہ کسی نے زبیدہ کو خواب میں دیکھا' تو پوچھا: اللہ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا: مجھے بخش دیا۔ پھر پوچھا؛ کیا اس لئے کہ تو نے مکہ کی طرف جانے والی سڑک پر بہت سارو پیہ خرچ کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں اسکا اجر تو کام کرنے والوں کو ملا' لیکن مجھے میری نیت کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔

سفیان ثوری خواب میں:

کسی نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا' تو پوچھا کہ اللہ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: میں نے پہلا قدم صراط پر رکھا اور دوسرا جنت میں۔

احمد بن ابی الحواری کا خواب:

احمد بن ابی الحواری سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں ایک لڑکی دیکھی کہ اس جیسی خوبصورت لڑکی میں نے کبھی نہ دیکھی تھی، اسکا چہرہ نور سے چمک رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ تمہارا چہرہ کس قدر روشن ہے؟ اس نے کہا کہ وہ رات تم کو یاد ہے' جس رات تم روئے تھے؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا کہ تمہارے آنسو مجھے لا کر دیئے گئے' تو میں نے انہیں اپنے چہرے پر لگایا' اس سے میرا چہرہ ایسا ہو گیا۔

یزید رقاشی کا خواب:

مروی ہے کہ یزید رقاشی نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا اور اس نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا' آپ نے فرمایا: یہ تو قرأت ہوئی، آنسو کہاں ہیں؟

جنید کا خواب:

جنید سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا' گویا دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں' تو ایک نے مجھ سے پوچھا: صدق کیا ہے؟ میں نے کہا: عہد کو پورا کرنا، دوسرے نے کہا: یہ سچ کہتا ہے، پھر دونوں اوپر کو چڑھ گئے۔

بشر حافی خواب میں:

کسی نے بشر حافی کو خواب میں دیکھا' تو پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ مجھے بخش دیا اور فرمایا: اے بشر! کیا تمہیں مجھ سے شرم نہیں آتی کہ تو اس قدر مجھ سے ڈرتا تھا۔

ابوسلیمان دارانی خواب میں:

مروی ہے کہ کسی نے ابوسلیمان دارانی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ بخش دیا' لیکن مجھے کوئی چیز صوفیاء کے اشارات سے بڑھ کر نقصان دہ ثابت نہیں ہوئی۔

علی بن موفق کا خواب:

علی بن موفق سے مروی ہے کہ ایک دن میں اپنے عیال اور اپنی محتاجی کے متعلق بہت فکر مند ہو رہا تھا' تو خواب میں ایک رقعہ دیکھا' جس میں لکھا ہوا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم اے ابن الموفق! کیا تجھے محتاجی کا خوف ہے؟ جب کہ میں تمہارا رب ہوں، پھر جب رات کے آخر میں تاریکی کا وقت تھا' اس وقت ایک آدمی ایک تھیلی لے کر میرے پاس آیا۔ جس میں پانچ ہزار دینار تھے اور کہا: اے کمزور ایمان والے! یہ لے۔

جنید کا خواب:

جنید سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں' حق سبحانہ نے مجھ سے پوچھا: یہ گفتگو جو تم کرتے ہو' کیسے حاصل کی؟ میں نے عرض کیا: یہ اس لیے ہے کہ میں حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے۔

ابوبکر کتانی کا خواب:

ابوبکر کتانی سے مروی ہے کہ میں نے ایک نوجوان کو خواب مین دیکھا' میں نے ایسا خوبصورت انسان کبھی نہ دیکھا تھا' میں نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہر غمناک کے دل میں، پھر میں نے جو مڑ کر دیکھا' تو ایک سیاہ اور نہایت ہی وحشت ناک شکل کی عورت تھی، میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگی کہ میں ہنسی ہوں، میں

نے پھر سوال کیا کہ تو کہاں رہتی ہے؟ بولی کہ ہر خوش رہنے والے اور اکڑنے والے کے دل میں، کتانی سے مروی ہے کہ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا اور عہد کر لیا کہ سوائے اس وقت کے جب کہ ہنسی غالب آ جائے' کبھی نہ ہنسوں گا۔

ابوعبداللہ بن خفیف کا خواب:

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ جس نے اللہ کی طرف جانے والا راستہ معلوم کر لیا اور اس پر چلا اور پھر وہاں سے ہٹ گیا' تو اسے اللہ تعالیٰ ایسا عذاب دیں گے کہ کبھی کسی کو نہ دیا ہو گا۔

شبلی خواب میں:

کسی نے شبلی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ فرمایا: حساب میں اس قدر سختی کی کہ میں مایوس ہو گیا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے میری مایوسی دیکھی' تو مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔

ابوعثمان مغربی کا خواب:

ابوعثمان مغربی سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے: اے عثمان! فقر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، خواہ یہ تل کے برابر کیوں نہ ہو۔

ابوسعید خراز اور بیٹے کی وفات:

مروی ہے کہ ابوسعید خراز کا ایک بیٹا تھا' جوان سے پہلے فوت ہو گیا تھا، ابوسعید نے اسے خواب میں دیکھا' تو کہا: بیٹا! مجھے کوئی نصیحت کرو، اس نے کہا: ابا جان! بزدلی سے اللہ کے ساتھ معاملہ نہ کرو، پھر کہا: بیٹا! کچھ اور کہو، وہ بولا: اللہ اور اپنے درمیان قمیص کو حائل نہ کرو، چنانچہ انہوں نے تیس سال قمیص نہیں پہنی۔

مروی ہے کہ ایک صوفی اپنی دعا میں کہا کرتا تھا کہ الٰہی! جو چیز تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی' مگر ہمیں فائدہ پہنچاتی ہے' تو اسے ہم سے نہ روکے رکھ۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے اور تو بھی اس چیز کو چھوڑ دے' جو تجھے نقصان پہنچاتی ہو اور نفع نہ پہنچاتی ہو۔

ابوالفضل اصفہانی کا خواب:

ابوالفضل اصفہانی سے حکایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا' تو درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا ایمان نہ سلب کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ تو پہلے سے لکھ چکا ہے۔

ابوسعید خراز اور ابلیس:

حکایت ہے کہ ابوسعید خراز نے شیطان کو خواب میں دیکھا' تو لاٹھی لے کر اسے مارنے لگے' تو کسی نے کہا کہ شیطان لاٹھی سے نہیں گھبراتا، یہ تو اس نور سے گھبراتا ہے جو دل میں ہوتا ہے۔

ایک صوفی اور رابعہ:

صوفیاء میں سے ایک سے مروی ہے کہ میں رابعہ عدویہ کے حق میں دعا کرتا تھا، پھر میں نے اسے خواب میں دیکھا' تو اس نے کہا: تمہارے تحفے نور کے تھالوں اور نور کے رومالوں میں ڈھانپے ہوئے پہنچتے ہیں۔

سماک بن حرب کا خواب:

سماک بن حرب سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میری بینائی جاتی رہی' تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہہ رہا ہے کہ فرات پر جاؤ اور اس میں غوطہ مار کر آنکھیں کھولو، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور بینائی درست ہوگئی۔

مروی ہے کہ بشر حافی کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا: جب میں نے اپنے رب کو دیکھا' تو اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور فرمایا: بشر! جس دن میں نے تمہاری جان قبض کی تھی، جان تو قبض کر لی تھی، مگر مجھے تم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا۔

باب

مریدوں کو وصیت

استاد سے مروی ہے کہ جب ہم نے صوفیاء کے کچھ حالات بیان کر دیئے اور ان کے مقامات کی تشریح بھی کر دی' تو چاہا کہ اس رسالہ کو مریدوں کی وصیت پر ختم کریں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی توفیق دے گا' تاکہ ان نصائح پر عمل پیرا ہو سکیں اور ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اس بات سے محروم نہیں کرے گا کہ ہم خود بھی ان پر عمل پیرا ہوں' تاکہ کہیں یہ نصائح خود ہمارے خلاف دلیل نہ بن جائیں۔

مرید کا پہلا قدم:

جو شخص اس طریقہ پر چلنے کا ارادہ کرے' اس کے لیے سب سے پہلا قدم صدق دلی ہے' تاکہ اس کے طریقہ کی بنیاد صحیح اصل پر ہو۔ کیونکہ شیوخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مقصود تک پہنچنے سے محروم رہے ہیں' اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بنیادی چیزوں کا خیال نہیں رکھا تھا۔

استاد ابو علی دقاق سے بھی اسی طرح مروی ہے' لہٰذا اپنے اور اللہ کے درمیان صحیح اعتقاد کے ساتھ ابتداء کرنی چاہئے' جو ہر قسم کے ظن وشبہ سے پاک' گمراہی اور بدعنوانی سے خالی ہو اور وہ اعتقاد دلائل سے پیدا ہوئے ہوں۔

صوفی اور غیر صوفی میں فرق:

مرید کے لیے یہ امر قبیح ہے کہ وہ صوفیا کے مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی طرف منسوب ہو اور اگر کوئی صوفی صوفیاء کے طریقہ کو چھوڑ کر مختلف مذاہب میں سے کسی اور مذہب کی طرف منسوب ہو' تو اس کا سبب صوفیاء کے طریقہ سے جہالت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ صوفیاء کے مسائل کے دلائل' دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ واضح ہیں اور ان کے مذہب کے اصول دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ قوی ہیں' دیگر لوگ یا تو نقل روایت کے مالک ہیں یا عقل وفکر کے مالک' مگر اس گروہ کے شیوخ ان سب چیزوں سے بلند ہیں' کیونکہ جو چیز اوروں کے لیے غیب ہے' وہ ان کے لیے ظاہر چیز ہے اور جو معرفت کے امور لوگ حاصل کرنا چاہتے ہوں' وہ ان کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے موجود ہوتے ہیں' لہٰذا یہ

لوگ اہل وصال ٹھہرے اور لوگ اہل استدلال ...صوفیاء کی مثال تو یہ ہے:

لیلی بوجهك مشرق وظلامه فی الناس ساری

فالناس فی سدف الظلا م و نحن فی ضوء النهار

''میری رات تمہارے چہرہ کی بدولت روشن ہے، حالانکہ اس کی ظلمت لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ لوگ تو تاریکی میں ہیں اور ہم دن کی روشنی میں۔''

ابتداء اسلام سے لے کر آج تک کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا' جس میں اس گروہ کا کوئی نہ کوئی ایسا شیخ نہ ہو' جسے علم توحید اور قوم کی امامت حاصل نہ ہوئی ہو۔ یہی نہیں بلکہ علماء میں سے ائمہ وقت نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے اور انہیں باعث برکت سمجھا ہے اگر انہیں کسی قسم کی فضیلت اور خصوصیت حاصل نہ ہوتی' تو معاملہ برعکس ہوتا۔

احمد بن حنبل اور شیبان راعی:

ایک واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ امام احمد بن حنبل' امام شافعی ﷺ کے پاس بیٹھتے تھے کہ شیبان راعی ادھر کو آ نکلے، احمد نے امام شافعی سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسے اس کی جہالت سے آگاہ کروں' تاکہ یہ کچھ علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دے۔ امام شافعی نے انہیں اس سے منع کیا، مگر یہ باز نہ آئے، چنانچہ انہوں نے شیبان سے کہا: آپ ایسے شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں، جو کوئی نماز پڑھنی بھول گیا اور اسے یہ بھی یاد نہ ہو کہ اس نے کون سی نماز نہیں پڑھی اب اسے کیا کرنا چاہیے؟

شیبان نے جواب دیا: اے احمد! اس شخص کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہو چکا ہے، لہٰذا اب ضروری ہے کہ اسے سزا دی جائے' تاکہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ یہ جواب سن کر احمد بیہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو امام شافعی نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں اس شخص کو چھیڑنے سے منع نہیں کیا تھا؟ یہ حالت اس شیبان کی ہے' جو ایک امی صوفی تھے' جب امی کی یہ حالت ہے تو پھر ائمہ صوفیاء کی کیا کیفیت ہوگی۔

ابو عمران فقیہ اور شبلی:

حکایت ہے کہ جامع منصور میں اکابر فقہاء میں سے ایک فقیر کا حلقہ اور شبلی کا حلقہ ساتھ ساتھ تھا، اس فقیہ کا نام ابو عمران تھا، جب شبلی گفتگو فرماتے' تو اس فقیہ کا حلقہ منتشر ہو جاتا، ابو عمران کے شاگردوں نے شبلی کو شرمندہ کرنے کی غرض سے ان سے حیض کے متعلق سوال کیا۔ شبلی نے اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا، ابو عمران نے بے ساختہ اٹھ کر شبلی کے سر پر بوسہ دیا اور کہا: اے ابوبکر! میں نے اس مسئلہ میں تم سے ایسے دس اقوال معلوم کیے ہیں، جنہیں میں نے کبھی نہ سنا تھا' جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، اس میں سے مجھے صرف تین اقوال معلوم تھے۔

ابوالعباس بن سریج اور جنید:

کسی نے عبداللہ بن سعید بن کلاب سے کہا کہ آپ ہر شخص کے کلام پر جرح کیا کرتے ہیں اور میاں! جنید نامی ایک شخص ہے، کیا تم اس پر بھی اعتراض کر سکتے ہو یا نہیں؟ چنانچہ عبداللہ، جنید کے حلقہ میں گئے اور ان سے توحید کے متعلق سوال کیا اور انہوں نے ایسا جواب دیا کہ عبداللہ حیران رہ گئے اور کلام دھرانے کی درخواست کی، جنید نے بات دھرائی، مگر عبارت بدل کر، اس پر عبداللہ نے کہا: یہ تو کوئی اور ہی بات ہے جو مجھے نہیں آتی۔ ذرا پھر دھرائیں، انہوں نے پھر عبارت بدل کر بات کو دھرایا، عبداللہ نے کہا: جو آپ فرما رہے ہیں، مجھے یاد نہیں رہ سکتا، مجھے لکھ دیجئے۔

اس پر جنید نے فرمایا: اگر آپ سلوک کا راستہ طے کر چکے ہوں، تو میں لکھ دیتا ہوں۔ اس پر عبداللہ نے کھڑے ہو کر ان کی فضیلت کا اعتراف کیا، لہٰذا جب اس گروہ کے اصول، صحیح ترین اصول قرار پائے اور ان کے مشائخ اکبر الناس ٹھہرے اور علماء اعلم الناس، تو جس مرید کا ان پر ایمان ہوگا، اگر وہ اہل سلوک میں سے ہو اور صوفیاء کے مقاصد کی طرف بتدریج جانے کا خیال رکھتا ہو، وہ ان غیبی مکاشفات میں جو ان لوگوں کا مابہ الامتیاز ہے، شریک ہوگا اور اسے ان لوگوں کا محتاج نہ ہونا پڑے گا، جو اس گروہ سے خارج ہیں۔

اور اگر کوئی مرید اتباع کے طریقہ کا ارادہ رکھتا ہو اور مستقل حالت کا مالک نہ ہو اور یہ چاہتا ہو کہ تقلید کے وطن میں اس وقت تک ٹھہرا رہے، جب تک وہ خود اہل تحقیق میں سے نہ ہو جائے، تو اسے اپنے اسلاف کی تقلید کرنی چاہیے۔ اور اسے ان ہی لوگوں کے طریقہ پر چلتے رہنا چاہیے، کیونکہ یہ لوگ اوروں کے مقابلہ میں بہت بہتر ہوں گے۔

میں تحقیق سے کہتا ہوں کہ میں نے شیخ عبدالرحمٰن اسلمی کو سنا، انہوں نے ابوبکر رازی اور انہوں نے شبلی کو اور وہ فرما رہے تھے:

ماظنك بعلم علم العلماء فيه تهمة ایسے علم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جس کے مقابلہ میں علماء کا علم تہمت کے برابر ہو؟ جنید سے مروی ہے کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ اس علم کے مقابلہ میں جس میں ہم اپنے اصحاب اور بھائی بندوں سے گفتگو کرتے ہیں، دنیا میں کوئی اور علم افضل و اشرف ہے، تو میں اس کے حاصل کرنے کی ضرور کوشش کرتا اور میں اس کا ضرور قصد کرتا۔

(۱) مرید کے لیے علم شریعت کا جاننا ضروری ہے:

جب کوئی مرید اپنے اور اللہ کے درمیان اپنا عہد مضبوط اور استوار کرے، تو اسے پہلے اس قدر علم شریعت جس سے وہ فرائض کی ادائیگی کر سکے، یا تو تحقیقی طور پر یا ائمہ سے پوچھ کر حاصل کرنا چاہیے۔ اگر کہیں فقہاء کے فتوؤں میں اختلاف پائے،

تو اسے ایسا طرز اختیار کرنا چاہئے جس میں احتیاط پائی جاتی ہو اسے ہمیشہ ایسے امور سے جن میں اختلاف پایا جاتا ہو باہر رہنا چاہیے۔

کیونکہ شریعت کے اندر رخصت صرف ان لوگوں کے لیے ہوتی ہے، جو کمزور حاجت مند اور کام کاج کرنے والے لوگ ہوں اور ان لوگوں کے لیے حق سبحانہ کے حقوق پر کاربند رہنے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کے ہاں کہا جاتا ہے کہ جب کوئی فقیر درجہ حقیقت سے اتر کر شریعت کی رخصتوں پر آ جائے تو سمجھ لو کہ اس نے اللہ کے ساتھ اپنا معاہدہ فسخ کر ڈالا اور اپنا عہد و پیمان توڑ دیا۔

(۲) مرید کے لیے شیخ کا پکڑنا لازمی ہے:

چنانچہ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی استاد نہیں اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔

ابوعلی دقاق کا قول:

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کسی نے اسے لگایا ہو خود بخود اگ گیا ہو تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے، مگر یہ درخت پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو جس سے ایک ایک سانس کر کے وہ اپنے راستہ کو اخذ کرے تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہو گا اور اسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔

(۳) مرید سلوک سے پہلے توبہ کرے:

یہ چیزیں کر لینے کے بعد جب وہ سلوک کا ارادہ کرے تو اسے ہر قسم کی لغزش سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے چنانچہ اسے تمام لغزشوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی چھوٹی ہوں یا بڑی چھوڑ دینا چاہیے۔

(۴) خصوم کو راضی کرنا:

مرید کے لیے (چوتھی بات ضروری یہ ہے کہ وہ) ان لوگوں کو جن سے اس کا کسی قسم کا بھی جھگڑا ہو راضی کر لینا چاہیے، کیونکہ جس سے اس کے خصم راضی نہ ہوں گے وہ راہ طریقت میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا، صوفیاء کا یہی طریقہ رہا ہے۔

(۵) دنیاوی تعلقات کو کم کیے جانا:

اس کے بعد دنیاوی تعلقات اور شواغل کو کم کرتے جانا چاہیے، اس لئے کہ طریقت کی بنا ہی اس بات پر ہے کہ دل دنیاوی مشاغل سے خالی ہو۔

شبلی کا حصری کو حکم:

شبلی حصری کو شروع میں فرمایا کرتے کہ ایک جمعہ کے بعد جب دوسرے جمعہ کو تم میرے پاس آنے لگو' تو اگر اس عرصہ میں تمہارے دل میں غیر اللہ کا خیال بھی آ گیا ہو' تو پھر میرے پاس آنا تمہارے لئے حرام ہے۔

قطع علائق کس طرح ہو؟

(۱) جب مرید دنیاوی تعلقات سے علیحدگی اختیار کرنے لگے' تو سب سے پہلے اپنے مال سے تعلق توڑ لے، کیونکہ یہی ایک چیز ہے جو اسے راہ حق سے ہٹا کر ایک طرف لے جاتی ہے' ہم نے کوئی مرید ایسا نہیں دیکھا کہ اس نے راہ طریقت میں قدم رکھا ہو اور پھر دنیا کے ساتھ بھی تعلق باقی رکھا ہو اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد اس حالت میں نہ چلا گیا ہو جس سے وہ نکلا تھا۔

(۲) مال سے علیحدگی کے بعد' دوسری ضروری بات اپنے جاہ وجلال کو خیر باد کہنا ہے، کیونکہ اپنے جاہ جلال پر نظر جمائے رکھنا اللہ سے قطع تعلق کر دینے کا بہت بڑا سبب ہے اور جس وقت تک مرید کے نزدیک مخلوق کا ہر دل عزیز ہونا یا ان کی طرف سے دھتکارا جانا' دونوں یکساں نہ ہوں، اس وقت تک وہ کسی مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ درحقیقت لوگوں کا اسے بنظر استحسان دیکھنا اور اس سلسلہ سے اپنی بے مائیگی کی وجہ سے اسے باعث برکت سمجھنا' مرید کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں امر ہے، جب کہ ابھی تک مرید کی ارادت ہی درست نہیں ہوئی، پھر اسے باعث برکت سمجھنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ لہٰذا جاہ وجلال کو خیر باد کہنا بہت ضروری ہے، کیونکہ جاہ وجلال مرید کے لیے زہر قاتل کا کام کرتا ہے۔

(۳) جب مرید اپنے مال کو خیر باد کہہ چکے' تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اور اللہ کے درمیان اپنے عقیدہ کو درست کرے۔

(۶) شیخ کی مخالفت نہ کرنا چاہیے:

ہر وہ بات جس کا حکم شیخ دے، اسے اس کی ہرگز مخالفت نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ابتداء میں مرید کے لیے شیخ کی مخالفت انتہائی نقصان دہ ہے، اس لیے کہ اس کی ابتدائی حالت سے ہی اس کی تمام عمر کا پتہ چلتا ہے۔

(۷) شیخ پر اعتراض نہ کرنا چاہیے:

مرید ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ مرید کے دل میں شیخ کے متعلق کسی قسم کا شک یا اعتراض پیدا نہ ہونا چاہیے، اگر مرید کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ دنیا یا آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہے یا یہ کہ شیخ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور شخص بھی ہے' تو سمجھ لینا چاہیے کہ ارادت میں اس کا اقدام درست نہیں۔ کیونکہ اس کی کوشش تو یہ ہونی چاہیے کہ اسے اللہ کی

معرفت حاصل ہو نہ ہو' یہ کہ اسے قدر و قیمت حاصل ہو اور ان دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کو چاہ رہا ہو اور دوسرا دنیا و آخرت میں جاہ و جلال کا خواہاں ہو۔

(۸) اپنے اسرار کو محفوظ رکھنا چاہیے:

پھر یہ کہ اپنے اسرار کو محفوظ رکھنا چاہیے، یہاں تک کہ اپنے تکموں سے بھی' البتہ اسے اپنے شیخ سے اپنے اسرار کو چھپا کر نہیں رکھنا چاہیے اور اگر اس نے اپنے شیخ سے ایک سانس بھی چھپائے رکھا' تو اس نے اس کے حق صحبت میں خیانت کی، اگر بالفرض اس سے شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات سرزد ہو گئی ہے' تو اسے فوراً شیخ کے سامنے تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور پھر شیخ جس قسم کی سزا کا حکم دے ... مثلاً سفر کرنے کا حکم یا کوئی اور حکم' تو اسے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیے، شیخ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مرید کی لغزشوں کو درگزر کر دے، کیونکہ اس میں حقوق اللہ کی حق تلفی ہوتی ہے اور جب تک مرید ہر قسم کے تعلق سے علیحدگی اختیار نہ کرے، اس وقت تک شیخ کو اسے کسی قسم کے ذکر کی تلقین نہیں کرنی چاہیے، بلکہ چاہیے کہ پہلے مرید کو آزما لے اور جب اس کا دل گواہی دے کہ مرید میں صحیح عزم پایا جاتا ہے' تب شیخ مرید پر یہ شرط لگا دے کہ اسے اس طریقت میں جس قسم کے بھی تقدیر کے تصرفات پیش آئیں' وہ ان پر راضی ہو۔

نیز یہ کہ شیخ مرید سے اس بات کا عہد لے کہ اسے اس راہ میں کسی قسم کی تنگی' ذلت' فقر' بیماری یا دکھ لاحق ہو' تب بھی وہ اس راہ سے نہیں ہٹے گا اور اس کا دل تن آسانی کی طرف مائل نہ ہو گا اور وہ مجبوری کے عالم یا فاقہ کے غلبہ کے وقت رخصت کو اختیار نہ کرے، بلکہ عزیمت کو اختیار کرے گا' نہ تن آسانی کو پسند کرے گا اور نہ سستی کو اپنا شعار بنائے گا، کیونکہ مرید کا وقفہ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جانا فطرت سے بھی بدتر ہے۔

وقفہ اور فترہ میں فرق:

فترہ اور وقفہ میں فرق یہ ہے کہ ارادت سے رجوع کرنا اور اس کا ترک کر دینا' فترہ کہلاتا ہے۔ اور سستی کے حالات کو لذیذ سمجھ کر راہ طریقت کی رفتار میں وقفہ ڈالنا' وقفہ کہلاتا ہے اور جو مرید ابتدائی امر میں ٹھہر گیا' وہ کوئی رتبہ نہ پا سکا۔

ذکر کی تلقین:

جب شیخ نے مرید کو آزما لیا' تو پھر وہ اسے جیسا کہ اس کی رائے ہو کوئی ذکر تلقین کرے۔ چنانچہ پہلے زبان سے ذکر کرنے کا حکم دے، پھر دل اور زبان سے اسے ذکر ٹھیک طرح ادا کرنے کو کہے۔ پھر فرمائے کہ تم ذکر پر ہمیشہ اس طرح پابند رہو' گویا کہ تو ہمیشہ اپنے دل سے اپنے رب کے پاس ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکے تمہاری زبان پر اس اسم کے سوا کوئی اور اسم جاری نہ ہو۔

ہر وقت باوضو رہنا:

اس کے بعد شیخ مرید کو ہر وقت باوضو رہنے کا حکم دے، نیز یہ کہ وہ اس وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو اور بتدریج اپنی غذا کو کم کرتا جائے، تا آنکہ اسے غذا کم کھانے کی قوت حاصل ہو جائے' شیخ کے لیے مناسب نہیں کہ اسے یک لخت اپنی عادت کو ترک کرنے کا حکم دے، کیونکہ حدیث میں ہے:

((ان المنبت لا ارضا قطع ولا ظهرا ابقى))(بیهقی:۳/ ۱۹)

جو شخص اپنے جانور کو زبردستی چلاتا رہتا ہے' تا آنکہ وہ چور ہو کر گر پڑتا ہے، وہ شخص نہ تو مسافت طے کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی سواری بچ سکتی ہے۔

خلوت کی تلقین:

اس کے بعد شیخ مرید کو خلوت اور گوشہ نشینی کا حکم دے اور مرید کے لیے اس حالت میں ضروری ہے کہ وہ گھٹیا قسم کے خیالات اور ان خیالات کو جن سے دل اللہ سے ہٹتا ہے' دور کرنے کی کوشش کرے۔

یاد رکھو کہ ابتداء ارادت میں اس حالت میں خلوت کے دوران میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مرید کے اعتقاد میں وسوسے نہ آئیں۔ بالخصوص جب کہ مرید کا دل صاف ہو' لیکن ہر مرید کو ابتداء ارادت میں یہ کیفیت پیش نہیں آتی اور یہ حالت ان آزمائشوں میں سے ہے' جن میں مرید مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا شیخ کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ مرید میں سمجھ بوجھ پائے' تو اسے عقلی دلائل کی طرف رجوع کرنے کا کہے، کیونکہ معرفت کا طالب' علم کے ذریعے سے ان وساوس سے جو اس پر طاری ہوتے ہیں' نجات پا جاتا ہے اور اگر شیخ دیکھے کہ اس میں طریقت کے اندر قوت اور ثابت قدمی پائی جاتی ہے' تو پھر اسے صبر اور پیوستہ ذکر کرنے کا حکم دے، تا آنکہ اس کے دل میں مقبولیت کا لرزہ چمک اٹھے اور وصول الی الحق کے سورج اس کے باطن میں طلوع ہو جائیں اور ان شاء اللہ یہ بات عنقریب ہو کر رہے گی، مگر یہ بات سوائے خاص افراد کے اوروں میں نہیں پائی جاتی' بالعموم یہی ہوتا ہے کہ ان کا علاج اس طرح کیا جاتا ہے کہ انہیں آیات میں غور و خوض کرنے کی طرف لوٹایا جائے، بشرطیکہ انہیں اس قدر علم اصول حاصل ہو' جس قدر کہ مرید کو اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

مرید کی مشکلات:

یاد رکھو کہ اس مقام میں خاص طور پر مرید کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ اس طرح کہ جب وہ چلہ کشی میں ہوتے ہیں' یا جب وہ سماع کی مجلس میں ہوتے ہیں یا کسی اور مقام پر' تو اس وقت ان کے دلوں میں بڑی بڑی اشیاء کا خیال پیدا ہوتا ہے، حالانکہ انہیں یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ان امور سے منزہ و پاک ہے اور انہیں ان خیالات کے باطل

ہونے میں شک وشبہ بھی نہیں ہوتا، مگر یہ وساوس دوام پکڑ کر ان کے لیے سخت اذیت کا باعث ہوتے ہیں اور یہ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ یہ سخت ترین، دشنام، بدترین قول اور مکروہ ترین خیالات بن جاتے ہیں کہ مرید کو ان کا زبان پر لانا بھی ممکن نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی سے اس کا اظہار کرسکتا ہے، یہ مشکل ترین چیز ہوتی ہے، جو ان پر واقع ہوتی ہے۔

لہٰذا ایسے مواقع پر ضروری ہے کہ ان وساوس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ذکر کو بدستور جاری رکھا جائے اور اللہ سے عجز و نیاز سے درخواست کی جائے کہ وہ ان وساوس کو ان سے دور کرے، یہ وساوس شیطان کی طرف سے نہیں ہوتے، یہ صرف ہواجس نفس ہوتے ہیں، لیکن جب بندہ ان کا مقابلہ اس طرح کرے کہ ان کی پرواہ ہی نہ کرے، تو یہ ہواجس نفس منقطع ہو جاتے ہیں۔

آداب مرید:

(۱) آداب مرید میں سے بلکہ اس کی حالت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنی خلوت کی جگہ سے نہ نکلے

(۲) اور بیشتر اس کے کہ وہ اپنے دل کے ساتھ رب تک پہنچ جائے، اسے سفر نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ مرید کے لیے بے موقعہ سفر کرنا زہر قاتل ہے اور اگر کوئی بے موقعہ سفر کرے، تو جن مراتب کی اس کے لیے امید کی جا سکتی تھی، وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا اور جب اللہ تعالیٰ کسی مرید سے بھلائی کرنا چاہتا ہے، تو ابتداء ارادت میں اسے ثابت قدم بنا دیتے ہیں اور جب کسی مرید سے برائی چاہتے ہیں، تو اسے پہلی حالت میں یا پہلے پیشہ میں لوٹا دیتے ہیں اور جب کسی مرید کو آزمانا چاہتے ہیں، تو اسے سفر میں دھکیل دیتے ہیں۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب مرید اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی اہلیت رکھتا ہو، لیکن اگر مرید نوجوان ہو، تو اس کی طریقت یہی ہے کہ ظاہری طور پر بذات خود فقراء کی خدمت کرے اور وہ طریقت میں ان فقراء میں سب سے کم مرتبہ والا ہوگا اور اس قسم کے اور لوگ طریقت کے ظاہری رسوم پر اکتفاء کریں گے اور سفر میں لگے رہیں گے اور زیادہ سے زیادہ جو چیز انہیں اس طریقہ سے حاصل ہوگی، وہ چند حج ہوں گے، یا چند ایک مقامات کی زیارت ہوگی اور ظاہری سلام کے ساتھ چند شیوخ کی ملاقات ہوگی۔

چنانچہ یہ ظاہری امور کا مشاہدہ کریں گے اور اس طرح ظاہری سیر و سیاحت پر اکتفاء کر بیٹھیں گے۔ ان لوگوں کے لیے ہمیشہ سفر میں رہنا ضروری ہے، تاکہ ان کی تن آسانی کسی ممنوع امر کے مرتکب ہونے کا باعث نہ بن جائے، اس لیے کہ جب نوجوان کو آرام اور تن آسانی میسر آ جائے، تو اس کا فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ اور جب کوئی مرید ابتداء ارادت میں فقراء اور اصحاب کی جماعت میں گھس جائے، تو یہ بات خود اس کے لیے سخت مضر ہے اور اگر کوئی اس بات میں

مبتلا ہو جائے' تو اسے شیوخ کا احترام اور اصحاب کی خدمت کرنی چاہیے اور کسی بات میں ان کی مخالفت نہ کرنی چاہیے اور ایسے امور میں لگا رہنا چاہیے' جن سے فقیر کو آرام و راحت حاصل ہو اور کوشش کرنی چاہیے کہ کہیں شیخ کا دل اس سے اچاٹ نہ ہو جائے۔

نیز یہ کہ جب فقراء کی محبت میں ہو' تو یہ ہر وقت ان کی خاطر اپنے نفس کے ساتھ جھگڑے، یہ نہ ہو کہ وہ اپنے نفس کی خاطر ان سے جھگڑے، یوں سمجھے کہ ان میں سے ہر ایک کا اس پر ضرور حق ہے اور اس کا ان پر کسی قسم کا حق نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مرید کسی کی مخالفت نہ کرے اور اگر اسے معلوم ہوا کہ وہ حق پر ہے' تو وہ خاموش رہے اور ہر ایک کے ساتھ موافقت کا اظہار کرے۔

جس کسی مرید میں ہنسی یا ضد یا جھگڑے کی عادت پائی جاتی ہو' اس سے کچھ بن نہ آئے گا۔ اور جب مرید فقراء کی جماعت میں ہو' خواہ سفر میں' خواہ حضر میں' تو اسے ظاہر میں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، نہ کھانے میں اور نہ روزہ رکھنے میں اور نہ کسی سکون میں اور نہ حرکت میں، اگر کرے تو دل میں اور باطن میں کرے' تا کہ اس کا دل اللہ کے ساتھ محفوظ رہے اور جب وہ اسے کسی بات کا حکم دیں... مثلاً کھانے کا تو وہ ایک یا دو لقمے کھالے' مگر خواہش کے مطابق نہ کھائے۔

ظاہری طور پر کثرت مرید کے آداب میں سے نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ تو اپنے وسوسوں کو نکالنے کی کوشش میں اور اپنے اخلاق کے علاج اور دل سے غفلت کو دور کرنے میں لگے رہتے ہیں اور نیک اعمال کی کثرت میں نہیں لگتے، مگر فرضوں اور سنتیں مؤکدہ سے کسی صورت میں بھی چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ اب رہا سوال کہ نفلی نمازوں کا... اس میں اضافہ کیا جائے تو ان کے لیے دل سے ہمیشہ ذکر جاری رکھنا اس سے بہتر ہے۔

مرید کو ہر کسی کی بات کو برداشت کرنا ہوگا:

مرید کی ساری پونجی یہی ہے کہ وہ ہر کسی کی بات کو بطیب خاطر برداشت کرے اور جو کچھ اس سے پیش آئے' اسے رضامندی کے ساتھ قبول کرے۔ دکھ اور فاقہ پر صبر کرے، کسی سے سوال نہ کرے اور اپنی ذات کی خاطر کسی سے نہ جھگڑے' خواہ چھوٹی بات ہو' یا بڑی۔

جو مرید ان باتوں پر صبر نہ کرسکتا ہو اسے طریق فقر چھوڑ کر بازار میں بیٹھنا چاہیے، کیونکہ جو مرید انہی باتوں کی خواہش رکھتا ہو' جن کی عام لوگ خواہش رکھتے ہیں' تو اسے اپنی خواہشات کو وہیں سے حاصل کرنا چاہیے' جہاں سے وہ لوگ حاصل کرتے ہیں' یعنی ہاتھ کی محنت کی کمائی سے۔

مرید کو جو مشاہدات ابتداء ارادت میں حاصل ہوں' ان کی طرف دل نہ لگانا چاہیے:

جب مرید متواتر ذکر جاری رکھے اور خلوت پذیر ہو' تو اگر اسے اسی حالت میں ایسے امور حاصل ہوں' جو پہلے حاصل نہ تھے' خواہ خواب میں' خواہ بیداری میں یا خواب اور بیداری کے بین بین... مثلاً یہ کہ وہ یہ سنے کہ کوئی شخص اسے خطاب کر رہا ہے' یا کوئی اور خارق عادت بات کا مشاہدہ کرے' تو اسے اس کے ساتھ قطعاً مشغول نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہونا چاہیے اور نہ ہی اس قسم کے اور مشاہدات کا منتظر رہنا چاہیے۔

اس لیے کہ یہ تمام امور حق تعالیٰ سے ہٹا دینے والے ہیں، اس لیے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ان حالات کو اپنے شیخ کے سامنے بیان کرے' تاکہ اس کا دل اس سے خالی ہو جائے، شیخ کو بھی چاہیے کہ اس کے راز کو محفوظ رکھے اور دوسروں سے اسے چھپائے رکھے۔ مگر اس کی اپنی نگاہ میں ان باتوں کو اس کے سامنے حقیر اور معمولی بتائے، کیونکہ امور تمام کے تمام آزمائش کے طور پر ہوتے ہیں اور ان پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا' دھوکہ ہوتا ہے، مرید کو ان سے اور ان کی طرف نگاہ سے بچنا چاہیے اور اپنی ہمت ان امور کی طرف لگانی چاہیے' جو اس سے بلند تر ہوں۔

مشاہدات سے انس محسوس کرنا مرید کے لیے مضر ہے:

یاد رکھو کہ مرید کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں امر یہ ہے کہ وہ ان امور پر' جو اس کے باطن میں حق تعالیٰ کی طرف سے ڈالے جاتے ہیں' انس محسوس کرے... مثلاً حق تعالیٰ کا اسے اپنا قرب عطاء کرنا اور اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کہ میں نے تجھے اس بات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور تمہارے ہم جنسوں سے تمہیں ممتاز کر دیا ہے، کیونکہ اگر وہ ان امور کو ترک کر دینے کا عزم کرے گا' تو اسے ان سے ہٹا کر مکاشفات حقیقت سے ہٹا دیا جائے گا۔

کتابوں میں ان امور کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔

شیخ کی تلاش میں ہجرت کرنا:

احکام مرید میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اگر وہ اپنے شہر میں کسی ایسے شخص کو نہ پائے' جس سے وہ تربیت حاصل کر سکے تو وہ ہجرت کر کے ایسے شخص کے پاس چلا جائے' جو مریدوں کی رہنمائی کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور اس کے پاس رہے اور اس کے در کو اس وقت تک نہ چھوڑے، جب تک کہ وہ خود اجازت نہ دے۔

مرید کے لیے حج کرنے سے پہلے معرفت الٰہی کا حاصل کرنا ضروری ہے:

یاد رکھو کہ بیت اللہ کی زیارت سے پہلے اس گھر کے مالک کا جاننا ضروری ہے، کیونکہ اگر گھر کے مالک کی معرفت ضروری نہ ہوتی' تو اس گھر کی زیارت کرنا بھی فرض نہ ہوتا۔ ان لوگوں میں سے ایک وہ نوجوان جو شیخ کے حکم کے بغیر حج کے

لیے نکل جاتے ہیں' وہ محض حظ نفس کی وجہ سے ایسا کر بیٹھتے ہیں' لہٰذا یہ لوگ رسمی طریقت پر چلتے ہیں اور ان کے اس سفر کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس قدر ان کا سفر بڑھتا جائے گا، اسی قدر اس کے دل کی پریشانی بڑھتی جائے گی۔ اگر یہ لوگ اپنے حظوظ نفسانیہ کو ترک کر کے ایک قدم بھی آگے بڑھاتے' تو یہ ان کے لیے ایک ہزار سفر سے بھی زیادہ سودمند ہوتا۔

مرید شیخ کی خدمت میں نہایت احترام سے جائے:

مرید کی ایک شرط یہ ہے کہ جب شیخ کی زیارت کے لیے جائے' تو نہایت احترام کے ساتھ ان کے پاس جائے اور شرم وحیاء سے اس کی طرف دیکھے اور اگر شیخ کسی قسم کی خدمت کا اسے اہل خیال کرے' تو اسے اس کو بہت بڑی نعمت شمار کرنا چاہیے۔

شیخ معصوم نہیں ہوتا:

مرید کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے شیخ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ معصوم ہے، بلکہ اسے ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے اور ان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور جن امور کی طرف وہ توجہ دے' ان میں سے اللہ کی مقرر کردہ حدود کا لحاظ رکھنا چاہئے، محمود اور غیر محمود کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے اس کا علم اس کے لیے کافی ہوگا۔

مرید کے دل میں ساز وسامان کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ہونی چاہیے:

جس مرید کے دل میں دنیا کے ساز وسامان کی تھوڑی سی بھی قدر ومنزلت ہو اور اس کے لیے ارادت کا نام مجازی ہوگا' حقیقی نہ ہوگا، لہٰذا جب اس کے دل میں اس سرمایہ کے متعلق جس سے وہ علیحدگی اختیار کر رہا ہے' اختیار باقی ہوگا، چنانچہ وہ یہ چاہے کہ کسی خاص قسم کی نیکی پر لگائے یا کسی مخصوص شخص کے ساتھ نیکی کرے، دوسرے کے ساتھ نہ کرے تو سمجھ لو کہ یہ شخص اپنی حالت میں تکلیف سے کام لے رہا ہے اور خطرہ ہے کہ جلد ہی دنیا کی طرف رجوع کرنے لگ جائے گا۔

اس لیے کہ دنیاوی علائق کو ترک کرنے میں مرید کا ارادہ ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کرنا ہوتا ہے' نہ یہ کہ وہ نیکی کے کاموں میں کوشش کرے۔ مرید کے لیے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنی تمام پونجی اور اندوختہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے باوجود کسی خاص پیشہ کا مقید ہو رہے۔ اس کے نزدیک تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہونے چاہیں، تاکہ وہ مال کی وجہ سے نہ تو کسی فقیر سے فخر کرے اور نہ کسی کو تنگ کرے' خواہ وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔

فصل:

اگر شیخ کا دل مرید کو قبول کرے' تو یہ اس کے لیے سعادت کا باعث ہے۔ شیخ کے دل کا مرید کو قبول کر لینا مرید کی

سعادت مندی کا بہترین ثبوت ہے اور جسے کسی شیخ کے دل نے رد کر دیا' وہ یقیناً اس کا انجام دیکھ لے گا' خواہ کچھ مدت کے بعد ہی دیکھے اور جو اپنے شیخ کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے رسوا ہوا' تو اس نے بدبختی کے علامات ظاہر کر دے اور اس قسم کا شخص بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

مرید کو نوخیز بچوں کی صحبت سے بچنا چاہیے:

اس راہ میں سخت ترین آفت' نوخیز بچوں کی صحبت ہے' جسے اللہ نے ان کی صحبت میں مبتلا کر دیا تو اس بات پر تمام شیوخ کا اتفاق ہے کہ اس بندے کو اللہ نے ذلیل و خوار کر دیا، بلکہ اسے اپنی ذات سے غافل کر دیا' خواہ اسے ہزار ہا کرامات کا اہل کیوں نہ بنا دیا ہو اور فرض کرو کہ وہ شخص شہداء کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہے (تب بھی کوئی بات نہیں)، کیونکہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، کیا یہ دل اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف مشغول نہیں ہوا، اس سے بھی سخت بات یہ ہے کہ مرید اسے معمولی بات سمجھنے لگ جائے' حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وتحسبونه هينا وهو عندالله عظيم تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو' حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ ایک بڑی بات ہے۔

واسطی سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل و خوار کرنا چاہتا ہے' تو اسے رن' بدبوؤں اور مرداروں کی طرف ڈال دیتا ہے۔

فتح موصلی سے مروی ہے کہ میں تیس ایسے شیوخ کی صحبت میں رہا ہوں' جو ابدال میں شمار ہوتے تھے اور جب میں ان سے جدا ہونے لگا' تو ہر ایک نے یہی نصیحت کی اور فرمایا: نوخیزوں کی صحبت اور ان سے میل جول رکھنے سے بچتے رہنا اور جو لوگ اس سلسلہ میں فسق کی حالت سے بلند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو روح کی آزمائش ہے اور یہ کہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور جو کچھ لوگوں نے کہا ہے، یہ سب ان لوگوں کے وسوسے ہیں، جو صنعت خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے قائل ہیں اور وہ اس سلسلہ میں بعض شیوخ کی حکایات بھی بیان کرتے ہیں، حالانکہ ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ ان شیوخ کے عیوب پر پردہ ڈالتے۔

یہ تمام قسم کے خیالات شرک اور کفر کے برابر ہیں، مرید کو نوخیزوں کی صحبت اور ان سے میل جول رکھنے سے بچنا ہی چاہیے، اس لیے کہ تھوڑی سی یہ صحبت رسوائی کے دروازے کھول دے گی اور خدا سے جدا کر دے گی، ہم اللہ تعالیٰ کے پاس بری قضاء سے پناہ چاہتے ہیں۔

مرید کو حسد سے بچنا چاہیے:

مرید کی آفات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے اندر اپنے بھائیوں کے متعلق ایک مخفی حسد پیدا ہو جاتا ہے

اور وہ اس بات سے اثر پذیر ہوتا ہے کہ اس کے برادران طریقت میں سے کسی ایک پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور خود اس سے محروم ہے۔

یاد رکھو! تمام امور اللہ کی تقسیم ہیں، بندہ اس قسم کے حسد سے صرف اس وقت نجات پا سکتا ہے، جب وہ ذات حق پر اکتفا کرے اور اللہ نے اگر کسی کو مقدم کیا ہے' تو یہ اس کی سخاوت اور انعام کا تقاضا ہے، لہٰذا اے مرید! جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کا مرتبہ بلند کر دیا ہے' تو تجھے اس شخص کا حاشیہ بردار ہو جانا چاہیے، کیونکہ اللہ کے ارادت مندوں میں ظریف الطبع لوگوں کا یہی دستور رہا ہے۔

مرید کا کام ایثار کرنا ہے:

یاد رکھو کہ جب ایسا اتفاق ہو کہ مرید کچھ لوگوں کے اندر ہے' تو اسے سب کچھ ایثار کر دینا چاہیے اوروں کو' خواہ وہ بھوکے ہوں' خواہ سیر، اپنے سے مقدم جاننا چاہیے اور جو شخص بھی اپنے آپ کو شیخ بنائے' اسے اس کی شاگردی کرنا چاہیے' خواہ وہ خود اس سے زیادہ علم کیوں نہ رکھتا ہو، یہ بات اسے اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے' جب وہ اپنی قوت اور چالاکی سے بیزار ہو اور اس مرتبہ تک پہنچنا بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت اور احسان سے ہی ہو سکتا ہے۔

سماع میں مرید کے آداب:

اب رہا یہ سوال کہ سماع میں مرید کے کیا آداب ہونے چاہیں؟ سو معلوم ہونا چاہیے کہ سماع میں مرید کی حرکات کا صحیح و سالم رہنا اپنے اختیار کی بات نہیں ہے، لہٰذا جب اس پر حرکت کرنے کی کیفیت طاری ہو اور اس میں اپنی قوت باقی نہ رہی ہو' تو اس مرید کو حرکت کے غلبہ کی مقدار کے مطابق معذور سمجھا جائے گا، مگر جب یہ غلبہ زائل ہو جائے' تو پھر مرید کو چاہیے کہ بیٹھ جائے اور ساکن ہو جائے' لیکن اگر وہ وجد کی لذت کی خاطر پھر بھی حرکت جاری رکھے، حالانکہ اس پر نہ حرکت کا غلبہ ہے اور نہ اس کی ضرورت' تو یہ بات اس کے لیے درست نہیں اور اگر وہ اسے اپنی عادت بنا لے گا' تو یہ اوروں کے پیچھے رہ جائے گا۔ اور کسی قسم کے حقائق کا اسے مکاشفہ نہ ہو گا، اس وقت زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔

مختصر بات یہ ہے کہ سماع میں خواہ مرید حرکت کرنے لگے' خواہ شیخ، اس سے ان کے رتبہ میں کمی اور ان کی حالت میں نقص پیدا ہوتا ہے، ہاں البتہ اگر یہ حرکت وقت کے اشارے یا ایسے غلبہ کی وجہ سے پیدا ہو' جس سے وہ عقل کھو بیٹھے' تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں، اسی طرح اگر مرید کو شیخ نے حرکت کرنے کا حکم دیا ہو اور حرکت کرے' تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ شیخ ایسا ہو جسے اس قسم کے مریدوں کو حکم کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن جب فقراء اسے اس بات کا حکم دیں کہ وہ حرکت کرنے میں ان کی موافقت کرے' تو اسے کھڑے ہو جانے میں ان کا ساتھ دینا چاہیے، نیز ان چیزوں کے ادا کرنے میں' جن سے

کوئی چارہ کار نہیں ہو سکتا، ایسے امور جن میں اسے اس بات کا خیال ہو کہ کہیں ان کے دل اس سے متنفر نہ ہو جائیں۔

مزید براں اس کا صدق فقراء کو اس سے یہ درخواست کرنے سے باز رکھے گا کہ وہ ان سے موافقت کرے، کیونکہ یہ تو خود بخود ان کی موافقت کرے گا۔

سماع میں خرقہ اتار پھینکنا:

خرقہ اتار پھینکنے کے متعلق حکم یہ ہے کہ جب مرید کسی چیز سے نکل آئے' تو پھر اسے دوبارہ اس چیز کی طرف قطعاً نہیں لوٹنا چاہیے، ہاں اگر شیخ اس چیز کی طرف لوٹنے کا اسے حکم دے' تو وہ دل میں یہ خیال کرے کہ میں اسے عاریتاً لے رہا ہوں، جب ایسا اتفاق ہو جائے کہ وہ ان لوگوں میں ہے جنہیں خرقہ اتار پھینکنے کی عادت ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ وہ پھر لے لیتے ہیں، اس صورت میں اسے خرقہ پھینکنے میں ان کی موافقت کرنی چاہیے اور پھر جب وہ دوبارہ اٹھائیں' تو یہ اپنا خرقہ قوال کو دے دے اور اگر یہ پھینکے ہی نہیں تو جائز ہے۔

کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ پھینکنے کے بعد لوٹا لیتے ہیں' بری بات تو درحقیقت ان کا خرقوں کا لوٹا لینا ہے' نہ کہ اس کا ان کی مخالفت کرنا، بہر حال بہتر یہی ہے کہ یہ خرقہ پھینکنے میں ان کی موافقت کرے اور پھر لوٹائے نہیں۔ مرید کے لیے اس صورت میں بھی درست نہیں کہ اقوال سے مکرر بول کو کہنے کا تقاضا کرے، اس لیے کہ اس کے حال کا صدق قوال کو تکرار پر مجبور کرے گا اور اوروں کو اور تقاضا کرنے پر مجبور کرے گا۔ جو اس حالت میں مرید سے برکت حاصل کرنا چاہے اس نے مرید پر ظلم کیا۔ اس لیے کہ مرید میں قوت نہیں ہوتی کہ وہ ریا کو روک سکے' لہٰذا مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ جاہ پسندی کو ترک کر دے۔

فصل:

اگر کوئی مرید جاہ یا (معلوم) دنیاوی مال و دولت یا نوخیزوں کو صحبت یا عورت کی محبت یا معلوم کے ساتھ سکون و اطمینان محسوس کرنے میں مبتلا ہو جائے اور وہاں کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو' جو اسے اس کی حالت پر آگاہ کرے' تاکہ وہ اس سے نجات پا سکے، اس وقت مرید کے لیے سفر کرنا اور اس جگہ سے ہٹ جانا ضروری ہو جاتا ہے، تاکہ اس کی حالت میں پریشانی پیدا ہو۔ مریدوں کے دلوں کے لیے ان کی بشریت کے محو ہو جانے سے پہلے جاہ کے حاصل ہونے سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان دہ نہیں۔

مرید کا علم اس کے مرتبہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے:

آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس طریقہ میں اس کا علم اس کی منزل سے زیادہ نہ ہو، کیونکہ جب وہ ان لوگوں کے

حالات جان لے گا اور بیشتر اس کے کہ وہ صوفیاء کے مسائل اور احوال کے ساتھ پورے طور پر متصف ہو جائے' ان کے مسائل اور احوال کو جاننے کی کوشش کرے' تو اس کا معافی تک پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ اسی لیے تو مشائخ فرماتے ہیں: جب کوئی عارف معرفت کی باتیں کرے' تو تم اسے جاہل کہو، کیونکہ منزلوں کی خبریں بتانا معارف سے کم درجہ رکھتا ہے اور جس کا علم منزل پر آ جائے' وہ شخص صاحب علم کہلائے گا' صاحب سلوک نہیں کہلائے گا۔

فصل:

آداب مرید میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ وہ صدر بننے (مسند نشینی) کی خواہش نہ کرے اور نہ ہی اس بات کے درپے ہو کہ کوئی اس کا شاگرد یا مرید ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی مرید مراد بن گیا، حالانکہ ابھی تک اس کی بشریت فنا نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی آفتیں ساقط ہوئی ہیں' تو وہ شخص حقیقت سے حجاب میں ہو جائے گا۔ اس کے اشارات اور تعلیم کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔

فصل:

جب کوئی مرید فقراء کی خدمت کرے' تو فقراء کے خیالات اس کے پاس ان کے قاصد بن کر آئیں گے۔ لہٰذا جس بات کا حکم مرید کا باطن دے' یعنی یہ کہ وہ ان کی خدمت کرنے میں خلوص سے پیش آئے اور اس میں اپنی تمام طاقت خرچ کر دے' تو مرید کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔

مرید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب وہ فقراء کی خدمت کرنا اپنا طریقہ بنا لے' تو پھر ان کی سختی پر صبر کرے اور عہد کرے کہ وہ ان کی خدمت میں اپنی روح تک خرچ کر دے گا اور پھر بھی اگر وہ اس کی باتوں کو پسند نہ کریں' تو وہ اپنی کوتاہی کا عذر پیش کرے گا اور ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے اپنی غلطی کا اعتراف کرے گا' خواہ اسے اپنی بے گناہی کا علم ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ اس سے اور بھی سختی سے پیش آئیں، یہ ان سے اور زیادہ نیکی سے پیش آئے اور ان کی اور زیادہ خدمت کرے۔ امام ابوبکر بن فورک سے مروی ہے کہ مثال ہے کہ جب تو ہتھوڑے کی چوٹوں پر صبر نہیں کر سکتا' تو تو آہرن کیوں بنتا ہے؟ اسی سلسلہ میں یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے:

ربما جئته لاسلفه العذ ر لبعض الذنوب قبل التجني

''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گناہ کیے بغیر ہی میں اس کے پاس اپنے گناہوں کا عذر پیش کرنے کے لیے آ جاتا ہوں۔''

تصوف کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام سے اجتناب پر ہے:

طریقت کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام اور شبہ کی طرف ہاتھ پھیلانے سے بچنے' جو اس کو ممنوع چیزوں

سے بچانے اور غفلت ترک کر کے اپنے سانسوں کو اللہ کے ساتھ شمار کرنے پر ہے، نیز یہ کہ مرید ضرورت کے وقت بھی ایک رائی بھر بھی ایسی چیز جس میں شبہ ہو' حلال نہ سمجھے، چہ جائیکہ اختیار اور راحت کے وقت۔

مرید کا خاصہ یہ ہے کہ شہوات کے ترک کرنے میں ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے' اس لیے کہ جس نے اپنی خواہشات کا ساتھ دیا، اس کے باطن کی صفائی جاتی رہی۔ مرید کے لیے بدترین خصلت یہ ہے کہ وہ ایسی خواہش کی طرف رجوع کرے جسے وہ اللہ کی خاطر ترک کر چکا ہے۔

مرید ان عہدوں پر جو اس نے اللہ کے ساتھ کئے ہیں' قائم رہے:

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جو عہد وہ اللہ سے کر چکا ہے اس پر قائم رہے۔ کیونکہ طریقت میں عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے' جیسا اہل ظاہر کے نزدیک دین سے پھر جانا (یعنی مرتد ہو جانا)، مرید کو جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے اختیار سے اللہ کے ساتھ کسی قسم کا عہد نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ امور جو شریعت نے لازم قرار دیے ہیں' مرید کی تمام قوت کو صرف کر دیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

ابتدعوها وما كتبناها عليهم الا ابتغاء رضوان الله فمارعوها حق رعايتها

(رہبانیت کو) انہوں نے خود بخود گھڑ لیا تھا، حالانکہ ہم نے رہبانیت ان پر فرض قرار نہیں دی تھی' ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنا ان پر فرض کیا تھا، مگر انہوں نے اس خود ساختہ رہبانیت کا جیسا کہ حق تھا خیال نہ رکھا۔

فصل:

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ امیدوں کو کم کرے، کیونکہ وہ تو وقت کا بیٹا ہوتا ہے، لہٰذا اگر مرید کسی آئندہ چیز کی تدبیر کرے اور جس حالت میں وہ اس وقت ہے، اس کے علاوہ کسی اور کی طرف امید لگائے رکھے' یا کسی نئی چیز کی امید ہو تو اس مرید سے کچھ نہ بن آئے گا۔

فصل:

مرید کی شان یہ بھی ہے کہ اس کے پاس دولت نہ ہو' خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، بالخصوص جب کہ وہ فقراء کے درمیان ہو، کیونکہ دولت کی تاریکی وقت کے نور کو بجھا دیتی ہے۔

فصل:

مرید کی شان یہ بھی ہونی چاہیے بلکہ اس مذہب کے تمام سالکین کی یہ شان ہونی چاہیے کہ وہ عورتوں کی نرم نرم باتوں کو قبول نہ کریں، چہ جائیکہ ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرے' ان کے شیوخ کا یہی طریقہ رہا ہے، اس کی انہوں نے

وصیت کی ہے اور جس نے اس کو معمولی بات سمجھا، وہ عنقریب ایسے امور سے دوچار ہوگا' جو اسے رسوا کر دیں گے۔

مرید کو دنیا داروں سے دور رہنا چاہیے:

مرید کی یہ بھی شان ہونی چاہیے کہ وہ دنیا داروں سے دور رہے، کیونکہ ان کی صحبت تجربہ شدہ زہر قاتل ہے، اس لئے کہ دنیادار تو اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور اسے ان سے نقصان ہوتا ہے، چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا

آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ لگیں' جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔

زاہد لوگ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے مال اپنی ہتھیلیوں سے نکالتے ہیں اور اہل صفاء اللہ کی مدد سے تحقیق کر کے اخلاق اور معارف کو دل سے نکالتے ہیں۔

استاد امام القاسم عبدالکریم بن ہوازی قشیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مریدوں کو میری یہ وصیت ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور یہ کہ اللہ ان وصیتوں کو ان کے لیے وبال نہ بنائے۔

ہم ۴۳۸ھ کے شروع میں اس رسالہ کے لکھانے سے فارغ ہو گئے تھے، ہم اللہ کریم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس رسالہ کو ہمارے خلاف حجت اور وبال نہ بنائے، بلکہ یہ دعا کرتے ہیں کہ یہ رسالہ ہمارے لیے وسیلہ اور عنایت کا سبب ہو' خدا کی طرف سے مہربانی ایک مالوف چیز ہے اور وہ درگذر کرنے سے موصوف ہے۔

والحمدلله حق حمده وصلواته و بركاته ورحمته على رسوله سيدنا محمد النبي الامي وآله الطاهرين وصحبه الكرام المنتخبين وسلم تسليما دائما كثيرا۔

بحمداللہ تعالیٰ